کرن
دسمبر 2012
اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ

انٹرویو

ناول

زر سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	5000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	6000 روپے

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

مستقل سلسلے

خط و کتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

دسمبر 2012

جلد 35 شمارہ 9

قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اداریہ

دسمبر کا شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
انسان زندگی میں ہمیشہ آنے والے کل کے لیے بہت سی امیدیں باندھتا ہے، بہت سے خواب دیکھتا ہے۔ گزرے ہوئے کل کی تلخ یادیں آنے والے کل کے خوشگوار تصور میں دھندلا جاتی ہیں اور یقیناً انسان کو آنے والے کل پر ہی نظر رکھنی چاہیے تاکہ زندگی خوبصورت انداز سے آگے بڑھ سکے۔
2012ء اختتام پذیر ہے۔ سال نو کا استقبال مضبوط عزائم اور نیک امیدوں کے ساتھ کریں۔ اگر عزائم پختہ ہوں تو ہم اپنے مقاصد میں ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ارادے بلند حوصلے اور یقین محکم کی ضرورت ہے۔

اس شمارے میں،

- ماریہ زاہد سے شاہین رشید کی ملاقات،
- سارہ رضی دو کے پہاڑے کے ساتھ،
- "آواز کی دنیا سے" اینکر اور آر جے محمد علی سومرو کی گفتگو،
- "مجھ سے ملیے" میں مصنفہ سلویٰ علی بٹ کی باتیں،
- "دستِ کوزہ گر" فوزیہ یاسمین کا سلسلے وار ناول،
- نبیلہ عزیز کا سلسلے وار ناول "دردِ دل"
- "ساڈا چڑیا دا چنبا" نفیسہ سعید کا مکمل ناول دلچسپ موڑ پر،
- صدف ریحان گیلانی کا طویل مکمل ناول،
- "ہوئے تم مہرباں" شازیہ جمال نیر کا دلچسپ ناولٹ،
- سمیرا عثمان گل اور ریحانہ امجد بخاری کے ناولٹ،
- سیدہ نبیہہ بخاری، نظیر فاطمہ اور نسرین خالد اور شبانہ شوکت کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

موسم سرما میں اپنی صحت اور حسن کی حفاظت کریں اور مزے مزے کے پکوان سے اس موسم سے لطف اندوز ہوں۔
کرن کتاب "موسمِ سرما کا استقبال کریں" اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی کرے گی۔ جو کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیشِ خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

حوصلہ دے فکر کو اور بارشِ فیضان کر
ہے ثناء تیری بہت مشکل اسے آسان کر

رفتہ رفتہ کھول مجھ پر راز ہائے جسم و جاں
دھیرے دھیرے مجھ پہ ظاہر تو میری پہچان کر

زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہوں اس سے نکال
میرے سر پر بیکراں رحمت کی چادر تان کر

کفر آلودہ فضا میں سانس لینا ہے محال
پھر سے اس گم کردہ رہ کو صاحبِ ایمان کر

ختم ہو جائے بساطِ خاک کا سب شور و شر
بے سکونی کو عطا پھر حسنِ اطمینان کر

خیمۂ شب سے یہی آواز آتی ہے صبیح
حمد لکھ اور اس طرح بخشش کا کچھ سامان کر

صبیح رحمانی

تمہارے ہی در سے ہوتا ہے گزارا یا رسول اللہ
تم ہی دو گے، تم ہی دو گے سہارا یا رسول اللہ

تم ہی مفہومِ قرآں ہو، تم ہی محبوبِ یزداں ہو
دو عالم کلمہ پڑھتے ہیں تمہارا یا رسول اللہ

کرم سرکارؐ کا یہ کم نہیں سرکار سے ہٹ کر
کہیں دامن نہیں ہم نے پسارا یا رسول اللہ

ندامت ہے کہ کارِ نیک بھی کرنے سے قاصر ہوں
میں ہوں جیسا بھی ہوں آخر تمہارا یا رسول اللہ

بہت مشکل میں ہوں مشکل کشائی آپ فرمائیں
ملے میرے سفینے کو سہارا یا رسول اللہ

تم ہی دو گے تحفظ بے کسوں کو بے نواؤں کو
مدد کے واسطے تم کو پکارا یا رسول اللہ

دعا ہے خالقِ کونین سے اقبال کی اتنی
نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن تمہارا یا رسول اللہ

اقبال آرزو

ماریہ زاہد سے ملاقات

شاہین رشید

ایک وقت تھا جب ٹی وی اسکرین پہ آنے کے لیے صلاحیتوں کا ہونا تو لازمی ہوتا ہی تھا فنکارہ کا خوب صورت یا جاذب نظر ہونا بھی ضروری تھا مگر اب ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔ اب چھوٹی موٹی، سانولی، واجبی شکل وصورت کی لڑکیاں بھی اس فیلڈ میں آسکتی ہیں۔ بس تھوڑی بہت صلاحیت ہونی چاہیے۔ کچھ کمی ہوتی ہے تو ڈائریکٹر پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے زمانے کی طرح آج کل بھی فنکار پرکھنے کا انداز یہی ہے کہ کسی یونیورسٹی یا کسی ادارے میں ڈائریکٹر و پروڈیوسر مہمان بن کے جاتے ہیں وہاں کوئی چہرہ پسند آجاتا ہے تو فوراً" کام کی پیشکش کر دیتے ہیں۔ یا کوئی اپنی دوست کے ساتھ اس کے آڈیشن پہ جاتی ہے اور آڈیشن والی فیل ہو جاتی ہے اور یہ کامیاب ہو جاتی ہیں۔ باقاعدہ آڈیشن کا اعلان کر کے آڈیشن لینے کا رواج تو تقریباً" ختم ہو گیا ہے۔ بہر حال یہ تو ہے کہ آج کل نئے چہرے جو نظر آرہے ہیں وہ بہت اچھا نہیں تو اچھا کام تو کر ہی رہے ہوتے ہیں۔

ایک چہرہ ماریہ زاہد کا بھی ہے جو اب ناظرین کے لیے ایک جانا پہچانا چہرہ ہے آج کل آپ انہیں متعدد ڈراموں میں دیکھ رہے ہیں اور ماریہ میں یہ خوبی ہے کہ وہ اپنی عمر سے بڑے رول کرنے میں بھی عار محسوس نہیں کرتیں۔ ڈرامہ سیریل "خوشبو کا گھر" میں انہوں نے ایک نوجوان لڑکے کی ماں کا رول بڑی خوبی سے نبھایا..... انٹرویو کے لیے ماریہ نے کئی ماہ انتظار کروایا۔

★ "جی ماریہ جی..... کیا حال ہیں اور آج کل کیا ہو رہا ہے؟"

✳ "حال ٹھیک ہے اور ماشاء اللہ کافی مصروفیات ہیں کافی پروجیکٹ انڈر پروڈکشن ہیں۔ کچھ مکمل ہو چکے ہیں جن کے آن ایئر ہونے کا انتظار ہے اور کئی ڈرامے مختلف چینلز سے آن ایئر ہیں۔"

★ "چینلز بہت ہیں اور ہر چینل پہ ڈرامے بھی ہو رہے ہیں مگر دیکھے صرف تین چار چینلز ہی جاتے ہیں ۔باقی ڈراموں کا پتا ہی نہیں چلتا۔"

✳ "ہاں کہہ تو آپ ٹھیک رہی ہیں مگر ایسا نہیں ہے کہ بالکل بھی نہیں دیکھے جا رہے کئی چینلز سے بہت اچھے ڈرامے ہوتے ہیں اور لوگ بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔"

★ "ہاں تب ہی تو فنکار اتنے مصروف رہتے ہیں؟"

✳ "جی بالکل اور معذرت کے ساتھ کہ میں آپ کو بھی زیادہ وقت نہیں دے پاؤں گی اس لیے آپ بھی جلدی جلدی انٹرویو کرلیں۔"

★ "آج کل کے فنکاروں کے پاس واقعی ٹائم نہیں ہے یا..... اپنی ویلیو شو کرنے کے لیے بھی ٹائم کا بہانہ بہت عمدہ ہے..... اوکے جلدی جلدی کر لیتے ہیں۔ تو پہلے اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔"

✳ "جی..... میرا نام ماریہ زاہد ہے اور یہ نام میرے والدین نے رکھا ہے اور چونکہ نام خاصا مختصر ہے تو بگڑا نہیں ہے بلکہ سب ماریہ ہی کہتے ہیں اور میں 31 مئی 1989ء میں کراچی میں پیدا ہوئی اور.....

جناب میرا ستارہ جمنائی ہے اور میری ہائیٹ 5 فٹ ساڑھے 5 انچ ہے اور میں نے بی اے کیا ہوا ہے اور میں گھر میں بڑی ہوں اور میرے بعد ایک بہن ہے اور پھر تین بھائی ہیں۔"

★ "بڑی ہیں گھر کی گھر والوں کو رخصت کرنے کی بھی جلدی ہوگی؟"

✳ "بالکل جی..... اور ان شاء اللہ جلدی ہو جائے گی شادی....."

★ "کام جاری رکھیں گی؟"

✳ "دیکھیے کچھ کہہ نہیں سکتی۔ وقت اور حالات پر منحصر ہے..... کام جاری رہ بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔"

★ "اس فیلڈ میں کیسے آئیں؟"

✳ "ہاں یہ ایک دلچسپ اسٹوری ہے اور کچھ اس طرح ہے کہ میں بی بی اے اور فیشن ڈیزائننگ بیک وقت دونوں کی طالبہ تھی۔ ایک دن ہماری یونیورسٹی میں فیشن شو کا انعقاد کیا گیا اور اس فیشن شو میں فیصل قاضی بھی آئے تو جب ان سے میری ہیلو ہائے ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک شو کے لیے کچھ نئے چہرے چاہئیں اور ہم ایک آڈیشن کر رہے ہیں آپ بھی آڈیشن دیں۔ تو دیگر لڑکیوں کی طرح میں نے بھی تفریح تفریح میں یا یوں کہیں کہ مذاق مذاق میں آڈیشن دے دیا اور اتفاق دیکھیں کہ میرا انتخاب بھی ہو گیا جس شو کے لیے آڈیشن دیا اس کی ٹیم ہمارے گھر آئی۔ فیصل قاضی بھی تھے۔ سب نے میرے والدین سے اجازت لی۔ اور اس طرح میں اس فیلڈ میں آئی۔"

★ "گھر والوں نے آسانی سے اجازت دے دی؟ اور کیا آپ کو کچھ شوق تھا؟"

* "جی گھر والوں نے تو کوئی اعتراض نہیں کیا اور خوشی خوشی اجازت دے دی اور شوق نہیں تھا میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ فیلڈ میرا مقدر بنے گی۔ میں تو بس دوستوں کے ساتھ آڈیشن کے لیے گئی تھی کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے وہ تو اتفاق سے سلیکشن ہو گیا۔ تو پھر گھر آئی آفر کو کون رد کرتا ہے۔ ٹی وی ڈرامے دیکھتی تھی تو دل چاہتا تھا کہ کاش ہم بھی ایسے ہوں اور اللہ نے دعا قبول کرلی۔ مگر صرف دل میں دعا مانگی فیلڈ میں آنے کے لیے میں نے تگ و دو نہیں کی۔"

★ "روشنیاں کیمرے یہ سب کچھ کیسا لگا تھا؟"

* "بہت عجیب حالت تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کہاں آگئی ہوں اور مجھے کیا کرنا ہوگا اور جب کام کیا تو سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اتنی مرتبہ "ٹیک" کیوں دے رہے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ زیادہ گھبرائی نہیں، کیونکہ گھبرا جاتی تو پھر شاید جگہ نہ بنا سکتی۔"

★ "کیا کیا تھا پہلی مرتبہ..... میرا مطلب ہے کون سا ڈرامہ تھا؟"

* "ڈرامہ سیریل کا ہے کو بیاہی بدیس میں ایک مختصر سا سین تھا اور پورے ایک دن کی شوٹ تھی اور وہ میرا پہلا دن تھا جب میں نے کیمرہ فیس کیا تھا۔"

★ "پہچان کس نے دی؟ اسی سوپ نے؟"

* "نہیں نہیں..... جویریا سعود کے سیریل "یہ کیسی محبت ہے" نے مجھے پہچان دی بلکہ یوں کہیں کہ رجسٹرڈ ہوئی تھی۔"

★ "کچھ ملا بھی تھا یا صرف شکل ہی دکھانے کی خوشی تھی؟"

* "اگر آپ کی مراد پیسے سے ہے تو صرف ایک ہزار ملا تھا اور بہت عجیب سا لگا تھا کہ بس "اتنے؟" جن کو بتایا انہوں نے کہا کہ اتنے کم پیسوں میں کام کرنے کی کیا ضرورت ہے..... مگر اب ایسا نہیں ہے..... اب ٹھیک ٹھاک پیسے مل جاتے ہیں۔"

★ "پھر فیوچر میں کیا ارادے ہیں۔ اس فیلڈ میں نام پیدا کرنا ہے یا فیشن ڈیزائننگ میں؟"

* "ان شاء اللہ دونوں میں نام پیدا کرنا ہے..... فیشن ڈیزائننگ میں نے پڑھی ہے ڈگری لی ہے اس لیے اسے تو ضرور ہی کام میں لاؤں گی۔ اصل فیوچر بھی یہی ہے اور فیلڈ میں فی الحال کچھ نہیں سوچا، بس کام مل رہا ہے اور میں کر رہی ہوں۔ اس فیلڈ میں تھوڑا نام بنالوں پھر سوچوں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

★ "یہ بتائیں کہ ماں کے رول کیوں کرتی ہیں؟..... "خوشبو کا گھر" میں نوجوان بیٹے کی ماں کا رول کیا آپ نے؟"

* "کبھی کبھی انسان سے غلطی ہو جاتی ہے۔ اصل میں مجھے یہ رول آفر ہوا تو میرا خیال تھا کہ چھوٹے بچے کی ماں کا رول ہوگا یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک نوجوان کی ماں بنا دیں گے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا تو شاید میں کبھی نہ کرتی..... اور اس لیے اس کے اختتام سے پہلے اس سیریل میں کام کرنے سے معذرت کرلی تھی۔ مگر پھر آخری اقساط میں مجبوراً کام کرنا پڑا کنٹریکٹ جو سائن کر چکی تھی، پھر یہ بھی سوچا کہ کہیں میری وجہ سے سیریل خراب نہ ہو۔"

★ "ہمارے کئی فنکار ہیں جنہوں نے نوجوانی میں ینگ ٹو اولڈ کردار کیے ہیں..... آپ کو اس رول کا کیا فیڈ بیک ملا؟"

* "بہت اچھا فیڈ بیک ملا..... لوگوں نے بہت پسند کیا اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ بھی زندگی کا ایک تجربہ ہی ہوتا ہے۔ کچھ سیکھنے کو ملتا ہے اور یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ یعنی ہم میں کتنی صلاحیت ہے۔ اور ہم تو کردار کر رہے ہوتے ہیں کوئی سچ مچ تو ایسا نہیں ہوتا اور فنکار کو ہر طرح کے رول کرنے چاہئیں۔"

★ "بالکل کرنے چاہئیں..... اور موڈی ہیں یا نارمل"

* "میں جی موڈی ہوں اور چونکہ میرا ستارہ جیمنائی ہے اس لیے میں اکثر دوہری شخصیت کا شکار ہو جاتی ہوں..... میرا موڈ کبھی کچھ تو کبھی کچھ ہو جاتا ہے اور کوئی مجھ پر رعب جمانے کی کوشش کرے تو میں اس کو رعب جمانے نہیں دیتی کیونکہ مجھ میں یہ صلاحیت ہے کہ اگلے بندے کو کس طرح ٹریٹ کرنا ہے اور کوئی زیادہ بلاوجہ گلے پڑنے کی کوشش کرتا ہے تو دل چاہتا ہے کہ اس کو تھپڑ رسید کر دوں۔"

★ "کھانے پینے کے معاملے میں بھی کیا موڈی ہیں اور کام کے معاملے میں بھی؟"

* "کام کے معاملے میں تو بالکل بھی موڈی نہیں ہوں۔ صبح اٹھتی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ فوراً کام پر جاؤں..... اور کھانے کے معاملے میں موڈی بھی ہوں اور احتیاط بھی کرتی ہوں۔ کیونکہ میں السر کی تکلیف اٹھا چکی ہوں۔ تو مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی اور آپ کو بتاؤں کہ مجھے اپنی امی اور اپنی پھوپھو کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت پسند ہے..... بس برابر کھانا کھاتی ہوں۔ ناشتا نہیں کرتی کسی زمانے میں کیا کرتی تھی۔"

★ "مسائل شیئر کرتی ہیں؟"

* "یہ بھی میرے موڈ پر منحصر ہے..... اگر موڈ کرتا ہے تو سامنے والے کو ایک ایک بات بتاتی ہوں اور اگر موڈ نہیں ہوگا تو ایک لفظ بھی کسی سے نہیں کہوں گی زیادہ تر اپنے مسائل خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیونکہ میں اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہوں۔"

★ "غصے کی تیز ہیں..... اور کس پہ نکلتا ہے؟"

* "ہاں..... غصہ ہے مجھ میں اور جب غصہ میں ہوتی ہوں اور کوئی کھانا سامنے رکھ دے تو کھانا اٹھا کر پھینک دیتی ہوں اور یہ میری بہت بری عادت ہے، جس پر اکثر ڈانٹ پڑتی ہے اور بہت بری طرح پڑتی ہے۔ بہت بدتمیز لڑکی ہوں میں۔"

★ "سسرال میں کوئی برداشت نہیں کرے گا؟"

* "ہاں..... یہی بات امی ابو اور دیگر لوگ بھی کہتے ہیں۔ پر کیا کروں عادت پختہ ہو گئی ہے۔ ویسے اللہ مالک ہے۔ سسرال میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

★ "بہت جذباتی ہیں..... جلدی موڈ آف ہو جاتا ہے۔"

* "ہاں جذباتی تو ہوں اور موڈ بھی کسی وجہ سے ہی خراب ہوتا ہے۔ اصل میں اس وقت بہت جذباتی ہو

جاتی ہوں اور موڈ بھی خراب ہو جاتا ہے جب مجھ سے کوئی ایسی بات کرے کہ جس کے بارے میں میں نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔ مثلاً" کوئی خوامخواہ میں مجھ پر الزام تراشی کرے کوئی یا میں لوگوں کی نظروں میں بلاوجہ کھٹک رہی ہوں تو پھر موڈ بھی خراب ہو جاتا ہے اور جذباتی بھی ہو جاتی ہوں۔ نان پروفیشنل لوگوں کی وجہ سے بھی موڈ خراب ہوتا ہے۔"

★ "اپنے آپ کو دوسروں سے کتنا مختلف سمجھتی ہیں؟"

✳ "میں تو سمجھتی ہوں کہ میں دوسروں کی طرح ہی ہوں۔ بالکل بھی مختلف نہیں ہوں۔ جو عام لوگوں کو پریشانیاں ہوتی ہیں۔ مسائل ہوتے ہیں وہ ہی ہمیں بھی ہوتے ہیں۔ پتا نہیں لوگ کیوں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم ان سے کوئی الگ بہت ہی اچھی زندگی گزار رہے ہوں گے۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ ہمارے کوئی پر لگے ہوئے ہیں نہ ہمارے آگے پیچھے کئی گاڑیاں ہیں نہ ہی کوئی عالیشان گھر ہیں۔ ہم بھی عام لوگوں کی طرح صبح گھر سے نکلتے ہیں اور کام کاج کر کے واپس آجاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ہم عام لوگوں سے زیادہ ہی کام کرتے ہیں۔ ہماری واپسی کا تو کوئی ٹائم ہی مقرر نہیں ہوتا کبھی کبھار ریکارڈنگ میں اتنی دیر ہو جاتی ہے۔"

★ "اپنے آپ کو فریش کب محسوس کرتی ہیں؟"

✳ "شام کے وقت جب گھر جانے کا وقت ہوتا ہے اور کام سے فارغ ہو رہی ہوتی ہوں تو بہت اچھا محسوس ہوتا ہے اور تھکن کے باوجود اپنے آپ کو تازہ دم محسوس کرتی ہوں۔"

★ "شاپنگ پہ جاتی ہیں یا سگنل پہ کھڑی ہوتی ہیں تو لوگ پہچان جاتے ہیں یا پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔"

✳ "کچھ پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں اور کچھ تو پہچان لیتے ہیں اور بس پھر تعریفوں کے پل باندھنا شروع ہو جاتے ہیں کہ آپ فلاں ڈرامے میں بہت اچھی لگ رہی تھیں...... ارے آپ...... ؟ آپ تو بہت اچھا پرفارم کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

★ "شوبز کی فیلڈ کیسی لگ رہی ہے اور چھٹی کا دن کیسے گزارتی ہیں؟"

✳ "اچھی ہے۔ مگر بہت سنبھل کر چلنا پڑتا ہے۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں ہے سب مطلبی قسم کے لوگ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو فیلڈ میں کوئی برائی نہیں ہے اور چھٹی کا دن مکمل طور پر اپنی مرضی سے گزارتی ہوں۔ یا تو فیملی کے ساتھ کہیں گھومنے پھرنے جاتی ہوں یا پھر کسی اچھے سے سینما میں لگی مووی جا کر دیکھتی ہوں ویسے اس فیلڈ میں آنے کے بعد فرصت کے اوقات کم ہی ملتے ہیں۔"

★ "فضول خرچ ہیں...... کہاں زیادہ خرچ کرتی ہیں؟"

✳ "میں فضول خرچ نہیں ہوں اور دیکھ بھال کر خرچ کرتی ہوں۔ کیونکہ کمانا اتنا آسان نہیں ہے...... اپنی بچت کو گولڈ کی صورت میں جمع کرتی ہوں۔"

★ "ماریہ اپنے بارے میں تو بتا دیا کہ کب کہاں جنم لیا۔ اپنے والدین کے بارے میں بھی بتائیں...... اور مادری زبان کیا ہے۔"

✳ "میں پنجابی ہوں اور ملک ہوں اور چکوال کلر کلہار سے میرا تعلق ہے اور بس والدین کے بارے میں کیا بتاؤں میرے بارے میں جان لیا اتنا ہی کافی ہے۔"

★ "انڈر پروڈکشن کیا ہے اور ماڈلنگ کی ہے؟"

✳ "جی انڈر پروڈکشن تو کافی کام ہے۔ کچھ آن ایئر بھی ہیں آج کل اور ابھی تک تو ماڈلنگ نہیں کی' فی الحال تو اداکاری کی طرف ہی ساری توجہ ہے اور اداکاری کے سلسلے میں اگر کسی اچھی فلم سے آفر آئی تو ضرور کام کروں گی۔ کیونکہ فلم میں جانے کا شوق تو سب کو ہوتا ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ماریہ زاہد سے اجازت چاہی۔

✲ ✲

دو کا پہاڑہ

سارہ رضی

شاہین رشید

1 "آپ کے خاندان کی دو شخصیات جو آپ کو بہت چاہتی ہیں؟"
"میرے دادا دادی' میری نانی اور میرے بزرگ اگر نانا ہوتے تو وہ بھی بہت چاہتے۔"

2 "کوئی دو نام جو آپ کو بے حد پسند ہیں؟"
"یمنیٰ اور عائشہ۔"

3 "آپ کے دو لکی نمبر؟"
"7 اور 8۔"

4 "آپ کی دو خوبیاں جو آپ کو دوسروں میں نمایاں کرتی ہیں؟"
"میں کیئرنگ بہت ہوں' دوسروں سے ہمدردی بہت کرتی ہوں اور میں سب کو بتاتی ہوں کہ مجھے پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے۔"

5 "دو تاریخی دور جس میں آپ جانا چاہتی ہیں؟"
"میں جانا چاہوں گی اس دور میں جب پاکستان بن رہا تھا اور مغلیہ دور میں۔"

6 "کوئی دو افراد جن کے SMS کے جواب فوراً" دیتی ہیں؟"
"میری ایک دوست ہے طیبہ اسے دیتی ہوں کہ وہ میرے بچپن کی دوست ہے اور مجھے بہت عزیز ہے اور باقی گھر میں سے کسی کا SMS آئے تو فوراً" جواب دیتی ہوں۔"

7 "کوئی دو بری عادتیں جن سے آپ نجات چاہتی ہیں؟"
"ایک تو یہ کہ جب مجھے غصہ آتا ہے تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا بول رہی ہوں نہ سوچتی ہوں کہ کیا بولنا ہے بعد میں پھر اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور دوسری یہ کہ میں لوگوں سے بہت جلدی گھل مل جاتی ہوں اور میرے خیال میں یہ ایک بری عادت ہے اور خوامخواہ ہمدردی بھی کر لیتی ہوں خواہ وہ میرا ہمدرد ہو

یا نہ ہو۔"

8 "وہ جھوٹ جو آپ اکثر بولتی ہیں؟"

"کھانے کے معاملے میں بہت جھوٹ بولتی ہوں کہ بھوک نہیں ہے اور اپنی کوئی پرسنل بات جو میں کسی سے شیئر نہیں کرنا چاہتی تو پھر جھوٹ بول کر ٹال دیتی ہوں۔"

9 "اپنے بارے میں کن دو باتوں کو سن کر غصہ آجاتا ہے؟"

"جب لوگ بولتے ہیں کہ تم مطلبی ہو۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں بس اسی بات پہ بہت غصہ آتا ہے اور کوئی بات نہیں ہے۔"

10 "حالات حاضرہ کے دو اینکر جو آپ کو اچھے نہیں لگتے؟ یا اچھے لگتے ہیں؟"

"نہیں سب ہی اچھے ہیں۔ ویسے میں حالات حاضرہ کے پروگرام بہت کم دیکھتی ہوں اور مجھے حامد میر اچھے لگتے ہیں ان کا انداز بیان بہت اچھا ہے۔ باقی کو نہیں جانتی میں؟"

11 "مارننگ شو کے دو پسندیدہ اینکرز؟"

"سویرا ندیم بہت اچھی تھیں جنہوں نے چھوڑ دیا ہے اور ندا یاسر۔"

12 "دو دوست جن پر آپ بھروسہ کر سکتی ہیں؟"

"ایک تو اپنی دوست طیبہ پر اور ایک اپنی امی پر جو کہ میری بہت اچھی دوست ہیں۔"

13 "دنیا کی دو شخصیات جن کی قسمت پر رشک آتا ہے؟"

"قائداعظم کی شخصیت پر بہت رشک آتا ہے کہ انہوں نے ہمیں ایک ملک دیا اور ساری دنیا میں ان کی پذیرائی ہوئی اور مرینہ خان کی قسمت پر رشک آتا ہے۔"

14 "دو تہوار جو آپ شوق سے مناتی ہیں؟"

"عید اور گھر میں کسی کی بھی سالگرہ ہو تو میں شوق سے بھی اور اہتمام سے بھی مناتی ہوں اور سب کو سرپرائز بھی دیتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ سال میں جو ایک مرتبہ سالگرہ کا دن آتا ہے اس کو دھوم دھام سے منایا جائے۔"

15 "دن کے چار پہر میں سے کون سے دو پہر اچھے لگتے ہیں؟"

"صبح صبح کا وقت اور شام کا وقت جب سورج ڈھلنے والا ہوتا ہے۔"

16 "پہلی ملاقات میں کون سے دو جملے لازمی بولتی ہیں؟"

"حال چال پوچھتی ہوں اور کیا چل رہا ہے۔"

17 "دو کھانے جنہیں کھا کر کبھی بور نہیں ہوتیں؟"

"کڑھی چاول اور چائنیز۔"

18 "دو افراد جن سے معافی مانگنے پر شرم محسوس نہیں کرتیں؟"

"اپنی امی سے اور ابو سے معافی مانگتے ہوئے شرم آجاتی ہے اور ڈر بھی لگتا ہے اس لیے ان سے نہیں مانگ سکتی۔ ہاں اپنی ایک دوست سے معافی مانگ لیتی ہوں۔"

19 "دو پسندیدہ کھلاڑی کرکٹ کے؟"

"وسیم اکرم اور محمد حفیظ اپنے کپتان۔"

20 "دو خواہشات جو ابھی تک پوری نہیں ہوئیں؟"

"ایک تو اللہ تعالیٰ کے گھر جانے کے یعنی حج کرنے کی خواہش ہے اور اپنے آپ کو کامیاب دیکھنا چاہتی ہوں۔ بلندی پہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ مگر اس کے لیے ابھی ٹائم چاہیے۔"

21 "دو چیزیں جنہیں لیے بغیر آپ گھر سے نہیں نکلتیں؟"

"موبائل فون اور گھڑی (ہاتھ کی)"

22 "دو الفاظ جو آپ بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں؟"

"اس بات پر تو میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا یہ تو دوسرے لوگ بتا سکتے ہیں۔"

23 "شوبز میں جگہ بنانے کے دو طریقے؟"

"ایک غلط طریقہ ہے اور ایک صحیح طریقہ ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ آپ محنت کر کے بہت کچھ حاصل کر سکتی ہیں اور محنت کی وجہ سے Last ٹائم تک کامیابی رہتی ہے اور دوسرا طریقہ جو غلط ہے اس میں آپ کو شروع میں تو کامیابیاں ملیں گی مگر انجام خراب ہو جائے گا۔"

24 "سات دنوں میں سے کون سے دو دن اچھے لگتے ہیں؟"

"جمعہ کا دن اور پیر کا دن جب ایک نئے دن کی اور

نئے ہفتے کا آغاز ہوتا ہے اور جمعہ اس لیے کہ ویک اینڈ شروع ہونے والا ہوتا ہے۔"

25 "بارہ مہینوں میں کون سے دو مہینے اچھے لگتے ہیں؟"

"دسمبر اور جنوری..... جب سردیاں ہوتی ہیں۔"

26 "اپنے گھر میں دو پسندیدہ جگہیں؟"

"اپنا کمرہ اور کبھی کبھی امی کے کمرے میں بیٹھنا بھی اچھا لگتا ہے۔"

27 "گھر کے دو کام جن کو نہ کرنے پر گھر والوں سے ڈانٹ پڑتی ہے؟"

"ویسے تو میں گھر کے سارے کام کرتی ہوں لیکن اگر کوئی چیز ٹھکانے پر نہ رکھوں تو ڈانٹ پڑتی ہے..... بس اور کسی بات پر نہیں۔"

28 "دو ایسی شخصیات جن پر آپ کسی قسم کا شک نہیں کر سکتیں؟"

"امی پر..... اور اپنی دوست پر۔"

29 "دو سیاست دان جو ملک کے لیے بوجھ ہیں؟"

"بہت مشکل سوال ہے پھڈے میں ڈالیں گی آپ۔"

30 "کن دو ممالک کی ترقی سے متاثر ہیں؟"

"سوئٹزرلینڈ اور چائنا سوئٹزرلینڈ مجھے بہت پسند ہے۔"

31 "کون سے دو رنگ کے لباس پسند ہیں؟"

"کالا اور پرپل۔"

32 "اپنے ملک کے دو پسندیدہ شہر؟"

"اسلام آباد اور لاہور۔"

33 "اگر ایک دن کے لیے ساری دنیا سو جائے سوائے آپ کے تو آپ کون سی دو چیزیں لینا پسند کریں گی"

"حج کے ٹکٹ تاکہ اپنے والدین کو حج کرادوں اور دوسری کامیابی لینا پسند کروں گی۔"

34 "لڑکوں کے لیے دو نصیحتیں؟"

"لڑکیوں نے لڑکوں کو پڑھائی میں بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے اس لیے میں یہ کہوں گی کہ اپنی پڑھائی پر توجہ دیں اور غلط چیزوں میں نہ پڑیں اماں ابا جو چاہتے ہیں ویسا بن کے دکھائیں اور کسی بھی کام کے لیے شارٹ کٹ اختیار نہ کریں اور لڑکیوں کی عزت کریں۔"

35 "صبح اٹھتے ہی کون سے دو کام پہلے کرتی ہیں؟"

"نماز پڑھتی ہوں اور پھر یونیورسٹی جانے کی تیاری کرتی ہوں۔"

36 "سال کے چار موسموں میں سے کون سے دو موسم پسند ہیں؟"

"بہار اور سردی۔"

37 "لڑکوں کی دو ناپسندیدہ عادتیں؟"

"لڑکوں کا mind بہت چھوٹا ہوتا ہے (قہقہہ) اور سگریٹ پیتے ہوئے لڑکے اچھے نہیں لگتے۔"

38 "دو مرد جنہوں نے آپ کی زندگی بنانے میں اہم رول ادا کیے؟"

"ایک تو میرے ابو اور دوسرے میرے بھائی۔"

39 "دو پسندیدہ پروفیشن؟"

"آرم فورسز کا پروفیشن اور جو پروفیشن میں خود اپناؤں گی ایم بی اے کر کے مارکیٹنگ میں نام پیدا کرنا چاہتی ہوں۔"

40 "دنیا کے دو خوب صورت ترین مرد آپ کی نظر میں؟"

"مرد خوب صورت نہیں ہوتے ـــــ خوب صورت کا لفظ تو لڑکیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مردوں کے لیے تو ہینڈسم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ خیر مردوں میں مجھے شاہد کپور بہت پسند ہے۔"

41 "دو چیزیں جن پر آپ بہت خرچ کرتی ہیں؟"

"کپڑوں پہ اور پہننے اوڑھنے کی ہر چیز پر بہت خرچ کرتی ہوں۔"

42 "اپنے دو ڈرامے جنہیں آپ بھول نہیں سکتیں؟"

"ایک ڈرامہ سیریل "ملے کچھ یوں" یہ میرا پہلا ڈرامہ سیریل تھا اور سویرا ندیم کے ساتھ میں نے پرفارم کیا تھا اور دوسرا سیریل جو آج کل آن ایئر ہے "اک تمنا لاحاصل سی"

43 "دو کردار جو آپ کرنا چاہتی ہیں؟"

"مجھے نگیٹو رول کرنے ہیں چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں۔"

44 "دو قیمتی چیزیں جو آپ اپنی کمائی سے خریدنا چاہتی ہیں؟"

"کوئی بھی ایسی چیز جو میں اپنے امی ابو کو گفٹ کر سکوں باقی تو میں اپنے اوپر ہی خرچ کر دیتی ہوں۔"

45 "پانچ وقت کی نمازوں میں کون سے دو وقت کی نمازیں لازمی پڑھتی ہیں؟"

"فجر اور مغرب۔"

46 "بیرون ملک شاپنگ میں کون سی دو چیزیں لازمی خریدتی ہیں؟"

"جیولری اور بیگ۔"

47 "دو لوگ جن کے غصے سے ڈر لگتا ہے؟"

"ابو کے غصے سے اور کسی سے نہیں۔"

48 "کن دو لوگوں کی تعریف میں کنجوسی سے کام نہیں لیتیں؟"

"اپنی امی کی اور اپنے ٹیچرز کی۔"

49 "دو پسندیدہ مشروب؟"

"7up اور جوسز۔"

50 "دھنک کے سات رنگوں میں کون سے دو رنگ پسند ہیں؟"

"voilet رنگ اور بلیو۔"

51 "آپ کے دور کے دو پسندیدہ گلوکار؟"

"سونو نگم اور راحت فتح علی۔"

52 "شادی کی دو رسمیں جو انجوائے کرتی ہیں؟"

"ولیمہ اور مہندی کی رسمیں۔"

53 "دو باتیں جو آپ کا موڈ خراب کر دیتی ہیں؟"

"میں کسی کے ساتھ اچھا کروں اور پھر وہ یہ کہے تم نے ہمارے لیے کیا ہی کیا تھا تب اور بس۔"

54 "اپنے لباس میں کن دو باتوں کا خاص خیال رکھتی ہیں؟"

"ایک تو یہ کہ over نہ ہو اور کلر تقریب کے حساب سے ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ دن کی دعوت پر میں کالے رنگ کے کپڑے پہن کر چلی جاؤں۔"

55 "کن دو افراد کے ساتھ بارش انجوائے کرتی ہیں؟"

"اپنی فیملی اور اپنے دوستوں کے ساتھ۔"

56 "کن دو کیڑوں سے ڈر لگتا ہے؟"

"لال بیگ اور چھپکلی۔"

57 "دو ریسٹورنٹ جہاں سے کھانا کھانا پسند کرتی ہیں؟"

"بار بی کیو ٹو نائٹ اور دو ولیج۔"

58 "اپنے ملک کے دو شاپنگ مال جہاں سے شاپنگ کرنا اچھا لگتا ہے؟"

"لبرٹی مارکیٹ لاہور اور ڈالمن مال سے۔"

59 "دو چینل جو آپ شوق سے دیکھتی ہیں؟"

"جیو اور ڈسکوری۔"

60 "دو تبدیلیاں جو آپ اپنی شخصیت میں لانا چاہتی ہیں؟"

"غصہ کم ہو جائے اور میرا وزن اتنا نہیں ہے جتنا اسکرین پہ نظر آتا ہے بلکہ یہ کہیں کہ اسکرین پہ ڈبل آتا ہے تو جو مجھے دیکھتے ہیں وہ حیران ہوتے ہیں۔ تو میں چاہتی ہوں کہ میں اپنے آپ کو اتنا کم کرلوں کہ اسکرین پہ بھی کم نظر آؤں۔"

61 "کھانے کی ٹیبل پہ کون سی دو چیزیں نہ ہوں تو کھانے کا مزا نہیں آتا؟"

"دہی اور سلاد۔"

62 "دو چیزیں جو آپ کے بیگ میں لازمی ہوتی ہیں؟"

"میرا فیس واش اور ٹشو پیپر۔"

☼ ☼

محمد علی سومرو

شاہین رشید

باصلاحیت انسان کہیں بھی ہو اپنی جگہ بنا ہی لیتا ہے ہمارے ملک میں بے روزگاری بہت ہے۔ لوگ ہاتھوں میں ڈگریاں لیے پھرتے ہیں لیکن آپ اس بات سے ضرور اتفاق کریں گے کہ باصلاحیت لوگوں کے لیے جابز کی کمی نہیں ہوتی بلکہ جابز ان کے پیچھے پیچھے ہوتی ہیں۔ کم سے کم میڈیا سے وابستہ لوگوں کے لیے تو کام کی کمی نہیں ہوتی۔

ریڈیو ایف ایم اور ٹی وی چینلز نے نوجوانوں کے لیے ترقی کے اور روزگار کے راستے کھول دیے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اب نوجوانوں کا رجحان میڈیا کی طرف زیادہ ہو گیا ہے۔ علی سومرو بھی ایک ایسے ہی نوجوان ہیں جنہوں نے پڑھی تو انجینئرنگ مگر نام کمایا میڈیا کے ذریعے۔

★ "کیسے ہیں آپ اور یہ بتائیں کہ معروف آرٹسٹ حسن سومرو سے کیا رشتہ ہے آپ کا؟"

✳ "اللہ کا کرم ہے اور حسن سومرو سے میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ یہ اتفاق ہے کہ وہ بھی سومرو ہیں اور میں بھی سومرو ہوں۔"

★ "ابتدا آپ کے فیملی بیک گراؤنڈ سے کرتے ہیں۔ کچھ بتائیں اپنے اور اپنی فیملی کے بارے میں؟"

✳ "میں 10 جولائی 1985ء میں کراچی میں پیدا ہوا' والد صاحب پیشے کے اعتبار سے بزنس مین ہیں اور بنیادی طور پر وہ ایک انجینئر ہیں عبدالسمیع سومرو ان کا نام ہے جبکہ والدہ حسینہ سومرو گزشتہ 25 سال سے شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں اور وہ پرنسپل بھی ہیں اور ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ میں 18 گریڈ کی آفیسر بھی ہیں۔ میرا ایک بھائی ہے جو مجھ سے ڈیڑھ سال چھوٹا ہے اور وہ پیشے کے لحاظ سے چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے اور ایک نجی بینک میں آڈٹ ڈپارٹمنٹ میں اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اگرچہ ہماری پیدائش کراچی کی ہے مگر تعلق ہمارا سندھ کے شہر شکار پور سے ہے اور ہماری مادری زبان سندھی ہے اور میں بھی بنیادی طور پر انجینئر ہوں۔"

★ "گڈ۔۔۔ سندھی زبان ہے مگر لہجہ بڑا صاف ہے آپ کی اردو کا؟"

✳ "ہم سب گھر میں سندھی ہی بولتے ہیں اور مجھے بچپن سے ہی مختلف زبانیں سیکھنے کا شوق تھا اور میں پاکستان کی کافی ساری علاقائی زبانیں بڑی آسانی سے بول لیتا ہوں۔ جس میں پنجابی' سرائیکی' میمنی' تھوڑی بہت پشتو اور بلوچی' ہندکو اور چونکہ آج کل میں اسلام آباد میں رہائش پذیر ہوں تو یہاں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کا تعلق ہزارہ سے ہے مری ایبٹ آباد سے ہے تو وہ ہندکو بولتے ہیں تو میں بھی ان کے ساتھ ہندکو بولتا ہوں۔"

★ "باقاعدہ طور پر سیکھی ہیں کیا؟"

✳ "باقاعدہ طور پر تو نہیں سیکھی۔ البتہ آج کل فارسی زبان باقاعدہ طور پر سیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہمارے ساتھ ایسے نوجوان کام کرتے ہیں جو نمل یونیورسٹی میں فارسی پڑھتے بھی ہیں اور پڑھاتے بھی ہیں تو انہی سے سیکھ رہا ہوں اور باقی زبانیں جو مجھے آتی ہیں ان کے لیے مجھے ماحول ملا کالج اور یونیورسٹی میں کچھ ایسے دوست تھے جو مختلف جگہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بس انہی سے سیکھنے اور بولنے کا موقعہ ملا۔"

★ "اتنی زبانیں بولتے ہیں تو کبھی لہجہ بگڑا آپ کا؟ کیونکہ آپ اردو اتنی صاف بول رہے ہیں کہ گمان نہیں ہو رہا کہ آپ اور زبانیں بھی بولتے ہوں گے۔"

✳ "ویسے زبان کا مزا اس کا لہجہ ہی ہے جیسے آپ سالن پکاتی ہیں تو ایک تو اس کی شکل ہوتی ہے اور دوسرا اس کا Taste ہوتا ہے۔ تو اسی طرح زبان کا لہجہ اس کا Taste ہے۔ ہر زبان کا اپنا مزا ہے اگر اس کو اسی کے لہجے میں بولا جائے تو۔"

★ "یہ بتائیں کہ آپ نے کس میدان میں کیا کیا تیر مارے ہیں؟"

✳ "تیر ابھی تک تو نہیں مارے۔ بہت سے میدان ہیں جو ابھی آزمانے ہیں۔ لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ میں الیکٹرونک انجینئر ہوں اور ریڈیو سے گزشتہ گیارہ سال سے وابستہ ہوں' اپنے کیریئر کا آغاز میں نے ریڈیو سے ہی کیا اور ایک بات تمہیں ذاتی طور پر بتانا چاہوں گا اور ان لوگوں کو بھی بتانا چاہوں گا جو کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم اسکول لائف میں ٹیبلو وغیرہ کیا کرتے تھے اس وقت اس کا فائدہ نہیں پتا چلتا تھا سوائے اس کے کہ ہم سب کو بتایا کرتے تھے کہ ہم نے اسکول میں یہ کیا' وہ کیا' تو کسی کے بچے اگر اسکول میں غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہیں تو انہیں لینے دیں اور ان کی حوصلہ افزائی بھی کریں کیونکہ یہ سرگرمیاں بڑے ہونے پر ان کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوتی ہیں یہ بات میں اپنے تجربے سے بتا رہا ہوں۔ دس سال تک میں ایک ہی اسکول سینٹ پیٹر ہائی اسکول سے پڑھا اور وہاں پر میں نے ہر طرح کی غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ تو ان سرگرمیوں سے بچے کی کریکٹر بلڈنگ ہو رہی ہوتی ہے۔ میٹرک کے بعد ڈی ایچ اے ڈگری کالج میں داخلہ لیا اور پڑھائی کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیاں بھی چلتی رہیں اور میں یہ کہتا ہوں کہ بچوں کا جس طرف رجحان ہو ان کو اسی

طرف آنے دیا جائے۔"

★ "آپ بنیادی طور پر انجینئر ہیں تو اپنی فیلڈ میں آنے کے بجائے میڈیا کی فیلڈ میں آنے کی وجہ؟"

✻ "مجھے آئیڈیا تھا کہ آپ مجھ سے یہ سوال ضرور پوچھیں گی۔ کیونکہ یہ کھلا تضاد ہے (قہقہہ) میں ان لوگوں سے معذرت چاہوں گا اور یہ معذرت ایکسیکوزوالی نہیں بلکہ معافی والی معذرت ہے، جو یہ بات مانتے ہیں کہ لوگ جس فیلڈ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں پھر اس فیلڈ میں جاتے نہیں ہیں۔ خاص طور پر یہ بات لڑکیوں کے لیے کہی جاتی تھی کہ وہ انجینئر کیوں بنتی ہیں جب ان کو شادی کرنی ہوتی ہے۔ یا پریکٹس نہیں کرنی ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سیٹ ضائع کیوں کرتی ہیں تو اس طرح لڑکوں کو بھی وہی فیلڈ لینی چاہیے۔ جو ان کے لیے آگے تک کام آئے۔ لیکن اپنے بارے میں میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے خانہ پُری کے لیے یا قابلیت کی شومارنے کے لیے یہ ڈگری حاصل نہیں کی بلکہ مجھے اس کا شوق بھی تھا۔۔۔۔ اور ایک مخصوص وقت تک میں ریڈیو اپنی ذاتی مصروفیات اور تفریح کے لیے کرتا تھا۔"

★ "آپ کے پروگرام کس نوعیت کے ہوتے تھے؟ اور ہوتے ہیں اور کہاں کہاں کام کیا اور کیا کیا کیا؟"

✻ "میرے انٹرٹینمنٹ کے پروگرام ہوتے تھے اور اس میں مختلف زبانوں کا استعمال بھی کرتا تھا میں نے سندھی، پنجابی، اردو اور انگریزی کے پروگرام کیے ہیں اور آپ کو بتاؤں کہ میں ریڈیو پاکستان سے بھی پروگرام کرتا تھا اور پرائیویٹ ایف ایم ریڈیو اسٹیشن 107 سے بھی پروگرام کرتا تھا پھر مجھے نیوز کی ٹریننگ کا موقع ملا بی بی سی کی ٹریننگ ہم نے کی ہے اور اس کے علاوہ ساؤتھ ایشیا کی سب سے بڑی نیوز ایجنسی سے ٹریننگ لی جہاں یہ سکھایا جاتا ہے کہ خبر کیسے بنتی ہے اور خبر ہوتی کیا ہے اور لوگوں تک کیسے پہنچتی ہے اور نیوز کی تمام ٹیکنک سیکھنے کے بعد اچانک میری ذات میں ایک "یوٹرن" آیا اور یہ وہ دور تھا جب ٹی وی میڈیا یا الیکٹرونک میڈیا آہستہ آہستہ پروان چڑھ رہا تھا اور لوگوں میں اس کی اہمیت بڑھتی جا رہی تھی تو اسی دور میں یہ احساس ہوا کہ کچھ ایسا کام ضرور کرنا چاہیے جو عوام کی بھلائی کا بھی ہو۔ چنانچہ ہم نے "کمیونٹی ریڈیو" یا کمیونٹی براڈ کاسٹ کا آغاز کیا اور میں یہ دعوے کے ساتھ کہتا ہوں بلکہ چیلنج کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ ٹیکنالوجی پاکستان میں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اور اس چیز کو سب سے پہلے میں نے شروع کیا۔ البتہ یہ تکنیک یا ٹیکنالوجی یو کے کے بہت سے شہروں میں امریکہ کے بہت سے شہروں میں اور دبئی میں استعمال ہوتی رہی ہے تو ہم نے اس کا آغاز 2004ء میں کیا۔"

★ "یہ کمیونٹی ریڈیو یا کمیونٹی براڈ کاسٹ ہے کیا؟"

✻ "اس کے ذریعے سے ہم ایف ایم ریڈیو کو عوام کی سہولت کے لیے استعمال کرتے تھے یہ وہ دور تھا جب ٹیلی کام انڈسٹری اور موبائل انڈسٹری عروج پر تھی اور موبائل پر ایف ایم ریڈیو آگئے تھے۔ اس کے ذریعے سے ہم نے چاہا کہ ہم لوگوں تک کچھ معلومات پہنچائیں۔ تب ہم نے اسٹارٹ کیا کراچی میں ٹریفک کے مسائل کا حل اور اسے ہم کمیونٹی براڈ کاسٹنگ کہتے ہیں ——— اور اب ماشاء اللہ یہ ایک بہت بڑی فیلڈ بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ کام لیا اور اس فیلڈ میں وقت کی پابندی نہیں ہوتی۔ بلکہ 24 گھنٹے دن رات ہم لوگوں تک خبریں پہنچاتے تھے اور میں یہ دعوے سے دوبارہ کہہ رہا ہوں کہ جب ٹی وی چینل کو خبر بریک کرنے میں دیر ہو جاتی تھی تو ہم اس خبر کو بریک کر چکے ہوتے تھے کراچی کے حالات و واقعات کے حوالے سے ہر طرح کی خبریں بروقت پہنچاتے تھے۔ خواہ اچھی خبریں ہوتی تھیں یا بری، متبادل راستوں کے بارے میں بھی بتاتے تھے اور اپنا کراچی ایف ایم 107 نے اس حوالے سے بہت مقبولیت حاصل کی۔"

★ "آپ میں ٹیلنٹ تھا آپ ایف ایم 107 میں چلے گئے۔ لیکن یہ بتائیے کہ آپ نے اپنا ٹیلنٹ شو کیسے کیا؟ کس کے ساتھ گئے۔ کس نے تعارف کرایا؟"

✻ "ایک بہت ہی دلچسپ دن تھا میری زندگی کا میرے ایک محسن ہیں "سید احمد حسین" جو ان دنوں اپنا کراچی ایف ایم 107 میں ہوا کرتے تھے۔ آج کل وہ دوسرے نجی ریڈیو پہ ہوتے ہیں۔ سید احمد حسین میرے بہت اچھے دوستوں میں سے ہیں جو کہ خود بھی براڈ کاسٹنگ کی فیلڈ سے ہیں اور ان کے والد بھی براڈ کاسٹنگ کی فیلڈ سے ہیں۔ سید احمد حسین ڈی ایچ اے کے طالب علم رہ چکے تھے اور چونکہ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتا تھا تو وہ مجھے اچھی طرح جانتے تھے تو ایک دن میں اپنی انگریزی کی تقریر کا correction ان سے کروا رہا تھا تو انہوں نے کہا کہ اپنا کراچی 107 کچھ ہی عرصہ پہلے لاؤنچ ہوا ہے تم جوائن کرنا چاہو گے۔ تو میں نے کہا کہ ٹھیک ہے میں جوائن کر لیتا ہوں۔ رمضان کا مہینہ تھا افطار کے بعد کا انہوں نے مجھے ٹائم دیا کہ فلاں جگہ چلے جانا، جہاں تمہیں ایک شخص ملے گا جس کا نام اجنبی ہے چنانچہ جب میں وہاں ——— پہنچا تو وہاں میری ملاقات وسیم بادامی سے بھی ہوئی۔ وسیم اور میں بہت اچھے دوست ہیں اور وہ شاید رمضان المبارک کی مناسبت سے کسی پروگرام میں حصہ لینے آئے ہوئے تھے۔ خیر اجنبی صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی (ان کا اصل نام سید اطہر رضا ہے) تو انہوں نے میرا نام پوچھا اور پھر وسیم بادامی کا نام پوچھا تو وسیم بادامی کا نام سن کر انہوں نے بے ساختہ کہا کہ مجھے اجنبی پستہ کہتے ہیں۔ تو بس اس ہلکے پھلکے تعارف کے بعد ہمارے کیریئر کا آغاز ہوا۔ ایک ہمارے بہت اچھے دوست ہوا کرتے ہیں عاطف حسین جو آج کل ایک نیوز چینل پر رپورٹر ہیں وہ ان دنوں ایف ایم 107 پہ ہوا کرتے تھے تو اجنبی صاحب نے ہمیں ان کے ہاتھ میں تھمایا کہ آج آپ ان کے ساتھ ہوں گے اور ٹریننگ لیں گے تو میں تھا وسیم بادامی تھے اور وجیہہ ثانی تھے جو وہاں پروگرام کیا کرتے تھے تو ابتدا سے ہی کافی اچھا ماحول ملا۔ اچھی کمپنی ملی بہت سے اچھے لوگوں سے سیکھنے کو ملا۔"

★ "آج کل آپ اسلام آباد میں نجی ٹی وی سے وابستہ ہیں۔ تو کیا ایف ایم 107 کو خدا حافظ کہہ دیا ہے آپ نے؟"

✻ "یہ ایف ایم 107 کی مہربانی ہے کہ ابھی بھی مجھے اکثر و بیشتر کالز آتی رہتی ہیں اعزاز دینے کے لیے اونر دینے کے لیے اور سب مجھ سے رابطہ میں رہتے ہیں اور میں حلفاً" کہنے کو تیار ہوں کہ میں ہمیشہ 107 کا حصہ تھا اور ان شاء اللہ 107 کا حصہ رہوں گا۔ مجھے یہاں اسلام آباد آئے ہوئے تقریباً" 5 ماہ ہو گئے ہیں اور میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں میرے کردار میں اور میرے کام میں جو ڈیولپمنٹ ہو رہی ہے وہ صرف اور صرف اپنا کراچی 107 کی وجہ سے ہوئی ہے۔"

★ "آج کل کیا کر رہے ہیں اس نجی چینل پر اور کیا یہ چینل دیکھا جاتا ہے؟"

✻ "آج کل سچ نیوز اسلام آباد میں "نیوز اینکر" کے فرائض انجام دے رہا اور یہ چینل کافی دیکھا جاتا ہے اس کی تھیم دوسرے چینلز سے تھوڑی مختلف ہے اور بنیادی طور پر یہ اسلام آباد میں Base چینل بھی ہے اور اس چینل سے میری وابستگی گزشتہ ڈیڑھ سال سے ہے اور اس سے قبل میں ایک سندھی نیوز چینل سے وابستہ تھا اور وہاں بھی ایک سال یا سوا سال

کام کیا میں نے اور ابھی بھی میرے ذہن میں کچھ آئیڈیاز ہیں پروگراموں کے سلسلے میں جو خالصتاً" عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ہی ہیں۔"

★ "اینکر کا کام تو چند سیاست دانوں کو بٹھا کر آپس میں لڑوانا ہوتا ہے۔ آپ بھی ایسا ہی کرتے ہیں کیا؟"

✳ "میں بالکل ایسا شخص نہیں ہوں جو چار سیاست دانوں کو بٹھا کر انہیں آپس میں لڑنے کا موقع دے اور پھر خوش ہو جاؤں کہ ریٹنگ بڑھ گئی ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ مسائل کا حل نکلے اور میڈیا میں اتنی طاقت ہے کہ وہ مسائل کا حل نکال سکتا ہے اور سندھی چینل کو جوائن کرنے کی بھی ایک وجہ تھی اور وہ یہ کہ سندھ کا مزاج تھوڑا مختلف ہے عوام کے سامنے سچ لانا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لوگوں کو یہی پتا ہے کہ سندھ میں ڈکیت ہوتے ہیں۔ کاروکاری ہوتا ہے۔ وڈیرہ سسٹم ہے تو لوگوں کے ذہنوں سے اس بات کو دور کرنے کے لیے میں نے پروگرام کیے۔ عوام کو بتایا کہ سندھ برا ہے اور نہ ہی سندھی عوام برے ہیں۔ سندھ بہت پیاری دھرتی ہے اور سندھی لوگ نہ صرف اپنے اخلاق کی وجہ سے بلکہ اپنی معصومیت اور اپنی عجز و انکساری کی وجہ سے اور مہمان نوازی کی وجہ سے بھی بہت مشہور ہیں تو ہم لوگوں تک ان کے پوزیٹو پوائنٹ پہنچائیں اور سندھی چینل کو چھوڑنے کا میرا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ لیکن سچ نیوز اس لیے جوائن کیا کہ اس کی ٹون دوسرے چینل سے مختلف ہے۔ خبر کو خبر کی طرح ہی بتاتے ہیں۔ اس میں سنسنی نہیں ہوتی۔ بریکنگ نیوز ہوتی ہے اور ایسی بریکنگ نیوز نہیں ہوتی کہ آپ کے ہاتھ میں اگر برتن ہیں تو وہ بریک ہو جائیں۔"

★ "انجینئر بن کے آپ مکمل طور پر میڈیا سے وابستہ ہو گئے تو ڈگری تو کام نہ آئی آپ کے؟"

✳ "ایسا نہیں ہے ڈگری میرے بہت کام آئی کہ جب آپ چار سال کی ڈگری مکمل کرتے ہیں تو آپ کو ڈگری اس وقت تک نہیں ملتی جب تک آپ ایک پروجیکٹ مکمل کر کے یا بنا کے نہیں دکھاتے یہ انجینئر کے لیے لازمی ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی فیلڈ کا انجینئر ہو۔ تو میں ایک ایسا پروجیکٹ بنانا چاہتا تھا جو کسی کے کام آ سکے۔ چنانچہ ہم نے ایک Intelligent weapon system بنایا تھا اور یہ سسٹم کچھ یوں تھا کہ جہاں پر سیکورٹی کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے وہاں پر انسانی جان کا نقصان ضرور ہوتا ہے تو ہم نے انسانی جان کے زیاں کو روکنے کے لیے weapon کے ساتھ ایک کیمرہ اٹیچ کیا تھا کہ کیمرہ کی آنکھ دیکھے گی weapon چلے گا اور نقصان کوئی نہیں ہو گا اور اگر کوئی غلط نیت سے کہیں داخل ہو رہا ہے تو ہم اس کی روک تھام کر سکیں گے اور میں نے جو پروجیکٹ بنایا تھا وہ بنک کے لیے فیکٹریز کے لیے انڈسٹریز کے لیے اور حساس اداروں کے لیے اور مجھے اس پروجیکٹ پر بہت پذیرائی ملی اور ایک سو سترہ میں سے میرا پروجیکٹ نمبر ون آیا۔ پھر اسے میڈیا میں بھی پذیرائی ملی اور اصل جو پذیرائی مجھے ملی وہ سیکورٹی کے اداروں کی جانب سے ملی اور ان اداروں نے مجھ سے رابطہ کیا تو میں نے انجینئرنگ صرف اپنے ماں باپ کو خوش کرنے کے لیے نہیں کی بلکہ پڑھ کر انجینئرنگ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔"

★ "اب تھوڑے سے نجی سوال کہ شادی کی آپ نے؟"

✳ "نہیں... اور یہ زندگی کا واحد ڈیپارٹمنٹ ہے جو میں نے اپنے والدین پہ چھوڑا ہوا ہے اور آج کل کے دور میں ایسا ہوتا نہیں ہے لیکن میری آئندہ کی زندگی کا فیصلہ میرے والدین ہی کریں گے وہ جہاں شادی کرائیں گے کر لوں گا۔"

★ "بہت نیک اولاد ہیں آپ... ورنہ آج کل کے لڑکے تو؟"

✳ "اصل میں اس فیصلے کے لیے بھی والدین کے ساتھ تھوڑی بارگیننگ ہوئی ہے۔ کیونکہ میرے والدین چاہتے تھے کہ میں انجینئر بنوں اور اس کو لے کر آگے بڑھوں جبکہ میری فیلڈ کچھ مختلف ہے اور میں وہ شخص نہیں ہوں جس نے کیمرے کے سامنے بیٹھ کر اینکری کی ہے یا ریڈیو کے اسٹوڈیو میں بیٹھ کر پروگرام کیے ہیں بلکہ میں نے فیلڈ میں رپورٹنگ بھی کی ہے۔ بم دھماکے اور بہت ہی برے حالات میں جا کر میں نے رپورٹنگ کی ہے تو میرے گھر والے نہیں چاہتے تھے کہ میں یہ کام کروں تو ان کو راضی کرنے کے لیے یہ کہا کہ آپ جہاں کہیں گے میں وہاں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ میرا کام یہی ہے تو کوئی ایسی لڑکی لائیے گا جو میرے ساتھ خوش رہ سکے۔"

★ "بچپن سے خوش مزاج ہیں یا طبیعت میں غصہ ہے؟"

✳ "میں مزاج کا ہمیشہ اچھا رہا ہمیشہ سے ایکٹو ہوں۔ نیند 48 گھنٹے میں ایک بار ہی آتی ہے اور میں اپنے دوستوں اور دیگر لوگوں سے کہتا ہوں کہ کام کرنے کے لیے 24 گھنٹے کم ہیں۔ دوستوں کا حلقہ مخصوص ہے اور انہی کے ساتھ وقت گزارتا ہوں اور ہم کچھ نہ کچھ کریٹو کام کرتے رہتے ہیں۔"

★ "موڈ کب خراب ہوتا ہے؟"

✳ "جب کوئی جھوٹ بولے تو اور میں جھوٹ نہیں بولتا کیونکہ مجھے کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی اور گھر آنے میں دیر سویر ہو جائے تو بتا دیتا ہوں اور میں تو وہ انسان ہوں کہ جس کی شاید ہی کوئی بات اس کے گھر والوں سے چھپی ہوئی ہو گی۔"

★ "کھانے پینے کے شوقین ہیں؟"

✳ "بہت زیادہ شوقین ہوں۔ چاول بہت پسند ہیں اور اسلام آباد میں جہاں میری رہائش ہے وہاں کے لوگ میری بہت خدمت خاطر کرتے ہیں لیکن میں کوشش کرتا ہوں کہ جب بھی مجھے فرصت ملے میں خود کوکنگ کروں۔ چاول وغیرہ بہت اچھے بنا لیتا ہوں اور پنیر تو مجھے اتنا پسند ہے کہ اگر کوئی میری ناپسندیدہ چیز میں پنیر ڈال دے تو میں وہ بھی کھانے کے لیے تیار ہو جاتا ہوں۔"

★ "شدید بھوک میں کیا کیفیت ہوتی ہے؟"

✳ "کچھ بھی کھا کے بھوک مٹا دیتا ہوں۔ کسی پہ ناراض نہیں ہوتا اور نہ ہی بے چینی کا اظہار کرتا ہوں کھانے پینے کے معاملے میں نہ گھر والوں کو اور نہ ہی کسی اور کو تکلیف نہیں دیتا۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے علی سومرو سے اجازت چاہی۔

☼ ☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے چیف ایڈیٹر عامر محمود (سی پی این ای) کے سیکریٹری جنرل منتخب ہو گئے

کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز (سی پی این ای) کے سالانہ انتخابات میں خواتین ڈائجسٹ گروپ کے چیف ایڈیٹر عامر محمود سیکریٹری جنرل منتخب ہو گئے۔ جمیل اطہر صدر، شاہین قریشی سینئر نائب صدر منتخب ہو گئے۔ وزیر اطلاعات قمر الزماں کائرہ، وزیر اعلیٰ پنجاب شہباز شریف اور وزیر اعلیٰ سندھ قائم علی شاہ کی مبارک باد۔

سلویٰ علی بٹ

ادارہ

(۱) ”تاریخ پیدائش / اسٹار؟“
”چار جنوری / کیپری کون۔“

(۲) ”خدا سے تعلق؟“
”یہ واحد تعلق ہے جسے میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی اور پھر کچھ پردہ بھی منظور ہے۔“

(۳) ”فرصت کا وقت گزارنے کا بہترین طریقہ؟“
”میں زیادہ تر کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں اور فرصت کا وقت سیف اللہ (شوہر) کی واپسی تک بچا کے رکھتی ہوں۔“

(۴) ”کون سی چیز خوشگوار تاثر قائم کرتی ہے؟“
”صاف ستھرا گھر، وقت کی پابندی، کوئی بھی اچھی بات۔“

(۵) ”وہ چیز جو موڈ خراب کر دے؟“
”گھر میں بکھرا پھیلاوا اور بے ترتیبی جبکہ مجھے صفائی کیے گھنٹہ بھر بھی نہ گزرا ہو۔“

(۶) ”مشکل ترین لمحہ؟“
بہت سے لمحے ہیں مگر وہ لمحہ جب مجھے علی (بھائی) کو کوئٹہ بارڈر سے چھڑوانے کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی جبکہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی اور میں ہر رشتہ دار کو فون کر کے پیسے مانگ رہی تھی۔“

(۷) ”بہترین تعریف، جو وصول کی؟“
”ہر وہ تعریف، جو میری ماں، شوہر اور ساس کریں مگر بائیولوجی کی ٹیچر کا ایک جملہ کبھی کبھار یاد آتا ہے ”کہ تم ہمارے کالج کی Most wanted لڑکی ہو۔“

(۸) ”وقت ضائع کرنے کا بہترین طریقہ؟“
”وقت خود ضائع نہیں کرتے اس کا ٹھیکہ واپڈا والوں نے اٹھا رکھا ہے۔“

(۹) ”زندگی کا خوفناک واقعہ؟“
”جب میں سیونتھ میں تھی میری امی بہت بیمار پڑ گئی تھیں۔ تب میں بہت خوفزدہ رہتی تھی اس ایک واقعہ کے بعد میرے اندر کا خوف بہت حد تک زائل ہو گیا۔“

(۱۰) ”بہترین تحفہ میری نظر میں؟“
”کتاب۔“

(۱۱) ”ایسی تاریخی شخصیت جس سے ملنا چاہوں؟“
”علامہ اقبال سے۔“

(۱۲) ”پسندیدہ ساتھی؟“
”میرا جیون ساتھی سیف اللہ بٹ۔“

(۱۳) ”پسندیدہ ہستی؟“
”میری ماں۔“

(۱۴) ”پسندیدہ پروفیشن؟“
”رائٹر ہونا۔“

(۱۵) ”بہترین کاوش؟“
میرا ناول مجھے ”اک گھر بنانا ہے۔“

(۱۶) ”پسندیدہ ملکیت؟“
”ہر شادی شدہ عورت کی پسندیدہ ملکیت اس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔“

(۱۷) ”زندگی کی خواہش؟“
”ہزبینڈ کے کاروبار اور اپنے ڈرامے کی۔“

(۱۸) ”پریشان کن لمحہ؟“
”میری ماں کی ذہنی بیماری، علی کی جیل سے واپسی تک کا ہر لمحہ۔ انکار کا وہ لمحہ، جس نے بہت سے رشتوں میں دراڑ ڈال دی۔“

(۱۹) ”جب موڈ آف ہو تو کیا کرتی ہوں؟“
”خاموش ہو جاتی ہوں۔“

(۲۰) ”کوئی ایسا فرد جس کے سامنے کھڑی نہ رہ سکوں۔“
”اپنی ماں کے سامنے زیادہ دیر نہیں کھڑی رہ سکتی۔“

(۲۱) ”فیشن کب مسئلہ بنتا ہے؟“
”جب اچانک کہیں جانا پڑ جائے اور نئے کپڑے دھونے والے ہوں۔“

(۲۲) ”انسان کا دل کب ٹوٹتا ہے؟“
”معمولی اور غیر معمولی باتوں پر خصوصاً“ تب جب ہماری خلوص نیت کو بھی شک کی نظر سے دیکھا جائے۔“

(۲۳) ”کیا چیز جذباتی کر دیتی ہے؟“
”میری ماں کی تنہائی۔“

(۲۴) ”زندگی کا یادگار دن؟“
”جب پہلی بار تنہا فرسٹ ایئر کی اکیڈمی تک کا سفر طے کیا۔ جس روز میرا پہلا افسانہ چھپا اور جب میں نے بی اے کلیئر کیا۔“

(۲۵) ”موسیقی میرے نزدیک؟“
”اچھے اور برے موڈ کا اتار چڑھاؤ بدلنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔“

(۲۶) ”پسندیدہ گانا؟“
غزل ہے ”تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی“

(۲۷) ”پسندیدہ فقرہ؟“
”میرے ہزبینڈ کہتے ہیں تم ”آہو“ لفظ بہت کہتی ہو۔“

(۲۸) ”پسندیدہ کردار؟“
”عشق کے عین کا یوسف اور سعدیہ۔ میں نے محض چودہ برس کی عمر میں اس ناول کو پڑھا جس نے مجھے محبت کی پاکیزگی سے آگاہی دی۔“

(۲۹) ”سب سے زیادہ قیمتی اثاثہ؟“
”شاید رشتے ہی عزیز اور قیمتی اثاثہ ہوتے ہیں۔“

(۳۰) ”اچھا اور خوب صورت موسم؟“
”گرمیوں کی تپتی دوپہریں اور سردیوں کی سیاہ گھنگھور راتیں۔“

(۳۱) ”ناقابل فراموش واقعہ؟“
”بہت سے واقعات ہیں مگر رازداری میں شراکت منظور نہیں۔“

(۳۲) ”پہلی کاوش شائع ہونے پر تاثرات؟“
”اماں رو رہی تھیں اور میں رونے کی زبردستی مشق کر رہی تھی۔“

(۳۳) ”میرا خواب؟“
”جذبات سے عاری نہیں ہوں خواب ضرور دیکھتی ہوں مگر تھوڑی تلخ حقیقت پسند ہوں۔“

(۳۴) ”وہ رات جو کبھی نہ بھولے گی؟“
”وہ رات جب علی (بھائی) کی بیرون ملک قانون کی حراست میں ہونے کی خبر ملی۔“

(۳۵) ”پسندیدہ مزاح؟“
”مشتاق احمد یوسفی اور ابن انشاء۔“

(۳۶) ”حسد محسوس کرتی ہوں؟“
”صبر اور خدا پہ بھروسہ حسد کی طرف راغب نہیں ہونے دیتا۔“

(۳۷) ”خوشبو پسند ہے تو کیوں؟“
”تازگی و فرحت کا احساس دلاتی ہے۔“

(۳۸) ”پسندیدہ خوشبو؟“
”گلاب اور موتیے کی۔“

(۳۹) ”آخری کتاب، جو میں نے پڑھی؟“
”اشفاق احمد کی سفر در سفر۔“

(۴۰) ”پسندیدہ جگہ؟“
”جہاں بھی جا کر سکون اور خوشی محسوس ہو۔“

(۴۱) ”وہ جگہ جہاں چھٹی گزارنا پسند کروں گی؟“
”اپنی امی کے گھر۔“

(۴۲) ”میری قوت ارادی؟“
”میری قوت ارادی بہت پائیدار ہے مگر رشتے کمزور کر دیتے ہیں۔“

(۴۳) ”گھر کا پسندیدہ کمرہ؟“
”آف کورس اپنا کمرہ، جہاں پہ ملکیت اور سکون کا احساس حاوی ہوتا ہے۔“

(۴۴) ”کیا پہننا پسند کرتی ہوں لباس میں؟“
”شلوار قمیص اور چوڑی دار پاجامہ۔“

(۴۵) ”پسندیدہ رنگ؟“
”ہلکے رنگ ویسے بلیک اینڈ وائٹ۔“

(۴۶) ”پسندیدہ مصنف؟“

"مستنصر حسین تارڑ، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، سعادت حسن منٹو، عمیرہ احمد وغیرہ۔"

(۴۷) "پسندیدہ شاعر؟"
"رسول حمزہ اور عدم۔"

(۴۸) "ویران سنسان جزیرے پر پہلا کام کیا کروں گی؟"
"کیوں، میں کیوں جاؤں ویران سنسان جزیرے پہ۔"

(۴۹) "خود اپنی بری عادت؟"
"یکدم غصہ آتا ہے۔"

(۵۰) "کھانے کی پسندیدہ جگہ؟"
"صرف گھر۔"

(۵۱) "اگر میں مصنفہ ہوتی تو؟"
"تو شاید کچھ بھی نہ ہوتی۔"

(۵۲) "ایک لفظ جو مجھے واضح کردے؟"
"حقیقت پسند۔"

(۵۳) "جنس مخالف کے بارے میں رائے؟"
"ان کے بغیر زندگی کا سفر بڑی مشکل سے کٹتا ہے خواہ بھائی ہو، شوہر، بیٹا یا باپ۔"

(۵۴) "محبت کے بارے میں خیال؟"
"انسان چاہے کسی بھی عمر کا ہو خوامخواہ بونگیاں مارنے لگتا ہے۔"

(۵۵) "پسندیدہ رشتہ؟"
"ماں اور بیٹی کا۔"

(۵۶) "اگر محبت کی تو کیا نتائج نکلیں گے؟"
"یقیناً" نوبل پرائز کی حقدار ٹھہروں گی۔"

(۵۷) "پسندیدہ لو اسٹوری؟"
"یوسف اور سادی (سعدیہ) کی (عشق کا عین)

(۵۸) "کوئی ایسی فلم جو بار بار دیکھنا چاہیں؟"
"کچھ کچھ ہوتا ہے۔"

(۵۹) "چہرے کچھ بتاتے ہیں؟"
"ٹھوس بنیاد پر "ہاں" نہیں کہا جاسکتا۔ کچھ چہرے بڑی مہارت سے اپنے تاثرات چھپا کے رکھتے ہیں۔"

(۶۰) "شاعری کے بارے میں خیال؟"
"ہر طرح کے جذبے کی ترجمان بن جاتی ہے۔"

(۶۱) "بہترین کامیابی؟"
"اپنی شادی شدہ زندگی کو بہت کامیابی سے چلا رہی ہوں۔ شوہر کے ساتھ محبت سے پہلے اعتبار اور احترام کا رشتہ ہے۔ اعتبار کے بنا محبت بہت اسٹوپڈ لگتی ہے۔"

(۶۲) "وہم کا ازالہ کس طرح کرتی ہیں؟"
"میرے وہموں کا ازالہ صرف میرے شوہر کرسکتے ہیں شاید خدا پر ان کا ایمان مجھ سے زیادہ مضبوط ہے۔"

(۶۳) "سائنس کی بہترین ایجاد؟"
"کمپیوٹر اور فون۔"

(۶۴) "بدترین ایجاد؟"
"اٹامک پلان۔"

(۶۵) "ایسی شخصیت جو شدت سے یاد آتی ہے؟"
"آئی سویئر کوئی بھی نہیں۔"

(۶۶) "بستر پر جانے سے پہلے کیا جانے والا آخری کام؟"
"اپنے ہزبینڈ کے پیر دبانا جس سے انہیں پرسکون نیند آجاتی ہے۔"

(۶۷) "ایک بات جو ہمیشہ یاد رہی؟"
"جن رشتوں کی آپ عزت ہیں اپنے ہر اچھے اور برے عمل میں ان رشتوں کی نیک نامی اور بدنامی ذہن میں رکھیں۔"

(۶۸) "زندگی کا خوب صورت دن؟"
"10 جولائی، جب میں پہلی بار بیٹی کی ماں بنی۔"

(۶۹) "پیغام قارئین کے لیے؟"
"قارئین ہر مصنفہ کو بہت عزیز ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی رائے ہمیں شہرت سے دوچار کرتی ہے۔ مگر میری اکثریت سے ریکویسٹ ہے کہ آپ کہانی کے کرداروں میں الجھنے اور ان پہ انگلیاں اٹھانے کی بجائے مصنفہ کے مقصد پر تھوڑی توجہ دیا کریں۔ ہر مصنفہ ایک خاص مقصد ذہن میں رکھ کر کرداروں کو چلاتی ہے اور ہر کہانی کا اختتام ہیپی ہیپی نہیں ہوا کرتا۔ جن کہانیوں کے اختتام آپ کو مایوسی دیں ان میں انفرادیت اور معاشرے اور رشتے کے سلوک پر گہری نظر رکھا کریں۔"

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی.... مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے.... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے.... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگومیلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے۔.... اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے.... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، وکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کر لیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

زوبیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے.... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے.... وہ دونوں واپس جانے کے لیے سڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے.... اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں زخمی کر دیتا ہے.... اب آگے پڑھیں۔

۳۲

بتیسویں قسط

پتا نہیں یہ رومیلہ کا وہم تھا یا حقیقت، بہرحال اسے لگ رہا تھا جب سے وہ کھیتوں کی سیر کر کے واپس آئے ہیں تب سے بریرہ کا موڈ پہلے سے بھی زیادہ خراب ہو گیا ہے۔ الیان سے تو زیادہ سامنا ہی نہیں ہوا، البتہ اس نے جس طرح اسے سب لوگوں کے بیچ مخاطب کیا تھا وہ دیکھ کر رومیلہ کو شدید حیرت ہوئی تھی، ورنہ وہ تو اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ اگلے دن اسے شگفتہ غفار کی نظروں میں اپنے لیے مزید نفرت کا احساس ہوا تو جیسے اس کی ہمت جواب دینے لگی۔

بریرہ کے ولیمے کے لیے اسے گاؤں کا علاقائی لباس زیب تن کرنے کے لیے دیا گیا، وہ کوئی دلہن نہیں تھی، مگر انہوں نے اسے بھی بریرہ کی طرح علاقائی زیور اور روایتی میک اپ کر کے دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ اس کی ٹھوڑی پر کاجل سے تین تل لگا کر حاجرہ نے باقاعدہ تینوں قل پڑھ کر اس پر دم کیے تو بریرہ کا پہلو بدل کر رہ جانا بھی اس سے مخفی نہ رہا۔ ایک طرف اگر ان سب کی محبت اس کی ہمت بڑھاتی تو دوسری طرف بریرہ اور شگفتہ غفار کی نفرت اس کے حوصلے پست کر دیتی۔

کتنی بار اس کے دل میں آیا گاؤں سے واپس جانے سے پہلے بریرہ سے ایک بار کھل کر بات کر لے۔ اپنے بھائی کے قبیح فعل پر اس سے معافی مانگ لے، مگر اس کی ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی، بریرہ اول تو اسے دیکھتی نہیں تھی، اگر کبھی اس نے شاذ و نادر دیکھا بھی تو اس کی آنکھوں سے ایسی چنگاریاں نکل رہی ہوتیں کہ وہ رومیلہ کے وجود کو راکھ بنا کر بکھیرنے لگتیں۔

ولیمہ سے فارغ ہوتے ہوتے انہیں شام ہو گئی تھی۔ شگفتہ غفار پھر بھی بضد رہیں کہ ابھی شہر کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں، جس پر رسمی سا منع سب نے کیا اور بالآخر شاہ جہاں ماموں کو بری طرح ڈانٹنا پڑا، تب کہیں جا کر شگفتہ غفار مجبور ہوئیں، صبح فجر کے بعد روشنی میں نکلنے پر۔ اصل میں وہ بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ رومیلہ مزید الیان کے قریب رہے، انہیں وہ بہت خطرناک لڑکی لگ رہی تھی، جس طرح ایک ہی رات میں الیان کے نظریے اس لڑکی کے متعلق بدلے تھے، انہیں مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس سے کچھ خوف زدہ ہو گئی تھیں۔

بیٹے کی شادی کرتے وقت تمام ہی ماؤں کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ کہیں بیٹا بالکل بیوی کا غلام نہ بن جائے، چاہے بہو کو کتنے ہی چاؤ سے کیوں نہ لایا گیا ہو، جبکہ یہاں تو صورت حال بالکل ہی مختلف تھی، ایسے میں شگفتہ غفار کا فکرمند ہونا اتنا کوئی غلط نہیں تھا۔

رومیلہ ان کے فوراً "چلے جانے کا پس منظر تو نہیں جانتی تھی، لیکن ان کی ہر چیز سے بے زاری اب اس کی سمجھ میں بخوبی آ گئی تھی اور وہ انہیں حق بجانب سمجھ رہی تھی، اس لیے اس نے تہیہ کر لیا کہ جانے سے پہلے ایک بار بریرہ سے بات ضرور کرے گی اور اس کے لیے اس کے پاس صرف آج رات کا ہی وقت موجود تھا۔

مغرب سے فارغ ہونے کے بعد کھانا لگنے میں جتنا وقت تھا وہ سب عام طور پر ساتھ بیٹھ کر ہی گزارتے تھے، مگر آج ولیمہ کی تقریب کی وجہ سے سب اتنا تھک گئے تھے کہ باقاعدہ محفل نہ جم سکی تھی، اسی سناٹے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیلہ، بریرہ کی تلاش میں لگ گئی۔ خوش قسمتی سے وہ اسے نانی اماں کے کمرے میں اکیلی بیٹھی مل گئی۔

نانی اماں کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا اور سکینہ کی دی دوا کھا کر لیٹی ہوئی تھیں۔ بریرہ ان کے پاس بیٹھی ایسے اخبار دیکھ رہی تھی جیسے اب تک ان سے باتیں کر رہی ہو، مگر اب ان پر غنودگی طاری ہوتی دیکھ کر اخبار کی سرخیوں پر نظر ڈالنے لگی۔ رومیلہ کے کمرے میں آنے کو اس نے محسوس ہی نہیں کیا تو رومیلہ کو گلا کھنکار کر اسے متوجہ کرنا پڑا۔ اس نے بری طرح چونک کر رومیلہ کو دیکھا اور اس پر نظر پڑتے ہی شدید حیرانی اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ آخر اتنا اندازہ تو اسے ہو ہی گیا تھا کہ رومیلہ اس سے بات کرنے آئی ہے، لیکن اس نے یہ جرات کیسے کی، یہ بریرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"آج تم دلہن بن کر بہت اچھی لگ رہی تھیں۔" رومیلہ نے بات شروع کرنے کے لیے کہا، ورنہ اسے پتا تھا بریرہ کو اس کی تعریف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس عذاب سے وہ گزر کر آئی تھی اس کے بعد زندگی کی یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں اپنا حسن کھو کر ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

بریرہ کا چہرہ بھی اپنی تعریف سن کر سپاٹ رہا تھا، بلکہ وہ استفہامیہ انداز میں رومیلہ کو دیکھ رہی تھی، جیسے یہ جاننا چاہتی ہو کہ وہ اس وقت یہاں کیوں آئی ہے۔ رومیلہ اس کا سوال سمجھ رہی تھی، خود اسے بھی ادھر ادھر کی بات کرنا مشکل لگ رہا تھا، کہیں غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرنے میں کوئی آ جائے اور اصل بات درمیان میں ہی رہ جائے یا پھر بریرہ ہی بے زار ہو کر اٹھ جائے، جس کے قوی امکان تھے۔ مگر وہ نانی اماں کی موجودگی میں وہ ذکر کیسے چھیڑ سکتی تھی۔ خدانخواستہ ان کے کان میں کوئی ایک جملہ بھی پڑ جاتا تو؟ رومیلہ ایسا کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اسی لیے نانی اماں پر ایک نظر ڈالتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں، کیا تم تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ باہر آ سکتی ہو۔"

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" بریرہ ایک دم حتمی انداز میں بولی۔

"صرف دو منٹ سن لو۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے نفرت کرتی ہو، میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔" رومیلہ التجائیہ انداز میں بولی۔

"میں نے کہا نا مجھے کوئی بات نہیں کرنی، دو منٹ تو کیا، دو سیکنڈ بھی نہیں۔" بریرہ نے چبا چبا کر کہا، اسی وقت نانی اماں نیند میں ہلکا سا کسمسائیں تو بریرہ کچھ خوف زدہ سے انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔ اگر انہوں نے اس کا یہ لب و لہجہ سن لیا تو وہ جب تک اس رویے کی وجہ نہیں جان لیں گی چین سے نہیں بیٹھیں گی۔

"صبح ہم لوگ چلے جائیں گے، میں صرف ایک بار۔۔۔"

"چپ ہو جاؤ۔ نانی اماں اٹھ جائیں گی۔" بریرہ زچ ہو کر بولی، پھر بڑے جھنجلائے ہوئے انداز میں بستر سے اتر آئی اور ان کے کمرے سے ملحق ٹیرس کی طرف بڑھ گئی۔

رومیلہ اس کا بے زار انداز دیکھ کر شرمندہ سی اس کے پیچھے چلی آئی، اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں اسے کبھی ایسے حالات اور رویوں کا سامنا بھی کرنا پڑے گا۔ جہاں غلطی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ مجرموں کی طرح کھڑی ہو گی۔

"بولو۔" ٹیرس میں آ کر بریرہ بڑی بدتمیزی سے دبی ہوئی آواز میں بولی۔

"تمہارے ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھے بہت افسوس ہے، مگر میرا یقین کرو مجھے اپنے بھائی کی سازش کے بارے میں پتا نہیں تھا۔ مجھے تو یہاں آ کر۔۔۔"

"ٹھیک ہے، میں نے مان لیا، اب تم جاؤ۔" بریرہ کا جارحانہ انداز رومیلہ کو ہونٹ کاٹنے پر مجبور کر گیا، اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، مگر وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ بریرہ جو بھی کر رہی تھی اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھی اور اس کے پاس یہ آخری موقع تھا معافی مانگنے کا۔ بھلے ہی معافی ملے نہ ملے، اسے تو اپنا بوجھ ہلکا کرنا تھا۔

"بریرہ میں جانتی ہوں تم اس وقت کس تکلیف سے گزر رہی ہو، لیکن۔۔۔"

"تم کچھ نہیں جانتیں۔ کوئی بھی نہیں جانتا۔ کوئی سمجھ بھی نہیں سکتا۔ میں جس تکلیف سے گزری اور اب گزر رہی ہوں اس کی شدتوں کا کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔" بریرہ زہرخند لہجے میں بول رہی تھی۔ رومیلہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ وہ رومیلہ کو کوئی بات پوری کرنے ہی نہیں دے رہی تھی تو رومیلہ بھلا وضاحت کیسے دیتی۔

ایک پل کو تو اس کا دل چاہا ابھی اور اسی وقت کمرے سے چلی جائے، مگر وہ کوئی فرض پورا کرنے نہیں آئی تھی،

بلکہ وہ حقیقتاً" شرمندہ تھی اور اس سے واقعی معذرت کرنا چاہتی تھی۔ تب ہی اتنے تلخ لہجے پر بھی بڑی رسانیت سے کہنے لگی۔

"ہاں۔۔۔ شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو ہم میں سے کوئی تمہاری تکلیف نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ تکلیف سے تم اکیلی نہیں گزر رہیں' اس طرح زبردستی کسی کے گھر کی بہو بننا اور کسی کے سر پر مسلط ہونا بھی کم تکلیف دہ نہیں ہے۔ جب سے مجھے پتا چلا ہے کہ ابرار بھائی نے تمہاری فیملی کو بلیک میل کرکے مجھ سے شادی پر مجبور کیا ہے' میں کس کرب سے گزر رہی ہوں' وہ میں ہی جانتی ہوں۔ انہوں نے جو کیا بہت غلط کیا' ان کا گناہ معافی کے قابل نہیں' لیکن پھر بھی میں ان کی طرف سے معافی مانگ رہی ہوں۔" رومیلہ نے محاورتاً" نہیں بلکہ حقیقتاً" اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

اس کا گلوگیر لہجہ اور جڑے ہوئے ہاتھ بریرہ پر کچھ بھی اثر نہیں کر سکے تھے۔ البتہ اس کی آنکھوں میں تیرتا پانی دیکھ کر اسے عجیب سا سکون ملا تھا۔ ہرچند وہ رومیلہ کی معذرت کو ایک ڈرامہ سمجھ رہی تھی۔ اسے تو یہی لگ رہا تھا کہ رومیلہ اب اس گھر میں اپنے قدم جمانے کے لیے بے گناہ اور شرمندہ ہونے کا ڈھونگ کر رہی ہے۔

لیکن اس کے باوجود وہ اس کی بات بڑے آرام سے سنتی رہی' اسے اپنے آگے گڑگڑاتا دیکھ کر اسے بڑی تسکین مل رہی تھی۔ ورنہ کون سا اسے رومیلہ کے آنسو دیکھ کر اسے معاف کر دینا تھا۔ جبکہ رومیلہ کو اس کی خاموشی سے بڑی ہمت ملی' وہ جلدی جلدی اپنی ساری بات کہتی گئی۔

"مجھے اندازہ ہے تمہارے لیے ہم میں سے کسی کو بھی معاف کرنا آسان نہیں' لیکن میرا یقین کرو مجھے کچھ بھی نہیں پتا تھا۔ کاش یہ سب میرے علم میں ہوتا تو میں عین نکاح کے وقت ہی اس شادی سے انکار کر دیتی۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ہے' تمہارے بھائی کو اس شادی کا طوق ساری زندگی اپنے گلے میں لٹکا کر پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں واپس اپنے گھر چلی جاؤں گی اور اس کا تمہاری زندگی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ٹرسٹ می (میرا یقین کرو) میں سب ٹھیک کر دوں گی۔" رومیلہ صرف کہہ نہیں رہی تھی' بلکہ اس کا مصمم ارادہ تھا' ایسا کچھ کرنے کا جس سے الیان کو اس زبردستی کے رشتے سے نجات مل جائے اور بریرہ کو بھی کوئی نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

مگر اس کے لیے کرنا کیا ہو گا' ایسا کوئی لائحہ عمل رومیلہ نے ابھی تک ترتیب نہیں دیا تھا۔ نہ ہی اس کی کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ تو بس کسی طرح بریرہ کے چہرے پر پھیلی نفرت کو کم کرنا چاہتی تھی۔ مگر اسے کامیابی ہوتی نہیں لگ رہی تھی۔ بریرہ اس کی بات سن ضرور رہی تھی' لیکن اس کے چہرے کے تاثرات ہنوز تھے' تب ہی رومیلہ مزید کہنے لگی۔

"میں اپنے بھائی کو سمجھاؤں گی' انہوں نے غصے اور ضد میں یہ سب کر ڈالا' لیکن میں انہیں بتاؤں گی گھر اس طرح نہیں بستے اور نہ ہی تمہارے گھر کو اجاڑنے سے ان کا کوئی مقصد انہیں حاصل ہو جائے گا۔ یہ زبردستی کا بندھن کسی کو بھی خوشی نہیں دے۔۔۔" رومیلہ کہتی چلی گئی کہ تب ہی کسی آہٹ پر وہ دونوں چونک اٹھیں۔ ان دونوں نے بے اختیار کمرے کی جانب دیکھا۔

ٹیرس کے دروازے پر پڑے باریک سے پردے کے پیچھے کسی کا سایہ لہراتے پردے کے ساتھ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔

"ک۔۔۔ کون۔" بریرہ نے بری طرح خوف زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

رومیلہ بھی کسی کو کھڑا دیکھ کر کچھ ڈر تو گئی تھی کہ کہیں اس نے رومیلہ کی کہی باتیں نہ سن لی ہوں' مگر جو خوف و ہراس بریرہ کے چہرے پر تھا وہ رومیلہ کو ٹھٹک کر اسے دیکھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ اس کا چہرہ اور ہونٹ بالکل سفید پڑ گئے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا وہ ابھی لہرا کر گر پڑے گی۔ مگر ایسی نوبت آنے سے پہلے نووارد پردہ ہٹاتا ان کے سامنے آ

کھڑا ہوا۔ الیان پر نظر پڑتے ہی بریرہ کی جان میں جان آئی۔ خود رومیلہ کی بھی حالت بحال ہو گئی۔ کیونکہ اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا وہ رومیلہ کی ساری بات سن چکا ہے اور اب انہیں پریشان ہوتا دیکھ کر تنبیہی انداز میں کہنے لگا۔

"یہ وقت اور جگہ ان باتوں کے لیے بالکل بھی مناسب نہیں ہیں' اگر میری جگہ اس وقت کوئی اور ہوتا' نانی اماں کی ہی آنکھ کھل جائے تو۔" الیان ان دونوں کو ہی ٹوک رہا تھا۔

بریرہ کا دل چاہا تنک کر کہہ دے' یہی بول رہی تھی۔ مگر وہ ابھی ابھی جس خوف سے گزری تھی اس کے فوراً" بعد اس سے بولا ہی نہیں گیا وہ صرف دو تین گہری گہری سانسیں کھینچ کر اپنے اعصاب بحال کرتی رہی۔ البتہ رومیلہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں جانے سے پہلے بریرہ کو ساری بات بتا کر اس سے معافی مانگنا چاہتی تھی اور ساتھ ہی اسے یقین دلانا چاہتی تھی کہ وہ اپنی نئی زندگی کو اچھی طرح انجوائے کرے۔ اس کا گھر ہمیشہ آباد رہے گا۔ اسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔" رومیلہ چاہتے ہوئے بھی یہ نہ کہہ سکی کہ بریرہ کہیں اور چل کر بات کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوئی۔

"جو تم کہہ رہی ہو وہ سب کرنا اتنا آسان نہیں ہے' بولنے میں اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے' جب تمہاری بات سچ نکل آئے گی تب میں یقین کروں گی۔" بریرہ عجیب ہتک آمیز لہجے میں بول رہی تھی۔ رومیلہ کے چہرے پر ایک سایہ آ کر گزر گیا۔ ہربار وہ خود کو یہ سوچ کر تسلی دے دیتی کہ وہ اپنی جگہ حق بجانب ہے۔

اس کا لہجہ خود الیان کو بھی بہت عجیب لگا تھا۔ مگر وہ اسے ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ بھی رومیلہ کے سامنے تو بالکل بھی نہیں۔ البتہ رومیلہ کی بات کی یقین دہانی وہ بھی کرانا چاہتا تھا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس میں کتنا سچ ہے۔ وہ بس یہ چاہتا تھا کہ بریرہ اپنے خوف سے باہر آ کر بالکل پہلے جیسی ہو جائے۔ شوخ او کھلنڈری' اپنی یہ خواہش اسے خود بھی بے جا لگ رہی تھی' پھر بھی اس نے آس کا دامن نہیں چھوڑا' تبھی کہنے لگا۔

"یہ آسان کام نہیں ہے' لیکن ناممکن بھی نہیں ہے۔ رومیلہ کیا کر سکتی ہے۔ ابرار کیا کر سکتا ہے۔ تمہیں وہ سب سوچنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں صرف اتنا پتا ہونا چاہیے کہ تمہارا بھائی کیا کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے پر نہیں' مجھ پر یقین رکھو۔ اس خوف سے باہر آ جاؤ کہ یہ راز کبھی کھلے گا۔ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔" الیان کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ بریرہ تو کیا رومیلہ بھی اسے دیکھتی رہ گئی۔ بریرہ کو الیان کی بات سے کتنی تسلی ہوئی' اس کا تو رومیلہ کو کوئی علم نہیں تھا' لیکن خود اسے ضرور یقین ہو گیا تھا کہ الیان اس مسئلے کو حل ضرور کرے گا۔

رات کو جب وہ اپنے کمرے میں سونے آئی تو خلاف توقع الیان جاگ رہا تھا۔ بلکہ جس طرح اسے دیکھتے ہی الیان نے لیپ ٹاپ بند کیا تھا اس سے رومیلہ کو لگا جیسے وہ اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ اس لیے اپنی حیرت ظاہر کیے بغیر معمول کے مطابق سوٹ کیس میں سے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔ اسی لیے الیان کو اسے مخاطب کرنا پڑا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے' اگر سونا تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کر دو تو زیادہ بہتر ہو گا۔" رومیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم نے بریرہ سے کہا ہے' تم سب ٹھیک کر دو گی۔ مجھے "سب ٹھیک" کی وضاحت چاہیے۔" رومیلہ کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔ اس نے کچھ زیادہ سوچا نہیں تھا' مگر اب الیان کے پوچھنے پر اسے باقاعدہ اپنے ارادوں سے اسے آگاہ کرنا سخت ضروری تھا۔ ورنہ وہ یہی سوچنے والا تھا کہ رومیلہ خالی خولی ڈائیلاگ مار کر آ گئی ہے۔

"سب ٹھیک کر دینے سے میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ سب کچھ آج ابھی اور اسی وقت ٹھیک ہو جائے گا۔" رومیلہ نے سوچنے کے لیے تھوڑا وقت لینے کے لیے بات بنائی۔

"یہ تو مجھے بھی پتا ہے تمہارے پاس جادو کی کوئی چھڑی نہیں ہے کہ تم پلک جھپکتے میں سب ٹھیک کر دو۔ لیکن تم

نے کچھ سوچا تو ہو گا کہ اپنے بھائی کو اس کے انجام تک کیسے پہنچاؤ گی۔" رومیلہ کچھ ٹھٹک کر الیان کو دیکھنے لگی، جس پر الیان پوچھنے لگا۔

"میں نے کوئی غلط سوال پوچھ لیا ہے کیا؟"

"نہیں، غلط تو نہیں پوچھا۔ اصل میں، میں نے تو یہ سوچا ہی نہیں کہ ابرار بھائی کو انجام تک کیسے پہنچانا ہے۔ میں تو صرف یہی سوچ رہی تھی کہ آپ لوگوں کو اس پرابلم سے کیسے نکالا جائے۔" رومیلہ بڑی صاف گوئی سے بولی۔

الیان صرف اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ بھلے ہی یہ نہیں جانتی تھی کہ الیان اس کی بے گناہی جان چکا ہے، لیکن الیان کو تو پتا تھا کہ آج وہ اپنے بھائی کی وجہ سے کس مصیبت سے گزر رہی ہے، پھر اسے اپنے بھائی کو سزا دینے یا سبق سکھانے کا خیال کیوں نہیں آیا۔ رومیلہ، الیان کے اس طرح دیکھنے پر یہ سمجھی کہ شاید وہ سمجھا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، تب ہی وضاحت کرنے لگی۔

"دراصل میں میرے بھائی غصے میں یہ سب کر گزرے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ بہت اچھے انسان ہیں، میرے کہنے کا مطلب ہے کہ وہ کوئی بہت برے آدمی نہیں ہیں۔ ان کی حرکت ناقابل معافی ہے، لیکن اس میں تھوڑی سی غلطی آپ لوگوں کی بھی ہے۔ اگر اسی وقت شادی کے لیے راضی ہونے کی بجائے آپ تھوڑا سا خود غرض بن کر انکار کر دیتے تو ابرار بھائی، بریرہ کو ایسے ہی چھوڑ دیتے۔ ان کی آپ سے کوئی دشمنی نہیں تھی، وہ آپ پر وقت برباد کرنے کی بجائے کسی اور شخص کی تلاش شروع کرتے جسے دو دن کے اندر اندر شادی کے لیے راضی کیا جا سکتا۔" رومیلہ ابرار کی طرف داری نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ وہ اس کی ذہنیت کو سمجھتی تھی۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ جو وہ کہہ رہی ہے اس پر عمل کرنا آسان نہیں تھا۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جب بہن کی شادی سر پر ہو اسی لیے الیان کو خاموش دیکھ کر اس نے مزید اس بات سے اسے قائل کرنے کی کوشش کیے بغیر واپس موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"لیکن خیر، اس دھمکی سے بالکل پریشان نہ ہوں کہ اگر اپنی بہن کا گھر بسا دیکھنا چاہتے ہو تو میری بہن کو ساری زندگی برداشت کرو۔ میرا گھر بسے یا اجڑ جائے، اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔" رومیلہ بڑے سپاٹ سے لہجے میں بول رہی تھی۔ اپنی دوست کے سامنے جس طرح وہ بکھر گئی تھی، اب اس کا شائبہ تک اس کے لہجے میں نہیں تھا۔ اس نے بڑی عمدگی سے خود کو کمپوز کر رکھا تھا۔ الیان اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

"انہوں نے جس مقصد کے لیے یہ شادی کی تھی وہ پورا ہو چکا ہے۔ اب اگر میں لوٹ کر گھر چلی جاتی ہوں تو انہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ انہوں نے میری شادی جس بنیاد پر کرائی تھی وہ اس قدر کھوکھلی تھی کہ اس پر یہ گھر بس ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر اس سب کے لیے آپ لوگوں کو تھوڑا سا انتظار کرنا ہو گا۔ ذرا سا ماحول ٹھنڈا ہو جائے۔ ابرار بھائی کا انتقام لینے کا جذبہ سرد ہو جائے، پھر میں خود اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں گی اور ان سے کہہ دوں گی کہ مجھے آپ لوگ اور آپ کا ماحول پسند نہیں آیا۔ حالانکہ آپ لوگوں نے مجھے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کی وغیرہ۔ میرے بھائی اور بابا مجھ پر غصہ کریں گے۔ ناراض ہوں گے، بات چیت بند کر دیں گے اور آخر میرے فیصلے پر صبر کر لیں گے۔ اس بیچ آپ لوگوں کو صرف اپنے رویے پر قابو رکھنا ہو گا۔ آپ لوگ اپنا سارا غصہ اور نفرت ایک طرف رکھ کر ابرار بھائی پر یہی ظاہر کریں گے کہ آپ سب دل و جان سے اس رشتے کو نبھانا چاہتے ہیں۔ بس میں ہی ضدی اور خود سر ہوں۔ جو مان کر نہیں دے رہی۔ یہ سب کرنے میں آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنی ہو گی ابرار بھائی زیادہ سے زیادہ آپ کو ایک فون کریں گے اور بس یقین کر لیں گے کہ واقعی رومیلہ ایسی ہی لڑکی ہے جس پر کسی کے سمجھانے بجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ آپ سے کوئی انتقام بھی نہیں لیں گے اور آپ کی مجھ

سے جان بھی چھوٹ جائے گی۔" رومیلہ نے بڑے پرسکون انداز میں کندھے اچکائے تو الیان کچھ دیر اسے دیکھتا رہا، پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"اگر یہ سب اتنا ہی سمپل تھا تو ابرار کو اتنا بڑا قدم اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔"

"کیونکہ ان کی انا پر ضرب پڑی تھی نا۔" رومیلہ بے ساختہ بولی اور پھر اپنا رشتہ طے ہونے سے لے کر رشتہ ٹوٹنے تک ساری بات تفصیل سے الیان کو بتا دی۔

الیان بالکل خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی وہ کچھ دیر تک کچھ نہ بولا تو رومیلہ کو خود ہی کہنا پڑا۔

"اب آپ خود بتائیں جس شخص کو اپنا فیصلہ غلط نہ لگ رہا ہو اور چاروں طرف سے یہ سننے کو مل رہا ہو کہ یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، پھر بھی وہ شرمندہ ہونے کی بجائے کسی کی بہن کو اغوا کرنے چل پڑے تو آپ اس کے عمل کو کیا کہیں گے۔ ایک بھائی کی بہن کے لیے محبت یا ایک ضدی شخص کی ہٹ دھرمی، اس لیے میں کہہ رہی ہوں انہیں بریرہ کا گھر اجاڑنے سے کوئی مطلب نہیں، انہیں صرف گلفام کو نیچا دکھانا تھا اور یہ وہ کر چکے ہیں۔ مگر میں صرف یہ چاہتی ہوں کچھ دن انہیں اپنی کامیابی کے نشے میں چور رہنے دیں، اگر میں فوراً گھر واپس چلی گئی تو وہ بھتے سے اکھڑ جائیں گے۔ ایسی صورت حال میں وہ بریرہ کو بھی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ دو، تین مہینے مجھے برداشت کر لیں، تاکہ وہ جی بھر کر اپنی کامیابی کا جشن منا لیں، پھر اگر میں لوٹ کر جاؤں گی تو وہ آپ لوگوں کو ذمہ دار نہیں سمجھیں گے، بلکہ مجھے بھی نمل کی طرح خود سر، باغی اور بے غیرت کے خطاب سے نواز دیں گے۔ جس کی مجھے قطعی پروا نہیں۔" رومیلہ کہتی چلی گئی۔

وہ اتنی کمزور اور ناتواں نہیں تھی جتنی الیان کو اب تک لگ رہی تھی، وہ تو کافی بہادر یا شاید بہت زیادہ خوددار تھی۔ جب ہی وہ اپنے باپ اور بھائی کی نظر میں بے غیرت اور خود سر بننے کے لیے تیار تھی۔ مگر یہاں ان لوگوں کے سر پر زبردستی مسلط رہنے پر بالکل آمادہ نہیں تھی۔ الیان کی اتنی طویل خاموشی رومیلہ کی سمجھ سے باہر تھی۔ تب ہی وہ وضاحت پر وضاحت دیے جا رہی تھی۔

"آپ شاید مجھ پر بھروسہ نہیں کر پا رہے، میں جو آپ سے دو، تین مہینے کی مہلت مانگ رہی ہوں، آپ اسے کوئی سازش سمجھ رہے ہیں۔ لیکن میں۔۔۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔" الیان غیر ارادی طور پر کہہ گیا۔ وہ رومیلہ پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس کی اور اس کی کزن کی گفتگو سن چکا ہے۔ اس لیے اسے معلوم ہے وہ کسی سازش میں شامل نہیں۔

البتہ وہ یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ رومیلہ جو اپنے بھائی کے بارے میں کہہ رہی ہے کہ دو، تین مہینے میں وہ اپنی فتح کا جشن منا چکا ہو گا۔ لہٰذا کسی ردعمل کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ اس بات پر کتنا یقین کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ مگر ابھی وہ یہ سب رومیلہ سے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس موضوع کو بدلنے کے لیے کہنے لگا۔

"میں تمہاری کزن نمل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بہت بولڈ لڑکی ہے وہ۔ اتنا بڑا اسٹیپ اٹھانا آسان کام نہیں ہے۔" رومیلہ بے اختیار مسکرا دی۔

نمل کے ذکر پر وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنی ساری الجھنوں سے باہر آ گئی۔ نمل جیسی دوست واقعی ایسی نعمت ہوتے ہیں جن کا ذکر بھی انسان کے ڈپریشن اور ٹینشن کو کم کر دیتا ہے۔ کس طرح وہ اس کی ہر تکلیف پر ایسے پریشان ہو جاتی جیسے وہ خود اس مشکل سے گزر رہی ہے۔

"ہاں۔۔۔ وہ تو ہے۔" رومیلہ ایسے بولی جیسے تصور کی آنکھ سے نمل کے پریشان چہرے کو دیکھ رہی ہو، جو رومیلہ

کی تکلیف دیکھ کر ایسا ہو جاتا تھا۔

"اگر وہ کینیڈا جا کر اس شخص سے نہ ملتی تو جانے میرے ساتھ کیا ہوتا۔ پتا نہیں وہ شخص کینیڈا لے جا کر میرے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ جانے اس کے کیا ارادے تھے۔ جانے اس کا وہاں کیا کاروبار ہوگا۔ پتا نہیں مجھ جیسی اور کتنی لڑکیوں کو اس نے دھوکا دے کر اپنی غرض کے لیے استعمال کیا ہوگا۔" رومیلہ کا لہجہ بات شروع کرتے وقت بہت نرم تھا۔ مگر بات کے اختتام تک وہ بری طرح تلخ ہو گئی تھی۔

اس کے خدشات غلط نہیں تھے۔ ایسے دھوکے باز لوگوں کے ہتھے چڑھنے سے مر جانا بہتر ہوتا ہے۔ الیان بھی کچھ دیر کے لیے اس کی باتوں کے زیر اثر خاموش سا ہو گیا تھا۔ اس کی بہن تو چند دنوں کے لیے اغوا ہوئی تھی تو اس کی جان پر بن آئی تھی، تو ان گھر والوں کا کیا حال ہوتا ہوگا جن کی بہن اور بیٹیوں کو شادی کا جھانسہ دے کر غلط اور ناجائز کاموں کے لیے دوسرے ملک اسمگل کر دیا جاتا ہے۔

الیان کے احساسات صرف یہ سوچ کر ہی عجیب ہو گئے تھے اور نا جانے کتنی دیر وہ اسی احساس کے زیر اثر رہتا کہ رومیلہ کے اچانک صوفے کی طرف بڑھ جانے پر چونک اٹھا۔ وہ اس کی طرف دیکھے بغیر صوفے کی بیک کی جانب منہ کر کے لیٹ گئی، جبکہ الیان کتنی ہی دیر اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

✡ ✡ ✡

زوبیہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عائشہ اختر کا ہاتھ چھوڑ کر بھاگتی ہوئی اس مجمع میں سے نکل جائے، مگر عائشہ اختر کو شاید اس کے احساسات کا علم تھا۔ تب ہی انہوں نے مضبوطی سے اس کے ہاتھ کو پکڑ رکھا تھا اور ہنستی مسکراتی آگے اور آگے بڑھے جا رہی تھیں۔ زوبیہ کو بچپن سے ایسے بڑے بڑے فنکشنز اور پارٹیز سے گھبراہٹ ہوتی تھی۔ اسی لیے وہ تقریبات میں جانے سے کتراتی تھی، مگر آج عائشہ اختر زبردستی اسے لے آئی تھیں۔ وہ بھی خوب تیار کر کے، اپنی پسند سے انہوں نے اس کے لیے کپڑے نکالے تھے۔ بقول عائشہ اختر کے کہ تمہارے پاپا کے دوست کی سلور جوبلی اینی ورسری ہے۔ لہٰذا تمہیں وائٹ پر سلور کام کا جوڑا ہی پہننا چاہیے اور اس پر بڑے بڑے سلور آویزے۔ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ (جو کہ عائشہ اختر نے ہی کیا تھا۔) زوبیہ کسی اور دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔

محفل میں اٹھنے والی ہر نظر اسی پر ٹھہر رہی تھی اور یہی بات عائشہ اختر کا سیروں خون بڑھا رہی تھی۔ اپنی بیٹی کو دیکھ کر ان کی گردن فخر سے تنی جا رہی تھی۔ وہ جس مقصد سے اسے یہاں زبردستی لائی تھیں، وہ پورا ہوتا لگ رہا تھا۔ عالم صاحب کے گھرانے سے ان کے کوئی بہت گہرے مراسم نہیں تھے۔ بہت ہی پر تکلف قسم کا ملنا جلنا تھا۔ کبھی سال دو سال میں ایک بار ایک دوسرے کے گھر چلے جاتے یا کوئی بہت بڑا فنکشن کرتے تو ایک دوسرے کو بلا لیتے، ایسے کاروباری دوستوں سے ایسے ہی ملنا جلنا ہوتا ہے۔ جب ہی زوبیہ انہیں جانتی بھی نہیں تھی اور نہ ہی ان کے گھر کبھی آئی تھی۔

خود عالم صاحب بھی بلال اختر کے گھر اکثر و بیشتر اکیلے ہی آئے تھے۔ وہ بھی کسی ضروری کام سے، لیکن عائشہ اختر ان کے فنکشن میں ایسے شرکت کرنے آئی تھیں جیسے وہی ان کے لیے سب سے اہم ہوں۔ کیونکہ بلال اختر نے انہیں بتایا تھا کہ فرقان حسن بھی اس تقریب میں شامل ہوں گے، وہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ اور وہ خرم سے ملنے کے لیے بری طرح بے چین تھیں۔ اس کی تعریفیں اتنی سنی تھیں کہ تجسس جاگ اٹھنا ایک قدرتی بات تھی۔ دوسرے وہ یہ بھی دیکھنا چاہتی تھیں کہ زوبیہ کی اگر کسی سے دوستی ہو گئی ہے۔ (جو کہ نہایت حیران کن بات ہے۔) تو وہ کون ہے اور کیسا ہے۔

وہ تو دل ہی دل میں زوبیہ کی شادی تک کا پلان بنائے بیٹھی تھیں۔ ان کی بیٹی کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے ہو یہ صرف ایک ارمان نہیں بلکہ ان کی زندگی کا مقصد سا بن گیا تھا۔ حالانکہ زوبیہ کی ذہنی حالت کی وجہ سے وہ ایسی امید کب کی چھوڑ چکی تھیں۔ مگر جب سے انہوں نے خرم کا ذکر سنا تھا ان کے ٹوٹے خوابوں کو ایک نئی تعبیر مل گئی تھی۔

دوسری طرف زوبیہ ان کا جوش و جذبہ دیکھ کر بالکل انکار ہی نہ کر سکی۔ ورنہ ایسی محفلوں میں جانے کا اسے شوق تھا نہ ہی عادت، بلکہ اسے تو وحشت ہوتی تھی اور عائشہ اختر نے جس طرح اسے اہتمام سے تیار کیا تھا اس پر تو اسے اختلاج ہو رہا تھا۔

وہ تو شکر تھا کہ عائشہ اختر کی ملاقات اپنی ایک خاص دوست سے ہو گئی اور وہ ان سے باتوں میں مشغول ہو کر زوبیہ کو فراموش کر بیٹھیں۔ ورنہ وہ محفل میں اسے لیے لیے پھرتی رہتیں اور ہر ایک سے اس کا تعارف کرائے جاتیں۔

زوبیہ، عائشہ اختر کو اپنی ساڑھی کی تفصیلات سنانے میں مصروف دیکھ کر چپ چاپ وہاں سے کھسک لی اور ایک نسبتاً" خاموش اور الگ تھلگ کونے میں رکھی میز کے پاس چلی آئی۔ کرسی گھسیٹ کر بیٹھنے پر زوبیہ نے ایک پرسکون سانس لیا اور ارد گرد کا جائزہ لینے لگی۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے ان ہنستے مسکراتے لوگوں میں اپنا آپ بالکل بے تکا اور بے محل لگا۔ ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف تمام مہمانوں کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے انہیں زندگی میں کوئی تکلیف ہے ہی نہیں۔ سب کے سب اپنے آپ سے مطمئن اور آسودہ لگ رہے تھے۔ کسی کو زندگی سے کوئی شکوہ اور حالات سے کوئی شکایت ہی نہ ہو۔ کیا واقعی ایسا تھا یا یہ صرف نظر کا دھوکا تھا۔

زوبیہ ان سب کے چہرے کھوجتے ہوئے اپنے سوال کا جواب تلاشنے لگی۔ جواب تو اسے کیا ملتا البتہ بلیک پینٹ شرٹ پر کریم کلر کی واسکٹ اور کریم ہی کلر کی ٹائی لگائے نہایت ڈیشنگ نظر آتا خرم اسے نظر آ گیا۔ ایک پل کے لیے تو زوبیہ چونک اٹھی۔ خرم کی نظر بھی اس پر پڑ چکی تھی۔ حیران تو وہ بھی اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ مگر اسے فورا" ہی اپنی حیرت پر قابو پانا پڑا تھا۔ کیونکہ اس کے سارے دوست اس کے ساتھ موجود تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ زوبیہ اسے حمید کے ساتھ دیکھے۔ لہٰذا وہ تیزی سے زوبیہ کی طرف بڑھ گیا۔ ظاہر اس نے یہی کیا تھا کہ وہ کولڈ ڈرنک لینے جا رہا تھا۔ چنانچہ ہارون وغیرہ میں سے کسی نے دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ کس سمت میں بڑھ رہا ہے۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

خرم کو حقیقتاً" اسے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ وکی کے والد کی سلور جوبلی تھی اور اس سے پہلے وکی کے گھر کسی بھی فنکشن میں اس نے زوبیہ کو نہیں دیکھا تھا۔ ایک طرح سے وہ یہاں آیا ہی زوبیہ کی وجہ سے تھا۔ جب سے فرقان حسن نے زوبیہ کی بابت بازپرس کی تھی خرم بہت محتاط ہو گیا تھا۔ ورنہ وکی کے انوائیٹ کرنے پر اس کا آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ لیکن وہ فرقان حسن پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس کے مزاج یا معمول میں ذرا سی بھی کوئی تبدیلی آئی ہے۔

البتہ یہاں زوبیہ کو دیکھ کر وہ چند ثانیے کے لیے یہ ضرور بھول گیا کہ اگر فرقان حسن نے اسے زوبیہ سے باتیں کرتا دیکھ لیا تو بھی ان کا شک یقین میں بدل سکتا ہے۔ اس کے ذہن میں تو بس ایک بات آئی تھی کہ کہیں حمید کو دیکھ کر اسے پھر دورہ نہ پڑ جائے اور حمید کے ساتھ اسے کھڑا دیکھ کر وہ کہیں آپے سے باہر نہ ہو جائے۔

وہ زوبیہ پر بالکل ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ وہ حمید کو جانتا ہے یا اس کی حمید سے دوستی ہے۔

"نہیں... بیٹھی ہوں یہاں... کرتو کچھ بھی نہیں رہی۔" زوبیہ کی سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے اس عجیب و غریب سوال کا۔ خرم کو خود بھی اپنے سوال کے نامناسب ہونے کا احساس ہوا تو وضاحت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"دراصل میں میرا مطلب تھا تم عالم انکل کی فیملی کے کسی فنکشن میں کبھی نظر نہیں آئیں اس لیے..."

"ہاں... میں پارٹیز میں جانا پسند نہیں کرتی... آج تو مما زبردستی مجھے لے آئی ہیں۔ ورنہ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ میں ان کے کسی فنکشن میں پہلے کبھی آئی ہوں یا نہیں۔" زوبیہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو خرم بے اختیار نظریں گھما کر اپنے والدین کو ڈھونڈنے لگا۔ اتنے رش میں وہ اسے نظر نہیں آئے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ زوبیہ کو یہاں سے چلے جانے کے لیے کیسے کہے۔ اگر وہ زوبیہ کے والدین سے بات کرتا ہے تو وہ بھی سب سے پہلے اس کے اس مطالبے کی وجہ پوچھیں گے۔ اب وہ انہیں یہ تو نہیں بتا سکتا تھا کہ یہاں ایک ایسا لڑکا موجود ہے جسے دیکھ کر زوبیہ کو دورہ پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ کہنے کی صورت میں سوالوں کی ایک فہرست اس کے سامنے آجاتی جن میں سے ایک کا بھی جواب دینا ممکن نہیں تھا۔ وہ بھی بھرے مجمع میں۔

"خرم آپ نے اس لڑکے کے بارے میں کچھ پتا کیا جو مجھے یونیورسٹی میں نظر آیا تھا۔" زوبیہ نے ایک، دوبار خرم کو فون کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ مگر اس وقت خرم کا فون بزی تھا۔ خود زوبیہ بھی کچھ دن گھر میں سکون سے بیٹھنا چاہ رہی تھی۔ اس لیے خرم کا نمبر زیادہ ٹرائی بھی نہیں کیا۔

مگر اب اسے اچانک سامنے دیکھ کر وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ خرم اس کے سوال پر اسے دیکھ کر رہ گیا۔ جس کا زوبیہ کچھ اور ہی مطلب سمجھی اور شرمندہ ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

"آئی ایم سوری، آپ بھلا اس کے بارے میں کیسے پتا کر سکتے ہیں۔ آپ نے اسے دیکھا تھوڑی ہے اور نہ ہی میں آپ کو اس کا حلیہ وغیرہ کچھ بتا سکتی ہوں جو آپ اسے پہچان لیتے۔ ویسے تو میرے پاس شائستہ خالہ کے بنائے اس کے اسکیچز ہیں۔ وہ میں آپ کو دے سکتی ہوں۔ لیکن انہیں دیکھ کر آپ اس لڑکے کو پہچان نہیں سکتے۔ ان اسکیچز میں وہ شکلیں اتنی واضح نہیں ہیں۔

مجھے لگتا ہے میرے پاس یونیورسٹی آنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ لیکن میں یونیورسٹی آنا نہیں چاہتی۔" خرم بالکل بے دھیانی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن تو اسے یہاں سے بھیجنے کا کوئی طریقہ سوچنے میں الجھا ہوا تھا۔

مگر زوبیہ کی آخری بات پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آنا نہیں چاہتیں؟ مگر کیوں؟" خرم نے حیرانی سے اس کا جملہ دوہراتے ہوئے پوچھا۔ اسے تو لگ رہا تھا زوبیہ یونیورسٹی آنے کے لیے اصرار کرے گی اور خرم کو اسے ٹالنا مشکل ہو جائے گا، لیکن یہاں تو وہ خود ہی آنے سے کترا رہی تھی۔

"وہ... وہاں یونیورسٹی میں..." وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گئی۔

"یونیورسٹی میں کیا؟"

"آپ... آپ کی منگیتر کو... میں فیس نہیں کرنا چاہ رہی۔ وہ جانے مجھے کیا سمجھ رہی ہیں۔" زوبیہ نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

خرم اس کی بات سن کر گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔ اب وہ یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ اسے تو کچھ نہیں سمجھ رہی، جو بھی اسے سمجھنا ہے وہ خرم کو ہی سمجھ رہی ہے۔

اسے خاموش دیکھ کر زوبیہ کچھ شرمندہ سے انداز میں کہنے لگی۔

"آپ کی منگیتر نے آپ پر بعد میں بہت غصہ کیا ہو گا نا۔"

"نہیں تو! بلکہ وہ تو میرے ساتھ گاڑی میں تمہیں اسپتال لے کر گئی تھی۔" خرم نے اطمینان سے کہا۔
"واقعی۔" زوبیہ بڑی حیران لگ رہی تھی۔ خرم اس کی حیرت پر بے اختیار مسکرا دیا اور نجانے کیوں اپنی فطرت کے برخلاف اسے صفائی دینے لگا۔
"اس میں بچپنا ہے' اس لیے ایسی حرکتیں کرتی ہے۔ ورنہ تو ہم دونوں کے بیچ سب سیٹ ہے۔"
زوبیہ جس طرح خرم کو دیکھ رہی تھی' خرم کو اپنی بات خود بھی بہت بناوٹی لگی' لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اب وہ اپنی بات سے پھر نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اسے نبھانے کے لیے مزید کہنے لگا۔ حالانکہ وہ یہاں لمبی نشست کے ارادے سے نہیں آیا تھا بلکہ وہ تو فوراً" یہاں سے ہٹ جانا چاہتا تھا۔ مبادا فرقان حسن یا بلال اختران دونوں کو ساتھ نہ دیکھ لیں۔
"دراصل میں ہماری ایک معمولی سی بات پر لڑائی ہو گئی تھی اس پر' اس نے تمہیں بھی میرے ساتھ دیکھ لیا۔ بس اسی لیے بھڑک اٹھی تھی۔" خرم نے کہا۔ مگر ابھی بھی وہ خرم سے متفق نہیں لگ رہی تھی۔ تب ہی کچھ سوچتے ہوئے بولی۔
"مجھے کسی کے ذاتی معاملے میں دخل اندازی کی عادت نہیں ہے' لیکن کیونکہ آپ میری اتنی مدد کر رہے ہیں۔ اس لیے آپ کو ایک مشورہ ضرور دوں گی۔
اپنی منگیتر سے ایک بار کھل کر بات ضرور کر لیں۔ آیا وہ اس شادی پر رضامند بھی ہے یا نہیں۔
کیونکہ وہ آپ کے بارے میں جس طرح بات کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہوئے مجھے نہیں لگتا کہ وہ کسی جھگڑے کا ردعمل تھا۔ بلکہ وہ آپ سے خاصی بدگمان لگ رہی تھیں۔ میں نے آپ کی پوزیشن تھوڑی سی کلیئر کرنے کی کوشش کی' لیکن وہ مجھے بولنے ہی نہیں دے رہی تھیں۔
مجھے تو لگتا ہے وہ آپ سے منگنی پر بالکل خوش نہیں ہیں۔" زوبیہ کا تجزیہ خرم کو اپنی ازلی ڈھٹائی پر اترنے پر مجبور کر رہا تھا۔ یعنی اگر اسے اندازہ ہو ہی گیا ہے تو کیا ضرورت ہے اسے اتنی صفائیاں دے کر قائل کرنے کی' تب ہی بڑی بے نیازی سے پوچھنے لگا۔
"تم نے میری پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کیسے کی۔"
"میں نے انہیں بتایا کہ ہوٹل میں ملنے سے پہلے بھی میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ ایک لڑکے کو گولی لگی تھی اور آپ اسے کندھے پر اٹھا کر لے گئے تھے۔ حالانکہ وہاں کتنے لوگ تھے' مگر کوئی اس کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا' سوائے آپ کے' مگر آپ کی منگیتر میری بات ہی نہیں سن رہی تھیں۔" زوبیہ جیسی لڑکی کے لیے بولنا ویسے بھی کوئی آسان کام نہیں تھا اور نان اسٹاپ بگڑتی نمل کے سامنے وہ کتنا کہہ پائی ہو گی یہ اندازہ لگانا خرم کے لیے قطعاً" مشکل نہیں تھا۔ وہ تو خرم کے لیے زوبیہ کے منہ سے ایک بھی اچھا لفظ سن کر ہتے سے اکھڑ گئی ہو گی' جب خرم ان کی ٹیبل پر پہنچا تھا تب اس نے اپنی آنکھوں سے یہی منظر دیکھا تھا۔
نمل مسلسل بول رہی تھی اور زوبیہ حیران پریشان بیٹھی تھی۔ البتہ زوبیہ نے اس وقت جو واقعہ سنایا تھا وہ خرم کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اسے تو یاد کرنے سے بھی اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہیں آ رہی تھی' جانے زوبیہ نے کسے دیکھ لیا تھا۔ جس کے عمل کو خرم کے کھاتے میں ڈال رہی تھی۔ مگر خرم کو بھلا کیا ضرورت تھی وضاحت دینے کی۔
خرم نے اسے کریدنے کی بجائے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔
"اسے سمجھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ کام تمہارے بس کا ہے بھی نہیں' وہ بہت اڑیل لڑکی ہے۔ اسے میرے سوا اور کوئی قابو نہیں کر سکتا۔" خرم لاپروائی سے بولا۔
زوبیہ کچھ دیر خرم کو دیکھتی رہی' پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔ "مجھے تو لگتا ہے آپ کو اس بات کی پروا ہی نہیں

ہے کہ آپ کی منگیتر اس رشتے پر خوش ہے یا نہیں۔" خرم کچھ لمحوں کے لیے بالکل لاجواب ہو کر رہ گیا۔
اتنے دنوں سے زوبیہ اس لڑکے کے بارے میں سوچ رہی تھی جسے اس نے یونیورسٹی میں دیکھا تھا۔ لیکن ایک بار کے سوا اس نے دوبارہ کبھی یونیورسٹی جانے کے بارے میں سوچا تک نہیں۔
پہلی بار جب اس نے کہا تھا کہ میں اسے یونیورسٹی آ کر تلاش کرنا چاہتی ہوں' تب خرم نے اسے صاف انکار کر دیا تھا اور تب سے اب تک وہ یہی سوچ رہی تھی کہ خرم نے اسے اپنی منگیتر کی وجہ سے آنے سے منع کیا ہو گا۔ مگر اب خرم کی باتوں سے اسے لگ رہا تھا کہ وہ تو ایسا کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا جس سے اس کی منگیتر کی غلط فہمی دور ہو جائے۔
زوبیہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ پھر اس کا آگے کیا ارادہ ہے۔ وہ تو بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گیا ہے۔ جب سے وہ فارم ہاؤس سے واپس آئے ہیں خرم نے اس سے بات تک نہیں کی ہے۔ شاید وہ بھی دوسروں کی طرح اسے نفسیاتی مریضہ سمجھنے لگا ہے یا پھر بلال اختر کے فون نے اسے محتاط کر دیا ہے۔ جو بھی تھا زوبیہ کے لیے خرم کی خاموشی بڑی مایوس کن تھی۔ وہ تو امید لگائے بیٹھی تھی کہ خرم اس کا مسئلہ حل کر دے گا۔ بلکہ اسے یقین تھا کہ صرف خرم ہی یہ سب کر سکتا ہے۔
"اچھا میں کولڈ ڈرنک لینے جا رہا تھا کہ تم نظر آ گئیں۔" خرم نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جانے کے لیے پر تولنے شروع کر دیے۔ زوبیہ کی شکل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اس سے کچھ بات کرنا چاہ رہی ہے۔ مگر خرم اسے موقع دیے بغیر پلٹ گیا۔ وہ جانتا تھا اسے شائستہ خالہ کے متعلق ہی بات کرنی ہے' جبکہ وہ اب اس موضوع پر کچھ بولنا نہیں چاہتا تھا اور زوبیہ میں اتنی تیزی نہیں تھی کہ وہ خرم کو جاتا دیکھ کر فوراً" کچھ کہہ دیتی' اسے تو سوچنے میں اتنی دیر لگنے والی تھی کہ تب تک خرم کہیں سے کہیں جا چکا ہوتا۔
یہ اور بات تھی کہ خرم اس کے پاس سے ہٹ کر جیسے ہی ٹیبل پر سجی کولڈ ڈرنکس کے نزدیک آیا اسے فرقان حسن بھی وہیں کھڑے نظر آ گئے۔ ان کے ساتھ کوئی اور بھی کھڑا ان سے باتیں کر رہا تھا۔ مگر فرقان حسن کی توجہ پوری طرح خرم کی جانب مبذول تھی۔ وہ بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔
خرم غیر ارادی طور پر اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ فرقان حسن کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اسے زوبیہ سے گفتگو کرتا دیکھ چکے ہیں اور اس وقت وہ کیا سوچ رہے ہیں یہ سمجھنا خرم کے لیے مشکل نہیں تھا۔
وہ کولڈ ڈرنک لیے بغیر ہی یہاں سے بھی پلٹ گیا۔ مگر احتیاطاً" وہ ہارون وغیرہ کے پاس نہیں گیا' کیونکہ عین ممکن تھا زوبیہ اسے دیکھ رہی ہو یا اس سے بات کرنے اس کے پاس چلی آئے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی نظر حمید پر پڑے اور وہ بھرے مجمع میں کوئی تماشا بنائے۔
حمید کو اس سے پوشیدہ رکھنے کی یہ ایک بے کار سی کوشش تھی' مگر خرم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اب وہ زوبیہ یا حمید میں سے کسی ایک کو بھی جانے کے لیے تو نہیں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ جو وہ کر سکتا تھا اس پر عمل کرتا ہارون وغیرہ سے دور جا بیٹھا اور اس طرح فارغ بیٹھ کر جب اس نے حالات اور لوگوں کا جائزہ لینا شروع کیا تو پانچ منٹ بعد ہی ٹھٹک گیا۔
اس کے والد فرقان حسن اب اپنے دوست ڈی آئی جی صاحب کے ساتھ گفت و شنید میں مصروف تھے۔ مسز فرقان بھی وہیں کھڑی تھیں اور بلال اختر اور عائشہ اختر بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ڈی آئی جی صاحب نے ابھی ابھی ان کا تعارف کرایا ہو اور اب ان سب کے بیچ ہلکی پھلکی گفتگو ہو رہی ہو۔
تب ہی عائشہ اختران سے ایکسکیوز کرتی ایک طرف کو مڑ گئیں اور تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس آئیں تو ان کے ساتھ زوبیہ بھی موجود تھی۔

وہ جس طرح خوشی خوشی اس کا تعارف کرا رہی تھیں وہ اتنی ہی نروس لگ رہی تھی۔ اس نے صرف سلام کیا تھا اور سر جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مسز فرقان نے اس سے کوئی بات بھی نہیں کی، جس کا اسے جواب دینا پڑتا۔ البتہ عائشہ اختر کے تسلسل سے ہلتے ہونٹ ظاہر کر رہے تھے کہ وہ خود ہی اپنی بیٹی کی تعریف میں رطب اللسان ہو رہی ہیں۔

فرقان حسن شکل سے بہت زیادہ سنجیدہ لگ رہے تھے۔ البتہ مسز فرقان نارمل تھیں، جس کی وجہ خرم کی سمجھ میں بخوبی آ رہی تھی۔

فرقان حسن، زوبیہ کے بارے میں جانتے تھے اور اس وقت لڑکے کے روایتی ماں، باپ کی طرح یہی سوچ رہے تھے کہ یہ ساری ان کے بیٹے کا التفات حاصل کرنے کی کوششیں ہیں۔

جبکہ مسز فرقان کو سرے سے زوبیہ کے متعلق کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ وہ عائشہ اختر کی خوش مزاجی اور اپنی بیٹی سے خاص طور پر ملوانا ایک عام بات سمجھ رہی تھیں۔

خرم کو اچانک شدید قسم کی کوفت ہونے لگی۔ اس کا ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسے ان سب کی سوچ سے بے زاری ہو رہی تھی، اس کا دل چاہا اسی وقت اپنے گھر واپس چلا جائے۔ لیکن وہ اس طرح بغیر بولے نہیں جا سکتا تھا اور وہاں جا کر فرقان حسن کو بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ گاڑی کی چابی انہیں دے کر خود ٹیکسی سے بھی چلا جاتا، مگر اب وہ صرف اپنی جگہ سے اٹھ کر بڑے سے ہال سے باہر نکل کر سوئمنگ پول والے پورشن میں آ گیا۔

یہاں مہمانوں کی تعداد کافی کم تھی۔ خرم کو یہاں آ کر قدرے سکون محسوس ہوا تو وہ ایک طرف بچھی ٹیبل پر بوٹ سمیت دونوں پاؤں رکھ کر آرام دہ حالت میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

☼ ☼ ☼

خرم کے جانے کے بعد زوبیہ کا دل چاہا وہ اٹھ کر اس کے پیچھے جائے اور جا کر اس کے آئندہ کے ارادے کے متعلق پوچھے، لیکن وہ اتنی ہمت نہ دکھا پائی اور اپنی جگہ بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

جانے وہ اور کتنی دیر ایسے ہی بیٹھی رہتی کہ عائشہ اختر بڑے جوش و خروش سے اس کے پاس آ کر خوشی سے کانپتی آواز میں بولیں۔

"زوبیہ... زوبیہ جلدی سے اٹھو، تمہیں کسی سے ملوانا ہے۔ لیکن ایک منٹ رکو، لو یہ کومب لو اور بال ٹھیک کرو۔" زوبیہ اس اچانک ٹوٹ پڑنے والی افتاد پر ٹھیک طرح سے حیران بھی نہیں ہو پا رہی تھی کہ عائشہ اختر نے پرس سے کنگھا نکال کر خود ہی اس کے بال ٹھیک کرنے شروع کر دیے۔

بھری محفل میں ان کی یہ حرکت نہایت ہی نازیبا لگ رہی تھی۔ مگر وہ اتنی جوشیلی ہو رہی تھیں کہ زوبیہ انہیں روک ہی نہ سکی، وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"مما کیا ہوا... آخر بات کیا ہے۔" لیکن عائشہ اختر کے پاس ان سوالوں کا جواب دینے کا وقت ہی نہیں تھا۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تقریباً" کھینچتی ہوئی ایک طرف بڑھنے لگیں۔ عائشہ اختر اس وقت کچھ بتانا تو در کنار کچھ سننے کے بھی موڈ میں نہیں تھیں۔ خود زوبیہ اتنی ہونق ہو گئی تھی کہ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ کھنچتی گئی۔

اصل میں کافی دیر پہلے ہی بلال اختر نے ایک لڑکے کی طرف اشارہ کر کے انہیں دکھایا تھا کہ "وہ خرم ہے۔"

عائشہ اختر پوری طرح سے اس کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ پہلی ہی نظر میں وہ انہیں بہت اسمارٹ اور وجیہہ لگا۔

حالانکہ اتنی تعریف سننے کے بعد عموماً" توقعات اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ اچھی چیز بھی متاثر نہیں کرتی، مگر خرم نے اس فلسفے کو بالکل غلط ثابت کر دیا تھا۔

عائشہ اختر تو اسے دیکھ کر حیرت و خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ سارے وقت ان کی نظریں خرم پر ہی جمی رہیں اور دل ہی دل میں وہ دعا گو رہیں کہ زوبیہ کی قسمت اس لڑکے کے ساتھ جڑ جائے۔

تب ہی خرم زوبیہ کے پاس بات کرنے چلا گیا، پھر تو جیسے ان کا خود پر سے ضبط ختم ہو گیا۔ وہ بلال اختر کو لے کر ڈی آئی جی صاحب کے پاس گئیں اور خرم کے والدین سے تعارف کرانے پر اصرار کرنے لگیں۔

اتفاق سے مسز فرقان فوراً" نظر آ گئیں، مگر فرقان حسن کو ڈھونڈنا پڑا۔ بہر حال جو بھی تھا خرم کے والدین سے ملنے میں کامیاب ہو گئیں۔ فرقان حسن کا انداز انہیں کچھ لیا دیا سا لگا، مگر پھر بھی عائشہ اختر گفتگو کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی رہیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ زوبیہ اب اکیلی بیٹھی ہے اور خرم اس کے پاس سے ہٹ گیا ہے، تب وہ اسے بھی لے کر پہنچ گئیں۔

اپنی بیٹی کے بے تحاشا حسن کا انہیں بخوبی علم تھا۔ لہٰذا وہ بڑی خود اعتمادی سے زوبیہ کو ملوانے لگیں جو اچھی خاصی نروس لگ رہی تھی۔

فرقان حسن، زوبیہ کو دیکھ کر چونک سے گئے۔ وہ لڑکی بلاشبہ چونکا دینے والا حسن رکھتی تھی۔ خرم، نمل سے منگنی کے باوجود اگر اس کی طرف راغب ہو رہا تھا تو یہ اتنا حیران کن نہیں تھا۔

اپنے خدشات کو تقویت پہنچتا دیکھ کر فرقان حسن مزید خائف ہو گئے۔

نمل انہیں خرم کے لیے پہلی دفعہ میں ہی بہت مناسب لگی تھی۔ ایک اتنی اچھی لڑکی کو محض اس لیے چھوڑ دینا کہ اس سے زیادہ حسین لڑکی سے ٹکراؤ ہو گیا ہے۔ فرقان حسن کی نظر میں یہ سراسر کردار کی کمزوری تھی، ان کے نزدیک ایسا شخص کبھی بھی اپنے کسی فیصلے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ کل کو وہ زوبیہ سے زیادہ حسین لڑکی دیکھے گا تو اس پر فدا ہو جائے گا۔

چنانچہ ان کا مزاج زوبیہ کو دیکھ کر سخت برہم ہو گیا تھا۔ وہ تمام اخلاق بالائے طاق رکھ کر جیب سے موبائل نکال کر اس میں مصروف ہو گئے۔

بلال اختر ان کا نظر انداز کرنا محسوس کر کے فوراً" ہی ایکسکیوز کرتے وہاں سے ہٹ گئے تو ڈی آئی جی صاحب نے بھی وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔

البتہ عائشہ اختر، مسز فرقان کے ساتھ باتوں میں مشغول رہیں، لیکن مسز فرقان کا سرکل اتنا وسیع تھا کہ وہ یکسوئی سے کسی ایک سے بات کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ پانچ منٹ میں ہی چند بیگمات کی مداخلت نے عائشہ اختر کو کترا کر نکل جانے پر مجبور کر دیا۔

اصل میں وہ بہت زیادہ گر بڑ کر بھی ملنا نہیں چاہتی تھیں کہ فوراً" ہی مسز فرقان کا نمبر وغیرہ مانگنا شروع کر دیتیں، کچھ تو بھرم دکھانے تھے، مگر جو بھی ہو یہ ملاقات اتنی مایوس کن نہیں تھی۔ تعارف ایک دفعہ ہو گیا تھا۔ اب دوبارہ کہیں ملاقات پر وہ اسی رسمی سی بات چیت کو دوستی کا رنگ بھی دے سکتی تھیں۔ یہی سب سوچ کر وہ خاصی پر امید تھیں۔ البتہ زوبیہ کی خاموش طبع فطرت انہیں اس وقت سخت گراں گزری تھی۔

زوبیہ مسز فرقان کو سلام کر کے ایسے کھڑی ہو گئی تھی جیسے وہاں موجود ہی نہ ہو اور تھوڑی دیر بعد وہ عائشہ اختر کے اشارہ کرنے پر بھی رکی نہیں اور ایکسکیوز کرتی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

ان کے خیال میں زوبیہ کو مسز فرقان سے بڑی خوش مزاجی سے ملنا چاہیے تھا اور اتنی باتیں کرنی چاہیے تھیں کہ وہ ان کے اعصاب پر سوار ہو جاتی۔

ان کا ارادہ تھا گھر جا کر زوبیہ کی کلاس لینے کا، مگر ابھی تو سوائے صبر کرنے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔
دوسری طرف زوبیہ نے سوچ رکھا تھا گھر جا کر عائشہ اختر سے بات ضرور کرے گی کہ اسے ایسی محفلوں میں جانا بالکل پسند نہیں اور اگر وہ اسے زبردستی لے ہی جاتی ہیں تو کم از کم ہر ایک سے ملوانے مت کھڑی ہو جایا کریں۔
اپنے بارے میں اس کے پاس بتانے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں اور لوگوں کا سب سے پہلا سوال یہی ہوتا "اور تم کیا کر رہی ہو۔" یہ سوال اسے اچانک بے تحاشا احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا۔ چنانچہ اس سے پہلے عائشہ اختر اسے کسی اور سے متعارف کراتیں وہ پارٹی ہال سے باہر آ گئی۔
سوئمنگ پول کے نسبتاً "سنسان حصے میں آ کر اسے کافی افاقہ ہوا۔ وہ ست روی سے چلتی جھلملاتے پانی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔
نیلے سمندر جیسے سوئمنگ پول پر نظریں جمائے وہ کچھ لمحوں کے لیے سب بھول بھال گئی، مگر ایسا بس کچھ لمحوں کے لیے ہوا تھا، کیونکہ اچانک اس کے اندر کا خوف اس کے پورے وجود پر حاوی ہو گیا۔
سوئمنگ پول کی دوسری جانب شائستہ خالہ اپنے مخصوص سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی تھیں، مگر زوبیہ کو لرزا دینے والا منظر کچھ اور تھا۔ شائستہ خالہ سے ذرا ہی فاصلے پر وہی یونیورسٹی والا لڑکا کھڑا جسے دیکھ کر زوبیہ چیخ پڑی تھی۔ وہ کسی سے موبائل پر بات کر رہا تھا اور شاید اسی لیے پارٹی ہال سے نکل کر اس پر سکون اور خاموش گوشے میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی گفتگو میں اتنا مگن تھا کہ اسے احساس ہی نہیں تھا کوئی اس کے قریب آ کھڑا ہوا ہے اور اس کی پشت کو گھور رہا ہے۔
زوبیہ حواس باختہ سی دوڑتی ہوئی سوئمنگ پول کے دوسرے جانب پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ اس لڑکے کو خبردار کرتی، شائستہ خالہ نے دونوں ہاتھ اس لڑکے کی پشت کی جانب اٹھائے اور اسے سوئمنگ پول میں دھکا دے دیا۔
ایک دل دوز چیخ زوبیہ کے منہ سے نکلی اور وہ یہ بھول کر کہ اسے خود تیرنا نہیں آتا۔ اس لڑکے کو بچانے کے لیے سوئمنگ پول میں کود گئی۔
سوئمنگ پول میں ایک زوردار چھپاکا ہوا اور وہ پانی کے اندر اور اندر جانے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اندھا دھند ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بھی اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ سوئمنگ پول میں گرنے والا وہ لڑکا یقیناً "سوئمنگ جانتا تھا۔ تب ہی وہ تیر کر اوپر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔
مگر پانی کی تہ میں شائستہ خالہ آرام سے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے مضبوطی سے اس لڑکے کا پاؤں پکڑ رکھا تھا اور اسے اتنا موقع بھی نہیں دے رہی تھیں کہ وہ ایک بار اوپر آ کر چہرہ پانی سے نکال سکے اور صرف ایک سانس کھینچ سکے۔
زوبیہ نے آگے بڑھ کر اس کا پاؤں شائستہ خالہ کی گرفت سے آزاد کرنا چاہا۔ مگر اس کا خود اپنے ہاتھ پاؤں پر ہی اختیار نہ رہا۔ وہ آگے بڑھنے کی بجائے پانی میں نیچے اور نیچے دھنستی چلی گئی۔ یہاں تک کہ سارا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلانے لگا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

زوبیہ نے آنکھیں کھول کر اپنے چاروں طرف دیکھا تو خود کو اسپتال کے ایک کمرے میں پایا۔ کھڑکی پر پڑے باریک نیلے پردوں سے چھن کر آتی روشنی صبح ہو جانے کا پتا دے رہی تھی۔
زوبیہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو اس کے سر میں ایک زوردار ٹیس اٹھی۔ شاید اس کے سر میں چوٹ لگی تھی۔

اچانک اسے یاد آیا کہ وہ تو پارٹی میں گئی تھی۔ مما اور پاپا کے ساتھ۔ وہاں شائستہ خالہ نے اس لڑکے کو سوئمنگ پول میں دھکا دے دیا تھا۔
کیا ہوا اس لڑکے کو۔ کیا وہ مر گیا یا بچ گیا؟
زوبیہ فکر مندی سی بستر پر اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی کہ تب ہی ایک نرس دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی اور اسے ہوش میں دیکھ کر روایتی پیشہ ورانہ سوالات پوچھنے لگی جنہیں نظرانداز کر کے زوبیہ نے پست آواز میں پوچھا۔
"وہ لڑکا کیسا ہے، جو سوئمنگ پول میں گر گیا تھا؟" مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں، بلکہ وہ یہ کہتی پلٹ گئی۔
"آپ بات کرنے کے قابل ہو گئی ہیں، میں پولیس انسپکٹر کو اندر بھیجتی ہوں۔" پولیس کا نام سن کر زوبیہ کچھ خوف زدہ سی ہو گئی۔
اس سے پہلے کہ وہ کچھ سوچ پاتی ایک انسپکٹر، ایک کانسٹیبل کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔
"اب کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ۔ مجھے آپ کا بیان لینا ہے۔ جب تک آپ اپنا بیان نہیں دیں گی، آپ کسی سے نہیں مل سکتیں۔"
"اگر آپ باہر بیٹھے اپنے والدین سے جلد سے جلد ملنا چاہتی ہیں تو جلدی سے بتا دیں، کل رات کیا ہوا تھا۔"
پولیس انسپکٹر کا لب و لہجہ ڈاکوؤں اور غنڈوں، بدمعاشوں سے الجھتے الجھتے اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ ان کے چہرے پر بھی مستقل طور پر کرختگی چھا جاتی ہے۔ زوبیہ جیسی کمزور دل لڑکی تو ان کی شکل دیکھ کر ہی ڈر گئی۔ اس پر ان کا تفتیش کرتا جارحانہ انداز۔ زوبیہ سے تو گویا جواب دینا مشکل ہو گیا۔
"میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے۔" انہوں نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ زوبیہ ایک لمحے کے لیے سہم گئی۔ پھر ہمت کر کے پوچھنے لگی۔
"وہ۔ وہ لڑکا جو سوئمنگ پول میں گرا تھا، کیا وہ ٹھیک ہے۔" زوبیہ کے سوال پر انسپکٹر کچھ دیر اس کی شکل دیکھتا رہا، پھر اپنے مخصوص کرخت لہجے میں بولا۔
"وہ لڑکا گرا نہیں تھا، بلکہ اسے دھکا دیا گیا تھا۔ یعنی اسے مارنے کی کوشش کی گئی تھی۔" ایک پل میں زوبیہ کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔ وہ سمجھ گئی تھی وہ لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ اس نے پوری بات انہیں تفصیل سے بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس کی بات پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ پھر بھی وہ شائستہ خالہ کے متعلق بتانے لگی۔
"آپ کا مطلب ہے ایک روح نے اس لڑکے کو مارنے کی کوشش کی اور آپ اسے بچانے کود گئیں، حالانکہ آپ کو تیرنا بھی نہیں آتا۔" انسپکٹر طنزیہ بولا۔
"جی۔" زوبیہ نے آہستگی سے کہا۔
"تو پھر آپ کے سر میں یہ چوٹ کیسے لگی۔" زوبیہ نے چونک کر اپنے سر کے پچھلے حصے میں ہاتھ رکھا، جہاں پٹی بندھی تھی۔
"پتا نہیں۔ پانی میں گرنے کے کچھ دیر بعد ہی میں بے ہوش ہو گئی تھی۔ دراصل وہ سب اتنا اچانک ہوا کہ میں کچھ سوچ نہ سکی اور مجھے یہ خیال بھی نہیں آیا کہ میں تیرنا نہیں جانتی، لیکن آپ یہ کیوں نہیں بتاتے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں۔"

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

☼ ☼

سیدہ شبیہہ بخاری

"روشی آنٹی! ان جوتوں کا میٹریل تو بالکل ہماری "بلیک کیٹ" گل بہار کی اسکن جیسا ہے۔ "پیور بلیک اینڈ شائنی"۔۔۔" میرے ناروے سے لائے ہوئے امپورٹڈ جوتوں کا گفٹ دیکھ کر سنی نے با آواز بلند تبصرہ کیا۔ جس پر میری عزیز از جان سہیلی اور سنی کی مما فرزین کا قہقہہ بلند ہوا اور میں نے مروتا" مسکرا کر ایک نظر سامنے ٹیبل کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھی چائے بناتی فرزین کی نئی میڈ پر ڈالی جس پر اپنے بارے میں اتنے نادر تبصرے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ بڑے مگن انداز میں چائے میں دودھ شکر ملانے میں مصروف تھی۔ اس نے اپنا دوپٹے میں لپٹا سر جھکا رکھا تھا شاید اس لیے میں اس کے تاثرات دیکھ نہیں پائی۔

"میڈم! آپ چائے میں شوگر کتنی لیں گی۔" اس نے جھکی ہوئی نظریں اٹھا کر مجھے دیکھا۔

مجھے سنی کے "بلیک کیٹ" والے خطاب کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔ اس کی آنکھیں نیلی اور بے حد چمکدار تھیں۔ مجھے اس پر ریشمی فر والی کالی بلی سا گمان ہوا۔

"ود آؤٹ شوگر۔۔۔"

میرے بجائے جواب فرزین نے دیا تھا۔ وہ میری تمام عادتوں سے واقف تھی۔ بلکہ اس کے گھریلو ملازم بھی میری طبیعت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ یہ نئی میڈ ابھی کچھ ماہ پہلے ہی فرزین نے رکھی تھی اس لیے اسے ابھی میری پسند ناپسند معلوم نہیں تھی۔۔۔

گل بہار کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں فرزین کی طرف متوجہ ہوئی۔

"باسط بھائی نہیں آئے ابھی تک۔۔۔؟"

رات کے نو بج رہے تھے۔ عموما" اس وقت وہ گھر آجایا کرتے تھے۔ خصوصا" میری آمد پر وہ اپنے بزی شیڈول میں سے ضرور وقت نکالتے تھے۔ اپنی بیوی کی بیسٹ فرینڈ کو کمپنی دینے کے لیے کم از کم ڈنر ساتھ ہی کیا کرتے تھے۔

"باسط تو ابھی دو دن پہلے ہی بزنس ٹور پر آؤٹ آف کنٹری گئے ہیں اور تمہیں تو پتا ہے کہ یہ ٹور بیس پچیس دن سے کم تو ہوتے نہیں۔"

فرزین نے اپنا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگالیا۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ ٹور اتنے لمبے کیوں ہوتے ہیں۔ ہماری کلاس کے اکثر شاندار مرد اپنی جوان اور خوبصورت سیکریٹری کے ساتھ زیادہ نہیں تو سال میں ایک مرتبہ تو ٹور پر جایا ہی کرتے ہیں۔

سنی کا فون آگیا وہ ایکسکیوزی کہتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اب میں اور فرزین بیٹھے تھے۔

"اوہ۔۔۔ اس کا مطلب اس دفعہ میری ان سے ملاقات نہیں ہو پائے گی۔" میں نے بھی اپنا کپ اٹھالیا۔

"کیوں بھئی۔۔۔؟ تم تو ایک مہینے کے لیے آنے والی تھیں۔" فرزین نے مسکارے سے مزین آنکھیں پٹپٹا کر میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ آنا تو ایک مہینے کے لیے ہی تھا مگر شیری کی وجہ سے بس پندرہ روز ہی رک پاؤں گی۔"

شیری میرا اٹھارہ سال کا اکلوتا بیٹا تھا۔

"کیا مطلب شیری کی وجہ سے۔۔۔؟"

فرزین نے نا سمجھی سے میری طرف دیکھا۔ اس کی حیرت بجا تھی۔ شیری کبھی بھی "مماز بوائے" نہیں رہا تھا۔

"اصل میں میں نے جو نئی میڈ رکھی ہے۔ وہ نیگرو ہے اور تمہیں پتا ہے شیری کو کالے کالے گندے لوگوں سے کتنی نفرت ہے۔ وہ تو اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس بھی سو نخروں سے قبول کرتا ہے۔ کہاں اس کے ہاتھ کا کھانا کھائے گا۔ میری دوسری میڈ بھی آج کل چھٹی پر ہے۔ یہ تو شادی میں شرکت اگر ضروری نہ ہوتی تو میں ابھی پاکستان نہیں آتی۔"

میں یہاں اپنے اور فرزین کے فیملی فرینڈ جنید صاحب کے بیٹے کی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی۔

"ارے۔۔۔ جب شیری اس سے کام کروانا پسند نہیں کرتا تو تم نے کیوں رکھی ایسی میڈ۔۔۔؟"

فرزین جانتی تھی کہ میں شیری کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کرتی اس لیے اسے حیرت ہوئی۔

"ایکچوئلی۔" میں نے ایک نظر برتن سمیٹتی گل بہار پر ڈالی جو اپنے کام میں مگن تھی۔

"میرے دیور کا بڑا بیٹا ہے نا۔۔۔ اس نے اپنی خوبصورت میڈ سے شادی کرلی ہے۔ اس لیے میں نے اپنی پاکستانی ینگ میڈ کو نکال کر ایک نیگرو لڑکی رکھ لی ہے۔ کم از کم اب یہ خطرہ تو نہیں رہا اب میرے شیری کا اسٹینڈرڈ اتنا گرا ہوا بھی نہیں۔" میں نے اپنی سمجھداری پر داد طلب نظروں سے فرزین کو دیکھا۔ جو پہلے ہی میری دور اندیشی سے بہت متاثر تھی۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔۔۔"

"میں نے بھی اسی لیے اسے رکھا ہے تاکہ میرے بیٹے اور شوہر کی طرف سے پرابلم نہ ہو۔"

فرزین نے بڑی رازداری سے میری طرف جھک کر کہا۔ میں نے کچن کی طرف جاتی گل بہار کو دیکھا اس کے بدن کا لوچ بالکل ایسا تھا جیسے کوئی "بلی" آہستہ آہستہ قدم اٹھا رہی ہو۔

"بلیک کیٹ" میرے ذہن میں الفاظ گونجے میں سر جھٹک کے چائے پینے لگی۔

☼ ☼ ☼

"بی بی جی! بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے جی۔ بیماری اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چار دن ہی جی پائے گی۔ اگر میں اب بھی نہ گئی تو برادری جوتے مار مار کر میرا سر گنجا کردے گی جی۔" فرزین کی پرانی میڈ صابراں کی ساس بیمار تھی۔ اس لیے وہ چھٹی لے کر اپنے گاؤں جانا چاہ رہی تھی۔

"صابراں! میرا سر مت کھاؤ جب ایک دفعہ کہہ دیا کہ چھٹی نہیں مل سکتی تو کیوں سر کھا رہی ہو۔ گھر مہمان آئے ہیں اور تمہیں اپنی ساس کی تیمارداری کی پڑی ہے اور تم کون سا ڈاکٹر ہو جو جا کر بچا لوگی۔"

فرزین پچھلے آدھے گھنٹے سے ترلے منتیں کروا کر ایک اصول پسند مالکن ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔ جو کام کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کرتی۔

"بی بی جی! برادری کا معاملہ ہے جی۔ آپ تو جانتی ہیں جی ہم غریبوں کے پاس برادری میں عزت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ کل میری بڑی نند کا بیٹا آیا تھا کہہ رہا تھا کہ اگر اب بھی نہ آئی تو آئندہ پنڈ میں پیر نہ رکھوں۔"

وہ مسلسل ہاتھ جوڑے اپنی مجبوریاں گنوا رہی تھی۔

"اب تمہاری برادری کی خاطر میں گھر آئے مہمان کی ٹھیک سے خدمت بھی نہ کروں۔ اتنا بڑا گھر ہے بھلا یہ گل بہار اکیلی کیسے سنبھال پائے گی۔ ویسے بھی اسے روشی کے مزاج کا علم نہیں ہے۔"

وہ اپنے نیلز کو فائل کرتے ہوئے صابراں کی مجبوریوں کو کسی خاطر میں نہیں لا رہی تھی۔

میں نے میگزین سے نظر اٹھا کر گل بہار کو دیکھا جو بڑی تندہی سے سر جھکائے میری پیروں پر کولڈ کریم کا مساج کر رہی تھی۔ چکنائی کی وجہ سے اس کے ہاتھ اور بھی کالے اور بھدے لگ رہے تھے۔

"کیا سوچ کر اس کے والدین نے اس کا نام گل بہار رکھا ہوگا۔" مجھے اس کے والدین کی سوچ پر ہنسی آئی۔ جنہوں نے بے وجہ ہی اتنا اچھا نام اپنی کالی بھوتنی کا رکھا تھا۔ فطری طور پر میں حد درجہ حسن پرست ہوں۔

"بی بی جی! اتنے سالوں سے آپ کا دیا کھا رہے ہیں جی۔ آپ کے بے شمار احسانات ہیں اس بیوہ نمانی پر۔ بس ایک چھوٹی سی مہربانی کردیں جی۔ اللہ آپ کو سدا خوش رکھے۔"

جب ترلے کرنے سے بات نہیں بنی تو صابراں خوشامد کرنے لگی۔

اس مسلسل تکرار سے مجھے کوفت ہونے لگی۔

"زینی! جانے دو اسے۔ یہ چھٹی لیے بغیر ٹلنے والی نہیں۔"

مزید بحث سے بچنے کے لیے میں نے اس کی سفارش کردی۔

"روشی! کیسے جانے دوں اسے۔ میں نہیں چاہتی کہ یہ چلی جائے اور تمہیں اپنے کام کے لیے اس گل بہار سے سر کھپانا پڑے۔"

فرزین نے ایسے جواب دیا جیسے صابراں مجھے گود میں اٹھائے پھرتی ہو۔

"مجھے کوئی پرابلم نہیں ہوگا۔ میں سنبھالوں گی اسے شکل سے کافی سمجھدار لگتی ہے۔"

میں نے اپنے ہونٹوں پر بے ساختہ امڈ آنے والے تمسخر کو روکا۔ گل بہار اب ٹشو پیپر سے میرے پاؤں صاف کر رہی تھی۔ اس کے کالے ہاتھ میرے سفید کومل پاؤں پر پڑے عجیب لگ رہے تھے۔ وہ اپنے کام میں بڑی مگن تھی۔ میری تعریف پر بھی اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے، چلی جاؤ، جلدی آنے کی کوشش کرنا، روشی بی بی کی سفارش تمہارے کام آگئی۔"

فرزین نے احسان عظیم کرنے کے سے انداز میں کہہ کر اپنے کیوٹکس لگے ناخنوں پر پھونک ماری۔

☼ ☼ ☼

"تمہارا کیا خیال ہے روشی! مجھے یہ ڈریس بارات پہ پہن لینا چاہیے کہ نہیں۔" فرزین نے سلور نفیس کام سے مزین رائل بلیو ساڑھی میری طرف بڑھائی۔

"اوں ہوں۔۔۔ آئی تھنک ۔۔۔ بلیک اینڈ ریڈ ساڑھی زیادہ اچھی لگے گی۔" میں نے ساڑھیوں کے ڈھیر میں سے ایک بلیک اینڈ ریڈ کنٹراسٹ کی ساڑھی اس کے سامنے کی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" فرزین نے میرے ہاتھ سے ساڑھی پکڑلی جس پر نگینے کا کام بہت اچھا لگ رہا تھا۔

میں اور فرزین شادی میں پہننے کے لیے کپڑے سلیکٹ کر رہے تھے۔ ہمیں اپنی ڈھیروں ڈھیر شاپنگ میں سے عمدہ ترین ڈریسز کا انتخاب کرنا تھا۔ آخر سوسائٹی میں ہماری ایک پہچان تھی۔

"یہ لو گل بہار! میرے ان ڈریسز کے ساتھ جوتے بھی نکال کے رکھ دو اور باقی کے ڈریسز الماری میں لٹکا دو۔" فرزین نے ساڑھیاں اس کی طرف بڑھائیں۔ گل بہار نے احتیاط سے پکڑ کر الماری میں لٹکانے شروع کردیے۔ اپنے بوٹے سے قد کی وجہ سے اسے ایڑیاں اٹھا اٹھا کر لٹکانے پڑ رہے تھے۔ ایک ہاتھ سے وہ کپڑے لٹکا رہی تھی اور دوسرے ہاتھ سے ریشمی دوپٹہ سنبھال رہی تھی۔ شاید وہ کچھ دیر پہلے نہا کر نکلی تھی۔ نمی کی وجہ سے اس کے کپڑے بھی گیلے تھے۔ وہ ہر وقت سر کو اچھی طرح ڈھانپ کر رکھتی۔ میں اور فرزین جیولری سلیکٹ کر رہے تھے۔ جب سیٹی پر کوئی شوخ سی دھن بجاتا سنی دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوا اور آتے ہی بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا۔ میں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں الماری کے پاس کھڑی گل بہار کو دیکھا، جو جلدی سے اپنے سر کو ڈھانپ رہی تھی، جو شاید بے دھیانی میں اس کے سر سے پھسل گیا تھا۔

"اف حاجن بی بی۔۔۔ ایک تو یہ لوئر کلاس لوگ۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" میں نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"ارے گل بہار! تمہارے بال تو بالکل انگلش گرلز جیسے ہیں۔" وہ کہہ کر پھر ہنسنے لگا۔ مجھے اس کے ہنسنے کی وجہ سمجھ نہیں آئی۔ اس نے شاید پہلی بار گل بہار کے بال دیکھے تھے۔ سنہرے پیچ دار کمر تک آتے بال اس کی شخصیت سے بالکل میل نہیں کھاتے تھے۔ شاید اسی لیے سنی کو ہنسی کا دورہ پڑا تھا۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری ماں کا جوانی میں کسی گورے کے ساتھ افیئر رہا ہوگا، جس کے پیار کی نشانی تمہاری صورت میں سامنے آئی۔ تم اپنے انگریز فادر اور جھونپڑیوں میں رہنے والی ماں کا مکسچر لگتی ہو۔ نیلی آنکھیں گولڈن بال اور۔۔۔" وہ اپنی بات کہہ کر پھر ہنسنے لگا۔

مجھے اپنے اور فرزین کے سامنے سنی سے اس قدر بے باکی کی امید نہیں تھی۔ میں نے گل بہار کے تاثرات دیکھنے چاہے۔ وہ خاموشی سے الماری کی طرف مڑ گئی۔

"بہت بری بات سنی! بہت شرارتی ہوتے جا رہے ہو تم۔" ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے فرزین نے سنی کو ڈپٹا۔

"کیا اگر شیری میرے سامنے ایسی بات کہتا تو میں بھی ایسی بے فکری سے ہنس دیتی؟"

ہاں شاید، کیونکہ میں نے بھی کبھی اس کے اظہار خیال پر پابندی نہیں لگائی۔

میں نے اپنی سوچ کو مثبت رخ دیا۔

"اوہ مائی لولی مام! چھوڑیں اس بات کو۔ کل میں نے آپ سے کچھ پیسے مانگے تھے۔" سنی نے فرزین کے گلے میں بازو حمائل کیے۔ مجھے شدت سے شیری کی یاد آئی۔ وہ بھی تو مجھے اسی طرح لاڈ دکھاتا ہے۔ شیری کا خیال آتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکان در آئی۔

"مجھے معلوم تھا۔ میرا بیٹا اس لیے میرے کمرے تک آیا ہے۔"

فرزین نے پیار بھری خفگی سے اس کی طرف دیکھا اور پرس سے ہزار، ہزار کے نوٹ نکال کر اسے تھما دیے۔

"واؤ... تھینک یو مائی لولی سویٹ مام۔" اس نے خوش ہو کر اس کے گال چوم لیے اور اپنی انگلی پر کی چین گھماتا چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

ہماری کلاس کی اکثر ماؤں کا انداز فکر ایک سا ہوتا ہے۔ ہم کسی فنکشن پر پہنے جانے والے لباس اور جیولری پر گھنٹوں تبصرہ کر سکتے ہیں۔ کون سے ڈریس کے ساتھ لپ اسٹک کا کون سا کلر اچھا لگے گا، یہ سوچنے میں گھنٹوں ضائع کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنی اولاد کی تربیت کے وقت ہماری مصروفیات بڑھ جاتی ہیں۔ اسی لیے ہمیں میڈ کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ میں اور فرزین بھی ان ماؤں میں سے ہیں جو بچوں کو ہزاروں روپے دے کر اپنی ذمہ داری نبھا لیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں بچوں کو ہر وقت ٹوکنے سے ان کی صلاحیتیں محدود رہ جاتی ہیں اور وہ سوسائٹی میں "ماماز بوائے" جیسے القابات سے مذاق بن کر رہ جاتے ہیں۔ بچوں کی اپنی زندگی ہونی چاہیے۔ ان کی اپنی ترجیحات ہوتی ہیں۔ جن کے لیے انہیں ہر طرح کی آزادی ہونی چاہیے۔ اگر آپ بھی میرے اور فرزین کی طرح "براڈ مائنڈڈ" مائیں ہیں تو آپ کا بھی تو یہی خیال ہو گا نا؟

☼ ☼ ☼

"گل بہار! میں اور روشی بی بی جا رہے ہیں، ہو سکتا ہے ہمیں واپسی پر کچھ دیر ہو جائے۔ تم تب تک اپنے کمرے میں سونے مت چلی جانا۔ جب تک سنی بابا گھر نہیں آجائیں۔ ان سے ڈنر کے بارے میں پوچھ لینا۔ ویسے تو وہ پارٹی پر گیا ہے، کچھ نہیں کھائے گا، لیکن پھر بھی دودھ ضرور اسے دے دینا۔"

میں اور فرزین شادی میں شرکت کے لیے تیار کھڑے تھے۔ اب فرزین گل بہار کو نصیحتیں کر رہی تھی۔ وہ بھی میری طرح اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بہت حساس تھی۔ جو اپنے دوست کی پارٹی میں گیا ہوا تھا۔ گل بہار نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ہم دونوں مڑ کر گاڑی میں بیٹھنے لگیں، جب گل بہار کی باریک آواز پر ہمیں پلٹنا پڑا۔

"بی بی جی!" وہ نظریں جھکائے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"ہوں؟" فرزین نے ابرو اچکا کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ جی اتنے بڑے گھر میں مجھے اکیلے ڈر لگے گا۔" اس نے ایک پل کے لیے نظریں اٹھا کر دیکھا، جن میں خوف جھلک رہا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ... ! چوکیدار ہے۔ مالی اور بٹلر بھی اپنے کوارٹروں میں موجود ہیں۔ ڈر کس بات کا؟ کوئی جن بھوت تو تمہیں ڈرانے سے رہا وہ بے چارے تو خود تمہیں دیکھ کر بھاگ جائیں گے ہاں... بس تم شیشہ دیکھنے سے اجتناب کرنا۔"

فرزین کی بات پر میری ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ انگلیاں مروڑتی سر جھکائے مڑ گئی اور ہم دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

"شادی کا فنکشن بہت اچھا رہا۔ مسز جنید نے تو ہیرا ڈھونڈا ہے اپنے بیٹے کے لیے۔ بالکل اس کا میچ۔ ایک پرفیکٹ کپل ہے۔" شادی سے واپسی پر میں اور فرزین گاڑی میں بیٹھے فنکشن پر تبصرہ کر رہے تھے۔

میں نے مسز جنید کے بیٹے اور بہو کی بے ساختہ تعریف کی۔

"ہاں بھئی سوچ سمجھ کر شادی کی ہے انہوں نے اپنے بیٹے کی۔ انسان کو کم از کم اپنی اولاد کا اسٹینڈرڈ ضرور دیکھنا چاہیے۔ ایک وہ مسز علیم ہیں، بہو دیکھی تھی ان کی؟ کیسی سانولی سی لڑکی ہے اور بیٹا ایک دم ہیرو دکھتا ہے۔"

فرزین کی بات پر میرے ذہن میں مسز علیم کی سانولی سی الٹرا ماڈرن بہو آئی۔

"ہاں انہوں نے کون سا شادی کی ہے یہ تو ایک بزنس ڈیل تھی۔ اپنے بزنس پارٹنر کی اکلوتی بیٹی کو گھر لا کر انہوں نے سارا بزنس گھر کا کر لیا۔"

میں نے بھی تبصرہ کیا۔ مجھے ایسی سوچ پر افسوس تھا جو پیسے کی خاطر اپنے بچوں کو قربان کر دیتے ہیں وہ بھی بھلا اچھے ماں باپ ہو سکتے ہیں۔ ہونہہ... میں نے سوچ کر سر جھٹکا۔

"میں تو بہو کے معاملے میں کبھی بھی کمپرومائز نہیں کروں گی۔ سنی ویسے بھی بہت حسن پرست ہے۔ مجھے پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ ممّا دلہن آپ اپنی پسند سے ہی لائیے گا مگر میرے اسٹینڈرڈ کا خیال بھی ضرور ہونا چاہیے۔ ایسی بالکل نہ ہو کہ ہاتھ لگانے کو جی نہ چاہے بلکہ ایسی ہو کہ دیکھتے ہی "وائیٹ فیری" کا امیج ابھرے۔" فرزین نے بڑے فخر سے بیٹے کی پسند بتائی۔

میرے شیری کی بھی پسند کچھ ایسی ہی تھی۔ شیری کے خیال پر میرے دل میں سکون سما گیا۔

باتوں میں راستہ کٹنے کا علم ہی نہیں ہوا۔ گاڑی پورچ میں آ کر رکی تو ہم دونوں باتیں کرتی ہوئی ایک دوسرے کے پیچھے گھر میں داخل ہوئیں۔ میں نے ایک نظر کلائی پر بندھی نازک سی رسٹ واچ پر ڈالی جہاں سوئی صبح کے پونے تین بجا رہی تھی۔

"جاتے ہی شاور لے کر سو جاؤں گی۔" میں نے سوچتے ہوئے ہال میں قدم رکھا۔ مگر سامنے کا منظر اتنا غیر متوقع تھا کہ ہم دونوں ٹھٹک کر رک گئیں۔

سامنے دوسری منزل پر جاتی کشادہ سیڑھیوں پر گل بہار بیٹھی تھی۔ ماتھے پر گہری چوٹ سے نکلنے والا خون بہہ کر چہرے پر جم چکا تھا جس کی وجہ سے اس کا کالا چہرہ اور بھی عجیب دکھ رہا تھا۔ سنہری لچھے دار بال بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ ہمہ وقت سر کے گرد لپٹا رہنے والا دوپٹہ لڑھک کر کاندھے پر آگرا تھا دایاں بازو پھٹا ہوا گزرے واقعہ کی داستان چیخ چیخ کر سنا رہا تھا۔

میں اور فرزین تقریباً بھاگتی ہوئی اس تک پہنچیں وہ ساکت بیٹھی بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

"گل بہار۔ گل بہار!" فرزین نے کندھے سے پکڑ کر اسے جھنجھوڑا۔ اس نے اپنی نیلی آنکھیں اٹھا کر باری باری ہم دونوں کو دیکھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"یہ... یہ سب... کس نے کیا یہ؟" فرزین کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ نکلے۔

"وہ میں... سنی بابا... دودھ۔" وہ ہچکیوں کے درمیان بے ربط الفاظ کہہ کر پھر تڑپ تڑپ کر رونے لگی۔ اس کی بے ربط باتوں نے ہی پورا مفہوم سمجھا دیا۔ میں اور فرزین پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہیں۔ صرف اس کے رونے کی آواز بلند تھی۔ باقی ہر چیز پر جیسے خاموشی کا پہرہ تھا۔ کتنے ہی پل بس گل بہار کی سسکیاں گونجتی رہیں۔

کچھ پل حیرت کے سمندر میں غوطہ زن رہنے کے بعد جیسے فرزین کو ہوش آیا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو...؟ بند کرو اپنا یہ ناٹک... جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب بند کرو یہ رونا دھونا اور جاؤ اپنے کمرے میں۔ خبردار جو کسی کے سامنے اس بات کا ذکر کیا۔ پتا ہے نا' تیری ماں پچاس ہزار کے عوض تیرا یہ مکروہ وجود مجھے سونپ کر گئی ہے' اگر کسی کو بتانے کی کوشش کی تو زندہ درگور کردوں گی اور کوئی پوچھنے بھی نہیں آئے گا۔

کس نے کہا تھا آدھی رات کو میرے معصوم بیٹے کے کمرے میں جا کر اپنی ادائیں دکھاؤ۔ مالکن بننے کے خواب دیکھ رہی ہوگی۔ شکل دیکھی ہے اپنی۔"

فرزین بھوکی شیرنی کی طرح غرائی۔ اور وہ جو کچھ دیر پہلے اپنی واحد دولت لٹ جانے پر آنسو بہا رہی تھی' تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ اس کے آنسو یک لخت غائب ہو چکے تھے۔ وہ بالکل کسی پتھر کی مورت کی طرح سامنے دیوار پر نظریں گاڑے بیٹھی تھی۔

"اٹھ' جا یہاں سے۔" فرزین نے اسے دو ہنٹر لگائے۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح اٹھ کر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ میری نظریں اس کی "بلی" جیسی دھیمی چال سے لپٹی تھیں۔ فرزین نے دو تین گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔

"ایک تو آج کل کے بچے بھی نا۔ لگتا ہے کہ پھر سے ڈرنک لے کر آیا ہے۔ میں جا کر دیکھتی ہوں۔ زیادہ ڈرنک کرنے سے اسے الٹیاں آنے لگتی ہیں۔ پتا نہیں کیسی طبیعت ہوگی؟"

فرزین اپنی ساڑھی سنبھالتی سیڑھیاں چڑھ کر سنی کے کمرے میں چلی گئی۔

میری نظریں ابھی تک گل بہار کی پرانی بوسیدہ چادر پر تھیں جو وہیں فرش پر گر گئی تھی۔ اس کی پھٹی قمیص میں سے سگریٹ کے ساتھ جلائے گئے نشانات واضح تھے۔ میں نے سختی سے اپنی آنکھیں بند کر کے جھرجھری لی۔

"میرے لیے ایسی لڑکی بالکل مت لانا جسے ہاتھ لگانے کو جی نہ چاہے۔"

ابھی کچھ دیر پہلے کہے گئے فرزین کے الفاظ میرے دماغ میں گونجے۔ جو وہ اپنے بیٹے کی اعلا پسند کے پیش نظر مجھے بتا رہی تھی۔ "وائٹ فیری" کا اسٹینڈرڈ رکھنے والا۔ ایک "بلیک کیٹ" پر کیسے اکتفا کر گیا۔ اس کی ہوس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ ایک بدصورت نوکرانی ہے کوئی حسین و جمیل پری نہیں۔

اور میں جو ایک نیگرو لڑکی رکھ کر سمجھ رہی تھی کہ میں نے بہت دوراندیشی سے کام لیا۔ میری ساری سمجھداری میرے منہ پر آ لگی تھی۔ مرد بہکتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھتا کہ عورت حسین ہے یا بدصورت...؟ اسے ہوس پوری کرنے کے لیے ایک جسم درکار ہوتا۔

بیٹے کی اعلا پسند پر فخر کرنے والی فرزین کو قطعاً یہ احساس نہیں تھا کہ اس کے گھر میں رہنے والی "بلیک کیٹ" کیسے گھائل ہوئی ہے۔ اسے یہ احساس تھا کہ کہیں زیادہ ڈرنک کرنے سے اس کے بیٹے کی طبیعت بگڑ تو نہیں گئی۔

اگر میرا شیری ایسی حرکت کرتا تو کیا میرا بھی یہی ری ایکشن ہوتا۔

آج شیری کے احساس نے میرے دل میں آسودگی نہیں بے چینی بھری تھی۔

ایسا کیوں تھا...؟

کیا اس "بلیک کیٹ" کی وجہ سے...؟

آپ کی رائے کی منتظر "روشانے عظیم عرف روشی۔

☼ ☼

شازیہ جمال نیر
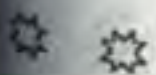
"رائم! تمہیں سوچنے کے لیے کتنا وقت درکار ہوگا؟" ڈیوڈ کی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"سوچنے کے لیے تو ایک ماہ' ایک ہفتہ' ایک دن' ایک گھنٹہ یا ایک لمحہ بھی درکار ہو سکتا ہے۔" وہ اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"اور تمہیں؟" جان ڈیوڈ کی نظروں میں سوال ہنوز موجود تھا۔

"صرف ایک لمحہ!" وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔ جان ڈیوڈ کو اس کے الفاظ و انداز اکثر الجھا کر رکھ دیتے تھے۔

ناولٹ

"مجھے یہ آفر منظور ہے۔" جان ڈیوڈ کے منہ سے بے اختیار ایک تسلی بخش سانس خارج ہوئی تھی۔

"مجھے توقع تھی تمہارا جواب یہی ہوگا۔" وہ کرسی کی بیک سے پشت ٹکا کر اب ریلیکس انداز میں جھول رہا تھا۔

"دی وائلڈ" کے اسٹاف میں سے تم جسے چاہو اپنی معاونت کے لیے چن سکتی ہو۔"

"جلیلیا جونز۔" اس نے ایک لمحہ کا توقف کیے بنا جواب دیا تھا۔

"میرے خیال سے ایسے مشکل ٹاسک میں کسی "مرد" کی معاونت بہتر ثابت ہو سکتی ہے۔"

"جبکہ میں سمجھتی ہوں کہ ایسے کسی بھی ٹاسک میں کسی "دوست" کی معاونت بہترین ثابت ہو سکتی ہے۔" وہ برجستگی سے بولی تھی۔

"او کے' ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ہم نے آج سے ٹھیک اٹھارہ دن بعد یہ ڈاکو منٹری اپنے چینل پہ لانچ کرنی ہے۔ اس Task سے متعلق فائل اور نقشہ تمہیں بہت جلد مل جائے گا۔ باقی مینجمنٹ اسٹریٹجی تم خود ڈیسائیڈ کر لینا۔"

"بہت بہتر۔" وہ اپنا بلیک لیدر کا بڑا سا بیگ کندھے پر لٹکائے باہر نکل آئی۔ بائیں جانب گلاس ونڈو کے پار جلیلیا جونز موبائل پر محو گفتگو تھی۔ دوسری طرف کون ہو سکتا ہے؟ رائم اچھی طرح جانتی تھی سوائے ڈسٹرب کیے بنا "دی وائلڈ" کی اس شاندار بلڈنگ سے باہر نکل آئی۔

وہ اپنی نجی مصروفیات کے لیے آفس جیپ کی جگہ پبلک کنوینس کو ترجیح دیتی تھی۔ اپنی مخصوص سیٹ پر بیٹھتے ہی اس نے جلیلیا کے نمبر پر ایک لمبا چوڑا ٹیکسٹ بھیج دیا تھا۔ گھر کے اندر دروازے کی دائیں سائیڈ پر کرسٹل کے فلاور اسٹینڈ پر رکھے تازہ پنک روز ہمیشہ کی طرح اسے خوش آمدید کہنے کے لیے موجود تھے۔

"رائم! آج تم پورے چار منٹ اور پچیس سیکنڈ لیٹ ہو۔" گرینی کچن میں مصروف تھیں۔ وہیں سے اس کی موجودگی محسوس کر کے بولی تھیں۔

"اونہوں' چار منٹ اور پندرہ سیکنڈ۔" اس نے اپنے اسکائی بلو جوگرز اچھالتے ہوئے تصحیح کی تھی۔

"میں نے سر ڈیوڈ کے نئے پراجیکٹ کے لیے ہامی بھرلی ہے۔" اس نے اونچی آواز میں اطلاع دی تھی۔ حسب توقع گرینی فوراً" باہر نکل آئیں۔

"رائم!" اس ایک پکار میں سب کچھ تھا۔ محبت' خوف' ہمریز ناراضی اور شاید تنبیہہ بھی۔

"گرینی! آپ کو تو فخر کرنا چاہیے کہ آپ کی پوتی اتنی بہادر ہے' جو اس خاص پراجیکٹ کے لیے چنی گئی ہے۔ کیونکہ سر ڈیوڈ نے ہر بار کی طرح مجھے اس بار Order نہیں کیا بلکہ ریکویسٹ کی ہے۔"

"مجھے فخر ہے کہ میری پوتی بہت بہادر ہے لیکن میں اسے میلوں دور اس گھنے جنگل میں پائے جانے والے مختلف سانپوں کی معلومات اکٹھی کرنے کے لیے بھیجنے پر خود کو تیار نہیں پاتی۔" وہ تھکے تھکے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"گرینی! یہ پراجیکٹ میرے کیریئر کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کی کامیابی "دی وائلڈ" میں میری پوزیشن مزید مستحکم کرنے والی ہے۔"

"پھر بھی رائم اگر میں کہوں تم مت جاؤ تو....."

"تو میں نہیں جاؤں گی....." وہ ایک لمحہ کا توقف کیے بغیر جلدی سے بولی تھی۔ گرینی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"لیکن میں اپنی پوتی کی ایک اور کامیابی کے لیے دعا گو

رہوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔
"اوہ گرینی! کچھ جل رہا ہے شاید۔۔۔" گرینی نے فوراً" کچن کی طرف رخ کیا تھا۔ کال بیل بج رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔
"رائے م! ڈارلنگ میں تمہارے ساتھ اس جنگل میں تو کیا جہنم میں بھی خوشی خوشی جانے کو تیار ہوں۔ لیکن اس جودت کے بچے نے بہت گڑبڑ کردی ہے۔ مجھے یقین نہیں آرہا وہ کبھی کبھار اتنا خون خوار کیوں ہوجاتا ہے؟" جلیلیا جونز حسب عادت نان اسٹاپ شروع ہو چکی تھی۔
"اس بار کیا کہتا ہے تمہارا رومیو؟"
"کہنا کیا ہے بس منع کردیا ہے کہ تمہیں اس ڈینجرس (خطرناک) کام میں اس "بہادر حسینہ" کا ساتھ دینے کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں۔ دراصل وہ ہمارے ساتھ ہونے والے اس پچھلے واقعہ کی وجہ سے بہت کانشس ہو گیا ہے بلکہ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمہیں اب احتیاط سے کام لینا چاہیے اور۔۔۔"
"جلیلیا! گرینی نے آج اسپیگھٹی بنائی ہے۔" رائم نے جلدی سے بات بدلی کیونکہ وہ گرینی کو کچن سے نکلتا دیکھ چکی تھی۔
"آہا! گرینی کی بنائی ہوئی اسپیگھٹی کھا کر ذائقہ ہر بار کچھ نیا اور منفرد سا لگتا ہے۔" رائم کی کوشش کامیاب ہوئی تھی۔ وہ اب گرینی سے گلے مل رہی تھی۔
"جلیلیا! جانتی ہو اگر گرینی کو کوئی مکھن لگائے تو انہیں فوراً" پتا چل جاتا ہے۔" رائم نے اسے چھیڑا تھا۔
جبکہ وہ دونوں اب رائم کے اس نئے پراجیکٹ کے سلسلے میں اپنے خدشات اور تحفظات ڈسکس کر رہی تھیں۔ رائم انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ دونوں اپنی اپنی عادت کے ہاتھوں مجبور تھیں اور دو گھنٹوں میں ڈھیر سارا بول چکنے کے بعد جلیلیا کے رومیو کی ہنڈا سوک کا ہارن سنائی دیا تو وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے سے باہر نکلتے نکلتے بھی وہ رائم کو ہدایات اور نصیحتیں کرنے سے باز نہیں آئی تھی۔ بلا تکان بولنے کی وجہ سے سرڈیوڈ اسے کئی بار اچھا خاصا جھاڑ چکے تھے۔ رائم کو سب سے دلچسپ بات یہ لگتی کہ اس کے منگیتر جودت کو اس کی ہر ٹاپک پر بنا رکے بولتے چلے جانے والی عادت نے اپنا اسیر بنایا ہوا تھا جبکہ وہ خود جلیلیا کے لیے اچھا سامع ثابت ہوا تھا۔ اس لیے دونوں کی جوڑی پرفیکٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

اس نے ایک بار پھر سامان کا تفصیلی جائزہ لیا۔ کیمرہ، مائیکرواسکوپ، ویڈیو ریکارڈر، گن، چاقو، لائٹر، ہیڈ فون، ٹارچ، نقشہ وغیرہ سب موجود تھا۔ وہ گزشتہ پانچ سالوں سے امریکہ، برازیل اور افریقہ کے مختلف خطرناک جنگلوں میں "دی وائلڈ" کے توسط سے جنگلی جانوروں کی ڈاکومینٹری کے سلسلے میں جا چکی تھی۔ انتہائی پرخطر حالات واقعات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس کا ہر ٹور پہلے سے کہیں زیادہ شاندار اور کامیاب رہا تھا۔
اس بار پریشانی کی بات یہ تھی کہ جلیلیا جونز اس کے ساتھ نہیں جا رہی تھی۔ سرڈیوڈ نے ایک بار پھر اسے "دی وائلڈ" کے اسٹاف میں سے کسی ایک کو اپنے ساتھ لے جانے کی آفر کی تھی۔ لیکن وہ جلیلیا کے علاوہ کسی دوسرے کی بجائے ہمیشہ اکیلے میں خود کو زیادہ کمفرٹ ایبل محسوس کرتی تھی۔ وہ باصلاحیت اور تجربہ کار تھی۔ اس لیے سرڈیوڈ نے سارا معاملہ اس کی مرضی پہ چھوڑ دیا تھا۔ ویسے بھی انہیں دلچسپی 120 قسم کے سانپوں پر مبنی "SNAKE DOCUMENTARY" میں تھی جو اس نے "ڈریگن ایئر" کے موقع پر اپنے چینل پر آن ایئر کرنی تھی۔ البتہ گرینی اس کے لیے اس بار ہمیشہ سے کہیں زیادہ فکر مند تھیں۔ رائم نے جانے سے پہلے اپنا سارا وقت ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے بتایا تھا اور انہیں ذہنی طور پر ریلیکس کرتی رہی۔
"اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں دی وائلڈ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔" ہر بار کی طرح ان کی یہ دھمکی سن کر رائم کو ہنسی آگئی تھی۔
"مجھے ہر لمحہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت رہے گی۔" اس نے زور زور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے جیپ اسٹارٹ کردی تھی۔
شہر کی حدود سے نکلنے سے پہلے اس نے جیپ ایک سپر اسٹور کے سامنے روک دی۔ ضرورت کے مطابق خشک خوراک، منرل واٹر، جنک فوڈ اور اپنی ذاتی استعمال کی چیزیں خریدیں، بہرحال وہ اتنے دن اس جنگل میں کسی کسمپرسی کی حالت میں نہیں گزارنا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہ ایسی جگہوں پر "ان" چیزوں کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی۔
لحظہ بہ لحظہ دور ہوتی لائٹس اور ناہموار راستوں نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ میکسیکو جیسے ہنگامہ خیز اور پررونق شہر کی حدود سے باہر نکل چکی ہے۔ اس نے ایک جھٹکے سے جیپ روک دی۔ اس کی پرسوچ نظریں نقشے پر دوڑ رہی تھیں اس کے سامنے جنگل تک پہنچنے کے لیے دو راستے موجود تھے اور اسے نہایت سوچ سمجھ کر ان دونوں میں سے کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا تھا اور اس نے شارٹ کٹ کی بجائے قدرے طویل راستے کو ترجیح دی تھی۔ کیونکہ دوسرے مختصر راستے میں اسے ایک پورے سمندری حصے سے واسطہ پڑ سکتا تھا جو کہ اسے قطعی مناسب نہیں لگا۔ اسے اس وقت جلیلیا کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔
اس کی کلائی پہ بندھی قیمتی رسٹ واچ شام کے پانچ بجا رہی تھی۔ اندھیرے میں اس کی رسٹ واچ پہ لگے ننھے منے ڈائمنڈ چمک رہے تھے۔ تین سال قبل سوئمنگ مقابلہ جیتنے پر گرینی نے اسے یہ رسٹ واچ گفٹ کی تھی اور تب سے لے کر آج تک یہ بے حد نفیس سی گھڑی اس کی کلائی کی زینت بنی ہوئی تھی اگرچہ دھرتی پہ شام ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ لیکن اس گہرے جنگل میں اس وقت رات کے کسی پہر کا گمان ہو رہا تھا۔ جنگل اس کی توقع سے کہیں زیادہ گھنا اور تاریک تھا۔ جنگلی جانوروں کی عجیب و غریب آوازوں کے ساتھ اس کی جیپ کی آواز ماحول میں عجیب سا شور پیدا کر رہی تھی۔ یہ جنگل کی ابتدائی حدود تھیں اور وہ تاریکی کی وجہ سے اردگرد کا اندازہ لگانے سے قاصر تھی۔
بہرحال وہ اپنی مطلوبہ جگہ تک پہنچ چکی تھی۔ اس نے جیپ روک دی۔ مسلسل ڈرائیونگ کی وجہ سے وہ بہت تھک چکی تھی۔ پاؤں جوگرز کی قید سے آزاد کیے جن پر وہ ہلکی ہلکی سوجن محسوس کر رہی تھی۔ اپنی اس مخصوص طرز کی جیپ کے پچھلے حصے کو وہ ڈائننگ روم، بیڈ روم اور کچن کے طور پر استعمال کر سکتی تھی۔ اپنے لیے کیٹل میں چائے تیار کی اور بسکٹ کا پیکٹ کھول کر اپنی بھوک مٹانے کا انتظام کیا۔
جلیلیا اس کے کسی پراجیکٹ کے دوران کسی جنگل میں ایسے شاہانہ انداز دیکھ کر کہا کرتی تھی۔
"رائم! تم جنگل میں بھی اس ٹھاٹھ سے رہتی ہو کہ کیا ہی کوئی ملکہ اپنے محل میں رہتی ہوگی۔" اور وہ ہنس کر جواباً" کہتی۔
"جو آرام آپ کی دسترس میں ہو اس کے لیے خود کو ترسانا بے وقوفی کہلاتا ہے۔" قریب چند فٹ کے فاصلے پر پیڑ کی ٹہنیوں سے لٹکتے بندروں نے اسے دیکھ کر مخصوص آوازیں نکالنا شروع کردی تھیں۔
"اوہ!" ایک گودے دار جنگلی پھل ٹھاہ کر کے جیپ کے بونٹ پر آ لگا تھا۔
"کسی مہمان کو خوش آمدید کہنے کا یہ طریقہ نہایت واہیات ہے۔" اس نے ایک دردیدہ نظر مائل بہ شرارت بندر پر ڈالی تھی۔ لیکن وہ اس وقت کسی جنگلی بندر سے چھیڑ خانی کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے قدرے ریلیکس انداز میں ٹانگیں پھیلا کر لیٹ گئی۔ جیپ کے شیشے اس نے احتیاطاً" چڑھا دیے تھے۔ جنگل کی پہلی رات میں اتنی جلدی نیند کی امید رکھنا عبث تھا۔
"گرینی اس وقت کیا کر رہی ہوں گی؟"
اس کی سوچ کا پنچھی دور کہیں اڑان بھر رہا تھا۔ ڈنر سے فارغ ہو کر بلیک کافی کا مگ تھامے اپنے مخصوص

کاؤچ پر بیٹھ کر وہ رائم کو اپنی دن بھر کی روٹین کا حال سنایا کرتی تھیں۔ رائم ان کی باتیں سننے کے ساتھ ساتھ چینل سرچنگ بھی جاری رکھتی۔

"میں کسی دن یہ ریموٹ چھپا دوں گی۔ کچھ بھی ٹک کر نہیں دیکھنے دیتی ہو۔" وہ اکثر اس کی چینل سرچنگ سے بری طرح چڑ جاتی تھیں۔ رات ہولے ہولے بیت رہی تھی۔ وہ زیر لب اپنی فیورٹ پوئم گنگناتے ہوئے لاشعوری طور پر اس وقت گرینی' اپنے لگژری بیڈ روم' فلاور اسٹینڈ پر رکھے تازہ پنک روز کو مس کر رہی تھی۔

صبح اس کی آنکھ قدرے تاخیر سے کھلی تھی۔ جنگلی جانوروں کی عجیب و غریب ملی جلی آوازوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں نہیں بلکہ کوسوں دور ایک جنگل میں موجود ہے۔ گھر میں اس کی آنکھ ہمیشہ گرینی کے ہلکے ہلکے کچھ گنگنانے کی آواز پہ کھلتی تھی۔ وہ کیا پڑھتی تھیں؟ اس نے ذہن پر زور دیا۔

"Then Which of the favours of your Lord will ye deny "

"اور تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟" اسے یاد آگیا تھا۔ گرینی کی مدھ بھری آواز اس کی سماعتوں میں کوئی امرت سا گھول دیتی تھی اور اب وہ خود لاشعوری طور پر انہی الفاظ کو زیر لب دہرا رہی تھی۔

ہلکا پھلکا ناشتا کرنے کے بعد اس نے اپنے کندھوں سے نیچے آتے اسٹیپ کٹنگ سلکی بالوں کی اونچی سی پونی ٹیل بنائی۔ یہ مخصوص ہیئر اسٹائل اس کی قدرے اٹھی ہوئی گردن کو مزید نمایاں کر دیتا تھا۔ بندر بہت خاموشی سے اس کی ساری کارروائی ملاحظہ کر رہے تھے۔ ایک بھورا بندر ہمت کر کے اس کی جیپ کے قریب آ ہی گیا تھا۔

"سنو! اگرچہ تم نافرمان قبیلے سے ہو۔ لیکن پھر بھی مجھے تم سے دوستی کر کے اچھا لگے گا۔" اس نے چیونگم کا ریپر اتارا۔ آدھا حصہ اپنے منہ میں ڈالا اور آدھا بندر کی طرف بڑھا دیا۔ یہ ایک دوستانہ پیشکش تھی۔ اس نے چیونگم کا غبارہ بندر کے منہ کے قریب لا کر پھوڑ دیا۔ بندر کو شاید یہ "مشغلہ" اچھا لگا تھا اس لیے وہ بھی غبارہ بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

"میری غیر موجودگی میں میری چیزوں کی حفاظت کرنا بھی میزبانی اور دوستی کے زمرے میں آتا ہے۔ ٹھیک ہے؟" وہ اس کے سر کو سہلاتی باہر نکل آئی۔ بلیک لیدر کا مخصوص بیگ اس کے کندھے پر جھول رہا تھا۔

رسی نما لچکیلی شاخوں کا ایک جال سا زمین پر پھیلا ہوا تھا جو کسی آکٹوپس کی طرح پیروں کو اپنے شکنجے میں جکڑنے کے درپے لگ رہی تھیں۔ رائم بہت احتیاط سے قدم آگے بڑھا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ذرا سی لاپرواہی اس کے لیے کسی بڑی پریشانی کا سبب بن سکتی ہے۔ دس سال پہلے اسی جنگل میں ایک امریکن ہائیکر جنگلی بیلوں سے الجھ کر نیچے گر گئی تھی۔ اسے چوٹ لگی تھی اور ٹھیک ایک ماہ بعد نوے کھوجیوں پر مشتمل دستے کو اس کی گلی سڑی لاش ملی تھی۔

"ارے واہ!" رائم کو تھوڑے سے فاصلے پر پیڑ کی شاخوں پر لٹکتا اپنا پہلا "شکار" نظر آگیا تھا۔ یہ قریب دو فٹ لمبا انتہائی زہریلا سانپ تھا۔ جسے "برچھے جیسے سروالا" سانپ کہا جاتا ہے۔ اس کے ڈسنے سے صرف دو گھنٹے بعد آدمی کا کام تمام ہو سکتا ہے۔

"ارے باپ رے۔۔۔!" رائم اس کے کچھ کلوز اپ لے رہی تھی کہ سانپ نے ایک دم زہر اگلا تھا۔ جس کے کچھ چھینٹے کیمرے پر بھی آئے تھے۔

"میرے ساتھ تعاون کرنے کا شکریہ۔" وہ مطمئن سی آگے بڑھ گئی تھی۔

وہ مائیکرو اسکوپ آنکھوں سے لگائے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی کہ اچانک ٹھٹک کر رک گئی۔ کچھ فاصلے پر قدرے ڈھلوان جگہ پر اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا اس نے مائیکرو اسکوپ کی پاور کچھ اور بڑھا دی۔ منظر اب واضح ہو گیا تھا۔

"او مائی گاڈ!" اس نے تیزی سے بھاگتے ہوئے درمیانی فاصلہ طے کیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس وقت شدید زخمی حالت میں کراہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور درد کی شدت کے باعث نچلا ہونٹ سختی سے دانتوں میں دبایا ہوا تھا۔ رائم گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"دیکھو! اگر تم ہمت کرو تو میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

"میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔" وہ شستہ انگریزی میں گویا ہوا تھا۔

"کوشش تو کر سکتے ہو نا۔۔۔؟" اس نے ذرا سی آنکھیں کھول کر رائم کو دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ہی پل پھر سے آنکھیں موند لیں۔

"یہاں تمہیں بچانے کے لیے کوئی سپر مین نہیں آئے گا۔ تمہیں ہمت کر کے میری جیپ تک چلنا ہوگا۔ میں تمہیں سہارا دوں گی۔۔۔" وہ اپنی تمام ہمتیں مجتمع کرتا بمشکل کھڑا ہونے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس کا ایک بازو رائم کے کندھے پر ٹکا تھا جبکہ آنکھیں ہنوز بند تھیں۔ رائم آہستہ آہستہ اس کے ساتھ قدم بڑھانے لگی۔

حالانکہ وہ چلنے میں اپنی پوری کوشش و طاقت صرف کر رہا تھا پھر بھی رائم کو لگا جیسے اس کا سارا بوجھ اسی نے اٹھایا ہوا ہے ــــــ پندرہ منٹ کی یہ مسافت نہایت تھکا دینے والی تھی۔ جیپ کے قریب پہنچ کر وہ پیڑ کے تنے سے ٹیک لگا کے بے دم سا بیٹھ گیا۔ رائم اس کے زخموں کا جائزہ لے رہی تھی۔ صرف ایک ٹانگ بری طرح زخمی تھی جبکہ باقی سارے جسم پر معمولی خراشیں آئی تھیں۔ وہ جیپ سے اپنا ایمرجنسی فرسٹ ایڈ باکس لے آئی۔ زخم صاف کر کے اس کی گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد ٹیوب لگائی اور کس کر پٹی باندھ دی۔ چہرے' بازو اور ہاتھوں وغیرہ پر آئی معمولی خراشیں ڈیٹول سے صاف کر دی تھیں۔

"پانی۔۔۔؟ تمہارے پاس پانی ہوگا؟" وہ ہلکے سے کراہا تھا۔ رائم نے پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگا دی اور وہ صرف دو سانسوں میں پوری بوتل خالی کر گیا۔

نجانے وہ کب سے پیاسا تھا اور اس وقت شاید ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہو رہا تھا۔ رائم نے چائے میں چینی گھول کر مگ اس کی جانب بڑھایا۔

"یہ چائے تمہاری انرجی بحال کرنے میں خاصی مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔" وہ پوری آنکھیں کھول کر قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید وہ جنگل میں ایسی نوازشات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ رائم نے اس کی حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے مگ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"لگتا ہے اب اسے گیسٹ روم کے طور پر بھی استعمال کرنا ہوگا۔" وہ جیپ کے پچھلے حصے کا ناقدانہ جائزہ لے رہی تھی۔ نوجوان اگرچہ مضبوط قد و قامت کا مالک تھا پھر بھی رائم نے کم از کم اس کے لیٹنے کے لیے گنجائش پیدا کر دی تھی۔ وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے پیچھے ہٹی اور اسے کھینچ تان کر اندر لٹانے میں کامیاب ہو گئی۔

"سنو! مجھے کچھ کام کرنا ہے۔ تھوڑی دیر تک آجاؤں گی۔ تب تک تم تسلی سے آرام کرو۔" رائم نے جیپ کے شیشے ایک بار پھر چڑھا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼
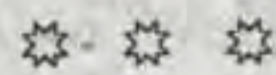
شاہ خاور آسمان کے سینے پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ لیکن کئی فٹ اونچے درختوں کی شاخیں اوپر کہیں آپس میں گلے ملتی سورج کی کرنوں کی زمین تک پہنچنے کی کوشش ناکام بنا رہی تھیں۔ دائیں جانب اسے کچھ مدہم سا شور سنائی دے رہا تھا جس کے تعاقب میں وہ قدم آگے بڑھاتی رہی۔ یہ شور پتھروں سے ٹکراتے پانی کا تھا اسے ایک ندی مل گئی تھی۔ جس کا رواں پانی بے حد شفاف تھا۔ رائم کو ندی دیکھ کر یک گونہ اطمینان حاصل ہوا تھا۔ وہ اسے اپنے "حمام" کے طور پر استعمال کر سکتی تھی۔ جنگل کی ندیاں دیکھنے میں خوبصورت سہی لیکن خطروں سے خالی نہیں ہوتیں۔ کیونکہ ان کے اندر کئی زہریلے جانور چھپے ہوتے ہیں۔

اسے ایک چکنے پتھر پر زہریلا "ڈاٹ فراگ" نظر آیا۔ کالے رنگ کا بڑا سا مینڈک جس کے جسم پر سبز دھبے تھے۔ کولمبیا میں لوگ اس کا زہر تیروں پر لگاتے ہیں۔ اس طرح کے مینڈک اور کیکڑے وغیرہ جلیلیا کے فیورٹ تھے۔ انہیں پکڑ کر وہ اپنے لیے ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کرتی تھی۔ اگرچہ اس نے رائم کو کبھی اپنے ساتھ شامل کرنے کی آفر نہیں کی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ان "Ingredients" سے بنائی جانے والی "ڈش" اس کے مذہب میں ممنوع ہے۔ اسے ایک دم جلیلیا یاد آگئی تھی۔

جلیلیا نے اسے اچھی طرح یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ روزانہ "دی وائلڈ" جانے سے پہلے گرینی کے ہاں چکر لگائے گی بلکہ شام کی چائے بھی ان کے ساتھ پینے کی کوشش کرے گی اور ہر سنڈے کو انہیں چیک اپ کے لیے ڈاکٹر انتھونی کے پاس بھی لے کر جائے گی اور رائم کو یقین تھا وہ یقیناً "ایسا ہی کرے گی۔

انہی سوچوں میں گم وہ اپنے "ٹھکانے" پر پہنچ گئی۔ اسے بے تحاشا بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ کیونکہ صبح سے اس نے چائے اور چند بسکٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں کھایا تھا اور اب تو "مہمان" کی خاطر تواضع کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام کرنا تھا۔

"تمہاری ٹانگ کا درد اب کیسا ہے؟" رائم اپنا بلیک لیدر کا بیگ کندھے سے اتار کر قدرے جھکی تو اس کے پونی ٹیل میں بندھے سنہری بال ایک طرف کندھے پر آگرے۔

"پہلے سے بہت بہتر۔۔۔" اس تمام عرصے میں وہ پہلی بار ہلکے سے مسکرایا تھا۔

"اس شخص کی آنکھیں بہت عجیب ہیں۔ میں نے زندگی میں بہت کم اتنی ڈارک براؤن آنکھیں دیکھی ہیں۔" رائم سر جھٹکتے ہوئے کچن کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ وہ اپنا فیورٹ پاستا بنا رہی تھی۔ اور اجنبی بہت خاموشی سے اسے کام کرتا دیکھتا رہا۔

"آجاؤ۔" رائم کے پکارنے پر وہ آہستگی سے لنگڑا کر چلتا ہوا آیا اور کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ بیٹھ کر رغبت سے مزے دار پاستا کھا رہا تھا۔ شاید اس نے حیران ہونا ترک کر دیا تھا۔

"لگتا ہے ٹارزن انکل اپنی سلطنت اس کے حوالے کر گئے ہیں۔" وہ کچھ سوچ کر مسکرایا تھا۔

"اگر تم اس وقت وہاں نہ آتیں تو یقیناً" میں جنگلی جانوروں کا شاندار ڈنر بن چکا ہوتا۔"

"اوہ' اس کا مطلب ہے' میں نے ان بے چاروں کی متوقع دعوت کا مزا خراب کر دیا۔" وہ اب برتن سمیٹ رہی تھی۔

"تم جاننا نہیں چاہو گی کہ میں اس حالت میں تمہیں وہاں پڑا ہوا کیوں ملا؟" وہ شاید رائم کو اس حادثے کی روداد سنانا چاہ رہا تھا۔

"وہ کھائی دیکھنے میں بلاشبہ بہت اٹریکٹو ہے۔ لیکن محض گہرائی کا اندازہ لگانے کے لیے اس کے اندر چھلانگ لگانا ایک احمقانہ حرکت تھی تمہاری۔"

"غلط اندازے مت لگاؤ۔۔۔" اس نے ٹوکا تھا۔

"غلطی سے تو یقیناً" نہیں گرے ہو گے کیونکہ کھائی صاف نظر آ رہی تھی۔" رائم نے ناک پر سے گویا مکھی اڑائی تھی۔

"ہر ایک کو اپنی جان پیاری ہوتی ہے اور کوئی جان بوجھ کر خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا نہیں چاہے گا۔" عجیب لڑکی تھی اس کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دے رہی تھی۔

"کسی خطرناک جنگل میں Self Protection کا خیال کیے بغیر مٹر گشت کرنا خود کو موت کے منہ میں دھکیلنا ہی کہتے ہیں۔" رائم کو نجانے کیوں اس اجنبی کو چڑانے میں مزا آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اتنی شریر کبھی نہیں رہی تھی۔

"دیکھو تمہیں اگر سچ نہیں سننا تو بے شک مت سنو لیکن براہ مہربانی غلط اندازے لگانے کی زحمت بھی مت کرو۔" وہ ایک دم جیسے خفا ہو گیا تھا۔

"میرے خیال سے اب سو جانا چاہیے۔۔۔" رائم فرنٹ سیٹ پر جیسے تیسے کر کے لیٹ گئی جبکہ پچھلی سیٹ پر وہ بازو آنکھوں پر رکھے سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اف! یہ مچھر۔" وہ بری طرح بڑبڑایا تھا۔

"واہ! تم اردو بول سکتے ہو؟" رائم خوشگوار حیرت میں گھر کر کہتی جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

"نہ صرف بول سکتا ہوں بلکہ اچھی خاصی سمجھ بھی لیتا ہوں۔"

"ارے واہ! پورے دن میں پہلی بار تم نے کوئی پتے کی بات کی ہے۔۔۔" رائم خوش ہو کر بولی جبکہ وہ لب بھینچے ایک بار پھر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پچھلی رات کے مقابلے میں رائم کو اس رات بہت ٹوٹ کے نیند آئی تھی۔ حالانکہ وہ جیپ میں تنہا نہیں تھی۔ لیکن گرینی کی کہی بات اسے اب سمجھ میں آئی تھی کہ اوپر والے نے عورت کے اندر ایک "خاص" حس رکھی ہوئی ہے جو اسے بروقت مرد کی بدلتی نگاہ' نیت یا ارادے سے باخبر کر دیتی ہے۔ یہ روشن پیشانی والا اجنبی بدنیت و بدکردار نہیں ہے' اتنا تو وہ بہرحال جان ہی چکی تھی۔ صبح ابھی پوری طرح جنگل میں بیدار نہیں ہوئی تھی۔ قریب ہی کہیں میٹھی آواز والی چڑیا چہک رہی تھی۔ رائم نے تاحد نگاہ پھیلے سبزے کو اپنی نظروں میں سموتے ہوئے فطرت کی خوبصورتی کو سراہا تھا۔

وہ اپنا بلیک لیدر کا بیگ سنبھالتی باہر نکل آئی۔ جبکہ وہ ساری رات مچھروں سے نبرد آزما ہونے کے بعد اب قدرے سکون سے سو رہا تھا۔

"آں ہاں! اتنی بے وقوف تو میں ہرگز نہیں ہوں۔۔۔" پیڑ سے لٹکتے گہرے سبز رنگ کے سانپ کو وہ شاخ سمجھ کر پکڑنے ہی والی تھی کہ بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔ یہ ایک پتلا لیکن انتہائی پھرتیلا سانپ تھا جو کہ زیادہ تر درختوں پر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ رائم کو اس کی خوبصورتی نے بہت متاثر کیا تھا۔

"ہاؤ!" وہ اچانک پیچھے سے آ کر بہت زور سے بولا تھا۔ رائم مارے خوف کے اچھل ہی تو پڑی تھی۔

"ہاہا تم اتنی بہادر ہو نہیں جتنا میں تمہیں سمجھ رہا تھا۔ چہ چہ سارے امپریشن کی واٹ لگا دی۔"

"نہیں اتنی بزدل بھی نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ ویسے بھی مجھے جانوروں سے نہیں بلکہ انسانوں سے ڈر لگتا ہے۔" وہ خود پر قابو پا چکی تھی۔

"تمہاری ٹانگ ابھی ٹھیک نہیں ہوئی۔ زیادہ چلنا پھرنا مناسب نہیں ہو گا۔"

"تم ڈاکٹر ہو۔۔۔؟" وہ پام ٹری کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

"میرے خیال میں ہر انسان کے اندر ایک "ڈاکٹر" چھپا ہوتا ہے جو کسی دوسرے کی مصیبت یا ضرورت کے وقت پوری طرح بیدار ہو جاتا ہے۔" رائم نے سرخ چیونٹیوں کی لمبی سی قطار کو دیکھتے ہوئے سکون سے کہا جو پتے اٹھائے کہیں اندھا دھند بھاگتی چلی جا رہی تھیں۔ وہ سنجیدگی سے رائم کی بات سنتا اب رنگ بدلتے گرگٹ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"ڈیئر! تمہیں تو شاید معلوم بھی نہیں ہے کہ دنیا میں کتنی مثالیں تمہارے نام سے دی جاتی ہیں۔"

رائم اسے نظرانداز کرتی آگے بڑھ گئی تھی۔

"ہاتھیوں کے چہرے کے ایکسپریشن نجانے اتنے اداس اداس سے کیوں ہوتے ہیں؟ ان کی ویران آنکھوں میں کوئی دکھ سا ہلکورے لیتا محسوس ہوتا ہے۔ ان کے چہرے پر ایک سوگوار سا حزن پھیلا نظر آتا ہے۔" رائم مائیکروسکوپ سے پانی پینے کی غرض سے ندی کی اور بڑھتے ہاتھیوں کے جھنڈ کو دیکھ رہی تھی۔

"ہوں' اچھا فلسفہ ہے۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ان صاحب کی بیگم بہت جھگڑالو واقع ہوئی ہوں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے بچے ایک دم نالائق ہوں اور والدین کی توقعات پر پورا نہ اترے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ غم روزگار نے ان کے چہرے کی ساری رونق چھین کر ان آنکھوں میں اداسی بھر دی ہو۔"

رائم اس کے تبصرے پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"کاش میں یہ خوبصورت منظر ہمیشہ کے لیے اپنے کیمرے میں محفوظ کر سکتا۔۔۔" وہ بہت کم کسی بات پر

اس طرح بے ساختہ ہنستی تھی اس لیے اپنی جھینپ مٹانے کے لیے جلدی سے بول پڑی۔

"تم فوٹو گرافر ہو؟"

"جناب میں پروفیشنل فوٹو گرافر ہوں اور بارہ سال کی عمر سے اس پیشے سے وابستہ ہوں۔ دل موہ لینے والے خوبصورت قدرتی مناظر کو قریب سے دیکھنے اور انہیں کیمرے کی آنکھ میں قید کرنے کے لیے سینکڑوں وادیوں، مرغزاروں، جنگلوں، پہاڑوں، ندی نالوں وغیرہ میں جا چکا ہوں۔ لیکن.... لیکن اس بار کچھ نیا، کچھ "انوکھا" ہو رہا ہے میرے ساتھ....." اسے تو موقع مل گیا تھا اپنے بارے میں کچھ بولنے کا۔

"یقیناً" تم نے مشہور فوٹو گرافر "ایزد ناصر" کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا ہوگا اور اگر چاہو تو اپنی خوش قسمتی پر رشک کر سکتی ہو کہ اس مایہ ناز فوٹو گرافر کی مدد کرنے کی سعادت تمہیں حاصل ہوئی ہے۔"

وہ اب ارد گرد کا جائزہ لیتا لاپروائی سے کہہ رہا تھا۔ رائم کو ایک بار پھر ہنسی آنے لگی تھی۔ اس کے بات کرنے کا انداز حقیقتاً "بہت دلچسپ تھا اور بات کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کا رنگ کچھ اور گہرا ہو جاتا۔ رائم نے بہت مشکل سے اپنی نظریں چرائی تھیں۔ اپنی بائیں جانب زمین پر گرے بے شمار زرد سوکھے پتوں کے ڈھیر میں سرسراہٹ محسوس ہوئی تھی۔ وہ ایک دم چونک کر اس جانب مڑی۔

"اوہ، شکر ہے مجھے اس کے پیچھے زیادہ خوار نہیں ہونا پڑا۔" وہ تیزی سے پتوں پر رینگتے "سنگچوری" کی جانب متوجہ ہو چکی تھی۔ یہ سانپ دوسرے سانپوں کے مقابلے میں نسبتاً" کم زہریلا تھا۔ لیکن اس کے پھن پھیلانے کا انداز مقابل کو اپنی "حد" میں رہنے کا اشارہ دیتا تھا۔ ایزد بہت رشک سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو چار فٹ لمبے پھن پھیلائے سانپ کی بہت قریب سے ویڈیو بنا رہی تھی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ ایسے کاموں میں خاصی تجربہ کار ہے۔

"تم اگر ایک انچ مزید آگے بڑھتیں تو یہ سانپ تمہارا کام تمام کر چکا ہوتا۔"

"نہیں، یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ میں اسے نقصان نہیں پہنچانے والی بس یونہی مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔" رائم نے کیمرہ آف کر دیا۔

"تم مزید کتنے دن مجھے اس جنگل میں اپنے ساتھ خوار کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟" وہ اب واپسی کے لیے قدم بڑھا رہے تھے۔

"ایکسکیوز می! یہ تمہاری اپنی چوائس ہے۔ ویسے بھی جب تک میرا کام مکمل نہیں ہو جاتا تب تک میں یہاں سے جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"چاہے اس کے لیے تمہیں پورا مہینہ کیوں نہ لگ جائے؟"

"نہیں، خیر اتنا زیادہ عرصہ تو نہیں لگے گا۔"

"تم یہاں اپنی جان مشکل میں ڈال کر یہ پراجیکٹ مکمل کر رہی ہو اور وہ "دی وائلڈ" کا گھوسٹ ایم ڈی جان ڈیوڈ محض چند سو ڈالر تمہاری ہتھیلی پر رکھ کر اپنے چینل کو مزید کیش کروائے گا۔ ایک نمبر کا خود غرض آدمی ہے وہ۔" رائم کو حیرت نہیں ہوئی تھی یقیناً" اس نے جیپ میں پڑے پیپرز اور کارڈ وغیرہ دیکھ لیے تھے۔

"یہ میرا شوق ہے اور اپنے شوق کی تکمیل کرتے وقت انسان عموماً" اپنے نفع و نقصان کی پروا نہیں کرتا اور ویسے بھی "مایہ ناز فوٹو گرافر" کو میری فکر میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔" ایزد اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کچھ عجیب سے احساس کے تحت ایزد کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے اندھیرے میں غیر معمولی پن کھوجتا رہا۔ اچانک اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا اور وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ فرنٹ سیٹ پر رائم موجود نہیں تھی۔ وہ حواس باختہ سخت وحشت کے عالم میں ٹارچ اٹھائے باہر نکل آیا۔ چاروں اور تاریکی کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی۔ جس میں جنگلی جانوروں کی ڈراؤنی آوازیں چھید ڈال رہی تھیں۔ پام ٹری پر کوئی پرندہ زور سے پھڑپھڑایا تھا۔ دور کہیں الو کی آواز ماحول کو مزید وحشت زدہ بنا رہی تھی۔

"رائم.....!" ایزد نے آہستگی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اچھل کر پیچھے مڑی اور پانی میں زوردار چھپاکہ ہوا۔ رائم بے بسی سے خود سے دور ہوتے لہروں میں ڈوبتے ابھرتے ANACONDA کو دیکھ رہی تھی۔ ایزد نے اس کا سارا کام بگاڑ دیا تھا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟" وہ رائم کا ہاتھ کھینچتے ہوئے واپس مڑا تھا۔

"میرا دل چاہ رہا ہے کوئی وزنی چیز اٹھا کر تمہارے سر پہ دے ماروں۔ کتنی دیر سے میں اس کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ لیکن تم... تم نے میرے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ تم سکون سے مجھے اپنا کام نہیں کرنے دے سکتے؟" رائم اس پر بری طرح برسی تھی۔

"مانا کہ تم بہت بہادر ہو۔ لیکن اپنی جان اپنے ہی ہاتھوں سے موت کے منہ میں دینے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ سمجھیں؟" وہ اس کی ساری مزاحمت نظر انداز کرتا مضبوطی سے اس کا بازو دبوچے جیپ تک لے آیا تھا۔

"گلے پڑی نیکی شاید اسے ہی کہتے ہیں....." رائم کو اس وقت شدید غصہ آ رہا تھا۔ باقی کی رات اس نے غصے سے ابلتے سوتے جاگتے گزاری تھی۔

سورج نے انگڑائی لے کر اپنی نوخیز چمکیلی کرنیں دھرتی پر وار دی تھیں۔ ایزد فریش سا سیٹی پر شوخ دھن بجاتا اس کے "سامان" کا جائزہ لے رہا تھا۔ آج وہ اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنانا چاہ رہا تھا۔

"مجھے شاندار سا ناشتا تیار کرنے کے لیے تمہاری یہ والی چیزیں چاہئیں۔ لے لوں.....؟" وہ تہذیب کا مظاہرہ کرتا اس کے سامان کی طرف اشارہ کرتا اجازت طلب کر رہا تھا۔ رائم نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر نظروں کا زاویہ بدل کر پیڑوں پر اچھلتے کودتے بندروں کو دیکھنے لگی۔

"مشرق میں عورت کی "خاموشی" کو "ہاں" سمجھا جاتا ہے۔" ایزد نے خود ہی جواب اخذ کر کے اپنے کام کی ساری چیزیں نکال لیں۔

"میم! آ کر ناشتا کر لیں۔ بہت کر لی آپ نے ہماری مہمان نوازی۔ اب ذرا ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں گی؟" رائم نے ایک خفگی بھری نظر اس پر ڈالی اور کھانا شروع کر دیا۔ وہ دونوں چھوٹی چھوٹی گھاس پر ایک دوسرے کے سامنے آلتی پالتی مارے یوں مگن ہو کر ناشتا کر رہے تھے گویا ہمیشہ سے ان کی یہی روٹین رہی ہو۔

"اتنا سوگوار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ بہت سست سانپ تھا وہ۔ یقیناً" ابھی تک اسی ندی کے کنارے خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوگا۔" وہ اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے جتن کر رہا تھا۔

"بلکہ مجھے تو لگتا ہے اسے پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ "دی وائلڈ" کی بہادر حسینہ اس سے شرف ملاقات حاصل کرنے آئی ہوئی ہیں۔ ورنہ وہ یوں دم دبا کر تو ہرگز نہ بھاگتا۔" رائم اسے گھورتے ہوئے ہنس پڑی تھی۔

"میں نے زندگی میں ایک ساتھ اتنا سنہری پن پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب؟" وہ اس کی غیر متوقع بات سن کر قدرے حیران ہو گئی تھی۔

"تمہاری آنکھیں، تمہاری پلکیں، تمہارے بال، تمہارا چہرہ اور تمہاری مسکراہٹ میں اتنا سنہری پن کیوں جھلکتا ہے رائم؟" وہ سینے پر بازو لپیٹے حیران ہو کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ رائم بری طرح سٹپٹا گئی تھی۔

"مایہ ناز فوٹو گرافر ایزد ناصر کا شجرہ نسب کسی شاعر سے تو نہیں ملتا؟" وہ بات کو مذاق میں اڑا رہی تھی۔

"اوہو! تم اس لفظ کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتیں؟ مایہ ناز فوٹو گرافر!" وہ کچھ زچ سا ہوتا اٹھ کھڑا ہوا۔ رائم جلدی سے اپنا بلیک لیدر کا بیگ سنبھالتی اس کے پیچھے بھاگ کر آئی تھی اور ایزد کا کہنا سچ ثابت ہوا تھا۔ ندی کے کنارے ANACONDA مل گیا تھا اسے۔ بے حد لمبا! رائم کی ساری حسیں اس کے کلوز اپ

لینے، ویڈیو بنانے اور حرکات و سکنات نوٹ کرنے میں لگ گئی تھیں۔ اور اسے زندگی میں پہلی بار کسی سانپ سے ڈر لگا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اپنے شکار کو سالم نگلنے کے بعد وہ ڈکار تک نہیں لیتا۔

"رائم! تمہیں نہیں لگتا کہ تمہاری زندگی عام لوگوں سے مختلف ہے۔ تمہیں اس وقت ان جنگلی جانوروں کے پیچھے ہلکان ہونے کی بجائے اپنے پیرنٹس کے ساتھ گپ شپ کرنی چاہیے، اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ ہلا گلا اور کوئی زبردست سی موی دیکھنی چاہیے، اپنی فرینڈز کے ساتھ بیچ پر زندگی کو انجوائے کرنا چاہیے، شاپنگ، پارٹیز وغیرہ میں حصہ لینا چاہیے، یہ سب تمہاری عمر کا تقاضا ہے۔ ایک شوق کی خاطر اتنا کچھ پیچھے چھوڑ دینا تو خود اپنے ساتھ ناانصافی ہے۔" ایزد ایک بڑے سے کالے پتھر پر بیٹھا سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس فیملی کے نام پر صرف میری "گرینی" ہیں۔" رائم نے ایک چھوٹا سا پتھر پانی میں پھینکا تھا۔ ایک دائرہ سا پانی میں بنتا چلا گیا۔

"تمہارے پیرنٹس؟"

"میری پیدائش کے صرف دو سال بعد میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی تھی اور ان کے مرنے کے صرف چھ دن بعد میری ممی نے اپنے ایکس بوائے فرینڈ سے جرمنی میں شادی کرلی۔ البتہ جانے سے پہلے گرینی کے پاس آئی تھیں کہ اگر وہ مجھے اپنے پاس رکھ لیں تو انہیں اپنی "نئی زندگی" شروع کرنے میں آسانی رہے گی۔ کیونکہ ان کا بوائے فرینڈ ان کے سابقہ شوہر کی اولاد اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اپنے جوان سال بیٹے کو کھو دینے کے بعد گرینی کے لیے زندہ رہنے کا میں اکلوتا "جواز" تھی۔ برسوں پہلے وہ اپنا سب کچھ پاکستان چھوڑ آئی تھیں۔ ممی نے اپنا پہلا اور آخری احسان مجھے گرینی کی گود میں ڈال کر کیا تھا اور میں ان کے اس احسان کے لیے حقیقتاً "ممنون ہوں۔" وہ بہت اداسی سے اپنا سب سے بڑا دکھ، اپنی سب محرومیاں اس شخص سے شیئر کر رہی تھی جس کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔

"گرینی برسوں سے ایک فلاور شاپ پر کام کرتی آرہی ہیں۔ انہیں پھولوں سے عشق ہے اور وہ پھولوں کی زبان میں اپنے جذبات، احساسات کا اظہار کرتی ہیں۔ میں ان کے چمن کا وہ واحد "پھول" ہوں جس کی ٹہنی سے کانٹے ہٹانے کے لیے انہوں نے اپنی انگلیوں کے فگار ہونے کی بھی پروا نہیں کی۔" ایزد بہت توجہ سے اس کا ایک ایک لفظ سن رہا تھا۔

"میں نہیں جانتی "فیملی" کیا ہوتی ہے؟ باپ کی شفقت کیسی ہوتی ہے؟ ماں کے ہوتے ہوئے بھی مجھے کبھی ان کی محبت کا احساس نہیں ہوا۔ تب بھی نہیں جب وہ ہر ماہ چند منٹ کے لیے جرمنی سے فون کرکے رسمی انداز میں میری خیریت معلوم کرتی ہیں اور مجھے اپنا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔ بائے کہنے سے پہلے جب وہ کسی معمول کی طرح "آئی لو یو" کہتی ہیں تو مجھے دنیا کی سب سے جھوٹی عورت لگتی ہیں۔ مجھے نہیں معلوم جب بہنیں آپس میں اپنے سیکرٹس شیئر کرتی ہوں گی تو انہیں کیا فیل ہوتا ہے؟ جب بھائی اپنے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بہنوں کو تنگ کرتے ہیں تو وہ کس طرح زچ ہو جاتی ہیں؟ مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ میری گرینی نے میری ہر خواہش، ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بے انتہا محنت کی ہے اور جب کبھی ان کی طبیعت بگڑ جاتی ہے تو میں اسپتال کے سرد کوریڈور کے کسی کونے میں چپکے سے آنسو نہیں بہا سکتی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں میری سرخ روئی آنکھیں دیکھ کر گرینی کو تکلیف ہوتی ہے اور میں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی۔ کبھی بھی نہیں۔۔۔" اس کے آنسو سچے شفاف موتیوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ ایزد نہیں جانتا تھا کہ بظاہر اتنی بہادر اور مضبوط نظر آنے والی لڑکی کے اندر کتنی ویرانیاں، کتنی تنہائیاں بستی ہیں۔

"تمہاری کوئی فرینڈ۔۔۔؟"

"ہاں ہے نا! جلیلیا جونز! بے حد پیاری اور دل موہ لینے والی عادتیں ہیں اس کی۔" وہ اب بہت بشاش لہجے میں اسے اپنی اکلوتی دوست کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"ابھی اگر وہ یہاں موجود ہوتی تو اس "CRAB" کو پکڑ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہوتی کہ اسے کھا کر اس کے جسم کو کتنے کاربوہائیڈریٹس اور کتنی کیلوریز ملیں گی۔" اس کی سنہری پلکوں کی جھالر کے نیچے مسکراتی ہوئی نم آنکھیں! ایزد نے بہت مشکل سے خود کو کچھ کہنے سے روکا تھا۔

☼ ☼ ☼

رائم کو آج ہر حالت میں "کوبرا" تلاش کرنا تھا۔ وہ مکمل تیاری کے ساتھ اس کی کھوج میں نکل کھڑی ہوئی۔ ایزد ایک نوکیلی لکڑی کی مدد سے درخت کے تنے پر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رائم نے تھوڑا سا اچک کر اس کے کندھے کے پار دیکھا اور مسکرا دی۔

"State of a brave girl" (بہادر لڑکی کی سلطنت)

"واپسی پر تمہیں ایک شاندار سا ڈنر تیار ملے گا۔" ایزد نے ایک دم پیچھے مڑ کر کہا تو وہ مسکرا کر ہاتھ ہلاتی آگے بڑھ گئی تھی۔ اپنے شکار کی تلاش میں وہ بہت آگے نکل آئی تھی۔ شاید اسے خود بھی سمت کا اچھی طرح تعین نہیں ہو رہا تھا۔ جنگل کی دنیا دیکھنے میں ایک جلیبی لگتی ہے۔ جہاں سے چلنا شروع کیا لگا گھوم پھر کے دوبارہ وہیں آپہنچے ہوں۔ لیکن اس کے پاس جنگل کا نقشہ موجود تھا بہرحال۔ اسے اپنا فیورٹ زرافہ نظر آگیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر میرے اندر ایک عجیب و غریب خواہش پیدا ہوتی ہے کہ صرف ایک بار مجھے اپنی پیٹھ پر سوار ہونے کی اجازت دے دو بس۔" اوپر کو اٹھی ہوئی گردن کے ساتھ اونچے درخت کے پتے کھاتا یقیناً وہ اپنی فیملی کا سربراہ تھا۔ پاس ہی بچے گھاس وغیرہ چرنے کی بجائے ماں سے اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ رائم کو یہ "شریف جانور" بہت پسند تھا۔

"اوئے گدھے کے چچا زاد بھائی! بے شک اپنے لباس کی وجہ سے تم معززین کی لسٹ میں شامل ہو گئے ہو مگر تمہارے خدوخال "سب" بتا دیتے ہیں۔" زیبرے آگے پیچھے دوڑتے ندی کی اور جا رہے تھے۔ رائم اپنے بچکانہ تبصروں سے خود ہی دل ہی دل میں محظوظ ہو رہی تھی۔

ندی! جہاں پر چالاک مگرمچھ اپنے شکار کے انتظار میں پڑے اینٹھ رہے ہوتے ہیں۔ رائم کو ان کی مکاری پر نجانے کیوں غصہ آتا تھا جب وہ ندی کے کنارے دم سادھے پانی پینے کی غرض سے آنے والے ہرن اور زیبروں وغیرہ پر اچانک جھپٹ پڑتے تھے۔ یہاں جنگلی جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ ایک جنگلی بدرنگی چھپکلی تپتی ریت پر تیزی سے چلتی کسی جھاڑی میں گم ہو گئی تھی۔

اچانک رائم کو ایک پھنکار سنائی دی۔ ایک بے حد الجھی عجیب و غریب جھاڑی کے پاس "کوبرا" پھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ شاید اسے اپنے "علاقے" میں رائم کی آمد اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ رائم کی جانب بڑھ رہا تھا۔ رائم بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹی تھی۔ لیکن سانپ نے آگے بڑھنا اور پھنکارنا بند نہیں کیا تھا۔ رائم نے کیمرہ آن کیا اور ایک ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بہت احتیاط سے اس کی ویڈیو بنانے لگی۔ وہ اس کی ایک ایک حرکت کو فوکس کیے ہوئے تھی۔

"اوہ نو۔۔۔!" وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ رہی تھی کہ اچانک ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر نیچے گر پڑی۔ سانپ اس کے بے حد قریب آگیا تھا۔ اتنے قریب کہ وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس تک دیکھ سکتی تھی اور پہلی بار اسے اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ آہستہ آہستہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لاشعوری طور پر کیمرہ اب بھی اس کے ہاتھوں میں سانپ کو فوکس کیے ہوئے تھا۔ اس کا ایک ہاتھ بیگ کے اندر گن کو ٹٹول رہا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اٹھنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ اچانک سانپ اپنے اور اس کے درمیان چند انچ کا فاصلہ ختم کرتا اس پر لپکنے کو تیار تھا کہ اس نے ٹریگر دبا دیا۔ سانپ ایک دم پیچھے ہٹا اور تیزی سے کسی

جھاڑی میں گم ہو گیا۔ فائر کی آواز سے پیڑوں پر بیٹھے پنچھی پھر سے اڑ گئے تھے۔ رائم نے اپنی پیشانی پر چمکتے پسینے کے قطرے پونچھتے ہوئے سانسیں ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔ سورج اپنی ملگجی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹے مغرب کی گود میں سر رکھنے کو بے تاب ہوا تو اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔

ایزد اپنے مخصوص انداز میں پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے "یقیناً" اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے جنگلی بٹیروں کا شکار کر کے ان کا مزے دار ساؤنر تیار کر رکھا تھا۔ سارے میں اشتہا انگیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ رائم نے جلدی سے بیگ اتارا منہ پر پانی کے چھپا کے مارے اور سرخ لائنوں والے کالے مفلر سے ہاتھ پونچھتی آرام دہ انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"میں تمہیں اتنا ال مینرڈ نہیں سمجھتا تھا۔ مزے سے ندیدوں کی طرح کھاتی جا رہی ہو بس۔ تعریف کا ایک لفظ بولتے ہوئے یقین جانو تمہاری شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔" ایزد اس کی معنی خیز خاموشی سے جھنجلا گیا تھا۔

"ہوں، تو "مایہ ناز فوٹو گرافر" ایزد ناصر کوکنگ میں بھی اچھے خاصے ایکسپرٹ ہیں اور ہمیں یہ تسلیم کرنے میں قطعاً "کوئی عار نہیں۔"

"رہنے دو بس۔" اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں ہلکی سی خفگی جھلکی تھی۔

"ویسے آج میں بہت خوش ہوں۔" رائم چہکی۔

"تمہاری خوشی کا سرا یقیناً" کسی سانپ سے جا کر ملتا ہو گا۔"

"آف کورس انجینئرنگ مین! مجھے لگ رہا ہے میں نے اپنا ٹارگٹ اچیو کر لیا ہے۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی مسرت جھلک رہی تھی۔ ایزد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ درخت کے پتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوا کی سرگوشیاں سن رہا تھا۔ رائم کو اس کی آنکھوں میں ہلکا سا دکھ ہلکورے لیتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ایک دم کچھ بے چین سی ہو گئی تھی۔

"ایزد۔۔۔!"

"آج میرے ممی پاپا کی اکتیس ویں ویڈنگ اینورسری ہے اور زندگی میں پہلی بار ہوا ہے کہ میں اس اہم موقع پر ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ حالانکہ انہیں گفٹ کرنے کے لیے میں نے ان کا ایک شاندار پورٹریٹ بنایا ہوا تھا۔" رائم ٹکٹکی باندھے اس کے چہرے پر پھیلے خوب صورت رنگوں کو دیکھتی رہی۔

"ممی پاپا نے کیک کاٹتے ہوئے اور مصعب نے "ایپی اینورسری ڈارلنگ ماما پاپا" گنگناتے ہوئے مجھے کتنا مس کیا ہو گا۔" وہ لاشعوری طور پر وہاں موجود نہیں تھا۔

"بہت محبت کرتے ہو تم اپنی فیملی سے؟"

"محبت تو سبھی کرتے ہیں لیکن مجھے اپنے ممی پاپا اور بارہ سالہ گول مٹول بھائی سے عشق ہے۔" وہ بہت والہانہ انداز میں ان کا ذکر کر رہا تھا۔

"جانتی ہو میری پیدائش کے وقت ممی نے میرا نام ایزد سوچا ہوا تھا اور پاپا نے ناصر پھر دونوں نے باہمی مشورے سے "ایزد ناصر" رکھ دیا۔ اب یہ حال ہے کہ ممی مجھے ناصر اور پاپا ایزد کہتے ہیں۔" وہ کوئی بات یاد کر کے ہلکا سا مسکرایا تھا۔

"پاپا بے حد مصروف رہنے کے باوجود دن میں ایک بار میرے ساتھ جم کر شطرنج کی بازی کھیلتے ہیں اور میں آخر میں ہمیشہ جیتتے جیتتے جان بوجھ کر ہار جاتا ہوں اور پاپا یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے اچھی شطرنج اور کوئی کھیل ہی نہیں سکتا۔" رائم گھٹنوں پر بازو لپیٹے بہت توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور ممی اپنی دن بھر کی مصروفیات میں گھرے رہنے کے باوجود جب اپنے ہاتھوں سے میرے لیے مزے مزے کے کھانے پکاتی ہیں تو میرا دل چاہتا ہے ان کے ہاتھ چوم لوں۔" رائم کو اسے سننا اچھا لگ رہا تھا بے حد اچھا۔

"اور میرا چھوٹا سا گول گپلو بھائی جو کمپیوٹر کی دنیا میں تہلکہ مچانے کے خواب دیکھتا ہے اسے ممی پاپا سے ہمیشہ یہی شکایت رہی ہے کہ وہ میرے مقابلے میں اسے کم اہمیت دیتے ہیں، حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں

ہے اور وہ چپکے چپکے میری کاپی (نقل) کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میں کس طرح بیٹھتا ہوں، کھڑا ہوتا ہوں اور کس طرح ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر ٹی وی دیکھتا ہوں وغیرہ وغیرہ اور جب اس کی یہ چوری پکڑی جاتی ہے تو وہ بے حد خفا ہو جاتا ہے سب سے خاص طور پر اپنے آپ سے۔" رائم کو پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ یہ شخص رشتوں کے محبتوں کے معاملے میں کتنا امیر ہے۔ اس رات وہ دیر تک رائم کو اپنے بچپن اپنے اسکول، فرینڈز اور فوٹو گرافی کے قصے سناتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"ایزد۔۔۔!" اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی تھی۔ دو انسانی ہیولے جیپ پر جھکے شیشہ بجا رہے تھے۔

"ایزد!" اب کی بار وہ زور سے چلائی تھی۔ ایزد ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ ایک نظر رائم کے فق چہرے پر ڈالی اور دوسری۔۔۔ "اوہ!" ایزد گہری سانس کھینچتا جیپ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور اس کے پیچھے رائم بھی اس کے عقب سے ایزد کا بازو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا اور خوف کے مارے اس کا چہرہ خطرناک حد تک سفید پڑ چکا تھا۔ ایزد انہیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ چیخ چیخ کر غصے کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کی بھاری بھدی آوازیں ماحول میں بدنما شگاف ڈال رہی تھیں۔ عجیب و غریب حلیے اور لمبی تڑنگی جسامت والے سیاہ فام وحشی! رائم مزید ایزد کے پیچھے چھپ گئی۔ اس نے دماغ کو حاضر کرتے ہوئے ان کی باتیں سمجھنے کی کوشش کی۔ ایزد انہیں اس کو اپنی "بیوی" بتا رہا تھا۔ مزید یقین دلانے کے لیے اس نے بازو سے پکڑ کر رائم کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"بیوی۔۔۔؟" رائم کو اپنے لیے یہ لفظ سن کر بہت عجیب لگا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے ایزد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں وحشی ایک دوسرے کو دیکھتے، کچھ بڑبڑاتے وہاں سے پلٹ گئے تھے۔

"تھینک گاڈ! بچت ہو گئی۔ ورنہ یہ اصول پسند محترم تو یقیناً" ہمیں اپنی کسی فضول رسم کی بھینٹ چڑھانے کے موڈ میں لگ رہے تھے۔" ایزد اب ہلکے پھلکے انداز میں کہہ رہا تھا۔ رائم ابھی تک لفظ "بیوی" میں الجھی ہوئی تھی۔

"ہے ریلیکس!" ایزد نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا تو وہ چونک گئی۔

"ایزد! ہم صبح ہوتے ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ اب ہمارا یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں۔" وہ بلا ارادہ یہ بات کہہ گئی تھی۔

"امیزنگ! ان وحشیوں نے تمہیں اتنی جلدی قائل کر لیا۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو کچھ روز پہلے ہی ایسے غنڈے ہائر کر کے یہ مشکل مرحلہ سر کر چکا ہوتا۔ کیونکہ ان بھائی صاحبان کو دیکھ کر مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ میرا حلیہ بھی کم و بیش ان کے جیسا ہو رہا ہو گا۔" ایزد اس کی طرف کا دروازہ بند کر کے اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"ویسے میں تو سمجھ رہا تھا محترمہ خاصی بہادر واقع ہوئی ہیں۔" وہ اب اسے چڑا رہا تھا۔

"یاد رہے میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ مجھے جانوروں سے نہیں انسانوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیا مجھ سے بھی ڈر لگتا ہے تمہیں؟" وہ اپنی طرف انگلی سے اشارہ کر کے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں، صرف انسانوں سے۔" رائم ہنسی تھی۔

"ایزد ادھر ادھر کی باتیں کر کے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا رہا اور اپنی اس کوشش میں خاصا کامیاب بھی رہا تھا۔ یہاں تک کہ رائم کی پلکیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں تو وہ نیم غنودگی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی۔

"ایزد! سونا مت پلیز۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اور ایزد ساری رات نہیں سویا تھا۔ رائم نے اسے سونے سے منع جو کیا تھا۔ وہ کیسے اس کی بات ٹال دیتا؟

☼ ☼ ☼

صبح وہ رائم کے بیدار ہونے سے پہلے ہلکا پھلکا ناشتا

بھی تیار کر چکا تھا۔ سات بج چکے تھے لیکن کالی گھنگھور گھٹاؤں نے سارے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ سبک ہوا کے نرم جھونکوں کے ساتھ بارش کی بوندیں ایک تواتر سے گرنے لگیں تو سارا جنگل جیسے جاگ اٹھا۔ رائم مبہوت سی باہر بازو پھیلائے ہتھیلیوں پر بارش کے قطرے جمع کر رہی تھی۔ یہ اس کا من پسند مشغلہ تھا اس کے چہرے پر گزری رات کے واقعے کا کوئی تاثر نظر نہیں آ رہا تھا۔ ایزد نے سکون کی سانس لی تھی۔ موسم نے بندروں کا موڈ بھی خوشگوار کر دیا تھا اور اب گودے دار پھل ایک بار پھر ایک تواتر سے ان کی جانب اچھالے جا رہے تھے۔

"تمہارے ہمسائیوں کا مہمانوں کو رخصت کرنے کا یہ انداز خاصا غیر شریفانہ اور کچھ کچھ دل دکھانے والا ہے۔" ایزد نے پھرتی سے ایک پھل کیچ کرتے ہوئے رائم سے شکایتاً کہا تو وہ ہنسنے لگی تھی۔

"ویسے مجھے موسم کے تیور کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ ہمارا یہاں مزید رکنا مناسب نہیں اس لیے بوریا بستر سمیٹ کر روانہ ہو جانا چاہیے اب۔۔۔" اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔ رائم کو اس جنگل کے پیڑوں، پودوں، پتوں، پھولوں، گھاس، جانوروں، میٹھی آواز میں خوش الحانیاں کرتے پرندوں اور یہاں کی ایک ایک چیز سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ گردن موڑ موڑ کر ایک ایک چیز کو الوداعی نظروں سے دیکھے گئی۔

" State of Brave girl " کے الفاظ بھیگ رہے تھے۔

"ہے! پاگل کیا کرتی ہو؟ سارا سامان بہہ جائے گا۔ آسمان والی بارش کافی نہیں ہے؟" ایزد اس کے آنسوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شرارتاً گویا ہوا۔

"کاش میں یہ پل، یہ لمحے اپنی مٹھی میں قید کر سکتی۔" وہ اپنی بہت ساری یادیں یہاں چھوڑ کر جا رہے تھے اور اس سے کہیں زیادہ اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے۔

نیا اک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم
یہ کافی ہے کہ ہم دشمن نہیں ہیں
وفاداری کا دعوا کیوں کریں ہم

رائم نے کسی قیمتی متاع کی طرح ایزد کا دیا کارڈ اپنے ہاتھ میں دبوچا ہوا تھا۔ وہ پتھرائی آنکھوں سے خود سے دور جاتے اس شخص کو دیکھ رہی تھی جس کی سنگت نے اسے احساس دلایا تھا کہ زندگی اس سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے جتنی کہ نظر آتی ہے۔

☼ ☼ ☼

ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی گرینی اس کے زندہ و صحیح سلامت لوٹنے پر بے حد خوش تھیں۔ ضبط کرتے کرتے بھی رائم کو گلے لگاتے وہ رو پڑی تھیں۔ انہیں لگتا رائم کی کامیابیاں ان کی عمر بڑھا دیتی ہیں اور وہ پھر سے جی اٹھتی ہیں۔ انہیں رائم کچھ چپ چپ اور اداس سی لگی اور وہ اسے اس کی تھکاوٹ پر محمول کرتی رہیں۔ وہ یہ نہ جان سکیں کہ اس بار سیکڑوں میل دور ایک جنگل میں ان کی پوتی اپنی سب سے قیمتی متاع اپنا "دل" ہار آئی ہے۔

جلیلیا سنگاپور سے واپس آنے کے فوراً بعد اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ اسے رائم کے حالیہ ٹور کا حال سننے سے زیادہ اپنے سنگاپور میں گزارے شب و روز کا احوال سنانے میں دلچسپی تھی۔ جودت اسے صرف تین دن کے لیے اپنے پیرنٹس سے ملوانے سنگاپور لے گیا تا۔ رائم چپ چاپ اسے جوش سے بولتا دیکھتی رہی۔ اب وہ اسے اپنی شاپنگ دکھا رہی تھی۔ رائم کے فیورٹ کلرز کی شرٹس، انتہائی مہنگے شوز اور بیگ، وہ رائم کی پسند سے اچھی طرح واقف تھی۔

"سنو! وہاں جنگل میں ایسا کیا تھا کہ تم پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت ہو کر لوٹی ہو؟" وہ اب ابرو اچکا کر پوچھ رہی تھی۔

"لیکن تمہاری آنکھیں! تمہاری آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے رائم؟"

اور رائم نے راز فاش ہونے کے ڈر سے جلدی سے پلکوں کی سنہری جھالر گرا دی۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ جلیلیا کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتی تھی۔ اپنا سوال بھلائے وہ اب رائم کو زور و شور سے جودت کی فیملی سے اپنی پہلی ملاقات کا حال سنانے لگی تھی۔

سر ووڈ رائم کے کامیاب لوٹنے پر جتنا خوش ہوتے اتنا کم تھا۔ وہ رائم کو "دی وائلڈ" کی "بیک بون" کہا کرتے تھے اور اب اس ڈاکومینٹری کی پریزنٹیشن کی زور و شور سے تیاریاں چل رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

رائم نہیں جانتی تھی کہ جس شخص کی سنگت میں اس نے گنتی کے محض چند دن گزارے تھے وہ اس طرح اس کے روم روم میں بس جائے گا۔ وہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ موجود تھا۔ اس کی آواز، لہجہ، انداز اور ڈارک براؤن آنکھیں وہ چاہنے کے باوجود کچھ بھی تو نہیں بھول پا رہی تھی۔

"میں نے زندگی میں ایک ساتھ اتنا سنہری پن پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔" وہ ایک دم ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ جاتی۔

"بہت کر لی آپ نے ہماری مہمان نوازی۔ اب ذرا ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں گی؟" کوئی اچانک اس کے کان میں سرگوشی کرتا تو وہ بے بسی سے کرسی دھکیل کر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ جاتی۔

"کاش میں اپنے کیمرے میں یہ خوب صورت منظر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر سکتا۔" کسی بات پر بے ساختہ ہنستے ہوئے وہ ایک دم چپ ہو جاتی۔

"یہ میری بیوی ہے۔۔۔" وہ سونے کے لیے لیٹتی تو کوئی درد اس کے پہلو میں جاگ اٹھتا۔

"ہاہا تم اتنی بہادر ہو نہیں جتنا میں تمہیں سمجھ رہا تھا۔" وہ تھک ہار کر "دی وائلڈ" میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی تو یہ آوازیں اسے پھر سے وہیں پر لا کر کھڑا کر دیتیں۔

"نہیں ہوں میں بہادر۔ ایزد! تم جانتے ہو میں بہادر نہیں ہوں۔ مجھے انسانوں سے ڈر لگتا تھا۔ مجھے اسی نارسائی سے ڈر لگتا تھا۔۔۔ مجھے ہجر کی ان طویل راتوں سے ڈر لگتا تھا۔ مجھے اپنا آپ کھو دینے سے ڈر لگتا تھا اور تم نے میرے سارے ڈر سچ ثابت کر دیے۔۔۔"

اسے آج شیکسپیئر کا فلسفہ محبت سمجھ میں آیا تھا۔

"محبت انسان کو پاگل کر دیتی ہے۔ محبت دماغ کا ایک خلل ہے کہ اگر کوئی انسان اس خلل میں مبتلا ہو جائے تو اس کا علاج مشکل ہے۔ سارے خواب، سارے چہرے، سارے مناظر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک چہرہ آنکھوں میں منجمد ہو جاتا ہے۔ محبوب کا چہرہ!" گرینی نے کافی پھینٹتے ہوئے کچن کی کھڑکی سے اسے بہت دکھ سے دیکھا۔ وہ کتنی دیر سے ٹھوڑی گھٹنوں پہ ٹکائے ایک ہی زاویے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں یہ تو نہیں پوچھوں گی کہ وہ کیسا تھا کیونکہ جس نے میری پوتی کے دل کی دنیا فتح کی ہو وہ کوئی عام انسان تو نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے کافی کا مگ رائم کی طرف بڑھا دیا اور رائم کو اس پل لگا جیسے وہ ان سے کوئی بات نہیں چھپا پائے گی اور اس نے گرینی کو ایزد ناصر کی ایک ایک بات، اس کے ساتھ گزارا ایک ایک پل سب بتا دیا۔

"کتنی عجیب بات ہے نا گرینی! ہم اتنے سالوں سے ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے اور اس اجنبی ماحول میں گزارے چند دنوں نے ہمیں ایک دوسرے کے لیے آشنا بنا ڈالا۔" گرینی کی پرسوچ نظریں اس کے قوس قزح بکھیرتے چہرے سے الجھ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وابستہ ہے میری ذات اس کی یادوں سے اس قدر ! !
یاد نہ کروں تو رات نہیں ڈھلتی، یاد کر لوں تو آنکھ نہیں لگتی

"رائم! تمہیں اس پریزنٹیشن کے موقع پر ایزد کو بلانا چاہیے۔" گرینی کی بات سن کر وہ لمحہ بھر کو چپ رہ گئی۔

"مگر وہ نہ آیا تو۔۔؟"

"تم بلاؤ وہ ضرور آئے گا۔" انہوں نے پراعتماد مسکراہٹ سے کہا۔ رائم نے ایک نظر اس کارڈ پر ڈالی جسے وہ روز اپنے ہاتھوں میں پکڑے دیر تک اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کرتی رہتی۔ اس کارڈ پر درج فون نمبر اور پتا اسے ازبر ہو چکا تھا۔ وہ پہلی بار ایزد کے گھر جا رہی تھی اور اپنی تیاری سے حد درجہ غیر مطمئن تھی۔ گرینی مسکراتی نظروں سے اسے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے اپنا ناقدانہ جائزہ لیتے دیکھ رہی تھیں۔

"میں پہلی بار اتنی کنفیوز ہو رہی ہوں گرینی!"

"زندگی میں بہت کچھ پہلی بار ہی ہمارے ساتھ ہو رہا ہوتا ہے۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔ سرسبز بیلوں سے ڈھکا وہ چھوٹا سا گھر اندر سے اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تھا جتنا کہ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ پہلا قدم اندر رکھتے ہی اس کا دل عجیب کیفیات میں گھر گیا تھا۔

"منصور صاحب! چھٹی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ سارا دن چائے پینے اور اخبار پڑھنے میں گزار دیں۔" ایزد کی ممی کی خفگی بھری آواز سنائی دی تھی۔

"تو مسز! آپ کیا چاہتی ہیں، میں اتنا اہم دن لان کی گھاس کھودنے یا واش روم کی ٹونٹیاں ٹھیک کرنے میں گزار دوں؟" یہ خوشگوار لہجہ یقیناً" ایزد کے پاپا کا تھا۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے۔" ایزد کی ممی ہنسی تھیں۔ رائم نے آہستگی سے قدم اندر رکھ دیا۔ سامنے والی دیوار پر ان کی فیملی کی فل سائز پکچر تھی۔ ایزد نے اپنے دونوں بازو دائیں بائیں اپنی ممی پاپا کے کندھوں پر پھیلائے ہوئے تھے اس کی گہری ڈارک براؤن آنکھیں کھل کر اس کی مسکراہٹ کا ساتھ دے رہی تھیں اور اس کے عقب میں معصب اس کے گلے میں اپنی بانہیں ڈالے بے تحاشا ہنس رہا تھا۔ رائم مسمرائز سی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ پل کے لیے وہ بالکل بھول گئی کہ وہ اس وقت کہاں کھڑی ہے؟ لٹکتے ہوئے پنجرے میں مقید توتا اچانک ٹیں ٹیں کرنے لگا تو وہ گھبرا کر جلدی سے آگے بڑھی۔ ان دونوں نے کچھ چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"میں رائم۔۔۔" اسے اپنا تعارف کروانا بہت دشوار لگا تھا۔

"اوہ! دی وائلڈ والی رائم۔۔۔؟" ایزد کے پاپا گرم جوشی سے کہتے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"بیئر" کے بعد مجھے تمہاری بہادری نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔" رائم مسکرا دی۔

"کم آن بیٹے! کھڑی کیوں ہو؟" ایزد کی ممی اسے اپنے ساتھ لے کر صوفے کی جانب بڑھ گئیں۔

"ایزد!" اس کی متلاشی نگاہوں نے ایزد کو تلاشا تھا۔ ایزد کے پاپا کی کوئی ضروری کال آگئی تو وہ معذرت کرتے وہاں سے اٹھ گئے۔

"ایکچوئلی آنٹی! میں ایزد کو اپنی پریزنٹیشن سرمنی کا انویٹیشن دینے آئی تھی۔" رائم کچھ جھجک کر بولی تھی اور سنہری کارڈ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"ایزد آفس ورک کے سلسلہ میں اٹلی گیا ہوا ہے، میں اسے تمہارا میسج دے دوں گی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے نرمی سے جواب دیا تھا۔

"تقریب کب ہوگی؟" انہوں نے کارڈ کھولا تھا۔

"اس تھرسڈے کو۔" رائم اب قدرے ریلیکس ہو کر ان سے باتیں کر رہی تھی۔

"اس دن ایزد کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا اگر تم اس کی ہیلپ نہ کرتیں تو شاید۔۔۔" ان کی آنکھوں میں نمی پھیلنے لگی تھی۔

"پلیز آنٹی! بچانے والا تو خدا ہے، میں صرف وسیلہ بنی تھی۔"

"ایزد نے ٹھیک کہا تھا تم واقعی بہت پیاری ہو۔" ان کے اس طرح بے ساختہ کہنے پر رائم جھینپ گئی تھی۔

"پاپا کہتے ہیں بڑا نام کرے گا معصب ہمارا ایسا کام کرے گا۔ مگر یہ تو کوئی نہ جانے۔۔۔" دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتا وہ یقیناً" معصب ہی تھا۔ بے حد سرخ اور گول مٹول! آخری سیڑھی پر قدم رکھتا وہ ٹھٹک کر رائم کو تکنے لگا۔

"رائم آپی!" وہ اسے پہچاننے کی سعی کر رہا تھا اور رائم تو اس کے طرز تخاطب پر ہی گم سم ہو گئی تھی۔

"رائم آپی!" اس نے زیر لب دہرایا تھا اور لگا منہ میں مٹھاس سی گھل گئی ہے۔

"آپ دی وائلڈ والی رائم ہیں نا جو جنگل میں بھائیان۔۔۔" رائم نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"واوہ گریٹ!" نجانے اسے زیادہ خوشی کس بات پر ہوئی تھی رائم کو اپنے گھر دیکھ کر یا اپنے اندازے کی درستگی پر۔ بہرحال رائم کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"ہوں! تو انویٹیشن صرف بھائیان کے لیے ہے۔ ہمارا داخلہ ممنوع ہوگا؟" وہ کارڈ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا جی! نیکسٹ ویک آپ کے پیپر اسٹارٹ ہو رہے ہیں۔ یہ بات کیوں بھول جاتے ہو آپ؟" ممی چائے کی ٹرالی دھکیلتی اندر داخل ہوئی تھیں۔

"جو بات دن میں آٹھ بار ریمائنڈ کرائی جائے اسے بھولنے کی جسارت کون کر سکتا ہے بھلا؟" وہ منہ بنا کر بولا تھا۔ رائم کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی تھی۔ ان کے ساتھ گپ شپ کرنے میں کافی وقت بیت گیا تو رائم جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ معصب اسے دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔

"رائم آپی! ایک بات پوچھوں؟" رائم رک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"بھائیان کی جب دائیں ٹانگ زخمی تھی تو وہ لنگڑا کر کسی طرح چل رہے تھے؟ اس طرح یا اس طرح۔۔۔" رائم پہلے تو منہ پھاڑے نا سمجھی سے اسے لنگڑا کر چلنے کی ایکٹنگ کرتا دیکھتی رہی مگر جب اصل بات سمجھ میں آئی تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اسے ایزد کی بات یاد آگئی تھی۔

"ارے آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ کہیں بھائیان نے آپ کو۔۔۔ اوہ نو۔" ہنسی روکنے کی کوشش میں رائم کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے جبکہ وہ چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق منہ پھلائے کھڑا تھا۔

"معصب ڈارلنگ! میں ابھی تھوڑی دیر پہلے حیران ہو رہی تھی کہ کسی کی باڈی لینگویج اپنے بھائی سے اتنی بھی مل سکتی ہے بھلا؟ تمہارا ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھنے کا انداز، کپ کو یوں دو انگلیوں میں اسٹائل سے پکڑنا، یہاں تک کہ چلنے کا انداز بھی سیم ٹو سیم ایزد جیسا ہے۔ مجھے تو شک ہو رہا ہے کہیں تمہارے "بھائیان" چوری چھپے تمہارے اسٹائل کی کاپی (نقل) تو نہیں کرتے؟" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے خاصی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"ہائیں سچ!" معصب ساری خفگی بھلائے خوشی سے اچھل ہی تو پڑا۔

"ایک سو بیس فیصد سچ۔" رائم اس کی سلکی بال بکھیرتی مسکراتے ہوئے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

آج وہ گرینی کے کہنے پر اپنی عادت کے برخلاف خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی۔ بقول ان کے۔

"میں چاہتی ہوں آج کے دن میری پوتی دنیا کی سب سے خوب صورت لڑکی لگے۔" ریڈ اینڈ بلیک شیفون کے شلوار قمیص جس پر دھاگوں کی کڑھائی اور شیشوں کا کام بنا ہوا تھا، میں اس کی سنہری رنگت دمک رہی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اس نے پونی ٹیل بنانے کی بجائے اپنے شولڈر تک آتے اسٹیپ کٹنگ بال کھلے چھوڑ دیے۔ کانوں میں بلیک اسٹون کے آویزے، ہونٹوں پر ڈارک ریڈ لپ اسٹک اور کلائی میں بندھی وہ نفیس سی رسٹ واچ! گرینی اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے اپنی پلکیں نہیں جھپکا پائی تھیں۔

"مجھے زندگی میں پہلی بار افسوس ہو رہا ہے کہ میں لڑکا کیوں نہیں ہوں۔" جلیلیا کا تعریف کرنے کا بھی اپنا ہی انداز تھا۔ رائم نے جھینپ کر ایک دھپ اسے رسید کی تھی۔ اس نے جودت کے کہنے پر آج بلیک کلر کی میکسی پہنی ہوئی تھی۔ رائم اس وقت اسٹیج پر

سینکڑوں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ وال ٹو وال ٹیچ اسکرین پر بار بار اسے پتوں میں چھپے، درختوں سے لٹکتے، پانی کی لہروں میں ڈوبتے ابھرتے، جھاڑیوں میں گم ہوتے خطرناک قسم کے سانپوں کے ساتھ نبرد آزما ہوتے دکھایا جا رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر اس کی بہادری کی وجہ سے ایوارڈ سے نوازا جا رہا تھا۔

اس کے مداح تالیاں پیٹ رہے تھے۔ اس کے کام کو سراہ رہے تھے اور وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر عاجزی کے ساتھ ان کی تعریفیں وصول کر رہی تھی۔ اچانک کیمروں کی فلش لائٹس اور چکاچوند روشنیوں میں اسے وہ بیٹھا نظر آیا۔ رائم کا دل لمحہ بھر کے لیے تھم کر رہ گیا۔ اتنی دور سے بھی اسے ایزد کی نگاہوں میں اپنے لیے فخر کا احساس لو دیتا دکھائی دیا تھا۔ اس پل ہر چہرہ، ہر منظر، ہر بات، ہر آواز اس کے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ جلد از جلد اس کے پاس پہنچ جانا چاہتی تھی۔

سر ڈیوڈ کے پاؤں خوشی کے مارے زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ سب کچھ ان کی توقع سے بھی بڑھ کر شاندار ہوا تھا۔ ایک بار پھر ان کے چینل کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ وہ رائم کو مایہ ناز پروڈیوسرز اور ڈائریکٹرز، سرمایہ کاروں سے ملوا رہے تھے۔

"ایکسکیوزمی پلیز!" وہ غائب دماغی سے ان کی باتوں کا جواب دیتی معذرت کر کے تیزی سے سیڑھیاں اتر کے نیچے چلی آئی۔

"کانگریچولیشن!" ایزد نے گرم جوشی سے اس کے ساتھ ہاتھ ملایا تھا۔ جسے وہ اپنے جوش میں کئی ثانیے تک پکڑے کھڑی رہی۔

"یہاں بہت کراوڈ ہے۔ کہیں باہر چلیں؟" وہ اس سے اجازت لے رہا تھا۔

"شیور!" رائم انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتی کسی کو بتائے بغیر اس کے ساتھ باہر آ گئی۔ یہ تقریب اب اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا تھا کہ مایہ ناز فوٹوگرافر میرے ایک بار بلانے پر چلا آئے گا۔" خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی۔

"مجھے بھی نہیں لگتا تھا کہ بہادر حسینہ مجھے انوائٹ کرنے اسپیشلی میرے گھر آئے گی۔" وہ ہنسا تھا۔ وہ ایک پارک میں آ گئے تھے۔ جہاں رائم اکثر اپنا فارغ وقت اسی کونے والے سنگی بینچ پر بیٹھ کر گزارتی تھی۔

"ایزد! تمہیں وہ بندر یاد ہے۔ جس نے ہم پر گودے دار پھل پھینکے تھے اور وہ بڑا سا کالا پتھر جس پر بیٹھ کر ہم نے ڈھیر ساری باتیں کی تھیں اور وہ جنگل کی پہلی بارش، اس کی بوندیں آج بھی مجھے اپنی ہتھیلیوں پر گرتی محسوس ہوتی ہیں اور تمہارے ان بٹیروں کا شاندار ساڈنر کا ذائقہ ابھی تک میری زبان سے نہیں اترا اور..." رائم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس کے ساتھ اپنی کون کون سی یاد شیئر کرے۔

"رائم! ان میں کچھ بھی بھولنے کے لائق نہیں ہے، کبھی بھی نہیں..." ایزد اس کے بے تحاشا خوشی سے جگمگاتے چہرے کو دیکھ کر آہستگی سے بولا تھا۔

"میں اگلے ہفتے پاکستان جا رہا ہوں۔" ایزد نے اپنی نظریں پارک میں ادھر ادھر دوڑتے بھاگتے بچوں پر ٹکا دی تھیں۔

"پاکستان! کیوں؟" وہ قدرے حیرت سے بولی تھی۔

"میرے پیرنٹس نے وہاں میری کزن کے ساتھ میری شادی طے کر دی ہے۔ اگلے جمعہ کو نکاح ہے۔"

رائم اپنی جگہ پر فریز سی ہو گئی۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ وہ ایزد کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ایزد کی شادی؟" ایزد اس کی طرف دیکھ کیوں نہیں رہا؟

"رائم!" وہ ان آنکھوں کا سنہری پن پھیکا پڑتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ رائم بنا ایک لفظ کہے اس کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر وحشت زدہ سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سلوک ناروا کا اس لیے شکوہ نہیں کرتا
کہ میں بھی تو کسی بات کی پروا نہیں کرتا
بہت ہوشیار ہوں اپنی لڑائی آپ لڑتا ہوں
میں دل کی بات مگر دیوار پر لکھا نہیں کرتا
اگر پڑ جائے عادت آپ اپنے ساتھ رہنے کی
یہ ساتھ ایسا ہے کہ انسان کو تنہا نہیں کرتا
زمین پیروں سے کتنی بار دن میں نکلتی ہے
میں ایسے حادثوں پر دل مگر چھوٹا نہیں کرتا
ترا اصرار سر آنکھوں پہ تجھ کو بھول جانے کا
میں کوشش کر کے دیکھوں گا مگر وعدہ نہیں کرتا

وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیاں روکتی بے تحاشا بھاگ رہی تھی۔

"State of Brave Girl" کے الفاظ بھیگ رہے تھے۔

"تمہاری آنکھیں، تمہاری پلکیں، تمہارے بال، تمہارا چہرہ اور تمہاری مسکراہٹ میں اتنا سنہری پن کیوں جھلکتا ہے رائم؟" اس کے سرخ سینڈل کا اسٹریپ ٹوٹ گیا تھا مگر وہ پھر بھی بھاگتی رہی۔

"اگر تم چاہو تو اپنی خوش نصیبی پر رشک کر سکتی ہو کہ اس مایہ ناز فوٹوگرافر کی مدد کرنے کی تمہیں سعادت حاصل ہوئی ہے۔" لوگ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر وہ پھر بھی بھاگتی رہی۔

"مانا کہ تم بہت بہادر ہو لیکن اپنی زندگی اپنے ہاتھوں سے تمہیں موت کے منہ میں دینے کا کوئی حق نہیں سمجھیں؟" وہ کس حق سے اس پر چلایا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا محترمہ خاصی بہادر واقع ہوئی ہیں۔" اس کا پاؤں بری طرح کسی پتھر سے ٹکرایا تھا لیکن وہ پھر بھی بھاگتی رہی۔

"ہے پاگل! آسمان والی بارش کافی نہیں ہے؟" آنسوؤں کی دھند کے آگے اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مگر وہ پھر بھی بھاگتی رہی۔

"کیا مجھ سے بھی ڈر لگتا ہے تمہیں؟" وہ بستر پر گری پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ چار دنوں تک بے سدھ پڑی بخار میں پھنک رہی تھی۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ سسکیوں کی صورت میں اس کے خشک لبوں پر آ کر دم توڑ جاتے۔ ہوش میں آنے کے بعد بھی وہ سختی سے آنکھیں بند کیے اپنے تئیں حقیقت جھٹلانے کی لاشعوری کوشش کر رہی تھی۔

"رائم!" اس کی لرزتی پلکیں دیکھ کر گرینی کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ثابت ہو رہا تھا۔

"میں یہ کیوں بھول گئی تھی کہ گرینی کے علاوہ کسی اور کی محبت میرے نصیب میں نہیں ہے۔" وہ ایک بار پھر گرینی کی گود میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔

اس کی ہر خواہش، ہر ضرورت، ہر خواب پورا کرنے کے لیے گرینی نے بے انتہا محنت کی تھی۔ لیکن یہاں اس مقام پر آ کر وہ جان گئی تھیں کہ رائم کی دلی خوشی کے لیے انہیں کسی محنت کی نہیں بلکہ دعا کی ضرورت ہے۔ انہوں نے دست دعا اٹھا دیے تھے۔

جلیلیا کی شادی طے ہو گئی تھی اور وہ رائم پر سخت برہم تھی۔

"شرم تو نہیں آتی اکلوتی دوست کی شادی ہو رہی ہے اور محترمہ یہاں پر پڑی بستر توڑ رہی ہیں۔ خدا ایسی دوست تو بس دشمن کو ہی دے۔" وہ خاصے جارحانہ تیور لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ اگرچہ گرینی سے وہ سب جان کر اسے بہت دکھ ہوا تھا۔ لیکن وہ رائم کے زخموں کو چھیڑنے کی بجائے اسے چیئراپ کرنا چاہتی تھی۔

"ویسے تو بڑی سگی بنتی ہو لیکن جھوٹے منہ یہ تک نہیں پوچھا کہ شادی کی تیاری کے سلسلے میں کوئی مدد بھی چاہیے یا نہیں؟" وہ زبردستی اپنے لہجے میں بشاشت پیدا کرتے ہوئے مصنوعی تاسف سے بولی تھی۔ ورنہ ہمیشہ نک سک جلیے میں رہنے والی رائم کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا دل کٹ رہا تھا۔

"مبارک ہو جلیلیا!" اس نے مسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن آنسو بے مروتی سے اس کی کوشش کو ناکام بناتے بہہ نکلے تھے۔ جلیلیا نے بہت خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپکنے لگی۔

"جو ہمارا ہے وہ ہمیں ہی ملے گا چاہے کچھ بھی

ہوجائے اور جو ہمارا ہے ہی نہیں وہ ہمیں کبھی نہیں مل سکتا۔ چاہے ہم "کچھ" بھی کریں۔"

گرینی چائے کے لوازمات کے ساتھ اندر داخل ہوئی تھیں۔ رائم نے سرعت سے اپنا چہرہ رگڑا تھا۔ گرینی اس کی سرخ آنکھوں کو قصداً" نظرانداز کرتی جلیلیا کو پاکستان کی شادیوں کے بارے میں بتانے لگیں کہ کس طرح شادی سے کئی روز پہلے دلہن کو مایوں بٹھادیا جاتا تھا۔ اسے گھر تو کیا کمرے سے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ باپ اور بھائی کا بھی دلہن کے کمرے میں جانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

"گرینی! آپ رائم کی شادی بالکل اسی طرح مشرقی انداز میں کیجیے گا۔ پھر میں خوب انجوائے کروں گی۔" جلیلیا کے پرجوش انداز پر گرینی ہنس دی تھیں جبکہ رائم نے بہت سختی سے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے کچلا تھا۔ اسے بہت تکلیف ہوئی تھی۔ اندر کہیں۔

☼ ☼ ☼

اس کا جلیلیا کی شادی میں جانے کا بالکل دل نہیں کررہا تھا۔ لیکن وہ اتنے اہم موقع پر اپنی دوست کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نہا دھو کر صرف لباس بدلا تھا۔ بالوں کی حسب عادت پونی ٹیل بنائی اور کلائی میں بندھی سلور ریسٹ واچ پر نظریں دوڑاتی گرینی کو اپنے جانے کا بتانے ان کے کمرے میں چلی آئی۔ اگرچہ اس نے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا لیکن پھر بھی اسے فریش حلیے میں دیکھ کر گرینی کو بہت اچھا لگا تھا۔

روایتی انداز میں دلہن بنی جلیلیا سرخ و سفید پھولوں سے سجے جھولے پر بیٹھی حسب عادت جودت کی جانب جھکی اس کے کان کھارہی تھی۔ رائم پر نظر پڑتے ہی پرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا۔

"تم کچھ دیر کے لیے منہ بند کرکے نہیں بیٹھ سکتیں؟ دلہنیں یوں پٹر پٹر بولتی اچھی نہیں لگتیں۔ لوگ کیا کہیں گے؟ پاگل!" رائم نے اسے گلے ملتے ہوئے گھر کا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"دراصل میں جودت کو کچھ دیر کے لیے بھی غلط فہمی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی۔" رائم اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"رائم جانتی ہو جب میں پہلی بار جودت کی فیملی سے ملنے سنگاپور گئی تھی۔ تب میں تھوڑی دیر کے لیے ذرا ادھر ادھر ہوئی تو جودت کی ممی کہہ رہی تھیں "کتنا بولتی ہے یہ لڑکی؟" جودت کہہ رہا تھا "ممی ابھی تو یہ شرم کی وجہ سے زیادہ بول نہیں پارہی ورنہ عام روٹین میں تو صرف سانس لینے کا بریک لیتی ہے۔ ہاہا۔" سامنے سے آتی جودت کی ممی کو دیکھ کر وہ رائم کی جانب جھکی آہستہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

"چپ کرو! بدتمیز۔" رائم اسے گھورتی اب جودت کی ممی سے مل رہی تھی۔

"آنٹی! آپ کی فیملی بہت لکی ہے جسے جلیلیا جیسی بہترین اور زندہ دل لڑکی کا ساتھ ملا ہے۔" وہ جودت کی ممی سے کہہ رہی تھی۔

"لکی تو وہ ہوگا جسے تم ملوگی میری جان!" جلیلیا نے دل میں کہا اور بہت آہستگی سے اپنی انگلی کی پور سے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کیا۔

☼ ☼ ☼

رائم تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ پورے گھر میں ویرانی اور پژمردگی چھائی ہوئی تھی۔ کرسٹل اسٹینڈ پر رکھے پنک روز مرجھا کر سوکھ چکے تھے۔ گرینی نے کتنے دنوں سے یہاں تازہ پھول نہیں سجائے؟ وہ حساب لگاتی اندر آگئی۔ گرینی کے انڈور پلانٹس اپنے نظرانداز کیے جانے کا شکوہ کررہے تھے۔ "رائم کے بعد مجھے اپنے یہ پودے بے حد پیارے ہیں۔" گرینی نے اپنے پودوں کو پانی کیوں نہیں دیا؟ سامنے چھوٹا سا لاؤنج خالی پڑا تھا۔ کتنے دنوں سے گرینی اپنے مخصوص کاؤچ پر کافی پیتی دکھائی نہیں دی تھیں۔ کچن کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ حالانکہ گرینی کام ختم کرنے کے فوراً" بعد احتیاط سے اسے بند کردیا کرتی تھیں۔

آج پندرہ تاریخ تھی۔ سیٹرڈے کو انہوں نے ڈاکٹر انتھونی کے پاس چیک اپ کے لیے جانا تھا اور آج سیٹرڈے کو گزرے تین دن بیت چکے تھے۔ سینٹرل ٹیبل پر پڑی "فلاورز آر لائف" پر دھول کی تہہ جم چکی تھی۔ گرینی اپنی اس پسندیدہ کتاب کو روزانہ پڑھا کرتی تھیں اور اب اس پر جمی گرد کی تہہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ کتنے دنوں سے یہ کتاب کھول کر بھی نہیں دیکھی گئی۔

"یہ اتنا ڈھیر سارا غیر معمولی پن کہاں سے آگیا ہے ہماری زندگی میں؟" اس کا رخ گرینی کے کمرے کی طرف تھا۔

"میں آپ سے اور کچھ نہیں مانگتی بس میری رائم کو دل کی خوشی عطا کردیجیے۔" وہ ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی۔ گرینی صرف اس کی دادی نہیں تھیں بلکہ اس کی ماں، باپ، بہن، بھائی، دوست سب کچھ تھیں۔ وہ اس کے لیے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے دعا مانگ رہی تھیں۔ رائم ساکت نظروں سے ان کا ہچکیوں سے لرزتا ضعیف وجود دیکھ رہی تھی۔

ابھی کچھ دیر پہلے اپنے دل میں اٹھتے سارے سوالوں کے جواب اسے مل گئے تھے۔ "یہ سب میری وجہ سے ہورہا ہے۔" وہ الٹے قدموں وہاں سے لوٹ آئی۔ آج ایک اور رات اس نے جاگ کر گزارنی تھی۔ لیکن اس بار سوچنے کے لیے اور بہت کچھ تھا۔

"اور تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟" گرینی کی مخصوص نرم آواز چار سو اجالا بکھیر رہی تھی۔ وہ وضو کرکے نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ "میں اتنی ناشکری تو پہلے کبھی نہیں رہی۔" آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کی شفاف ہتھیلیوں پر گر رہے تھے اور اس کے دل میں ڈھیر سارا سکون اتر رہا تھا۔

اس نے بہت دل لگا کر گرینی کا پسندیدہ ناشتا تیار کیا۔

"گڈ مارننگ!" وہ پردے سمیٹتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی تھی اور یہ پہلی مسکراہٹ تھی جس میں آنسوؤں کی نمی شامل نہیں تھی۔ گرینی متعجب سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"یقین جانیے آج بھی سورج وہیں سے نکلا ہے جہاں سے روز نکلا کرتا ہے۔" نرم چمکیلی کرنوں نے کونے کھدروں میں گھسی اداسی وحشت ناک تاریکی کو اذن رہائی دے دیا تھا۔

"گرینی میں سوچ رہی تھی سیٹنگ چینج نہ کردیں اب؟ کچھ نیا پن آجائے گا۔"

"جیسے تم مناسب سمجھو۔" وہ حیران زیادہ ہورہی تھیں یا خوش؟ رائم اندازہ نہ لگا سکی۔

"میں ساتھ والے مائیک کو بلا کر لاتی ہوں۔ چیزیں ادھر ادھر کرنے میں مجھے اس کی ہیلپ درکار ہوگی۔" وہ پونی ٹیل جھلاتی جھپاک سے باہر نکل گئی۔ اور گرینی یک ٹک اسے پھرتی سے ایک کے بعد ایک کام نبٹاتے دیکھتی رہیں۔ پورا دن لگا کر اس نے سارے گھر کا منظر ہی بدل کر رکھ دیا۔ کرسٹل اسٹینڈ پر بکھری سوکھی پتیاں اور ٹہنیاں ہٹا کر تازہ پنک روز سجا دیے۔ گرینی کے پودوں کو پانی سے نہلایا تو وہ جو سر جھکائے کھڑے تھے سارے گلے شکوے بھول کر پھر سے سر اٹھا کر لہلہا اٹھے۔ "فلاورز آر لائف" کے ساتھ ڈھیر سارے پھول رکھ دیے۔ مزے دار سی بلیک کافی لاکر گرینی کے ہاتھ میں تھمائی۔

"آج ہم ڈنر باہر کریں گے۔" مگ کے نیچے چٹ پھڑپھڑا رہی تھی وہ پڑھ کر مسکرادیں۔

"اونہوں! اس حلیے میں تو میں آپ کو باہر نہیں جانے دوں گی۔ بالوں کا سارا کلر اتر گیا ہے۔ مسز جان مائیکل کو دیکھا ہے؟ دن بدن جوان ہوتی جارہی ہیں۔ اگر آپ تھوڑی سی توجہ خود پر دیں ناتو وہ آپ کی گرینڈ ماں نہ ہی ماں تو لگ ہی سکتی ہیں۔" ان کے بالوں میں ریڈش براؤن کلر کرنے کے ساتھ ساتھ زبان بھی خوب چل رہی تھی۔ گرینی مسلسل اس کی باتوں پر مسکرا رہی تھیں۔

"رائم موسم کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے۔"

"کوئی نہیں، اتنا رومانٹک موسم تو ہورہا ہے۔"

اس نے جلدی سے چیزیں سمیٹی تھیں۔
"ہم دس منٹ بعد نکل رہے ہیں۔ تیاری کے لیے زیادہ وقت نہیں ملے گا۔" وہ اونچی آواز میں وارننگ دیتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور تارکول کی صاف شفاف سڑک پر گرینی کا ہاتھ تھامے ہلکی ہلکی بوندا باندی سے لطف اٹھاتی وہ سوچ رہی تھی کہ اپنے پیاروں کو خوش رکھنا اور خوش دیکھنا کتنا خوش کن احساس ہے۔ ہماری ذرا سی توجہ، ذرا سی محنت اور ذرا سی کوشش ان کے وجود اور دل میں اتری ساری بے رونقی اور اداسی کہیں دور لے جاتی ہے۔

☼ ☼ ☼

رائم نے گرینی کی خاطر زندہ رہنا اور خوش ہونا تو سیکھ لیا تھا لیکن کبھی کبھی دل کا سکوت اتنا بڑھ جاتا کہ وہ گھبرا کر باہر نکل آتی۔ آج بھی وہ اپنے مخصوص سنگی بینچ پر گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ اسے اپنے اردگرد مخصوص کلون کی خوشبو کا احساس ہوا۔ لیکن وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔
"اگر یہ خواب ہے تو اسے خواب ہی رہنا چاہیے۔"
"جانتی ہو رائم! کبھی کبھی ہمارے ساتھ اتنا عجیب، اتنا غیر متوقع ہو جاتا ہے کہ ہم حیران ہونے کے قابل بھی نہیں رہتے۔" رائم نے ایک جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا تھا۔ یہ کوئی خواب، کوئی الوژن نہیں تھا۔ وہ سامنے پھولوں پر رقص کرتی سنہری تتلی کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ آج بھی اس کے اتنے ہی قریب بیٹھا تھا کہ اگر وہ چاہتی تو ہاتھ بڑھا کر چھو لیتی۔ لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔
"یہ جو ہمارا اللہ ہے نا یہ ہمیں، ہماری خوشیوں کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ بس ہمیں ہی سمجھنے میں کچھ دیر لگ جاتی ہے۔" رائم کی نگاہیں اس کے ایک ایک نقش کو بے یقینی سے چھو رہی تھیں۔
"جب مجھے پتا چلا کہ میرے پیرنٹس نے مجھ سے پوچھے مجھے بتائے بغیر میری شادی طے کر دی ہے تو میں غم و غصہ سے پاگل ہو گیا۔ ساری زندگی میری ایک ایک خواہش کا خیال رکھنے والوں نے میری مرضی کے بغیر میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔ میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں ان کی پسند کردہ لڑکی سے شادی کر کے بے ایمانی کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔ کیونکہ میں کسی اور سے محبت کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ مکمل ایمانداری کے ساتھ زندگی گزارنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن میں انہیں یہ سب نہیں کہہ پایا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ سوچ آئی کہ میرے بے مثال والدین نے کس بل بوتے پر اتنا بڑا فیصلہ اکیلے اکیلے کر لیا؟ انہیں مجھ پر بھروسہ تھا، اعتماد تھا، مان تھا اور میں ان کا مان توڑ نہیں پایا۔ ساری زندگی میری چھوٹی بڑی ہر خواہش کا احترام کرنے والوں نے پہلی بار اپنا حق استعمال کیا تھا۔ میں کیسے ان سے یہ حق چھین کر ان کی پہلی خواہش رد کر کے اپنے خوابوں کا محل تعمیر کر لیتا؟ میری ساری مزاحمت کہیں اندر ہی دم توڑ گئی تھی۔ بنا ایک لفظ کہے میں نے ان کے حکم پر سر جھکا دیا۔ خوشی سے چمکتے یہ چہرے مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ میں اپنے اجڑے دل کو نظر انداز کر کے اپنے والدین کے ارمانوں کا گلستان مہکانے ان کے ساتھ پاکستان چلا گیا۔" وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا اور رائم اسے۔
"شادی کے ہنگامے عروج پر تھے کہ وہ سب ہو گیا جس کا میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ میں سیڑھیاں اتر کر کوریڈور سے گزر رہا تھا کہ زہرہ کے کمرے سے آتی آوازوں نے میرے قدم روک دیے۔ میری چچا زاد زہرہ جس کے ساتھ ٹھیک ایک دن بعد میری شادی ہونے والی تھی ہمارے تایا زاد عامر سے محبت کرتی تھی اور اب وہ دونوں اپنی ناکام محبت پر کف افسوس مل رہے تھے۔ تایا ابا کے رعب اور خاندانی روایات نے انہیں زبان کھولنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن ۔۔۔ لیکن میں ایک ساتھ اتنی زندگیاں برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے ممی کو اعتماد میں لے کر ساری بات بتا دی اور ممی نے اتنی سمجھداری سے سارا معاملہ ہینڈل کیا کہ میں خود بھی حیران رہ گیا۔ پاپا اور چاچا (زہرہ کے والد) کے سمجھانے پر تایا ابا نے غیرت اور انا کا علم بلند کرنے کی بجائے عامر اور زہرہ کی شادی کر دی۔" رائم کی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا تھا۔
"واپسی کا سفر ہمیشہ تھکا دینے والا ہوتا ہے۔ میرے پاؤں مضمحل تھے کیونکہ میں نہیں جانتا تھا کہ جن سنہری آنکھوں میں، میں بے یقینی کا ایک عالم چھوڑ آیا ہوں وہاں میرے لیے اب کچھ بچا بھی ہو گا یا نہیں؟" رائم نے اس پل اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔
"رائم!" اس نے رائم کو کندھوں سے پکڑ کر اپنی جانب موڑا تھا۔ اس کی مضطرب نگاہوں میں واضح سوال موجود تھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے ایزد!" جب وہ بولی تو اس کے لہجے میں بلا کا ٹھہراؤ تھا۔
"محبت مرد کی زندگی کا ایک "حصہ" ہوتی ہے اور عورت کی پوری "زندگی۔" تم نے اس وقت جو فیصلہ کیا، وہ بہترین تھا۔ لیکن جس دن مجھے لگا تم میری زندگی میں نہیں رہے تو میں نے اپنی محبت کا چیپٹر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔ اسے اب کبھی نہیں کھلنا تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے دل کی جس اونچی مسند پر تمہیں بٹھایا تھا وہاں پر میں تمہارے علاوہ کسی اور کا سایہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔" ایزد کے چہرے پر ڈھیروں سکون پھیلا تھا۔
"ہوں، تو "دی وائلڈ" کی بہادر حسینہ نے اپنی دل کی سلطنت پہلے ہی میرے نام کر دی ہے اور میں بے چارہ خواہ مخواہ اتنا پریشان ہو رہا تھا۔"
"میں نے سوچا مایہ ناز فوٹو گرافر نے مجھے اپنی مدد کرنے کی جو سعادت بخشی تھی اس کا کچھ تو صلہ اسے ملنا چاہیے ۔۔۔ ہے نا؟" رائم شرارت سے کہتی اس کا ہاتھ کھینچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"رائم! گرینی کے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں پھولوں کی زبان تو سمجھ میں آ گئی ہو گی ذرا مجھے بتاتی چلنا کہ یہ پھول کس کس مقصد کے لیے ہوتے ہیں۔" روش کے دائیں اور بائیں جانب مختلف قسم اور رنگ کے خوش نما پھول کھل رہے تھے۔ ایزد ایک ایک پھول توڑتا جا رہا تھا اور رائم اسے بتاتی جا رہی تھی۔
"یہ محبت کے لیے، انتظار کے لیے، اعتماد کے لیے، دوستی کے لیے، یہ والا شکریہ کہنے کے لیے، وفا کے لیے، معذرت کے لیے ۔۔۔!"
"اور یہ پورا گلدستہ!" ایزد نے رک کر سارے پھولوں کی ٹہنیاں ملا کر خوب صورت گلدستے کی صورت میں رائم کی جانب بڑھایا۔
"زندگی بھر کے ساتھ کے لیے!" رائم نے ایزد کے ہاتھ سے گلدستہ لے کر سارے پھول ایزد کے اوپر ہوا میں اچھال دیے۔ پارک میں موجود لوگ حیرت زدہ نظروں سے اظہار محبت کے اس انوکھے منظر کو دیکھ رہے تھے اور ایزد کا ہاتھ تھامے پھولوں بھری روش پر چلتی رائم نے سوچا۔ "واقعی ہمارا اللہ ہمیں، ہماری خوشیوں کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ بس ہمیں ہی سمجھنے میں کچھ دیر لگ جاتی ہے۔"

☼ ☼

نفیسہ سعید

تیسری قسط

مکمل ناول

مجھے اتنا پیار نہ دو بابا کل جانے مجھے نصیب ہو۔
میں جب بھی روتی ہوں ہم تم آنسو پونچھا کرتے ہو۔
مجھے اتنی دور نہ چھوڑ آنا میں روؤں اور تم قریب نہ ہو۔
میرے ناز اٹھاتے ہو بابا۔
میری چھوٹی چھوٹی خواہش پر تم جان لُٹاتے ہو بابا۔
کل ایسا نہ ہو اک نگری میں میں تنہا تم کو یاد کروں۔
اور رو رو کے فریاد کروں۔
اے اللہ کوئی میرے بابا جیسا ناز اٹھانے والا ہو۔

وہ چت لیٹی یک تک کمرے کی چھت پر لگے اسٹارز کو دیکھ رہی تھی جو اندھیرے میں چمک رہے تھے وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ حالات اسے اس نہج پر لے آئیں گے جہاں سے واپسی کا راستہ نہ صرف دشوار گزار بلکہ ناممکن ہو گا اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا وہ دور دیس میں اپنے پیاروں سے دور اس طرح کے دن بھی گزارے گی ان تمام مشکلات میں گھر کر بھی ایک اطمینان اس کے دل کو حاصل تھا وہ تنہا نہ تھی اس نے پلٹ کر اپنے پہلو میں دیکھا ابوذر گہری نیند سو رہا تھا سکندر اس کی تلاش میں کتے کی طرح سارا شہر سونگھتا پھر رہا تھا وہ جانتی تھی اس کے گھر والے بھی اس سے رابطے کے لیے بے قرار ہوں گے وہ مجبور تھی اسے حالات نے مجبور کر دیا تھا اس کے لیے بھی یہ ہی بہتر تھا وہ کسی سے رابطہ نہ رکھے اپنی تنہائی اور بے بسی کے احساس سے اس کا دل بھر آیا بے اختیار آنسو اس کے گالوں کو بھگوتے ہوئے تکیہ پر گرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

کھانا کھاتے کھاتے اس کی نظر شیشے سے اس پار روڈ پر پڑی جہاں ہلکی ہلکی بارش میں فٹ پاتھ پر ایک نوجوان لڑکا اور لڑکی جا رہے تھے لڑکی نے ڈارک بلیو سوٹ پہن رکھا تھا جو اس امر کی نشاندہی کر رہا تھا کہ وہ ہندو تھی ویسے بھی یہاں عام طور پر اس طرح کے گہرے رنگ ہندو ہی پہنتے تھے لڑکا جانے اس کے کان میں کیا کہہ رہا تھا لڑکی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اسے دور سے بھی نظر آ رہی تھی۔

"کیا کھاؤ گی؟" سکندر کی آواز سنتے ہی وہ چونک اٹھی ویٹر ان کے قریب ہی کھڑا تھا غالباً" آرڈر لینے کے لئے۔

"چکن تکہ" یہ ایک پاکستانی ہوٹل تھا جہاں وہ سکندر سے خاص فرمائش کر کے آئی تھی ویسے بھی جب سے مولانا عبدالرزاق نے سکندر کو سمجھایا تھا اس کے رویہ میں خاطر خواہ تبدیلی آئی تھی جو نبیو کے لیے خوش آئند تھی آج بھی دونوں نے پہلے سینما میں لگی پاکستانی مووی دیکھی اور پھر اسی کی فرمائش پر سکندر اسے پاکستانی ریسٹورنٹ بھی لے آیا اور اب وہ مزے سے چکن تکہ انجوائے کر رہی تھی اس کے دونوں بچے گھر پر فاطمہ کے پاس تھے جب وہ گھر آئے ابوذر بھی دادی کے پاس سو چکا تھا۔
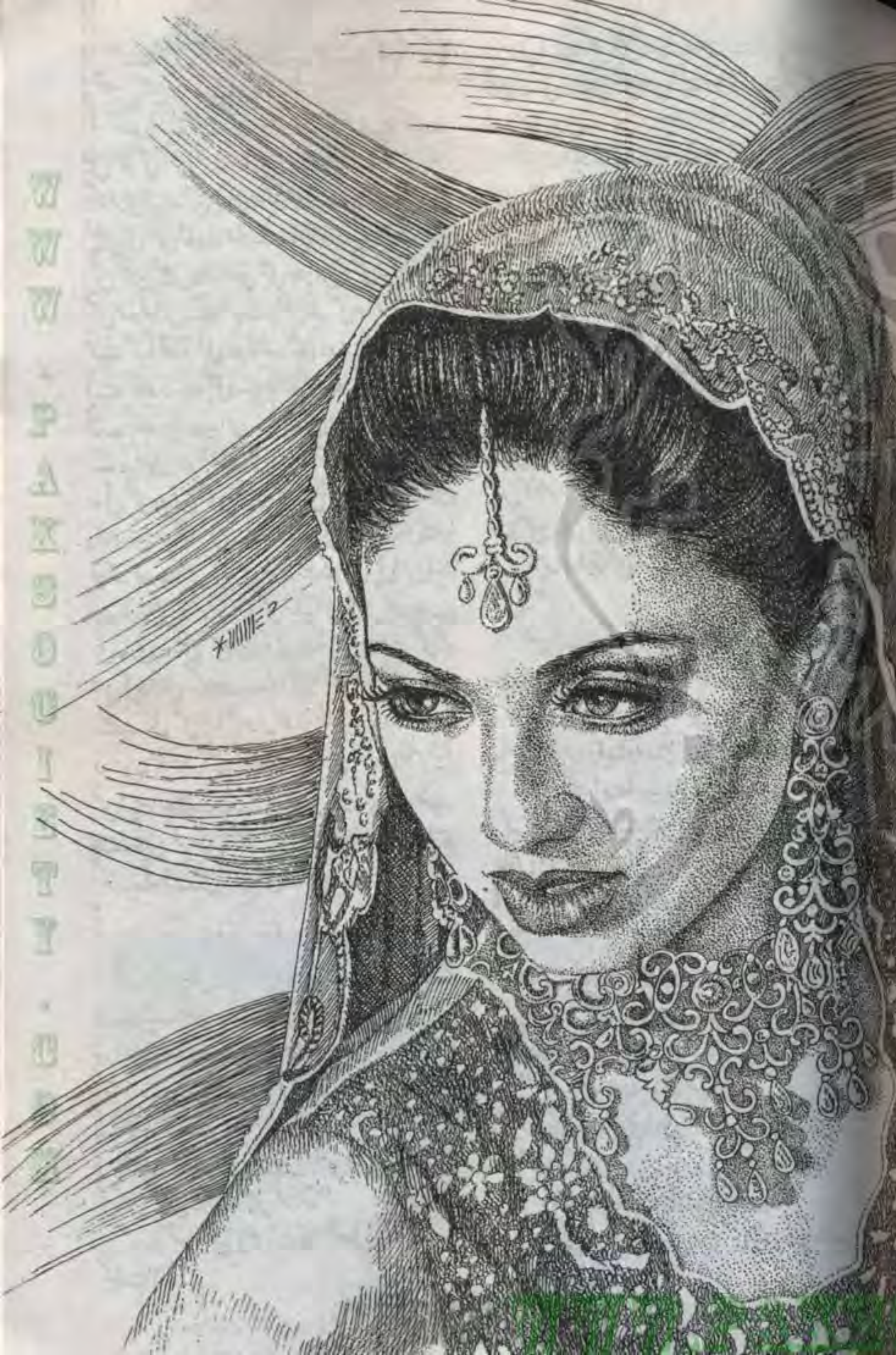
"اسے یہیں سونے دو ورنہ یہ ڈسٹرب ہوگا جاگ گیا تو تمہیں بھی نہ سونے دے گا۔"
سکندر کے کہنے پر وہ ابوذر کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں آتو گئی تھی مگر وہ ساری رات اس نے کانٹوں پر گزاری اسے آج اندازہ ہوا وہ ابوذر کے بنا ایک پل بھی نہیں جی سکتی شاید وہ حماد سے زیادہ ابوذر سے محبت کرتی تھی لیکن نہیں وہ تو حماد پر بھی جان دیتی تھی یہ اور بات تھی حماد کو اس سے انسیت بالکل نہ تھی وہ اگر کسی سے محبت کرتا تھا تو شاید وہ فاطمہ بھتیں ورنہ کبھی نبیو نے اسے سکندر سے بھی بے جا لاڈ کرتے نہ دیکھا تھا بے شک سکندر کا رویہ اس سے تبدیل ہو چکا تھا مگر دونوں کے درمیان جو تکلف کی دیوار شروع دن سے قائم ہوئی تھی وہ آج بھی برقرار تھی آج بھی سکندر پہلے دن والا وہ ہی مرد تھا جس نے اسے شادی کی رات ہی بتادیا تھا کہ عورت اس کی کبھی ضرورت نہ تھی اپنی اس بات پر وہ آج بھی قائم تھا نبیو بھی شاید اس ماحول اور رویے کی عادی ہو چکی تھی نبیو کو حیرت تو اس بات پر تھی کہ اس کی واپسی کے بعد سے نور ہلیزا ابھی تک سکندر سے ملنے نہ آئی تھی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان دونوں کے درمیان موجود تعلق ختم ہو چکا ہو مگر یہ اس کی خام خیالی تھی ایسے تعلقات زمانے کی نظروں سے چھپ ضرور جاتے ہیں مگر کبھی ختم نہیں ہوتے جس کا اندازہ گزرتے وقت میں اسے بھی ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

نور ہلیزا اسپتال میں تھی اپنی جاب سے واپس آتے ہوئے ایک نیگرو نے اسے لوٹنے کی کوشش کی تھی، نور ہلیزا کی طرف سے معمولی مزاحمت پر وہ اسے بھرے روڈ پر بے دردی سے پیٹ کر پھینک گیا جب یہ خبر نبیو نے سنی تو شاک رہ گئی۔
"ہمارے دیس میں عورتوں کو اس طرح سرعام پیٹنے کی کوئی شخص جرات نہیں کر سکتا۔"
"وہ جو تمہارا میڈیا عورت کا استحصال دکھاتا ہے وہ کیا ہے؟؟"

رفیدا سے کبھی بھی نبیو کے منہ سے اپنے دیس کی تعریف سنی نہ جاتی تھی اس لیے برداشت نہ کر سکی اور فوراً بول پڑی۔
"وہ چند ایک واقعات ہوتے ہیں گاؤں دیہات میں جہاں تعلیم کی کمی ہے، اور کچھ ذاتی دشمنی کا شاخسانہ بھی ہوتے ہیں لیکن عام طور پر بڑے شہروں کی چلتی ہوئی شاہراہ پر کوئی لٹیرا ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔" وہ ہر ممکن طور پر اپنے وطن کا دفاع کرتے ہوئے بولی۔
رفیدا بنا جواب دیئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی وہ دونوں ماں بیٹیاں سکندر کے ساتھ ہسپتال جا رہی تھیں وہ خود بھی جانا نہ چاہتی تھی اس لیے خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ کپڑوں والی الماری کی صفائی کر سکے ابھی اس کا کام ادھورا ہی تھا کہ روزینہ آگئی وہ اپنے آفس سے سیدھی یہاں آئی تھی۔
"اچھا ہوا بھابھی آپ آگئیں میں اکیلی بور ہو رہی تھی۔"
نبیو اسے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھی اس نے جلدی جلدی سارے کپڑے الماری میں ڈالے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آنٹی اور رفیدا تو نور ہلیزا کو دیکھنے ہسپتال گئے ہیں"
"ہاں مجھے ایدھا نے بتایا میں نے رفیدہ سے کہا تھا کہ میرا انتظار کرے میں انہیں اپنے ساتھ ہی لے جاؤں گی مگر وہ چلی گئیں، بہرحال دونوں اپنی مرضی کی مالک ہیں تم سناؤ کیسی گزر رہی ہے زندگی مزے میں تو ہو؟"
وہ اس کے بیڈ پر اطمینان سے بیٹھ گئی۔
"اللہ کا شکر ہے" نبیو نے آہستہ سے مختصر سا جواب دیا۔
"سکندر تمہارے ساتھ ٹھیک ہے؟"
روزینہ اسے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر بولی
"جی۔"
"ایک بات پوچھوں نبیو برا تو نہ مانو گی"
"نہیں پہلے میں نے آپ کی کسی بات کا برا مانا ہے جو اب مانوں گی"

وہ روم فریج سے پیپسی کاٹن نکال لائی تھی ساتھ ہی کمرے میں رکھے کوکیز کے ڈبے سے کچھ کوکیز نکال کر اس نے پلیٹ میں رکھ دیئے۔
"تمہارے اور سکندر کے درمیان ازدواجی تعلقات کب سے نہیں ہیں؟"
وہ بنا کسی تمہید کے بولی اس کے سوال نے نبیرہ سن کر دیا۔
"یہ مت سمجھنا کہ میں تم سے کچھ اگلوانا چاہتی ہوں حقیقت یہ ہے کہ میں نے جب سے یہ بات سنی میں بہت شاک تھی اور آج جان بوجھ کر اس ٹائم آئی ہوں جب تمہارے پاس کوئی نہیں میں چاہتی ہوں تم مجھے سب کچھ سچ سچ بتاؤ"
"آپ کو یہ سب کس نے بتایا؟"
اپنی انا کا خول ٹوٹنے پر وہ چیخ سی گئی جب بولی تو کرچیوں کی چبھن اس کے لہجہ میں تھی۔
"نور ہلیزا"
ان الفاظ نے نبیو کو لرزا دیا نور ہلیزا اس کے اور سکندر کے درمیان موجود تمام تعلقات کو جانتی تھی ورنہ کبھی بھی یہ بات اتنے وثوق سے آگے تک نہ پہنچاتی، وہ کیا کہہ سکتی تھی شرمندگی سے گردن جھکالی اس کی آنکھیں لبالب پانی سے بھر گئیں۔
"اس کا مطلب یہ ہوا نور ہلیزا نے جو کچھ مجھ سے کہا سب سچ ہے۔"
"اس نے آپ سے اور کیا کہا؟"
"بس یہ ہی کہ اس نے سکندر کو پابند کر رکھا تھا وہ کبھی بھی تمہیں ہاتھ نہ لگائے گا اور یہ بھی کہ سکندر کوئی ایسا راستہ تلاش کر رہا ہے جس پر چل کر تمہیں واپس بھیجا جا سکے کیونکہ تمہاری یہاں رہائش سکندر کے لئے خطرہ ہے اگر وہ تمہیں طلاق دیتا ہے اور تم ملائیشیا ہی رہ جاتی ہو تو سکندر اپنے بیٹے تمہیں دینے کا پابند ہوگا بصورت دیگر تمہارے وطن واپسی کی صورت میں تم بچے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتیں اور اب یہ دونوں مل کر تمہیں اس طرح یہاں سے نکالنا چاہتے ہیں کہ تمہارے پاس سوائے پاکستان واپسی کے کوئی دوسرا راستہ نہ بچے"
روزینہ نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل اسے سنادی جسے سنتے ہی نبیو کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ سر کے بل اونچائی سے نیچے آگری ہو سکندر کے رویے کی تبدیلی کی وجہ وہ اب سمجھ پائی تھی آج بھی روزینہ ہی اس کے کام آئی تھی اگر وہ اسے یہ سب نہ بتاتی تو جانے اس کا کیا حشر سکندر کے ہاتھوں ہونے والا تھا۔
"بھابی میں تو سمجھ ہی نہ پا رہی تھی کہ سکندر اور نور ہلیزا کے تعلقات ایک دم ختم کیسے ہو گئے بہرحال آپ کا بہت بہت شکریہ جو آپ نے مجھے بروقت ہی سب کچھ بتا دیا اب میں ان شاءاللہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی راہ ڈھونڈ کر ہی رکھوں گی۔"
وہ اظہار تشکر میں روزینہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بولی۔
"میری اتنی مشکور ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم میری بہنوں جیسی ہو بس میں صرف تمہیں خبردار کرنے آئی تھی اپنا خیال رکھنا۔"
وہ اس کے گال تھپتھپا کر اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ رفیدا اور فاطمہ واپس آنے والی تھیں اور روزینہ ان کی واپسی سے قبل ہی وہاں سے نکل جانا چاہتی تھی روزینہ

کے انکشاف نے دنیا کے ہر رشتہ سے نبیو کا اعتماد ختم کر دیا وہ سوچ نہ سکتی تھی لوگ اس طرح بھی دھوکا دیتے ہیں وہ ساری رات اس نے الجھتے ہوئے گزار دی سکندر کی تہہ در تہہ چھپی شخصیت کا جب بھی کوئی نیا پہلو اس کے سامنے آیا تو اسے شاک ہی کر گیا تھا اسے حیرت ہوئی تھی دنیا میں سکندر جیسے مرد بھی موجود ہیں اس نے تو احتشام صاحب' جنید اور امان کے بعد سنان اور حمزہ کو ہی دیکھا تھا مگر ان میں سے کوئی بھی سانپ کی خصلت رکھنے والا مرد نہ تھا مرد کا جو روپ اس نے سکندر کی صورت میں دیکھا تھا اس نے دنیا کے تمام مردوں کو اس کی نظروں سے گرا دیا تھا وقت نے نبیو کو بہت کچھ سکھا دیا تھا اب وہ کمزور نہ رہی تھی اپنا دفاع کرنا جان چکی تھی اب وہ خود کو دلی طور پر آمادہ کر چکی تھی کہ اسے وطن واپس جانا ہے مگر اپنے بچوں کے ساتھ کس طرح؟ یہ ایک الگ مسئلہ تھا بہر حال طے تو یہ ہی ہوا تھا کہ وہ جب بھی واپس گئی حماد اور ابوذر کو لے کر ہی جائے گی اس سلسلے میں اسے کیا حکمت عملی تیار کرنا ہوگی' اب صرف یہ سوچنا باقی تھا ورنہ سکندر کے پلان کے مطابق وہ اس گھر سے خالی ہاتھ ہی واپس بھیجی جا سکتی تھی جو اسے کسی طور قبول نہ تھا جس جنگ کا آغاز سکندر کر چکا تھا اس کا اختتام نبیو نے کرنا تھا مگر اپنی پسند کے مطابق' اب یہ سوچنا تھا کہ یہ سب کس طرح ممکن ہو؟ پھر یہ بھی طے تھا اگر سکندر اسے گھر سے نہ نکالے' طلاق نہ دے تو وہ سمجھوتہ کی زندگی عمر بھر گزار سکتی تھی بصورت دیگر وہ اپنے بچے سکندر کے حوالے بالکل نہ کرے گی یہ ہی سوچتے سوچتے رات تمام ہو گئی صبح نیند پوری نہ ہونے کے سبب اس کی طبیعت سارا دن بوجھل سی رہی۔

☆ ☆ ☆

حماد کا اسکول میں ایڈمیشن ہو گیا تھا واپسی میں وہ سکندر کے ساتھ ڈھیروں شاپنگ کر کے آیا تھا نیا بیگ' جوتے' یونیفارم' لنچ بکس اور جانے کیا کیا اب یہ سارا سامان لاؤنج میں پھیلائے وہ سب کو دکھا رہا تھا نہ صرف یہ بلکہ سکندر اس کے لنچ کے لیے بھی بہت کچھ لایا تھا جو فاطمہ ریفریجریٹر میں رکھ رہی تھیں وہ بظاہر تو حماد کا وہ سب سامان دیکھ رہی تھی جو وہ اسے لالا کر دکھا رہا تھا مگر ذہنی طور پر وہ اس وقت وہاں نہ تھی روزینہ کی باتوں نے اسے دماغی طور پر ابھی بھی الجھا رکھا تھا حماد کافی پرجوش تھا خوشی اس کے چہرے سے کھلی پڑی تھی نبیو حیران ہوتی تھی یہاں کے رہائشی مقامی لوگوں کو تعلیم بالکل مفت دی جاتی تھی یہاں تک کہ ابروڈ جانے والے بچوں کو بھی گورنمنٹ اسکالر شپ دیتی جس کی واپسی ان کی ملازمت کے بعد شروع ہوتی ابھی بھی حماد کے ایڈمیشن پر کوئی بھاری رقم خرچ نہ ہوئی تھی اس کا داخلہ شہر کے بہترین اسکول میں ہوا تھا' وہ جو سامان خرید کر لایا تھا وہ سب بھی نہایت قیمتی تھا جسے دیکھتے ہوئے نبیو کے ذہن میں ایک ہی خیال آ رہا تھا اگر میں حماد اور ابوذر کے ساتھ اس گھر سے نکل کر ملائیشیا میں ہی رہائش اختیار کرتی ہوں تو کیا یہ سب سہولیات میں اپنے بچوں کو دے سکوں گی؟ نہایت صاف گوئی سے اس نے خود سے ایک سوال کیا جس کا جواب یقیناً" انکار میں ہی تھا ظاہر سی بات تھی وہ یہاں کی شہری نہ تھی اس کے بچوں کے لیے تعلیم اور صحت کی سہولیات فری نہ تھیں بلکہ بے حد مہنگی تعلیم اور اسپتال غیر ملکی لوگوں کے لیے تھے سچ تو یہ تھا کہ یہاں رہائش کی صورت میں وہ کوئی معقول جاب بھی نہ کر سکتی تھی اس کی تعلیم کا معیار اتنا نہ تھا کہ اسے کسی اچھے ادارے میں جاب مل جاتی ویسے بھی ابھی وہ نیشنلائزڈ نہ تھی زیادہ سے زیادہ کوئی اسے اپنے گھر میں آیا یا میڈ ہی رکھ سکتا تھا اور اس معمولی ملازمت میں وہ دو بچے افورڈ نہ کر سکتی تھی۔

"مجھے حماد کو چھوڑنا ہوگا۔"

بیٹھے بیٹھے ہی اس نے ایک اور نیا فیصلہ کر لیا حماد کو جو لگژری سہولیات یہاں میسر ہیں میں وہ سہولیات اسے پاکستان لے جا کر بھی نہیں دے سکتی میرے بچے کی شخصیت مسخ ہو جائے گی مجھے اس کے اچھے مستقبل کے لیے قربانی دینا ہوگی جب بھی واپس گئی حماد

کے بنا ہی جاؤں گی۔

"تمہارا فون بج رہا ہے؟"

سکندر کے متوجہ کرنے پر اس نے فون اٹھا کر یس کا بٹن دبا دیا دوسری طرف ردا تھیں جن کی آواز میں ناراضی کا عنصر نمایاں تھا جو خیر خیریت دریافت کرتے وقت ہی وہ محسوس کر چکی تھی۔

"ایک بات تو بتاؤ نبیو"

"جی پوچھیں" حتی الامکان اس نے اپنا لہجہ دھیما کر لیا حالانکہ جانتی تھی سکندر میں دوسروں کی ٹوہ لینے کی عادت بھی دوسری برائیوں کے ساتھ بدرجہ اتم موجود تھی۔

"تمہیں سکندر نے گھر سے کیوں نکالا تھا؟"

ایک بالکل غیر متوقع سوال' جس کی امید نبیو کو کم از کم اس وقت نہ تھی جب اس واقعہ کو بیتے ہوئے بھی کچھ ماہ گزر گئے تھے اسے سمجھ ہی نہ آیا وہ کیا جواب دے۔

"میری بات کا جواب دو نبیو تمہیں سکندر نے گھر سے کیوں نکالا تھا اور تم نے یہ سب کچھ ہمیں کیوں نہ بتایا تم کوئی لاوارث تو نہ تھیں جس کے ساتھ کیسا ہی برا سلوک کیا جائے کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو"

ردا کی غصہ بھری آواز کافی تیز تھی نبیو نے گھبرا کر کچھ فاصلے پر موجود سکندر پر ایک نگاہ ڈالی وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"پلیز یہ کافی پرانی بات ہو گئی اب آپ اسے چھوڑ دیں"

"کیسے چھوڑ دیں' تم فون دو ذرا سکندر اور اس کی ماں کو میں پوچھوں ان سے' پرائی بیٹیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے غضب خدا کا ہم بھی بہوؤں والے ہیں اس طرح بلا سبب تو انہیں نکال باہر نہیں کرتے حد ہے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ لوگ اس قدر بیک ورڈ ہوں گے ہمیں تو بھائی صالح نے پھنسا ہی دیا۔"

ردا جو بولنا شروع ہوئی تو چپ ہونے میں ہی نہ آئیں۔

"تم دو ذرا اسکندر کو فون میں اس سے بات کروں۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو کسی سے بات کرنے کی، جو ہونا تھا ہو گیا اب آپ کیا چاہتی ہیں، میں اپنا گھر بار چھوڑ دوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بلند ہو گئی روا ایک دم چپ سی ہو گئیں۔
"میں نے یہ کب کہا؟"
"تو پھر اور کس لیے آپ یہ سب کہہ رہی ہیں؟ براہ مہربانی آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میرے کسی معاملے میں انٹرفیر مت کریں میری زندگی ہے مجھے جینے دیں۔" وہ پہلے ہی پریشان تھی روا کی باتوں نے اسے مزید پریشان کر دیا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ الٹا سیدھا بول گئی اور پھر بنا روا کی کوئی بات سنے اس نے فون بند کر دیا۔
"تو بھلا یہ کیسی ماں ہے، جو بیٹی کو طلاق دلوانا چاہتی ہے؟"
لاؤنج میں پھیلے سکوت کو فاطمہ کی آواز نے توڑا، نیبو نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا کارپٹ پر کھیلتے ہوئے ابوذر کو اٹھایا اور اپنے کمرے میں چلی گئی پھر پہلی ہی فرصت میں اس نے ربیعہ کو کال ملائی۔
"تم نے یہ سب مما کو بتایا ہے؟"
ساری بات تفصیل سے اس کے گوش گزار کرنے کے بعد اس نے سوال کیا اس کے خیال میں ربیعہ کے علاوہ یہ خبر پاکستان تک پہنچانے والا اور کوئی نہ تھا لیکن ربیعہ کے جواب نے اسے حیران کر دیا۔
"نہیں میرے پاس تو صرف شفا کا نمبر تھا جو موبائل چینج کرنے کے بعد گم ہو گیا ویسے بھی مجھے کیا ضرورت ہے یہ سب کچھ آنٹی کو بتا کر انہیں پریشان کرنے کی۔"
ربیعہ کی بات کافی حد تک درست تھی۔
"پھر یہ سب کچھ پاکستان میں اس کی ماں تک کیسے پہنچا۔" وہ سوچ میں پڑ گئی۔
"پتا نہیں کسی انجان نمبر سے مما اور امان کو مسلسل میسج آرہے تھے جس میں یہ سب کچھ اور بھی بہت کچھ بتایا جا رہا تھا تمہارے بارے میں کافی انفارمیشن اس نمبر کے ذریعے ہمیں دی گئی تھی۔"
شفا سے رابطہ ہوتے ہی اس نے ہر بات بڑی تفصیل سے بتائی ایسا کون ہو سکتا تھا جو اس طرح کے میسج کر کے اس کی ماں کو بھڑکا رہا تھا۔
"نور ہلیزا۔۔۔ اوہ میرے خدایا تو کیا نور ہلیزا پاکستان میسج کر رہی ہے؟ مگر اس کے پاس وہاں کے نمبر کیسے آئے؟ سکندر سے لیا ہو تو پھر سکندر بجائے نور ہلیزا کو نمبر دینے کے خود یہ سب کچھ تو نہیں کر رہا۔" وہ جتنا سوچتی الجھتی جاتی ڈوری کا کوئی سرا اس کے ہاتھ میں نہ آرہا تھا بظاہر تو لگتا تھا ہر چیز پھیلتی جا رہی ہے۔

☼ ☼ ☼

"ہم تمہیں یہاں صرف ایک ماہ تک رکھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ کی ہمیں بالکل بھی اجازت نہیں ہے، ایک ماہ تک تمہیں اپنی رہائش کا کوئی دوسرا انتظام کرنا ہو گا تم بغیر اجازت یہاں سے باہر بھی نہ جاؤ گی۔"
آنٹی روما نے بات کرتے کرتے رک کر اپنے سامنے بیٹھی لڑکی پر ایک نظر ڈالی جو سر جھکائے مسلسل اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں کچھ تلاش کر رہی تھی انہیں پہلی ہی نظر میں یہ خوبصورت سی لڑکی اچھی لگی تھی۔
"دراصل ہماری مجبوری ہے، یہاں کے قانون کے تحت ہم کسی بھی عورت کو ایک ماہ سے زیادہ نہیں رکھ سکتے مجھے امید ہے تم میری یہ مجبوری سمجھ گئی ہو گی۔"
آنٹی روما نے پھر سے اس پر ایک نظر ڈالی۔
"جی مجھے منظور ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ آنٹی روما نے دراز کھول کر ایک فارم نکالا۔
"او کے پھر تم اسے فل کر کے جمع کرا دو۔" اس نے خاموشی سے فارم تھام لیا اس کے اندر درج تمام ہدایات کو اچھی طرح پڑھنے کے بعد اسے فل کر کے آنٹی روما کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے فارم پر ایک نظر ڈالی اور اپنے سامنے رکھی گھنٹی بجائی اگلے ہی پل ایک ملائی لڑکی اندر داخل ہوئی۔
"سیتی اسے روم نمبر 25 میں چھوڑ آؤ۔"
آنٹی روما کی بات سنتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، کوئی سامان اس کے پاس تھا نہیں صرف کندھے پر موجود بڑے سے بیگ میں دو عدد جوڑے اور ضرورت کا کچھ سامان تھا اس کے علاوہ اس کے زیورات اور پیسے اسی ہینڈ بیگ میں تھے جسے سنبھالتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھ کر روم نمبر 25 کے دروازے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

☼ ☼ ☼
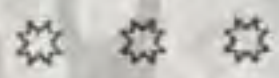
ابھی صرف چار ہی بجے تھے ابوذر کے رونے سے جو اس کی آنکھ کھلی تو دوبارہ نیند آنی محال ہو گئی کروٹیں بدل بدل کر اس کا جسم دکھ گیا سکندر کمرے میں نہ تھا شاید وہ رات کے کسی پہر اپنی اسٹڈی میں چلا گیا تھا ایسا وہ اکثر و بیشتر ہی کرتا تھا اب نیبو اس تمام صورت حال کی عادی ہو چکی تھی۔ نیند خراب ہونے کے سبب اس کا سر دکھنے لگا اور کافی کی طلب شدید ہو گئی وہ خاموشی سے اٹھی پاؤں میں چپل پہنی کمرے سے باہر آگئی شیشے کی دیوار سے پرے بڑے سے لان میں آم کا درخت جھوم رہا تھا شاید بارش ہو رہی تھی رات کے اس سمے اسے یہ سب بہت ہی ہولناک لگا وہ یک دم ڈر سی گئی لکڑی کی دیوار سے اس پار ایک لمبا سا نیگرو کھڑا تھا رات کے اس پہر جانے وہ کس سے فون پر باتیں کرنے میں مصروف تھا یہاں اکثر چوریاں نیگرو ہی کرتے تھے وہ جلدی سے کچن میں داخل ہو گئی کچن کے سامنے اسٹڈی روم مکمل طور پر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا جبکہ سکندر ہمیشہ نائٹ بلب روشن کر کے سوتا تھا اسے اندھیرے میں نیند ہی نہیں آتی تھی۔
"سکندر کہاں ہے؟" بے اختیار ہی نیبو نے سوچا، ایدھا کا دروازہ بند تھا جانے اس کے من میں کیا آئی کافی کا کپ لے کر لاؤنج میں رکھے صوفہ پر ہی بیٹھ گئی جو ایدھا کے کمرے کے عین مقابل تھا اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا صرف آدھے گھنٹہ میں ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور سکندر ایک دم باہر آگیا۔ نیبو اپنے اندازے کی درستگی پر حیران رہ گئی سکندر کو امید نہ تھی رات کے اس پہر ایک بار پھر نیبو اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لے گی۔
"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اپنی جھینپ مٹانے کے لیے وہ اس پر چڑھ دوڑا۔
"ویسے ہی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیے باہر آکر بیٹھ گئی۔" آواز اس کے گلے میں پھنس سی گئی آنسوؤں کا پھندا لگ گیا تھا
"دراصل میں فریکلی بیمار ہوں ڈاکٹر سے علاج کروا رہا ہوں۔"
یہ جملہ ابوذر کی پیدائش کے فوراً بعد سکندر نے اس سے کہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ سکندر کا گریبان پکڑ کر سوال کرے تم اگر فریکلی ان فٹ ہو تو پھر ایدھا کے کمرے میں آدھی رات کو چھپ کر کیا کرنے جاتے ہو مگر وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔
"کیوں جھوٹ بولتی ہو صاف کہو میری جاسوسی کرنے کے لیے تم یہاں بیٹھی ہو۔" وہ اپنی آواز دباتا ہوا غرایا۔
"اب میری شکل کیا دیکھ رہی ہو اٹھو یہاں سے دفع ہو جاؤ۔" اس کی یہ دبی دبی سی آواز بھی ایدھا کے کمرے میں ضرور جا رہی تھی اس بات کا اندازہ نیبو کو بخوبی تھا وہ فوراً" گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی شرمندگی سے اس کی ہتھیلیاں بھیگ گئیں۔
"آئندہ کبھی زندگی میں میری اس طرح جاسوسی مت کرنا ورنہ زمین میں زندہ گاڑ دوں گا۔"
کمرے میں جاتے جاتے اسے اپنے پیچھے سکندر کی آواز سنائی دی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر اوندھے منہ گر کر جو رونا شروع کیا تو چپ ہونے میں ہی نہ آئی ویسے بھی یہاں کون تھا جو اس کا یہ رونا دیکھتا اور اسے چپ کرواتا یہاں تو اپنے آنسو اسے خود ہی پونچھنے تھے اس احساس نے اس میں ہمت پیدا کی وہ خاموشی سے اٹھی باتھ روم جا کر اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔

☼ ☼ ☼
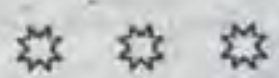
"یہ شیتل ہے اس کا تعلق انڈیا سے ہے، یہ فلمینا فرام انڈونیشیا، حبیبہ بنگلہ دیش کی رہائشی ہے، میری

فلپائن کی۔۔۔"

سنتی ہال میں موجود تمام عورتوں سے "فردا" فردا" اس کا تعارف کروا رہی تھی مختلف رنگ و نسل سے تعلق رکھنے والی مختلف عورتیں، جن کے مذہب بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے، مگر دکھ سب کے یکساں تھے اور اسی یکسانیت نے ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا اسے حیرت ہوتی تھی ہر معاشرے کے لیے عورت کی حیثیت ایک ہی جیسی تھی کبھی کبھی تو اسے یقین بھی نہ آتا وہ دنیا کے نقشہ پر تیزی سے ابھرتے ہوئے ایک ترقی یافتہ ملک میں موجود ہے اسے محسوس ہوتا وہ اپنے دیس کے کسی پسماندہ علاقے میں زندگی گزار رہی ہے۔

"ہمارے مذہب نے تو عورت کو وہ بلند مقام عطا کیا جو اس سے قبل کسی مذہب کی عورت کو حاصل نہ تھا پھر کیوں ہمارے معاشرے کا مرد آج بھی عورت کا اسی طرح استحصال کرتا ہے، جس طرح دور جاہلیت کا مرد۔" یہ حبیبہ تھی جو اس کے حالات جان کر رکھی تھی۔

"یاد رکھنا مرد جو کچھ بھی کرتا ہے اسے اس ناجائز اور ناپسندیدہ کام پر اکسانے والی بھی عورت ہی ہوتی ہے چاہے وہ اس کی ماں ہو، بہن یا محبوبہ۔" شیتل کے الفاظ نوے فیصد سچائی پر مشتمل تھے اور اس کی اس بات سے وہاں موجود سب ہی عورتیں متفق تھیں۔

"یہ میرے دو سوٹ ہیں تم رکھ لو۔" سنتی جانتی تھی اس کے پاس پہننے کو صرف دو جوڑے ہیں۔

"اور یہ میری چپل بھی لے لو، میں نے ابھی تک استعمال نہیں کی۔"

یہ فلیزا تھی جو شاید مقامی ہی تھی اور اپنی ساری گفتگو ملائی میں ہی کر رہی تھی انکار کی گنجائش ہی نہ تھی اس نے خاموشی سے سارا سامان اٹھالیا، ان سب کی اس محبت پر اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں ان سب کے اظہار محبت نے اس کے دل پر چھائے غبار کو کچھ دیر کے لیے دھو دیا سب کے حالات جان کر اسے احساس ہوا دنیا میں واحد وہ دکھی عورت نہیں ہے، جس کے سر سے چھت چھنی ہو بلکہ دنیا تو ایسی عورتوں سے بھری پڑی ہے دنیا میں شاید ہر فرد ہی دکھی ہے ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ان کے دلوں کے اندر جھانک کر دیکھا جائے سچ ہے یہ دکھ ہی ہیں، جو انسان کو انسان سے جوڑ دیتے ہیں اپنے زخم لگاتے ہیں اور ان کو بھرنے کے لیے غیروں کے ہاتھ آگے بڑھتے ہیں پچھلی دنیا کو چھوڑ کر وہ ایک نئی دنیا میں قدم رکھ چکی تھی، جہاں قدم قدم پر موجود کانٹوں سے اپنا وجود بچاتے ہوئے اسے آگے کا سفر طے کرنا تھا پھر گزرتے دن نے اسے زندگی گزارنے کا ایک نیا سبق دیا۔

☼ ☼ ☼
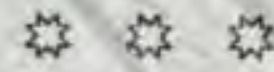
"تمہیں پتا ہے سنان اور مرینہ کا بہت بڑا جھگڑا ہوا ہے۔ جس کے باعث وہ مرینہ کو چھوڑ کر پاکستان واپس آگیا، یقین جانو رحاب بھابھی اور ان کی امی تو اتنی پریشان ہیں کہ کیا بتاؤں۔" شفا اسے سنان کے بارے میں سب کچھ تفصیل سے بتا رہی تھی جبکہ اسے سنان اور مرینہ کے کسی بھی مسئلے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"اچھا نیبو ایک بات پوچھوں سچ سچ بتاؤ گی؟" شفا شاید اس کی عدم دلچسپی بھانپ چکی تھی اس لیے ہی بات کا رخ موڑتے ہوئے بولی۔

"ہاں پوچھو۔" وہ بے دھیانی سے بولی۔

"تمہیں سنان فون کرتا ہے؟"

"تمہیں کس نے کہا؟" شفا کے سوال نے نیبو کو اچھا خاصا تپا ڈالا۔

"دراصل میں اس کی اور مرینہ کی۔۔۔"

"تم سے یہ کس نے کہا کہ وہ مجھے فون کرتا ہے؟" نیبو تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولی سنان اور اس کی بیوی کا قصہ اس کے لیے غیر ضروری تھا اس کے اپنے مسئلے ہی کم تھے، جو ان پر دھیان دیتی۔

"رحاب بھابھی کا خیال ہے اور شاید مرینہ بھی یہ ہی سمجھتی ہے۔"

"پتا نہیں کیوں لوگ اتنی فضول قیاس آرائیاں کر کے دوسروں کا جینا حرام کرتے ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے سنان کا باب بند کرنے کے بعد کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی میں اس قسم کی کوئی فضول خواہش اپنے دل میں محسوس کرتی ہوں۔ سنان نے جو میری انا کی توہین کی تھی، میں عمر بھر نہیں بھول سکتی اپنی بہن کا گھر آباد کرنے کے لیے اس نے مجھے برباد کیا میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا رحاب کیوں میرے پیچھے پڑی رہتی ہے کیوں ہر معاملے میں میرا نام لیتی ہے اسے بالکل بھی شرم نہیں آتی۔" بات کے اختتام کے ساتھ ہی وہ غصہ میں آگئی اس کی آواز غیر ضروری طور پر تیز ہو گئی۔

"کس کا فون ہے؟" سکندر اس کے کان کے قریب بولا، وہ یک دم گھبرا اٹھی اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی سکندر اس کے ہاتھ سے فون لے چکا تھا اس کے ہاتھ پیر بالکل ٹھنڈے پڑ گئے۔

"دراصل میں سنان نے مجھے ایک بار فون بھی کیا تھا تمہارے نمبر کے لیے مگر۔"

"گڈ تو تم اپنی بہن کو ان کے یاروں کے میسج دیتی ہو۔" سکندر کی دھاڑ سن کر شفا گھبرا گئی اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کیا جواب دے۔

"صبر کرو میں ابھی تمہارے باپ کو فون کرتا ہوں جس نے تم جیسی گندی اولاد پیدا کی جو شادی کے بعد بھی کسی ایک کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" اس کے الفاظ شفا کی سماعتوں میں زہر بن کر اتر رہے تھے وہ کبھی امید نہ کر سکتی تھی یہ سکندر جیسا قابل اور پڑھا لکھا شخص بول رہا ہے۔ سکندر کا انداز گفتگو اس قدر گھٹیا بھی ہو سکتا تھا وہ تو سن کر ہی شاکڈ ہو گئی تھی۔

"میں تمہارے میاں کو بھی فون کروں گا تاکہ اسے تمہارے کالے کرتوت بتا سکوں یقیناً" تم بھی ویسی ہی ہو گی جیسی تمہاری بڑی بہن ہے بدچلن اور آوارہ۔" اور پھر بنا شفا کی کوئی بات سنے اس نے فون بند کر دیا۔

"تو تم ابھی بھی باز نہ آئیں اس سنان سے بات کرنے سے۔"

اس نے بالوں سے پکڑ کر نیبرہ کو سامنے دیوار پر دے مارا اور پھر اس کے ساتھ ہی لاتوں سے اس پر تابڑ توڑ حملے کیے اس دھان پان سی لڑکی سے اپنا بچاؤ کرنا مشکل ہو گیا اوپر یا آواز بلند رونے لگا فاطمہ بھاگ کر کمرے میں آگئیں ان کے پیچھے ہی سکینہ اور کبیر بھی تھے۔

"کیا ہوا سکندر پاگل ہو گئے ہو تم چھوڑو اسے۔" فاطمہ اسے چھڑوانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"اماں تم سب گواہ رہنا میں اسے طلاق دے رہا ہوں یہ ایک بدچلن عورت ہے یہ میری وفادار نہیں ہے، میں نے اسے طلاق دی۔"

شاید یہ سب تو اس کے مقدر میں بہت پہلے ہی لکھا جا چکا تھا وہ تو صرف اس کی کوشش تھی جو آج تک وہ اپنا گھر بچانے کے لیے کر رہی تھی وہ گھر جو اس کا کبھی تھا ہی نہیں سکندر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے کمرے میں مکمل طور پر سکوت طاری کر دیا اسے بڑی مشکل سے فاطمہ نے قابو کیا تھا۔ "طلاق" کا لفظ عورت کے لیے کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے اس کا احساس آج نیبو کو ہوا تھا ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کا دل اندر سے کسی نے چیر ڈالا ہو وہ مار کی اذیت بھول گئی سکندر کے الفاظ نے اس کو جلا کر بھسم کر ڈالا تھا وہ بے اختیار چیخ چیخ کر رونے لگی سکندر کمرے سے نکل گیا فاطمہ بھی اس کے پیچھے ہی چلی گئیں سکینہ کچھ دیر تو دروازے پر کھڑی اسے تکتی رہی پھر جانے کیا دل میں آیا آہستہ آہستہ آگے بڑھی گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا وہ بلک بلک کر رو دی شاید اس گھڑی اسے رونے کے لیے ایک کندھا درکار تھا جو سکینہ نے دے دیا۔

☼ ☼ ☼

شفا زار و قطار رو رہی تھی کمرے میں ردا اور احتشام صاحب کے علاوہ حمزہ، امان اور جنید بھی موجود تھے۔ سکندر نے "فردا" فردا" سب کو ہی فون کر کے شفا پر الزام عائد کیا تھا کہ وہ نیبو کو سنان کے پیغامات پہنچاتی ہے سکندر نے جو کچھ کہا وہ صرف جھوٹ کا پلندہ تھا یہ بات کمرے میں موجود ہر شخص جانتا تھا ان کی سمجھ میں

ہی نہیں آرہا تھا کہ سکندر کی اس گھٹیا حرکت کا مقصد کیا ہے؟ احتشام صاحب کی صالح محمد سے بھی تفصیلی گفتگو ہو چکی تھی۔ انہوں نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ نبیو کے گھر جاکر ساری صورت حال معلوم کریں اور پھر انہیں بتائیں۔

"شفا پلیز تم تو چپ کرو کیوں اس طرح ہلکان ہو رہی ہو۔" آخر حمزہ سے برداشت نہ ہوا تو بول ہی پڑا۔

"حمزہ تم سوچ نہیں سکتے سکندر بھائی نے میرے ساتھ کتنی بدتمیزی کی ہے۔"

"بات تم سے کی جانے والی بدتمیزی کی نہیں ہے' سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب وہ ہزاروں میل دور تم سے اس طرح کا گھٹیا لہجہ استعمال کرسکتا ہے تو اس کا انداز گفتگو نبیو کے ساتھ کیسا ہوگا؟"

"یہ ہی سوچ سوچ کر میری جان سولی پر ٹنگی ہے جانے میری بچی کس حال میں ہوگی پلیز آپ کسی طرح امان کو بھیجیں وہ جاکر اسے واپس لے آئے۔" حمزہ کی بات نے ردا کی بے چینی میں کئی گنا اضافہ کردیا۔

"ہر مسئلہ اتنے جذباتی ہو کر حل نہیں کیا جاتا' کام سوچ سمجھ کر کرنے والا ہے غیر ملک کا مسئلہ ہے سو طرح کے پرابلم ہوتے ہیں' میں نے بھائی صالح سے کہا ہے ان شاء اللہ جو بھی ہوگا اللہ بہتر ہی کرے گا۔"

پریشان تو احتشام صاحب بھی تھے مگر یہ وقت واویلا کرنے کا نہ تھا یہ ہی وجہ تھی کہ انہوں نے ردا کو اپنی طرف سے تسلی دینے کی ناکام کوشش کی۔

"میری معصوم بچی کی زندگی برباد ہوگئی آپ نے بغیر سوچے سمجھے پرائے دیس بیاہ دیا' جانے کس گناہ کی سزا تھی جو سکندر جیسا شوہر اس کا مقدر ٹھہرایا گیا بھلا وہ اس گھٹیا آدمی کے قابل تھی۔" ردا رونے لگیں ان کا بس نہ چلتا تھا وہ اڑ کر نبیو کے پاس چلی جائیں۔

"یہ سب نصیب کی بات ہوتی ہے خاتون ورنہ ماں باپ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں اپنی اولاد کے بھلے کے لیے کرتے ہیں باپ یا ماں اپنی اولاد کے دشمن نہیں ہوتے۔" احتشام صاحب نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہولے ہولے سمجھایا۔

"ماں باپ نہیں ہوتے تو کیا بھائی ہوتے ہیں؟" ردا نے جنید پر ایک نظر ڈالتے ہوئے تلخی سے سوال کیا۔

"صاف بات تو یہ ہے سگے بھائی نے اپنی جھوٹی انا کے لیے میری بچی کو سولی چڑھا دیا ایسی کیا برائی تھی سنان میں جس کی بنا پر آپ نے اسے رشتہ دینے سے انکار کیا تھا ذرا لاابالی ہی تھا ناوقت کے ساتھ خود ہی سمجھ جاتا ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی بھلا کوئی اس طرح بھی کرتا ہے جو آپ لوگوں نے کیا وہ کون سی خوبی ہے سکندر میں جو اسے سنان سے نمایاں کرتی ہے یہ صرف جنید نے اپنی ضد کے لیے میری بیٹی کے نصیب پر سیاہی مل دی۔" لاوا جو ردا کے دل و دماغ میں کئی عرصہ سے پک رہا تھا ابل کر باہر آگیا ردا کے الفاظ نے جنید کو جی بھر کر شرمندہ کیا وہ بنا کچھ کہے خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا امان نے آگے بڑھ کر اپنی بلکتی ہوئی ماں کو سینے سے لگالیا وہ خود بھی بہت پریشان تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا وہ فوری طور پر ایسا کیا کرے جس سے نبیو کی کھوئی ہوئی خوشیاں اسے واپس لوٹا سکے۔

☼ ☼ ☼

"اور اگر میں تمہیں نہ ملی تو۔۔۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے ہنس کر بولی۔

"تو شاید میں مر ہی جاؤں گا مجھے وہ زندگی ہی نہیں چاہیے جس میں تم نہ ہو۔"

"جھوٹ سو فیصد جھوٹ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔"

"کیوں نہیں ہوسکتا؟ کیا تم مجھے اتنا ڈھیٹ سمجھتی ہو جو مجھ پر تمہاری دوری کا کوئی اثر ہی نہ ہوگا۔" وہ ذرا ناراضی سے بولا۔

"تم ڈھیٹ نہیں ہو لیکن سچ تو یہ ہے کہ کوئی کسی کے بنا مرتا نہیں ہے یقین نہ آئے تو آزما لینا' آزمائش شرط ہے۔" وہ پھر سے ہنسی اس نقرئی ہنسی کی آواز نے سنان کو بے چین کردیا اس نے پٹ سے اپنی آنکھیں کھول دیں کمرے میں گہرا سکوت طاری تھا وہ ایک گہری سانس لیتا ہوا اٹھ بیٹھا تکیے کے نیچے سے سگریٹ اور لائٹر نکالا' کھڑے ہوتے ہوئے اپنے بال

دونوں ہاتھوں سے سنوارے' کمرے کا دروازہ کھول کر چاہا کہ باہر نکل جائے اسی دم رحاب کے الفاظ نے اسے ساکت کردیا وہ غالباً" کچھ دیر قبل آئی تھی اور اس وقت شبنم کو اپنے سسرال میں پیش آنے والے کسی تازہ واقعہ کی بابت بتارہی تھی جس کا تعلق شاید نبیو کی ذات سے تھا یہ ہی وجہ تھی جو نبیو کا نام سنتے ہی سنان دروازے میں ہی رک گیا۔

"مجھے نہیں لگتا اس کا شوہر اب اسے رکھے گا۔"

"اللہ نہ کرے جو ایسا ہو' ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" شبنم نے ذرا سی خفگی سے رحاب کو ٹوکا جو بلا تکان اپنا تجزیہ پیش کررہی تھی۔

"نہیں امی یہ سچ ہے سکندر بہت بدتمیز آدمی ہے جنید بتارہے تھے اس نے فون پر شفا کے ساتھ بھی بہت بدتمیزی کی ہے۔"

"چلو اللہ جو کرے بہتر ہی کرے ہم کیوں کسی کے لیے برا سوچیں۔"

"بہرحال یہ تو کنفرم ہے کہ۔۔۔" الفاظ رحاب کے منہ میں ہی رہ گئے' سنان کمرے سے باہر نکل آیا تھا اس پر نظر پڑتے ہی رحاب نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"امی مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ سگریٹ سلگاتا ہوا بولا کافی عرصہ سے وہ اسی طرح سرعام سگریٹ پیتا تھا حالانکہ ان کی فیملی میں سگریٹ پینا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

"ہاں بیٹا بولو کیا بات ہے؟" سنان کی نروس کیفیت نے شبنم کو ذرا پریشان کردیا بات ضرور کچھ غیر معمولی تھی اس کی حالت دیکھ کر یہ اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔

"اگر سکندر نبیو کو طلاق دے دے تو میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوں مجھے وہ اپنے بچوں سمیت قبول ہے۔" یہ سب کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ تیز تیز چلتا گھر سے باہر نکل گیا یہ دیکھے بنا کہ اس کی اس بات نے کمرے میں موجود رحاب اور شبنم پر کیا اثر ڈالا ہے۔

"اس کا دماغ تو نہیں خراب ہوگیا جو اتنی بڑی بات کہہ کر چلا گیا اپنی بیوی کا ذرا احساس نہیں ہے نبیو کی فکر ابھی بھی نہیں گئی۔" رحاب بڑبڑاتے ہوئے بولی' شبنم نے کوئی جواب نہ دیا وہ اپنی ہی کسی سوچ میں گم تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کل میں کوشش کروں گی عبدالوہاب کے ساتھ اگر تمہارا بیگ دے جاؤں۔" ربیعہ نے اسے فون پر بتایا۔

"احتیاط سے آنا' ایسا نہ ہو وہ تمہیں سرچ کرتا مجھ تک پہنچ جائے۔"

"تم بے فکر رہو میں مکمل طور پر احتیاط کروں گی کیونکہ مجھے تمہاری اتنی ہی پریشانی لاحق ہے جتنی تمہیں خود اور میں دن رات دعا کررہی ہوں کہ تم کسی طرح باحفاظت اپنے گھر واپس پہنچ جاؤ۔"

"آمین۔" وہ صدق دل سے بولی۔

"پولیس دوبارہ تو نہیں آئی تھی تمہارے گھر۔"

"فی الحال تو نہیں بہرحال تم فکر مت کرو وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہاں یاد آیا آنٹی کا فون آیا تھا وہ بہت پریشان ہیں تم کسی طرح ان سے رابطہ کرکے اپنی خیریت کی اطلاع دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا۔

"وہاب بھائی نے میرے پاسپورٹ کا پتا کیا؟"

"کیا تو ہے مگر میرا خیال ہے تمہیں اس مقصد کے لیے خود پاکستانی ایمبیسی جانا ہوگا اس کے بغیر یہ ناممکن ہے' پھر بھی جو ہوگا تم سے مل کر تمہیں وہاں سمجھا دیں گے۔ اچھا اب میں فون بند کرتی ہوں۔ اپنا اور ابوذر کا بہت بہت خیال رکھنا اللہ تمہیں اپنے امان میں رکھے۔" ربیعہ نے ڈھیروں ڈھیر دعاؤں کے بعد فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھو سکندر تمہارے پاس ابھی بھی وقت ہے تم اپنی بیوی سے رجوع کرسکتے ہو' ایک طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔" صالح محمد کا یہ کوئی تیسرا چکر تھا جو انہوں نے فاطمہ کے گھر پچھلے بیس' پچیس دنوں میں لگالیا تھا' وہ جب بھی آتے اول تو

سکندر انہیں ملتا ہی نہ تھا جو اگر مل جاتا تو خاموشی سے سب کچھ سنتا رہتا کوئی جواب دینا مناسب نہ سمجھتا۔

"اللہ تعالیٰ حلال کاموں میں طلاق کو سب سے زیادہ ناپسند فرماتا ہے۔"

یہ مولانا عبدالرزاق تھے جو آج صالح محمد کے اصرار پر وقت نکال کر ایک بار پھر سکندر کے گھر موجود تھے۔ نیہو سر پر دوپٹہ اوڑھے بالکل خاموش بیٹھی تھی' ابوذر اپنے کمرے میں ربیعہ کی بیٹی کے ساتھ کھیل رہا تھا ربیعہ اور عبدالوہاب کے علاوہ وہاں سکینہ اور اس کا شوہر بھی تھے جبکہ فاطمہ کچن میں موجود کچھ کھٹرپٹر کر رہی تھیں رفیدا بھی انہیں کے ساتھ تھی روزینہ اور عمر کو بھی صالح محمد نے بلوایا تھا مگر انہوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

"دیکھیں مولانا صاحب میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں مگر سچ یہ ہے کہ میں اب نیہو کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتا لہٰذا صلح کی کوئی گنجائش باقی نہیں بچتی۔" وہ دوٹوک لہجہ میں بولا۔

"پھر بھی بیٹا اگر تم چاہو تو سب کچھ ممکن ہے۔"

"نہیں مولانا صاحب اب کچھ بھی ممکن نہیں ہے یہ میری طرف سے آزاد ہے میں آپ سب کے سامنے اسے آج دوسری طلاق دے رہا ہوں اس کے بعد یہ مجھ پر حرام ہو گئی' وہ بے دردی سے بولا۔

"سکندر کچھ تو خدا کا خوف کرو کیوں اس معصوم کے ساتھ اتنا بڑا ظلم کر رہے ہو۔" عائشہ سے نہ رہا گیا اور وہ بول ہی پڑیں۔

"وہ عورتیں جو اپنے خاوند کے ہوتے ہوئے دوسرے مردوں سے تعلقات استوار کرتی ہیں معصوم کیسے ہو سکتی ہیں؟" سکندر کا انداز استہزائیہ تھا۔

"بہرحال میں نے اسے طلاق دے دی ہے اب آپ لوگ جو بھی فیصلہ کریں مجھے منظور ہے یہ اگر پاکستان جانا چاہے تو میں ٹکٹ کروا کر دوں گا اپنے زیور کے ساتھ بری کا تمام زیور بھی یہ لے جا سکتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا مگر میں اپنا کوئی بچہ اسے نہ دوں گا یہ نہ صرف حماد بلکہ ابوذر کو بھی یہاں چھوڑ کر جائے گی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا تم ڈیڑھ سال کا بچہ اس کی ماں سے چھین لینا چاہتے ہو۔" سکندر کی بات سنتے ہی صالح محمد کو غصہ آگیا۔

"دیکھیں ماموں میں اس کا پاسپورٹ اسی شرط پر واپس دوں گا جب یہ پاکستان بغیر بچوں کے جانے کی ہامی بھرے گی۔"

"میں پاکستان واپس نہیں جاؤں گی۔" اچانک ہی نیہو نے سر اٹھا کر اپنا فیصلہ سنایا۔

"اچھا تو پھر یہاں کیا کرو گی کس کے گھر میڈ لگو گی۔"

"جو بھی کروں گی مگر میں اپنے بچے چھوڑ کر واپس نہیں جاؤں گی۔"

"بہرحال وہ تمہارا مسئلہ ہے تم جہاں چاہو رہو مگر تمہارا پاسپورٹ تمہیں صرف اس وقت ملے گا جب تم اکیلی واپس جانا چاہو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے میں اپنے گھر لے جاتا ہوں تم ایک دفعہ پھر اچھی طرح سوچ لو۔"

"حد ہے بھائی صالح وہ دو طلاقیں دے چکا اب اس نے کیا سوچنا ہے۔" فاطمہ نے کچن کے دروازے پر کھڑے ہو کر با آواز بلند کہا۔

"اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں' تیسری طلاق اسے ایک ماہ بعد مل جائے گی اور اگر یہ پاکستان واپس جائے گی تو یہ سارا عمل میں مکمل طور پر کورٹ سے کروا کر تحریری شکل میں دوں گا تاکہ بعد میں بھی اسے کوئی مسئلہ نہ ہو بصورت دیگر میں اسے طلاق کے پیپرز بھی نہیں دوں گا اب اگر آپ اسے اپنے گھر رہنے کے لیے لے کر جانا چاہیں تو بے شک لے جائیں مگر ابوذر ساتھ نہیں جائے گا۔" سکندر کی سفاکی پورے عروج پر تھی۔

"جب اس کے اور ابوذر کے تمام پیپرز تمہارے پاس ہیں تو پھر تمہیں کیا خطرہ ہے جو اسے بغیر بچے کے گھر سے نکال رہے ہو۔"

عبدالوہاب کو نہ چاہتے ہوئے بھی بولنا پڑا ورنہ اس وقت وہ غصہ کی کیفیت میں سکندر کے منہ نہ لگنا چاہ رہا تھا۔

"میں ابوذر کا باپ ہوں اور میرا بچہ در در لوگوں کے گھروں میں نہیں پھرے گا یہ اگر اپنی عدت میرے گھر اپنے کمرے میں رہتے ہوئے پوری کرنا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا اس صورت میں یہ دونوں بچوں کے قریب بھی رہ سکے گی مگر بعد از عدت اسے یہ گھر چھوڑنا ہو گا اس سے پہلے یہ فیصلہ کر لے اسے واپس جانا ہے یا یہاں رہنا ہے۔ اگر یہ واپس جانا چاہے تو میری آفر اپنی جگہ برقرار ہے۔" وہ سب کچھ طے کیے ہوئے تھا نیہو کے پاس کوئی دوسرا راستہ باقی نہ تھا سوائے سکندر کی ہر بات ماننے کے۔

"ٹھیک ہے مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے مگر میری آپ سب سے ایک درخواست ہے۔" نیہو کے الفاظ نے سب ہی کو اس کی جانب متوجہ کر دیا۔

"جب تک میں اپنے گھر اطلاع نہ دوں' میری طلاق کے بارے میں کوئی بھی میرے گھر خبر نہ دے گا۔"

"یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے تم انہیں اطلاع دو یا نہ دو میری فیملی کو اس بات سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔" سکندر کے جواب نے اسے کسی قدر مطمئن کر دیا۔

"ٹھیک ہے انکل میں اپنی عدت اسی گھر میں کروں گی اپنے بچوں کے ساتھ اس کے بعد کاتب تقدیر نے جو میرے نصیب میں لکھا ہو گا اسے قبول کر لوں گی کیونکہ میں مشیت ایزدی سے لڑنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔"

اپنے آنسوؤں کو پیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ قدرت نے اسے خود بخود ٹائم دے دیا تھا پانچ چھ ماہ کی مدت کم نہیں ہوتی اب اسے جو کچھ کرنا تھا اسی دوران کرنا تھا ورنہ ساری زندگی کی کوشش سے بھی اس کے ہاتھ کچھ آنے والا نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ اسے بیگ پہنچا گئی تھی جس میں اس کی ضرورت کا کچھ سامان موجود تھا۔

"تم پاکستانی ایمبیسی جاؤ اور اپنے پاسپورٹ کے لیے کوشش کرو کیونکہ بغیر پاسپورٹ تم یہاں سے نہیں جا سکتیں اگر ممکن ہو تو پاکستان اپنے گھر والوں سے رابطہ کر کے انہیں بھی کہو کہ وہ وہاں ایمبیسی جا کر تمہارا مسئلہ بیان کریں شاید اس طرح تمہارے لیے کچھ آسانی ہو سکے۔" عبدالوہاب جاتے جاتے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"تمہارے کزن کا کہنا بالکل ٹھیک ہے تم اپنی ایمبیسی جاؤ اور ان کو تمام سچویشن بتاؤ وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے۔" عبدالوہاب کے جانے کے بعد آنٹی روما نے اسے سمجھایا۔

"مگر مجھے تو نہیں پتا ایمبیسی کہاں ہے؟" وہ تھوڑا سا شرمندہ ہو گئی۔

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تمہیں ٹیکسی ہائیر کر دوں گی تم اس میں با آسانی آجا سکو گی' ٹیکسی والا ہمارا قابل اعتبار بندہ ہے تمہیں اس سے کوئی پرابلم نہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے آپ ٹیکسی بلا دیں میں آج ہی جاؤں گی۔" اس نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی ابھی صرف گیارہ بجے تھے جبکہ عبدالوہاب نے بتایا تھا ایمبیسی چار بجے تک کھلتی ہے۔

"او کے تم تیار ہو جاؤ میں ٹیکسی کے لیے کال کرتی ہوں۔" آنٹی نے اپنے سامنے رکھے فون پر نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

"تو کیا تم اپنے بچے چھوڑ کر پاکستان واپس چلی جاؤ گی؟" ربیعہ اس کے پیچھے ہی کمرے میں آگئی تھی جہاں وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔

"نہیں۔۔۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"تو کیا تم مستقل ملائیشیا میں ہی رہائش اختیار کرنا چاہو گی؟"

"پتا نہیں یار مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا اصل میں

مجھے یہ امید نہ تھی کہ سکندر میرا پاسپورٹ ضبط کر لے گا۔"

"پھر تم نے اب کیا سوچا ہے؟" ربیعہ اپنی آواز کو دھیما کر کے بولی۔

"فی الحال تو میں نے اپنی سم نکال کر پھینک دی ہے ہو سکے تو جب دوبارہ مجھ سے ملنے آؤ میرے لیے ایک عدد سم لیتی آنا اور ابھی جاتے ہوئے میرا یہ زیور اور کچھ رقم اپنے ہینڈ بیگ میں چھپا کر لے جاؤ۔" اس نے جلدی سے بیڈ کے گدے کا کونا الٹ کر ایک تھیلا برآمد کیا جس میں زیورات کے علاوہ کافی تعداد میں ملائی کرنسی بھی تھی جو وہ پچھلے دو سالوں سے جمع کر رہی تھی۔

"یہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ لو۔"

اس نے وہ تھیلا جلدی جلدی ربیعہ کے بیگ کی زپ کھول کر اس میں ڈال دیا اس دوران اس کا پورا دھیان دروازے کی سمت تھا نیبو کوئی فیصلہ کر چکی تھی جو اس کے چہرے پر درج تھا مگر کیا؟ یہ ابھی جاننا باقی تھا ربیعہ کو آج والی نیبو' اس نیبو سے بہت مختلف لگی جسے وہ جانتی تھی نیبو کے پرعزم چہرے نے ربیعہ کو حیران سا کر دیا۔

"اگر تم کہو تو میں تمہارے لیے کسی ملازمت کا بندوبست کر لوں۔"

"نہیں ربیعہ یہ تو طے ہے مجھے واپس جانا ہے اپنے وطن جو میرے تحفظ کا ضامن ہے میں اپنی زندگی ایک غیر ملک میں نہیں گزار سکتی۔"

"تو کیا تم اپنے بچوں کے بغیر جاؤ گی؟" اس نے اپنا سوال ایک بار پھر دہرایا۔

"میں ابوذر کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔" اس کے لہجہ میں مضبوطی جھلک رہی تھی۔

"کس طرح لے کر جاؤ گی تمہارے پاس تو اپنے کوئی پیپرز نہیں ہیں ایسے میں تم کس طرح رسک لو گی ابوذر کو لے کر جانے کا جبکہ اس کی نیشنیلٹی بھی یہاں کی ہے میری مانو تو بے کار کی ضد چھوڑو اور سکندر سے کہہ کر اپنا ٹکٹ لو' پاکستان واپس جاؤ اگر تمہارے نصیب میں اولاد کی محبت ہوئی تو یہ بچے ایک دن تم سے ضرور آ کر ملیں گے ورنہ میرا مشورہ مانو تم ابھی جوان ہو' خوبصورت ہو' واپس جا کر دوسری شادی کر لو جب وہاں بچے ہو جائیں گے تو سب کچھ بھول جاؤ گی۔" ربیعہ پورے خلوص سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔

"دیکھو ربیعہ یہ تو طے ہے کہ میں ابوذر سکندر کو نہیں دوں گی اور نہ ہی میں اپنی جوانی اس ملک کی سرزمین پر تباہ کروں گی جس طرح میں اپنی باقی زندگی حماد کے لیے تڑپتے ہوئے گزاروں گی اسی طرح ابوذر کی جدائی سکندر کا مقدر ٹھہرے گی' ہر فیصلہ اس طرح نہ ہو گا جس طرح یہ لوگ چاہتے ہیں بہرحال اب اگر تم مجھ سے رابطہ کرنا چاہو تو سنو شوبھا کو میرے لیے میسج دے دینا جب دوبارہ آؤ تو سم لیتی آنا ساتھ ہی کوئی ایسی جگہ کا بھی پتا کر کے آنا جہاں میں عدت کے بعد جا کر رہ سکوں۔" عبدالوہاب ربیعہ کو بلا رہا تھا اس لیے نیبو نے جلدی جلدی ایک پیپر پر شوبھا کا موبائل نمبر لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔

"تم اسے فون کر کے میرے بارے میں بتا دینا اور کہنا کہ وہ مجھ سے آ کر مل جائے مجھے اس سے بھی کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" ربیعہ پیپر اپنے ہینڈ بیگ میں رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کوشش کروں گی کسی اچھی مسلم فیملی میں تمہیں جاب دلوا دوں جہاں تم ان کے فیملی ممبر کی طرح رہ سکو وہاں رہ کر تم اپنے لیے بہتر فیصلہ کر سکو گی۔" ربیعہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

"تم اگر چوری چھپے ابوذر کو یہاں سے لے جاؤ گی تو تمہیں کوئی بھی فیملی اپنے پاس ملازمت پر نہ رکھے گی کیونکہ اس طرح وہ فیملی بھی تمہارے ساتھ شریک جرم سمجھی جائے گی' جانتی ہو تم پر تمہارے بچے کے اغوا کا مقدمہ درج ہو جائے گا اور اس مقدمہ میں وہ لوگ بھی شامل کر لیے جائیں گے جو تمہیں انجانے میں پناہ دیں گے یہ ایک بہت بڑا رسک ہو گا جسے لینے کا مشورہ میں تمہیں ہرگز نہ دوں گی ویسے بھی جہاں تک میں سمجھتی ہوں کوئی فیملی بھی تمہارے پورے کاغذات دیکھے بغیر تمہیں اپنے گھر پر ایک عدد میڈ کی جاب بھی نہ دے گی۔"

شوبھا ربیعہ کا فون سنتے ہی اس سے ملنے آ گئی تھی حالانکہ وہ کم ہی فاطمہ کی طرف آتی تھی کیونکہ اسے ان کے گھر کا ماحول پسند نہ تھا اور اب نیبو کے تمام حالات جان کر وہ دکھی ہو رہی تھی جب سے وہ آئی تھی فاطمہ اور ایدھا دو چار بار کمرے کا چکر لگا کر جا چکی تھیں ویسے بھی نیبو نے نوٹ کیا تھا جس دن سے سکندر نے اسے طلاق دی تھی فاطمہ نے اس کی کڑی نگرانی شروع کر دی تھی اس کے کمرے اور لاؤنج کے درمیان موجود کھڑکی چوبیس گھنٹے کھلی رہتی حتیٰ کہ فاطمہ نے گھر سے باہر جانا بھی بالکل چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ کبھی کبھی اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے حماد بھی اس کی نگرانی پر مامور ہو نیبو جو یہ سمجھ رہی تھی وہ ابوذر کے ساتھ با آسانی کہیں بھی اتنا عرصہ گزار سکتی ہے جب تک پاکستان واپسی کے لیے حالات اس کے موافق نہ ہو جائیں' شوبھا کی تمام باتیں سن کر پریشان ہو اٹھی یہ سب تو اس نے سوچا ہی نہ تھا اور شاید اسے یہ سب پتا بھی نہ تھا یہاں کا قانون پاکستان کے مقابلے میں بہت مختلف اور کافی سخت تھا آزادی کا صحیح مفہوم آج نیبو کی سمجھ میں آیا۔

"پھر اب تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟" اس نے ایک نظر سامنے صوفے پر بیٹھی ایدھا پر ڈالی اور پھر آہستہ سے شوبھا سے دریافت کیا شوبھا اردو جانتی تھی اس لیے دونوں کے درمیان گفتگو اردو زبان میں ہی ہو رہی تھی۔ ایدھا اردو سے نابلد تھی یہ جانتے ہوئے بھی دونوں بہت آہستہ آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"یہاں ایک این جی او ہے جو بے سہارا عورتوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے انہیں قانونی طور پر بھی گائیڈ کرتی ہے میری ایک دوست اپنے شوہر سے علیحدگی کے بعد کچھ عرصہ وہاں رہی تھی میں اس سے بات کر کے پوری معلومات لیتی ہوں اور پھر تمہیں آگاہ کرتی ہوں۔" شوبھا جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اس کے ساتھ ہی نیبو بھی کھڑی ہو گئی۔

"میں تمہارے لیے سم لائی ہوں اب اس منحوس کے سامنے کس طرح دوں ایسا کرو تم مجھے باہر گیٹ تک چھوڑنے آؤ۔"

"او کے۔" نیبو نے ابوذر کو اٹھا کر باہر جانے کے لیے قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ یک دم حماد اس کے سامنے آ گیا۔

"آپ ابوذر کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتیں۔"

اس نے چونک کر اپنے سامنے کھڑے چار سالہ حماد پر ایک نظر ڈالی جو اپنے قد کاٹھ کی بنا پر کہیں سے بھی چار سال کا دکھائی نہ دیتا تھا اپنی عمر سے نکلتے ہوئے قد کے ساتھ حماد اس کے راستے میں حائل تھا بالکل سکندر کا دوسرا روپ اس کے جیسی شکل و صورت اور ویسا ہی انداز گفتگو' کسی نے سچ ہی کہا ہے سانپ کی اولاد بھی ہمیشہ سانپ جیسی ہی خصلت رکھتی ہے' ماں ہوتے ہوئے بھی اس وقت اس کے ذہن میں سنپولے سے بہتر تشبیہ کوئی نہ آئی۔

***

ٹیکسی کے رکتے ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آئی' ایک بالکل عام سی عمارت جو بڑے بڑے ناریل کے درختوں سے گھری ہوئی تھی اس پر لگا بورڈ یہ ثابت کر رہا تھا کہ یہ ہی پاکستانی ایمبیسی ہے بے اختیار ہی اسے اپنے ملک میں موجود غیر ملکی ایمبیسیز اور ان کی پرشکوہ عمارات یاد آ گئیں گیٹ پر موجود گارڈ نے اس سے کوئی سوال نہ کیا وہ خاموشی سے اندر آ گئی ابوذر سو چکا تھا' ٹیکسی ڈرائیور نے کہا تھا کہ وہ اسے باہر گاڑی میں ہی چھوڑ دے مگر نیبو اس وقت کسی پر اعتماد کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی یہ ہی وجہ تھی وہ اسے اپنے کندھے سے لگائے لگائے اندر آ گئی' جینز ٹی شرٹ پر اسکارف اور بڑے سے چشمے نے اس کے حلیے کو خاصا تبدیل کر دیا تھا' سامنے موجود چھوٹے سے لان کا سوکھا گھاس پھوس دیکھ کر لگتا ہی نہ تھا کہ ایمبیسی کی یہ عمارت

ملائشیا جیسے زرخیز ملک میں ہے وہ فقط ٹھنڈا سانس بھر کر سامنے موجود بڑے سے ہال نما کمرے میں داخل ہو گئی، جہاں پہلے سے ہی کچھ مرد حضرات موجود تھے۔ جو شاید ویزے کے سلسلے میں آئے تھے اکثریت پاکستانی ہی تھے۔ مختلف کاؤنٹر پر بھی تقریباً" تمام مرد ہی تھے اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ کس سے بات کرے یہاں وہاں نظر ڈالنے پر اسے کاؤنٹر پر لکھا "ریسپشن" دکھائی دیا وہ تیزی سے آگے بڑھی وہاں موجود نوجوان کمپیوٹر پر بزی تھا۔

"ایکسکیوزمی سر۔۔۔"

"جی فرمائیے۔۔۔" اس نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھا کر نیسو کا طائرانہ جائزہ لیا۔

"وہ مجھے۔۔۔" اسے سمجھ نہ آرہا تھا کہ وہ کیا بات کرے وہ کچھ کنفیوزسی ہو گئی۔

"اصل میں مجھے کسی بڑے آفیسر سے ملنا ہے۔" تھوک نگلتے ہوئے بمشکل اس نے اپنا جملہ مکمل کیا۔

"کس سلسلے میں؟"

"دراصل میرا پاسپورٹ گم ہو گیا ہے اس سلسلے میں ہی کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اوکے آپ ایسا کریں اس گیٹ سے باہر نکل جائیں بالکل سامنے جو بڑا سا کمرہ ہے وہاں آپ کو سرفراز صاحب ملیں گے آپ اپنا مسئلہ ان سے جاکر ڈسکس کریں ہو سکتا ہے اس سلسلے میں وہ آپ کی کچھ مدد کر سکیں۔"

جواب دے کر وہ نوجوان پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا نیسو نے کچھ سیکنڈ وہاں کھڑے ہو کر سوچا پھر خاموشی سے بڑے سے دروازے سے باہر نکل آئی، وہاں ایک چھوٹا سا گارڈن بنا ہوا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا وہ اللہ کا نام لے کر گارڈن کو عبور کرتی سامنے موجود بڑے سے کمرے کے دروازے کے سامنے جا کھڑی ہوئی آس پاس نظر دوڑائی کوئی بھی ملازم یا گارڈ دکھائی نہ دیا وہ کشمکش و پیچ کی کیفیت میں مبتلا تھی جب پردہ ہٹا کر اندر سے کوئی باہر آیا حلیے سے ہی وہ کوئی پیون دکھائی دے رہا تھا۔

"جی میڈم کس سے ملنا ہے آپ کو؟" باہر آنے والا ٹھٹک گیا۔

"وہ سرفراز صاحب سے۔" نوجوان نے ایک نظر اس کا جائزہ لیا اور واپس اندر کی طرف مڑ گیا تقریباً" پانچ منٹ بعد وہ نمودار ہوا۔

"اندر چلی جائیں سرفراز صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اندر داخل ہوئی۔ سامنے میز کے پیچھے ایک ادھیڑ عمر پاکستانی مرد موجود تھا اس کے سامنے موجود ٹیبل پر رکھی تختی اس کے عہدے کی نشاندہی کر رہی تھی وہ شخص نیم دراز حالت میں آرام سے کرسی پر بیٹھا تھا نیسو کو دیکھتے ہی سیدھا ہو بیٹھا۔

"جی آئیں تشریف رکھیں۔" وہ خاموشی سے ٹیبل کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"جی بتائیں کیا مسئلہ ہے آپ کا جس سلسلے میں آپ مجھ سے ملنا چاہتی تھیں۔"

"مجھے اپنا نیا پاسپورٹ بنوانا ہے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"پرانا کہاں ہے؟" اس شخص نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ دراصل میرا ہینڈ بیگ چوری ہو گیا ہے اس میں میرے سارے کاغذات تھے اب مجھے وطن واپس جانا ہے جس کے لیے پاسپورٹ کا ہونا لازمی ہے۔" وہ جانتی تھی کہ یہ سوال اس سے ضرور پوچھا جائے گا اسی لیے جواب سوچ کر آئی تھی۔

"اوہ اچھا ویسے آپ ملائشیا کیوں آئی تھیں؟" اسے اس سوال کی امید نہ تھی اب سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

"یہاں میری سسرال ہے، میں شادی کے بعد یہاں آئی تھی۔"

"آپ کی سسرال کہاں ہے؟ اور آپ کی ہزبینڈ؟ کیوں نہیں آئے آپ کے ساتھ؟"

"وہ یہاں نہیں ہیں جاپان گئے ہیں میرے والد کی ناسازی طبع کے باعث میرا جلد از جلد پاکستان جانا بہت ضروری ہے اسی لیے مجھے تنہا ہی یہاں آنا پڑا۔" اپنے مفاد کے لیے ایک کے بعد ایک جھوٹ اس کی زبان پر خود بخود ہی آتا چلا گیا۔

"سوری میڈم ہم آپ کے ہزبینڈ سے ملے بغیر آپ کو پاسپورٹ بنوا کر نہیں دے سکتے ہمیں ان کی تصدیق درکار ہوگی۔"

"کیوں؟" وہ حیرت سے بولی۔

"میں پاکستانی ہوں میرے پاس وہاں کا شناختی کارڈ موجود ہے۔" وہ روہانسی ہو گئی اپنے ملک کی ایمبیسی میں اس سے ایسا برتاؤ کیا جائے گا وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی، اس نے تو نئے پاسپورٹ کے حصول کو بہت ہی آسان سمجھا تھا ویسے بھی اسے احتشام صاحب نے یہ ہی بتایا تھا کہ وہاں موجود ایمبیسی پاکستانیوں کے مسائل حل کرتی ہے یہاں تو ایک پاسپورٹ کے لیے، اپنی ہم وطن سے زیادہ، ملائی شہری کو ترجیح دی جا رہی تھی جس کی تصدیق کا ہونا ضروری تھا۔

"بے شک آپ پاکستانی ہیں یقیناً" آپ کے پاس شناختی کارڈ بھی ہو گا مگر ہماری بھی کچھ قانونی اور سفارتی مجبوریاں ہیں جن کی بنا پر ہم فی الحال آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے جب تک آپ کے ہزبینڈ آ کر ہم سے نہ ملیں اس صورت میں بھی آپ کے پاس کاغذات کی گمشدگی کی ایف آئی آر کا ہونا ضروری ہے اور اگر وہ نہیں آتے تو آئندہ جب آپ یہاں آئیں ایف آئی آر درج کروا کر اس کی کاپی لیتی آئیے گا پھر شاید ہم آپ کے کچھ کام آسکیں ورنہ ہماری طرف سے معذرت' خدا حافظ۔"

پوری تفصیل بتانے کے بعد سرفراز صاحب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ وہ اب کوئی بات سننا نہیں چاہتے وہ خاموشی سے باہر نکل آئی اس کا دل بھر آیا پہلے ہی مرحلے پر ناکامی اس کا مقدر بن گئی۔ وہ مایوس سی ہو گئی۔

"میڈم اب کہاں جانا ہے۔" اس کے ٹیکسی میں واپس بیٹھتے ہی ڈرائیور نے سوال کیا۔

"کہیں نہیں WAO واپس چلو اور ہاں جاتے ہوئے مجھے ایمبیسی آنے کا راستہ پبلک ٹرانسپورٹ سے سمجھا دینا۔"

ٹیکسی ڈرائیور سے اس کے ایک دن کے تیس رنگیٹ طے ہوئے تھے جو خاصی بڑی رقم تھی۔ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ اسے اپنے پاسپورٹ کے حصول کے لیے بہت خوار ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد شاید کہیں جا کر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو سکے، اس ضمن میں وہ روزانہ ٹیکسی افورڈ نہیں کر سکتی تھی لہٰذا اسے اب اپنا سفر پبلک ٹرانسپورٹ سے ہی شروع کرنا تھا، جس کے لیے وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جانے کیوں میرا دل کئی دنوں سے بہت گھبرا رہا ہے نیسو وہاں ضرور کسی مشکل کا شکار ہے، اس کا فون بھی بند ہے اور سکندر کال ریسیو نہیں کرتا۔"

سکندر کی شفا سے ہونے والی گفتگو نے اب تک ردا کو بے چین کر رکھا تھا۔

"تم خوامخواہ کے وسوسوں کا شکار ہو رہی ہو، میری ابھی کل ہی بھائی صالح سے بات ہوئی ہے انہوں نے بتایا کہ دونوں میاں بیوی کے مابین کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی بہرحال اب وہ مسئلہ حل ہو گیا ہے' نیسو کا فون شاید چوری ہو گیا ہے جیسے ہی وہ نیا سیل لے گی ہم سے جلد ہی رابطہ کرے گی۔"

احتشام صاحب خود بھی صالح محمد کی گفتگو سے مطمئن نہ تھے ان کا دل بھی مختلف طرح کے خدشوں کا شکار تھا مگر وہ مرد تھے اور جانتے تھے کہ اس طرح کے مسائل جذباتی ہو کر حل نہیں کیے جا سکتے دوسری طرف اپنے کسی خدشے کا اظہار وہ ردا کے سامنے کر کے اسے مزید پریشان نہ کرنا چاہتے تھے۔

"اور امی ربیعہ نے بھی تو آپ کو یہ ہی سب کچھ بتایا تھا جو پاپا بتا رہے ہیں پھر آپ کیوں اتنی پریشان ہو رہی ہیں۔"

امان نے انہیں خود سے لگاتے ہوئے تسلی دی۔

"بس مجھے کچھ نہیں پتا آپ سکندر کو فون کر کے کہیں کہ وہ نیبو کو کچھ عرصے کے لیے پاکستان بھیجے ورنہ میرا ویزہ لگوائیں مجھے ملائشیا جانا ہے۔"

وہ کسی طور یہ ماننے کو تیار نہ تھیں کہ نیبو اپنے گھر میں خوش ہے وہ ماں تھیں اور ان کا دل انہیں کسی انہونی کی خبر دے رہا تھا جس نے انہیں بے چین کر رکھا تھا ایسے میں کوئی تسلی دلاسا ان کے لیے اہمیت نہ رکھتا تھا۔

"ٹھیک ہے میں بھائی صالح سے بات کرتا ہوں ان سے کہتا ہوں کہ وہ نیبو سے تمہاری بات کروائیں یا پھر تم سکندر کے گھر کے نمبر پر فون کر لو نمبر تو ہے نا تمہارے پاس؟"

احتشام صاحب نے بات کرتے کرتے رک کر سوال کیا۔

"دو دفعہ تو میں کر چکا ہوں غالباً" آنٹی فاطمہ تھیں انہوں نے کہا کہ نیبو گھر میں نہیں ہے جیسے ہی آئے گی میں بات کروا دوں گی مگر پھر انہوں نے کال بیک بھی نہیں کی۔"

"ہو سکتا ہے وہ گھر پر نہ ہو تم ایک دفعہ پھر کوشش کرو اگر بات ہو جائے تو اچھا ہے ورنہ ربیعہ سے کہو وہ وہاں جا کر نیبو کی اپنی مما سے بات کروا دے۔" احتشام صاحب نے امان کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پاپا ایک دفعہ پھر کوشش کر لیتا ہوں ہو سکتا ہے اب بات ہو جائے۔"

وہ گھر کا فون اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے تم سے اس قدر بے وقوفی کی امید نہ تھی۔"

ربیعہ نے جیسے ہی یہ سنا کہ ایمبیسی والوں نے نیبو کی کسی بھی قسم کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے ویسے ہی وہ عبدالوہاب کے ساتھ WAO آ گئی اور اب آنٹی نوما کے آفس میں بیٹھی وہ مسلسل نیبو کو لتاڑ رہی تھی جو خاموشی سے سر جھکائے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"غضب خدا کا تم اتنا فاصلہ طے کر کے اور رسک لے کر ایمبیسی گئیں اور بنا اپنا مسئلہ حل کیے خاموشی سے واپس آ گئیں۔"

"میں نے تمہیں بتایا تو ہے کہ سرفراز صاحب کا کہنا ہے کہ بغیر ایف آئی آر کے کچھ بھی ہونا ناممکن ہے اور تم جانتی ہو میرے لیے ایف آئی آر کا اندراج کس قدر مشکل کام ہے۔"

"بے وقوف لڑکی تمہیں وہاں اپنے تمام حالات بتانے چاہیے تھے تمہارا پاسپورٹ کس طرح تمہارے خبیث میاں نے ضبط کر رکھا ہے یہ بتاتیں تو یقیناً" وہ تمہاری مدد کرتے اپنے بچوں کے بارے میں بھی سب کچھ سچ سچ بتانا چاہیے تھا۔"

"دراصل میں وہاں جاتے ہی کچھ خوف زدہ ہو گئی تھی میں نے سوچا شاید سکندر نے میری وہاں کوئی کمپلینٹ نہ کر رکھی ہو کہ میں اس کا بچہ لے کر فرار ہو گئی ہوں اور ایسا نہ ہو کہ مجھے دھوکہ سے پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"اف خدایا نیبو ہماری ملکی ایمبیسی ہمارے مسائل کے حل کے لیے یہاں موجود ہے اور یاد رکھو ابوذر سکندر کا ہی نہیں تمہارا بھی بیٹا ہے اپنی اولاد کی منصفانہ تقسیم تم خود کر چکی ہو تم نے حماد اس کے حوالے کیا تو کیا ابوذر پر تمہارا حق نہیں ہے؟" ربیعہ نے اس کے ہاتھ تھپکتے ہوئے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے میں کل ہی دوبارہ جاتی ہوں پھر دیکھتی ہوں مجھے کیا جواب ملتا ہے؟" "اور ہاں انکل نے کچھ رقم بھیجی ہے جو عبدالوہاب کے اکاؤنٹ میں ہے اور ساتھ ہی تمہارے لیے آنٹی کا ایک پیغام بھی ہے وہ یہ کہ تم ابوذر سکندر کے حوالے کر کے جلد از جلد پاکستان واپس پہنچو وہ بہت پریشان ہیں۔" اس کے گھر والوں کا مسلسل اس پر دباؤ تھا کہ وہ ابوذر سکندر کے حوالے کر دے اور خود خاموشی سے اپنے وطن واپس آ جائے اسی سبب وہ ان سے رابطے میں نہ تھی۔

"اب جب تمہاری مما سے بات ہو تو بتا دینا میں کسی بھی حالت میں تنہا پاکستان نہ آؤں گی اگر حماد کا دکھ

ساری زندگی میرے ساتھ رہے گا تو سکون کی زندگی سکندر بھی نہ گزار سکے گا یہ میرا خود سے عہد ہے ربیعہ اور میں اپنے اس عہد کے لیے جان تو دے سکتی ہوں مگر ابوذر نہیں۔" وہ اٹل لہجہ میں بولی۔

☼ ☼ ☼

"تمہاری میرے گھر میں مدت رہائش ختم ہو چکی ہے اب بہتر یہ ہے کہ تم جلد از جلد اپنا کوئی دوسرا انتظام کر لو اگر میری شرط تمہیں منظور ہے تو میری آفر اپنی جگہ آج بھی برقرار ہے میں تمہیں ایک ہفتہ میں تمہارے دیس واپس بھجوا دوں گا بصورت دیگر ایک ہفتہ تک اپنا انتظام کر لو ورنہ تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے مجھے پولیس سے رابطہ کرنا ہو گا۔"

دروازے پر کھڑا فرعون سفاکی سے یہ سب زہر اس کے کانوں میں انڈیل کر زمین کو اپنے پاؤں تلے روندتا ایک شان بے نیازی سے باہر نکل گیا وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

شوبھا نے پچھلے ایک ہفتہ سے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا یہاں تک کہ وہ اس کے کسی میسج کا جواب بھی نہیں دے رہی تھی اس نے ایک نسبتاً" بڑا ہینڈ بیگ تیار کر رکھا تھا جس میں ابوذر کی ضرورت کا کچھ سامان موجود تھا جب کہ اس سے قبل اپنا اور ابوذر کا کچھ سامان وہ شوبھا کے ذریعے ربیعہ تک پہنچا چکی تھی اب مسئلہ صرف یہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام تک جانے کا تھا اور اس محفوظ مقام کا راستہ اسے شوبھا نے ہی بتانا تھا جو جانے کہاں غائب تھی۔

"تمہارے گھر سے فون آیا ہے۔" ایدھا نے باہر سے ہی آواز لگائی۔

"اس وقت کس کا فون آ گیا۔" اس نے بے زار ہو کر سوچا' اس کا بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کسی سے کوئی بات کرے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گئی فاطمہ ریسیور ہاتھ میں لیے جانے آہستہ آہستہ کیا بات کر رہی تھیں اسے دیکھتے ہی ریسیور ٹیبل پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں' اس نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور دھڑکتے دل سے اپنے کان سے لگا لیا۔

"السلام علیکم۔" مری مری آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔

"نیبو یہ تمہاری ساس کیا بکواس کر رہی ہے۔" دوسری طرف یقیناً" ردا تھیں جنہیں شاید فاطمہ نے سب کچھ بتا دیا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں؟" ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

"کہہ رہی ہے تمہارے کسی مرد سے ناجائز تعلقات تھے اور تمہیں سکندر نے رنگے ہاتھوں پکڑنے کے بعد طلاق دے دی' اب وہ تمہیں واپس بھیجنا چاہتا ہے اور تم آنا نہیں چاہ رہیں بلکہ عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرنے والی ہو اور بھی جانے کیا کیا انٹ شنٹ بک رہی ہے پاگل تو نہیں ہے یہ عورت۔"

"وہ جو کہہ رہی ہیں بالکل ٹھیک ہے مگر جو الزام انہوں نے مجھ پر لگایا ہے وہ کرتوت خود ان کے اپنے بیٹے کے تھے جسے میں نے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔"

اب کچھ بھی چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا' آخر ایک نہ ایک دن تو انہیں یہ سب پتا چلنا ہی تھا تو پھر کب تک وہ اکیلی سب کچھ برداشت کرتی۔

"نیبو تم نے یہ سب کچھ ہمیں خود کیوں نہیں بتایا؟" ردا بری طرح رو رہی تھیں۔

"پلیز مما رو کر مجھے مزید پریشان مت کریں میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں۔"

"تم فوراً" پاکستان واپس آؤ میں تمہارے ٹکٹ کے پیسے بھیج رہی ہوں۔" ردا نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"فی الحال میں واپس نہیں آ سکتی اس لیے آپ مجھے فورس مت کریں۔"

"کیوں؟" ردا رونا بھول کر حیرت سے بولیں۔

"وہ میں آپ کو نہیں بتا سکتی اور پلیز اب آپ اس گھر کے نمبر پر دوبارہ مجھ سے رابطہ کے لیے فون مت کیجیے گا بلکہ میرے بارے میں کچھ بھی جاننا ہو تو ربیعہ

سے بات کر لیجیے گا' اگر ممکن ہوا تو میں جلد ہی اپنا کانٹیکٹ نمبر آپ کو دے دوں گی بہر حال میری طرف سے پریشان مت ہوئیے گا میں اب پہلی والی نبیو نہیں رہی وقت نے مجھے بہت بدل دیا ہے اور ان شاءاللہ میں جہاں بھی رہوں گی اپنی حفاظت خود کر لوں گی اللہ حافظ۔"

دوسری طرف سے بنا کوئی جواب سنے اس نے فون بند کر دیا جس جذباتی کیفیت کا شکار اس کی طلاق کی خبر نے ردا کو آج کیا تھا وہ اس کیفیت سے بہت پہلے نکل چکی تھی اب یہ سب کچھ اس کے لیے کوئی معنی نہ رکھتا تھا اب تو اس کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف ابوذر تھا جس کے حصول کے لیے وہ سرگرداں تھی صرف اپنی اولاد کی محبت نے ہی اسے تپتے صحرا میں ننگے پاؤں کھڑا کر دیا تھا ورنہ تو اس کے لیے بہت آسان ہوتا اس ملک پر دو حرف بھیج کر اپنے وطن واپس لوٹ جاتا۔

"کاش وہ بے اولاد ہوتی۔" بے اختیار یہ سوچ اس کے ذہن میں ابھری۔

"اللہ نہ کرے جو ایسا ہوتا۔" دوسرے ہی پل اس نے اپنی سوچ پر خود ہی لعنت بھیجی اس کے بچے ہی تو اس کے جینے کا سبب تھے ورنہ تو شاید وہ مر ہی گئی ہوتی۔

"چلو اچھا ہوا جو آج اس کی ماں کا خود ہی فون آ گیا اب جو ان میں ذرا بھی غیرت ہو گی تو ضرور اس کی واپسی کے لیے کچھ کریں گے ورنہ تو یہ بے شرم طلاق کے بعد بھی ہم پر مسلط ہے۔"

ایدھا سے کی جانے والی گفتگو یقیناً" اسے ہی سنانے کے لیے تھی جس میں فاطمہ کامیاب بھی ہو گئی تھیں' نبیو بنا کوئی جواب دیے خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی جس کا اے سی پچھلے دو تین دن سے صحیح طور پر کولنگ نہیں کر رہا تھا جبکہ یہاں چھت کے پنکھوں کا رواج بھی نہ تھا۔ اے سی کے فین سے اسے بالکل بھی نیند نہ آتی تھی۔ ابوذر کے سرہانے وہ اس کا چھوٹا سا فین رکھ دیتی تھی خود صبر و شکر کے ساتھ دن گزار لیتی تھی ابھی بھی کمرے میں بے حد حبس تھا اس نے باہر لان میں کھلنے والی کھڑکی کھول کر پردے ہٹا دیے باہر بارش ہو رہی تھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے کچھ ہی دیر میں کمرے کے حبس کو خاصا کم کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"دیکھیں سر میری پوری بات سن کر آپ اچھی طرح جان چکے ہوں گے کہ میرے لیے ایف آئی آر درج کروانا کس قدر مشکل کام ہے۔"

وہ آج تیسری دفعہ ایمبیسی آئی تھی' اب وہ یہ سفر با آسانی ٹرین کے ذریعے کرتی تھی جو WAO سے کچھ فاصلے پر موجود اسٹیشن سے اسے مل جاتی پھر وہاں سے وہ کے ایل سی سی آتی جہاں سے تھوڑا ہی فاصلہ طے کر کے پاکستانی ایمبیسی پہنچ جاتی' دو تین بار آنے سے ہی اسے یہاں کام کرنے والا عملہ بھی پہچاننے لگا تھا' ایک بار جب وہ آئی تو سرفراز صاحب کسی میٹنگ میں تھے۔ دوسری بار انہوں نے نبیو کے تمام حالات سن کر اسے دو تین دن کا ٹائم دیا تاکہ وہ اس سلسلے میں اوپر بات کر سکیں اور آج وہ ان کے دیے ہوئے ٹائم کے مطابق پھر ایمبیسی میں موجود تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے بی بی پھر بھی قانونی طور پر یہ سب بہت ضروری ہے' دوسری اہم بات میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اگر آپ کے شوہر نامدار نے آپ کے خلاف کوئی قانونی کارروائی کر دی تو ہم آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔"

سکندر تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کا آغاز کئی عرصہ قبل کر چکا تھا' پولیس اسے تلاش کر رہی تھی مگر یہ سب کچھ وہ یہاں بتانا نہ چاہتی تھی۔

"آپ کوشش کر کے ایف آئی آر کی سلپ لے آئیں پھر ہم کچھ کرتے ہیں۔"

سرفراز صاحب کا انداز سراسر ٹالنے والا تھا' وہ ابوذر کی انگلی تھامے باہر نکل آئی جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا مایوسی اس کے گرد ڈیرے ڈال رہی تھی وہ پولیس اسٹیشن جاتے ہوئے ڈر رہی تھی اور یہ بات یہاں تقریباً" سب ہی جانتے تھے یہ ہی وجہ تھی جو اس پر ایف آئی آر کے لیے اس قدر دباؤ ڈالا جا رہا تھا وہ تھک چکی تھی لہٰذا باہر نکلتے ہی سوکھی ہوئی گھاس پر بیٹھ کر رونے لگی۔

"کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو پیسوں کی ضرورت ہے کیا؟"

اس نے روتے روتے سر اٹھایا سامنے شلوار قمیص میں ملبوس شخص یقیناً" پاکستانی تھا جس کے دیکھنے کا انداز سراسر لوفرانہ تھا وہ اپنی آنکھیں رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی ابوذر کو گود میں لے لیا۔

"ارے ڈرو مت میرے پاس جگہ ہے آ جاؤ تمہاری مرضی کے پیسے دوں گا۔" اس شخص کی بات سن کر نبیو کے تن بدن میں آگ لگ گئی ایک غیر ملک میں مصیبت میں گھری اپنی ہم وطن لڑکی کے ساتھ کوئی اس طرح کی گھٹیا گفتگو بھی کر سکتا ہے وہ سوچ نہیں سکتی تھی۔

"بے غیرت آدمی تمہیں شرم نہیں آتی۔"

وہ حلق کے بل چلائی اس کا بس چلتا اپنے سامنے کھڑے شخص کو گولی بھی مار دیتی۔

"آہستہ بولو آہستہ۔" نبیو کے چلاتے ہی وہ شخص گھبرا سا گیا۔

"کیا ہوا؟ کیا کہا ہے تم نے اس کو؟"

اندر سے آنے والے نوجوان لڑکے نے اس شخص کو گریبان سے پکڑ کر دو تین جھٹکے دیے جبکہ نبیو وہیں زمین پر بیٹھ کر پھر سے رونے لگی۔

"وہ چلا گیا ہے اب تم بھی اٹھ جاؤ رونا دھونا بند کرو دیکھو تمہارا بچہ کتنا پریشان ہو رہا ہے۔" وہ اپنی پریشانی میں کچھ دیر کے لیے ابوذر کو بھی بھول گئی تھی جو شاید اس وقت بہت بھوکا ہو رہا تھا جس کا اندازہ اس کے چہرے پر چھائی مردنی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اس نے خاموشی سے ابوذر کو پھر سے گود میں اٹھا لیا۔

"میرا نام شمریز خان ہے اگر مناسب سمجھو تو مجھ پر بھروسہ کرتے ہوئے تم اپنی ہر بات مجھے بتا سکتی ہو۔" اس کی مجبوری تھی اب اسے کسی نہ کسی پر تو اعتماد کرنا ہی تھا وہ چلتے چلتے رک گئی' ایک پل رک کر سوچا پھر پلٹ کر شمریز کی جانب آئی۔

"مجھے اپنا پاسپورٹ بنوانا ہے اس سلسلے میں ایمبیسی میری کوئی مدد نہیں کر رہی اب بتاؤ تم میرا یہ کام کر سکتے ہو؟"

"ہاں مگر یہ کام میں نہیں کروں گا البتہ میرا ایک دوست ایجنٹ ہے جو یہاں پھنسے ہوئے کئی لوگوں کو پہلے بھی پاکستان واپس بھیج چکا ہے اس کام کے لیے وہ ایک مناسب فیس بھی لے گا مگر تمہیں زندہ سلامت یہاں سے نکال دے گا اگر بولو تو میں تمہاری اس سے بات کروا دوں۔"

نبیو کے تن مردہ میں جان سی پڑ گئی اسے محسوس ہوا شاید شمریز کا اس تک آنا مدد خداوندی ہے۔

"میں اس کی منہ مانگی فیس دوں گی تم کسی طرح میری اس سے بات کروا دو۔" وہ جان چکی تھی ایمبیسی میں اس کی کوئی شنوائی نہیں ہے اس لیے ضروری تھا کہ شمریز کی بات پر یقین کرتے ہوئے اس ایجنٹ سے رابطہ کرے جس کا وہ ذکر کر رہا تھا اس کے ہاں کرتے ہی شمریز نے فون پر کوئی نمبر ملایا کچھ دیر آہستہ آہستہ بات کی' پھر فون بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"ابھی فردوس خان یہاں نہیں ہے وہ پاکستان گیا ہوا ہے تم میرا فون نمبر لے جاؤ اپنا کانٹیکٹ نمبر مجھے دے دو ایک ہفتہ کے بعد میں تم سے رابطہ کر لوں گا بس تم پیسوں کا انتظام کر کے رکھنا۔"

"ان شاءاللہ وہ میں کر لوں گی مگر تم کوشش کرنا میرا کام جلد از جلد ہو جائے کیونکہ میں اب WAO میں بھی زیادہ وقت نہیں رہ سکتی۔"

اس نے جلدی جلدی ایک کاغذ کے ٹکڑے پر اپنے سیل نمبر کے ساتھ ہی WAO کا نمبر بھی تحریر کر کے شمریز کی جانب بڑھا دیا۔

"میں تم سے جب بھی کانٹیکٹ کروں گا تمہارے سیل پر ہی کروں گا اور ہاں میری آج کی اس گفتگو کا ذکر تم کسی سے مت کرنا خاص طور پر WAO میں رہائش پذیر کسی خاتون سے اور نہ ہی ایمبیسی میں اس بات کا کوئی حوالہ دینا کیونکہ ہم لوگ یہ کام غیر قانونی طور پر

کرتے ہیں اور ہمارا مقصد صرف اور صرف اپنے ملک کے لوگوں، خاص طور پر خواتین کو بحفاظت یہاں سے نکالنا ہوتا ہے اور تم کوئی پہلی پاکستانی لڑکی نہیں ہو جس کے گھر والوں نے بنا سوچے سمجھے اسے دیار غیر رخصت کر کے بھیج دیا ہمیں آئے دن اس طرح کے کئی کیس ملتے ہیں لہٰذا اب تم ریلیکس ہو جاؤ اللہ نے چاہا تو تم جلد ہی اپنے وطن واپس پہنچ جاؤ گی۔"

وہ اس کے ساتھ پیدل ہی چلتا ہوا منی اسٹیشن کی جانب جا رہا تھا جو وہاں سے تقریباً" دس منٹ کے فاصلے پر موجود تھا۔

"ایک منٹ تم رکو میں ابھی آیا۔"

جانے شمریز کو کیا یاد آگیا بات کرتا کرتا تیزی سے وہ ایک جانب بڑھ گیا وہ فٹ پاتھ سے ہٹ کر ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی دیوار کے پاس آکھڑی ہوئی یوں ہی بے خیالی میں کھڑے کھڑے اس کی نظر روڈ پار موجود فٹ پاتھ پر جا پڑی جہاں چینی قوم کا ایک عدد عبادت خانہ موجود تھا، اگلے ہی پل اس عبادت خانہ سے ایک بندر برآمد ہوا جس کے ہاتھ میں کیلے کے علاوہ ایک اور بنچ بھی تھا جسے لے کر وہ کچھ فاصلے پر جا بیٹھا نیرہ کو بے اختیار ہنسی آگئی اسے کچھ عرصہ قبل کی ہوئی شوبھا کی گفتگو یاد آئی جب اس نے مکمل یقین کے ساتھ یہ کہا تھا "اگر منت پوری ہونی ہو تو یہ سب پھل بھگوان آکر کھا جاتے ہیں" نیبو نے بے اختیار ہی ایک بار پھر سامنے فٹ پاتھ پر موجود بھگوان کو دیکھا جو بڑے مزے سے کیلا چھیل کر کھا رہا تھا۔ اسے وہاں رکھنے والا آج کے دن یقیناً" بہت خوش ہوگا یہ سوچ کر کہ اس کی منت پوری ہونے والی ہے۔

"یہ لو۔" یک دم اسے اپنے قریب سے شمریز کی آواز سنائی دی، اس نے پلٹ کر دیکھا، دو عدد کولڈ ڈرنک کے ساتھ ایک بڑا سا لفافہ وہ اس کی جانب بڑھا رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" وہ ہاتھ بڑھاتے ہوئے تھوڑا سا جھجکی۔

"تمہارا بچہ اور تم دونوں بھوکے ہو، شاید تمہیں تو پریشانی میں بھوک نہیں لگتی مگر اس معصوم کو تو وقت پر خوراک چاہیے نا اس کا خیال رکھا کرو۔"

"بہت بہت شکریہ۔" نیبو کی آنکھیں تشکر سے بھیگ گئیں۔ اسٹیشن پر اس کی مطلوبہ ٹرین کھڑی تھی وہ خاموشی سے جا کر بیٹھ گئی صبح ابھیبیبی کے لیے نکلتے وقت اس نے سوچا تھا کہ واپسی میں سیانگ جائے گی کیونکہ اسے ربیعہ سے ملے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے۔ WAO کے قانون کے مطابق وہ کسی سے ملنے نہ جا سکتی تھی اس لیے آج اس کا ارادہ یہاں سے ہی سیانگ جانے کا تھا لیکن اپنا یہ ارادہ اسے صبح آنے والے عبدالوہاب کے فون کے سبب ملتوی کرنا پڑا اس نے نیبو کو بتایا کہ رات سکندر پولیس کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا اس کا کہنا تھا کہ نیبو اور ابوذر کو تم لوگوں نے اپنے گھر چھپا رکھا ہے اور شاید عبدالوہاب کے گھر کے نمبر پر بھی آبزرویشن لگا ہوا تھا لہٰذا اس نے نیبو کو سختی سے ہدایت کی کہ وہ خود ربیعہ سے رابطہ نہ کرے اسی سبب وہ چاہتے ہوئے بھی ربیعہ سے ملنے نہ جا سکی اور واپس WAO کی جانب چل دی جہاں آنٹی نوما نے بمشکل اسے ایک ہفتہ مزید رہنے کی اجازت دی تھی۔

☼ ☼ ☼

سسکی کی آواز پر آیت کریمہ پڑھتی ہوئی شبنم نے سر اٹھایا، ردا ہاتھ میں تسبیح لیے بری طرح سسک رہی تھیں، شبنم کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا وہ تیزی سے آگے بڑھیں اور روتی ہوئی ردا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"صبر کرو ردا اللہ جو کرے گا بہتر کرے گا اس سے اچھے کی امید رکھو ان شاء اللہ اچھا ہی ہوگا، وہ غفور الرحیم جلد ہی ہماری بچی کو ہم سے ملائے گا۔"

ردا کی کمر سہلاتے ہوئے انہوں نے آہستہ آہستہ سمجھایا۔

"امی یہ پانی پلائیں انہیں۔"

رحاب پانی کا گلاس لیے آن کھڑی ہوئی بڑی مشکل سے ردا نے دو تین گھونٹ حلق سے نیچے اتارے، آج تیسرا دن تھا جب سے انہیں سکندر نے فون کر کے اطلاع دی تھی کہ نیبو اس کا بچہ لے کر گھر سے بھاگ گئی ہے اس دن سے ان کا کھانا پینا سب چھٹ گیا تھا یہاں تک کہ انہیں خوف کے سبب رات بھر نیند بھی نہ آتی تھی "جانے نیبو دیار غیر میں کس حال میں ہوگی" اس خوف نے ان کی بھوک پیاس سب ختم کر دی تھی۔

"پتا نہیں میری بچی کہاں اور کس حال میں ہوگی کسی کو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں، نہ بھائی صالح کچھ جانتے ہیں اور نہ ہی ربیعہ، مجھے تو لگتا ہے اس خبیث سکندر نے ہی اسے کہیں غائب کر دیا ہے اللہ میری بچی کی حفاظت فرمائے۔"

"اُفوہ امی کیوں ایسی باتیں منہ سے نکال رہی ہیں آنٹی ٹھیک کہہ رہی ہیں اچھے کی امید رکھنے سے بھی اچھا ہوتا ہے۔" ان کا آخری جملہ سنتے ہی شفا تڑپ کر بولی۔ ردا بنا کوئی جواب دیے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پھر سے آیت کریمہ کے ورد میں مشغول ہو گئیں اچانک نیبو کی گم شدگی کی خبر نے ان کے گھر پر جو قیامت ڈھائی تھی اس کے اثرات آج چار دن گزر جانے کے بعد بھی موجود تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم کسی بھی طرح آج پانچ بجے شیتل ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر مجھ سے ملاقات کرو" شوبھا کے اس میسج نے نیبو کے جسم میں زندگی کی لہر دوڑا دی ابھی صرف بارہ بجے تھے ویسے بھی ابوذر کے بغیر تنہا وہ گھر سے کہیں بھی جا سکتی تھی اس پر صرف ابوذر یا حماد کو باہر لے جانے پر پابندی تھی اور حماد خود اس سے اس قدر بدظن کر دیا گیا تھا وہ کبھی بھی اس کے ساتھ باہر نہ جاتا تھا۔ البتہ ابوذر تھوڑا رو دھو کر اپنی دادی کے پاس رہ جاتا ٹھیک پانچ بجے جب وہ تیار ہو کر باہر نکلنے لگی تو یک دم فاطمہ حماد کے ساتھ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئیں وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"میں ذرا سامنے مارکیٹ تک جا رہی ہوں، کچھ سامان لینا ہے اپنے لیے۔"

"میری طرف سے تم جہاں مرضی جاؤ ہمیں کیا لینا دینا۔" انہوں نے نخوت سے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

"بس یہ ابوذر مجھے دے جاؤ یہ تمہارے ساتھ باہر نہ جائے گا۔" یہ وقت بحث کرنے کا نہ تھا لہٰذا اس نے خاموشی سے ابوذر کا ہاتھ چھوڑ دیا جسے فوراً" سے پیشتر حماد نے تھام لیا وہ خاموشی سے باہر نکل آئی جب اسے حماد نے پکارا۔

"آپ مارکیٹ جا رہی ہو؟" چلتے چلتے اس نے پلٹ کر دیکھا حماد ابوذر کا ہاتھ تھامے اس سے سوال کر رہا تھا فاطمہ غالباً" اندر جا چکی تھیں۔

"ہاں کیوں تمہیں کچھ چاہیے!" وہ بے اختیار واپس پلٹ آئی۔

"ایک رینبو آئس کریم لے آئیے گا۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ تیزی سے اندر کی جانب بھاگ گیا، پانچ سال میں پہلی کوئی فرمائش تھی جو حماد نے اس سے کی تھی اور وہ بھی اس وقت جب وہ اسے چھوڑ کر جانے والی تھی نیبو کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں، اپنے ذہن سے تمام خیالات کو جھٹکتی وہ اگلے پانچ منٹ بعد "شیتل" پہنچ چکی تھی جہاں شوبھا پہلے سے ہی موجود تھی۔

"تھینک گاڈ تم آگئیں ورنہ میں تو سمجھی تھی پتا نہیں تمہاری منحوس ساس تمہیں نکلنے بھی دے یا نہیں۔" اسے دیکھتے ہی شوبھا تیزی سے اس کے قریب آئی۔

"میں نے تمہاری رجسٹریشن WAO میں کروا دی ہے۔" بنا تمہید کے اس نے بتایا۔

"واقعی میں..." اسے یقین ہی نہ آیا۔

"ہاں اور یہ سب تمہیں بتانے میں تمہارے گھر اس لیے نہیں آ رہی تھی کہ کل کو جب تم یہاں سے نکلو تو یہ گھٹیا لوگ مجھے تنگ نہ کریں بہر حال میں نے آنٹی نوما کو تمہارا نمبر دے دیا ہے وہ جلد ہی تمہیں کال یا میسج کریں گی خیال رکھنا اور یہ پیپر رکھو اس میں وہاں کا نمبر اور ایڈریس سب لکھا ہوا ہے تم جب یہاں سے

نکلو تو کسی ٹیکسی کو ہائیر کر لینا وہ تمہیں اس ایڈریس پر با آسانی پہنچا دے گی' یہ پیپر بہت سنبھال کر رکھو کہیں مس نہ کر دینا ایسا نہ ہو تمہارے جانے کے بعد اس کے ذریعے یہ لوگ تم تک پہنچ جائیں۔" نیبو نے کاغذ کے ٹکڑے کو کھول کر دیکھا' اس پر درج ایڈریس پر نظر ڈالی اور اسے اپنے ہینڈ بیگ کی اندرونی جیب میں تہ کر کے رکھ دیا۔

"شوبھا میں تمہارا یہ احسان ساری زندگی یاد رکھوں گی۔" شوبھا کے ہاتھ تھام کر اس نے اپنے لبوں سے لگا لیے۔

"شوبھا ایک آوارہ لڑکی ہے اس سے ذرا دور رہا کرو۔" سکندر کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے۔

اسے اچھی طرح یاد تھا جب اس کی شادی کو صرف دس سے بارہ دن ہی ہوئے تھے اور وہ بارش انجوائے کرنے کے لیے اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی اسی سمے اس کی نظر سامنے گھر کے ٹیرس پر پڑی جہاں ایک لڑکی بالکل مختصر سے کپڑوں میں کھڑی برستی بارش میں بھیگ رہی تھی' اس لڑکی کی نظر جیسے ہی نیبو پر پڑی اس نے دور سے ہی ہاتھ ہلا دیا' جواباً" نیبو نے بھی ہاتھ ہلا دیا جسے فوراً" سے پیشتر سکندر نے نوٹس میں لے لیا اور شوبھا کو ایک آوارہ لڑکی قرار دیتے ہوئے اس کی صحبت سے دور رہنے کی ہدایت بھی کر دی اور آج یہ ہی آوارہ لڑکی اس کے لیے فرشتہ رحمت ثابت ہوئی سچ ہے انسانیت کسی مذہب کی محتاج نہیں ہوتی اور یہ بات آج شوبھا نے ثابت کر دکھائی تھی۔

"تم اپنے بچے کے ساتھ صحیح سلامت یہاں سے نکل جاؤ میرے لیے یہ ہی کافی ہے اور ہاں مجھے ہمیشہ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔" شوبھا نے اسے گلے سے لگا لیا اور پھر وہاں سے نکلتے نکلتے وہ حماد کے لیے اس کی فیورٹ آئس کریم لینا نہ بھولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں آنٹی نوما بلا رہی ہیں۔" سہتی دروازے سے ہی اطلاع دے کر واپس چلی گئی اس نے جلدی جلدی ابوذر کا لنچ ختم کروایا اور اس کے پاؤں میں شوز پہنا کر آنٹی نوما کے آفس کی جانب چل دی' اسے بہت منت سماجت کے بعد WAO میں مزید دس دن رکنے کی اجازت مل گئی تھی اس دوران شمریز خان نے اس کے ذاتی سیل پر رابطہ کر کے بتا دیا تھا کہ فردوس خان ابھی تک واپس نہیں آیا اس کے گاؤں میں ان کی آبائی زمین کا جھگڑا چل رہا تھا جس کا فیصلہ جرگہ نے کرنا تھا اسی سبب فردوس خان کی واپسی میں زیادہ ٹائم لگ گیا تھا ظاہر ہے وہ کچھ نہ کر سکتی تھی سوائے اس کے کہ صبر و تحمل کے ساتھ خدا پر مکمل یقین رکھتے ہوئے فردوس خان کی واپسی کا انتظار کرے ابھی بھی شاید آنٹی نوما نے اسے اپنا انتظام کہیں اور کرنے کا الٹی میٹم دینا تھا یہ ہی سوچتے ہوئے وہ ان کے آفس کے دروازے پر پہنچ گئی۔

"میں اندر آ جاؤں؟" دروازے پر رک کر اس نے اجازت طلب کی۔

"ہاں ہاں آؤ نیبو میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔" انہوں نے خوشدلی سے جواب دیا ان کے سامنے والی کرسی پر ایک دراز قد سانولی سی خاتون ٹانگ پر ٹانگ دھرے بڑی لاپروائی سے بیٹھی تھی بالکل ایسے جیسے اسے کمرے میں کسی دوسرے شخص کی آمد کا علم بھی نہ ہوا ہو۔

"مسز میکڈونلڈ یہ ہے نیبو جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا۔"

شاید وہ کوئی سماجی کارکن تھی یہاں جب سے نیبو آئی تھی روزانہ ہی کسی نہ کسی سماجی تنظیم کی طرف سے کوئی نہ کوئی خاتون وزٹ کرنے آئی ہوتی۔ اس وزٹ کے ساتھ وہ یہاں رہائش پذیر خواتین اور ان کے بچوں کو بے شمار تحائف بھی دے کر جاتی جن میں زیادہ تر ان کی ضرورت کا سامان ہوتا۔

"میرا نام مایا ہے اور مجھے اچھا لگے گا اگر آپ مجھے میرے ہی نام سے پکاریں۔ اس حرامی میکڈونلڈ سے میں نے اپنی جان چھڑوالی ہے۔"

اپنے بالوں کو اسٹائل سے جھٹکتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر نیبو کا بھرپور انداز سے جائزہ لیا۔

"واؤ۔" اس نے اپنے ہونٹ گول دائرے کی شکل میں سکوڑے۔

"یہ تو بہت ہی خوب صورت ہے۔" ہونٹوں کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھوں میں بھی نیبو کے لیے ستائش ابھر آئی تعریف کے اس اظہار نے نیبو کو تھوڑا سا کنفیوز کر دیا۔

"دیکھو نیبو مجھے اپنے گھر کے کام کاج کے لیے فوری طور پر ایک عورت کی ضرورت ہے کیونکہ کل رات میرا اپنے میاں سے جھگڑا ہو گیا تھا اس نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا میں نے اسے پولیس کسٹڈی میں دے دیا اب مجھے اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر ایک کل وقتی ملازمہ کی ضرورت ہے' نوما نے مجھے تمہارے تمام حالات بتا دیے ہیں اب اگر تم میرے ساتھ چلو تو میں تمہیں اپنے گھر میں مکمل قانونی تحفظ فراہم کروں گی' رہائش کے ساتھ تمہارے کام کا تمہیں معقول معاوضہ بھی دوں گی۔" بنا تمہید اس نے اپنی آمد کا مقصد نیبو پہ واضح کر دیا۔

"اصل میں تمہیں اس وقت رہائش کے ساتھ ساتھ تحفظ بھی درکار ہے یہ ہی وجہ تھی جو میں نے مایا کو تمہارے بارے میں بتایا۔" آنٹی نوما نے وضاحت دیتے ہوئے کہا۔

"دوسری بات جو تمہارے لیے دلچسپی کا باعث ہو گی وہ یہ کہ میں تمہیں تمہارے وطن بھی واپس بھجوا سکتی ہوں کیونکہ میرے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔" اس کی ساری آفر میں یہ آخری جملہ نیبو کے لیے باعث کشش تھا۔

"جلدی سے ہاں یا ناں میں جواب دو مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

بات کرتے کرتے وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھو نیبو مایا ایک انڈین مسلم ہے اس نے شادی ایک نیگرو سے کی تھی جس سے اس کی طلاق کا کیس کورٹ میں زیر سماعت ہے یہ یہاں کی ایک پاور فل لیڈی ہے اور جب تک تم اس کے گھر رہائش پذیر رہو گی مجھے امید ہے کوئی تمہارا بال بیکانہ کر سکے گا۔" آنٹی نوما نے نیبو کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"گڈ میں باہر گاڑی میں بیٹھ رہی ہوں تم جلدی سے اپنا بیگ لے کر آ جاؤ۔" یہ کہہ کر وہ اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی۔

"ابھی تو میرا سارا سامان بکھرا پڑا ہے ابھی میں کیسے جا سکتی ہوں؟"

ایک دم ہی کسی انجان عورت کے ساتھ جانے کا سوچ کر وہ تھوڑا سا گھبرا گئی اسے سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

"تم جلدی جلدی اپنی ضرورت کی چیزیں کسی چھوٹے بیگ میں رکھ کر باقی سامان کے ساتھ کمرہ لاک کر دو' میں مایا سے کہہ دیتی ہوں تمہیں ڈرائیور کے ساتھ کل کسی وقت بھیج دے گی تم آ کر سارا سامان لے جانا' کیونکہ تمہارا کمرہ میں کسی اور کو رجسٹرڈ کر چکی ہوں وہ بھی تمہاری طرح ایک مجبور لڑکی ہے جو تقریباً" دو دن بعد یہاں آنے والی ہے۔"

اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر آنٹی نوما نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر چاہو تو تم اپنی کزن کو اطلاع کر سکتی ہو۔" آنٹی نوما ربیعہ سے اچھی طرح واقف تھیں۔

"آنٹی میں اسے خود سے فون نہیں کر سکتی اگر اس کا فون آئے میرے سلسلے میں تو پلیز آپ اسے سب کچھ بتا دیجیے گا اور یہ میرا نیا سیل نمبر بھی اسے دے دیجیے گا۔"

اس نے جلدی جلدی اپنا سیل نمبر لکھ کر پیپر نوما کی جانب بڑھایا۔

"اٹس اوکے اب تم جلدی سے جا کر اپنا سامان سمیٹو ایسا نہ ہو مایا ناراض ہو جائے۔" اگلے پندرہ منٹ میں نیبو اپنا سامان ایک چھوٹے سے بیگ میں ڈال کر WAO کے گیٹ سے باہر نکل آئی اسے باہر تک چھوڑنے سہتی بھی اس کے ساتھ آئی' سامنے کھڑی

بڑی سی مرسڈیز کا دروازہ کھول کر ـــــ ڈرائیور باہر آیا اور جلدی سے پچھلا دروازہ کھول دیا وہ تھوڑا سا جھجکتی ہوئی اندر جا کر بیٹھ گئی گاڑی بے حد مہنگے ایئر فریشنر سے مہک رہی تھی جو اس کے بیٹھتے ہی اسٹارٹ ہو گئی۔

"ایک بات پوچھوں؟" مایا نے اپنے ہاتھ میں موجود سگار کو جلاتے ہوئے نیبو سے سوال کیا' یہ سوال اتنا اچانک تھا کہ وہ کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔

"جی پوچھیں۔" جواب دیتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مایا کی شخصیت سے خاصی مرعوب ہو چکی ہے۔ ایئر فریشنر کے ساتھ ساتھ سگار کی دھیمی دھیمی مہک بھی اس کے نتھنوں میں داخل ہوئی اس نے ایک گہری سانس کے ساتھ یہ خوشبو اپنے اندر اتاری۔

"تم اتنی خوب صورت اور بھرپور جوان لڑکی ہو پھر کیوں تمہارے میاں نے تمہیں دربدر رسوا ہونے کے لیے اس دنیا میں تنہا چھوڑ دیا تمہاری فیملی سے اس کی کوئی دشمنی تھی کیا؟"

"پتا نہیں شاید یہ سب کچھ میرے نصیب میں اسی طرح لکھا ہوا تھا جس طرح ہو رہا ہے۔" وہ ٹالتے ہوئے بولی کیونکہ مایا کے سوال کا کوئی بھی جواب نیبو کے پاس نہ تھا اس نے تو کبھی یہ سب کچھ اس طرح سوچا بھی نہ تھا وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ سکندر کے لیے وہ ایک غیر عورت تھی بالکل اتنی ہی غیر جتنی روڈ پر چلتی پھرتی ہوئی عام سی عورتیں ایسے میں بھلا اسے کیا ضرورت پڑی تھی جو وہ اس کے سلسلے میں کوئی ہمدردی اپنے دل میں پالتا سکندر کو اس سے کبھی بھی کوئی انسیت یا محبت نہ تھی اور یہ بات وہ پہلے دن سے ہی اچھی طرح جانتی تھی۔

آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی ایک سرسبز و شاداب علاقے میں داخل ہو گئی جو غالباً" شہر سے کچھ باہر تھا چاروں طرف پھیلی ہوئی ہریالی اور پھولوں کی مہک نے نیبو کے ذہن کو تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی پرسکون سا کر دیا ابوذر اس کی گود میں ہی سو چکا تھا چند منٹ کے بعد ہی گاڑی رک گئی باہر نکلتے ہی وہ گھر کی خوب صورتی دیکھ کر مبہوت سی رہ گئی سفید قیمتی پتھر سے بنا ہوا نہایت خوب صورت گھر جو چاروں طرف سے بڑے بڑے ناریل اور پام کے درختوں سے گھرا ہوا تھا اندر داخل ہو کر نیبو کو اندازہ ہوا یہ گھر جتنا باہر سے خوب صورت تھا اس سے کہیں زیادہ حسین اندر سے تھا وہ کسی سحر کے زیر اثر مایا کے پیچھے پیچھے چلتی ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔

"یہ تمہارا کمرہ ہے نہا دھو کر فریش ہو جاؤ پھر میں تمہیں اپنے بچوں سے ملواؤں۔" وہ جلدی میں تھی بنا نیبو کے جواب کا انتظار کیے ہی واپس پلٹ گئی' نیبو نے اندر داخل ہو کر ابوذر کو بیڈ پر ڈالا کمرہ نہ صرف صاف ستھرا بلکہ خوب صورت فرنیچر سے بھی مزین تھا اس نے کمرے کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد اپنا چھوٹا سا بیگ اٹھایا اور سامنے موجود بڑی سی دیوار گیر الماری کا ایک پٹ کھول کر اس کے اندر رکھ دیا اور پھر شام تک وہ اس گھر کے ماحول میں کافی حد تک ایڈجسٹ ہو چکی تھی مایا کے بچے بھی اس سے مل کر خاصے خوش ہوئے تھے جس کا اندازہ ان کے تعریفی جملوں سے نیبو کو ہو چکا تھا مایا جب سے آئی تھی مسلسل فون پر مصروف تھی۔

اس گھر میں اگر کوئی چیز نیبو کے لیے الجھن کا باعث بنی تھی تو وہ گھر کے ایک کونے میں بنا ہوا چھوٹا سا مندر تھا مایا اگر انڈین مسلم تھی تو اس کے گھر میں مندر کا کیا کام اس کے علاوہ لاؤنج کے ایک کونے میں چھوٹا سا بار روم بھی تھا مایا کثرت سے شراب نوشی کی عادی تھی جس کا اندازہ ایک ہی رات میں نیبو کو ہو گیا اگلی صبح کا سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی نیبو کو ایک نئی پریشانی نے گھیر لیا پریشانی کے ساتھ ساتھ اسے حیرت بھی تھی یہ دیکھ کر کہ مایا کی قیمتی جیولری پورے گھر میں بکھری پڑی تھی جگہ جگہ ٹیبل پر اس کی ڈائمنڈ رنگ رکھی ہوئی تھیں یہاں تک کہ نیبو کے کمرے کی الماری کی دراز میں ملائی کرنسی بغیر کسی لاک کے موجود تھی وہ چاہتی تھی کہ اس سلسلے میں مایا سے بات کرے مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا مایا اپنے شوہر کے کیس کے سلسلے میں بری طرح مصروف ہونے کے سبب اسے ـــ WAO بھی نہ بھیج پائی تھی اس کے موبائل کا چارجر بھی وہیں رہ گیا تھا جس کے سبب بیٹری ڈاؤن ہوتے ہی موبائل آف ہو گیا تھا اس لیے اسے رہ رہ کر ربیعہ کا خیال آرہا تھا جو اس سے رابطہ نہ ہونے کے سبب یقینی طور پر بہت پریشان ہو گی اس کے علاوہ اسے اپنے سامان کی بھی پریشانی تھی جو بہت زیادہ قیمتی تو نہ تھا مگر ضرورت کا ضرور تھا البتہ اس کی جیولری وغیرہ نیبو کے ہی پاس رکھی ہوئی تھی ابھی بھی وہ اس پریشانی میں مبتلا تھی جب کسی نے اس کے کمرے دستک دی۔

"کون ہے؟ وہ اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

"سوری میں نے اتنی رات کو تمہیں ڈسٹرب کیا۔" مایا اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

"اصل میں ایسا ہے کہ میری ابھی ابھی ایک ایجنٹ سے بات ہوئی ہے جو تمہارا اور تمہارے بے بی کا پاسپورٹ بنا کر دینے کو تیار ہے۔" اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے سگار سلگا لیا۔

"کتنے دن لگیں گے اسے اس کام میں۔" کچھ دیر تک اس کے آگے بولنے کا انتظار کے بعد نیبو نے بے چینی سے دریافت کیا کہیں سے نظر آنے والی۔ امید کی اس ننھی سی کرن نے اس کے اندر جیسے زندگی بھر دی۔

"ہوں..." وہ تھوڑا سا سوچتے ہوئے بولی۔

"ایسا ہے تم کل صبح ذرا جلدی تیار ہو جانا ڈرائیور کے ساتھ جا کر WAO سے اپنا سامان لے لینا اور ساتھ ہی جاتے ہوئے راستہ میں فوٹو اسٹوڈیو سے اپنی اور اپنے بے بی کی تصاویر بنوا لینا یہ تصاویر میں نیٹ کے ذریعے اینڈریو کو بھیج دوں گی وہ میرا اسکول فیلو ہے اور مجھے امید ہے صرف بارہ سے چوبیس گھنٹوں کے اندر وہ تمہارا پاسپورٹ بنوا کر بھجوا دے گا تم پے منٹ کی فکر بھی مت کرنا وہ سب میں کر لوں گی اوکے۔"

اپنی بات کے اختتام پر رک کر اس نے نیبو پر ایک نظر ڈالتے ہوئے موبائل پر تیزی سے کوئی نمبر پریس کیا پھر چند سیکنڈ دوسری طرف لائن پر موجود کسی شخص سے کوئی بات کر کے اس نے فون بند کر دیا اس کی یہ ساری گفتگو گجراتی میں تھی جس کا ایک بھی لفظ نیبو کے پلے نہ پڑا جب تک وہ فون پر بات کرتی رہی نیبو کا دھیان مسلسل اس کے کھلے گریبان سے جھانکتے ٹیٹو پر ہی رہا اسی طرح کا ایک بڑا سا ٹیٹو اس کے بازو پر بھی بنا ہوا تھا کبھی کبھی نیبو کو محسوس ہوتا ان ٹیٹوز نے اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی پراسراریت سی بھر دی تھی جس کی وجہ نیبو کی سمجھ میں نہ آرہی تھی لیکن سچ تھا وہ مایا کی شخصیت سے تھوڑی تھوڑی سی خوفزدہ ضرور تھی۔

"تمہارے پاس واپسی کے ٹکٹ کے لیے کچھ رقم ہے؟" فون بند کرتے ہی اس نے نیبو سے سوال کیا۔

"ہے تو سہی مگر مجھے پتا نہیں ہے کہ وہ پوری بھی ہو گی یا نہیں البتہ میرے پاس زیور بھی ہے جسے بیچ کر میں سب خرچہ افورڈ کر لوں گی۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے اب ایسا کرو تم جب کل WAO جاؤ تو واپسی پر اپنی رقم اور زیور بھی لیتی آنا۔"

اس کی رقم اور زیور ربیعہ کے پاس تھا مگر ظاہر ہے اسے یہ سب اس لینا تو تھا ہی تو پھر کیوں نہ کل واپسی پر وہ سیانگ سے یہ سب لیتی آئے جس کے لیے ضروری تھا کہ یہ سب بات مایا کو بتائی جائے یہ سوچ کر اس نے اپنا گلا کھنکارا اور بولی۔

"اصل میں میرے پیسے اور زیور WAO میں نہیں ہیں بلکہ یہ سب سامان سیانگ میں مقیم میری کزن کے پاس ہے اب آپ کہیں تو میں کل واپسی میں یہ سب سامان اس کے گھر سے پک کر لوں۔"

"ٹھیک ہے مگر اس سلسلے میں تمہیں میری ایک شرط ماننا ہو گی۔"

"وہ کیا؟" جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی لفظ "شرط" نے نیبو کو الجھا سا دیا۔

"شرط یہ ہے کہ تم اپنی کزن سے میرا کوئی ذکر نہیں کرو

گی اور نہ ہی اسے یہ بتاؤگی کہ میں تمہارا پاسپورٹ بنوا کر تمہیں وطن واپس بھیج رہی ہوں جب تم واپس اپنے گھر پہنچ جاؤ پھر بے شک اسے اطلاع دے دینا مگر ابھی نہیں اور یہ سب کچھ میں تمہاری بہتری کے لیے ہی سمجھا رہی ہوں ایسا نہ ہو پاسپورٹ بننے سے پہلے ہی بات باہر نکل جائے اور قانون کے ہاتھ تمہاری گردن تک پہنچ جائیں کیونکہ تم جانتی ہو میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

اپنی شرط کی اچھی طرح وضاحت کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اپنا سگریٹ کیس اور موبائل اٹھالیا۔

"صبح جلدی تیار ہو جانا نیبو کو ہدایت دیتی وہ باہر نکل گئی کیا بات تھی نیبو کا دل بجائے خوش ہونے کے کچھ بجھ سا گیا تھا اس کی چھٹی حس اسے کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اس کے دماغ میں کھٹک رہی تھی اور یہ ہی کھٹک اور بے چینی اسے سونے نہ دے رہی تھی کروٹیں بدلتے بدلتے اس کی ہلکی سی آنکھ ہی لگی تھی جو کسی غیر محسوس آواز سے کھل گئی رات کے سناٹے میں باہر آ کر رکنے والی گاڑی کی آواز نے اسے چوکنا کر دیا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اس کمرے کی کھڑکی سے باہر کا لان بالکل واضح طور پر دکھائی دیتا تھا وہ ننگے پاؤں کارپٹ پر چلتی کھڑکی کے قریب آئی اور آہستہ سے اس کا پردہ تھوڑا سا سرکا کر باہر جھانکا روش پر ایک بڑی سی کالی گاڑی کھڑی تھی جس کی ساری لائٹس آن تھیں لان میں لگی مدھم سی لائٹ میں سامنے کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا گاڑی سے ٹیک لگائے دو لمبے تڑنگے نیگرو کھڑے جانے مایا سے کیا بات کر رہے تھے مایا نہایت مختصر سے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس تھی بات کرتے کرتے مایا نے اپنا موبائل نکال کر اس میں سے کچھ سرچ کیا اور اسکرین کو ان نیگروز کے سامنے کر دیا۔

"وہ ان نیگروز کو کیا دکھا رہی تھی؟" ایک دم نیبو کے ذہن میں جھماکا ہوا وہ دھند جو رات سے اس کے دماغ پر سوار تھی یک دم نکل گئی اسے یاد آیا مایا نے رات کو باتوں کے دوران اپنے موبائل سے اس کی کچھ تصاویر لی تھیں یہ تصاویر اس نے نیبو کو بتائے بغیر لی تھیں اس کی ناراضی کے ڈر سے نیبو نے اس سے اس سلسلے میں کوئی وضاحت طلب نہ کی مگر وہ ذہنی طور پر کچھ اپ سیٹ سی ہو گئی تھی اور اب اسے پتا لگا یہ تصاویر ان آدمیوں کو دکھانے کے لیے لی گئی تھیں مایا نے یہ حرکت کیوں کی؟ اس کی اس حرکت کا مقصد کیا تھا؟ یہ سب نیبو کو جاننے کی ضرورت نہ رہی تھی وہ سکندر کے گھر سے نکل کر جب سے WAO آئی تھی اس نے بہت کچھ دیکھا اور سیکھا تھا' وہاں موجود عورتوں کے حالات نے اسے ساری دنیا کا سبق پڑھا دیا تھا عورت کہاں اور کس طرح استعمال کی جاتی ہے اب یہ باتیں اس کے لیے اچنبھے کا باعث نہ رہی تھیں ان حالات نے اسے اپنی حفاظت کرنا بھی سکھا دیا تھا مایا کی شخصیت کا سارا اسرار اس کے سامنے کھل کر آ گیا تھا وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ صبح یہاں سے نکل جانے کے بعد اسے واپس نہیں آنا۔ مگر کیا مایا اسے اس قدر آسانی کے ساتھ یہاں سے نکلنے دے گی۔ اگر صبح وہ بھی اس کے ساتھ WAO چلی گئی تو پھر کس طرح ممکن ہو گا کہ وہ اس سے اپنا پیچھا چھڑائے اور ان ساری باتوں نے نیبو کی آنکھوں سے نیند کو مکمل طور پر بھگا دیا۔

✲ ✲ ✲

اسے WAO سے فون آچکا تھا اب کس طرح جلد از جلد اسے اس گھر سے نکلنا تھا پہلے تو اس نے سوچ رکھا تھا وہ رات کے اندھیرے میں یہاں سے نکل جائے گی مگر جانے کیوں پچھلے کچھ دنوں سے سکندر رات کو ابوذر کو اپنے ساتھ سلانے لگا تھا اور ظاہر سی بات تھی وہ کسی بھی حال میں ابوذر کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی اس دوران اس نے گھر کی ممکنہ جگہوں کی تھوڑی بہت تلاشی بھی لی تھی کہ شاید کہیں سے اس کے یا ابوذر کے کاغذات مل جائیں وہ تو نہ ملے البتہ اس تلاشی کے دوران سکندر کی رکھی ہوئی کچھ کرنسی ضرور ہاتھ لگ گئی تھی جو نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے اٹھالی کیونکہ وہ جانتی تھی اس گھر سے نکلنے کے بعد اسے قدم

قدم پر روپے کی ضرورت پڑے گی انکل صالح اسے روز فون کر کے پریشر ڈال رہے تھے کہ وہ ان کے گھر آجائے جبکہ سکینہ اور روزینہ بھی یہ ہی چاہتی تھیں کہ وہ سکندر کا گھر چھوڑ کر ان کے ساتھ آکر رہ لے نیبو جانتی تھی کہ ملائیشیا جیسی جگہ پر کام والی افورڈ کرنا خاصا مشکل کام ہے روزینہ کیونکہ خود جاب کرتی تھی اس لیے وہ نیبو کو آفر کر رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ چل کر رہے اس کے گھر کا کام کاج کر دیا کرے جس کے بدلے میں وہ اسے ایک معقول رقم دے گی اور ساتھ ہی ساتھ ہر ہفتے اس کی ملاقات دونوں بچوں سے کروا دیا کرے گی اگر اسے یہاں رہنا ہوتا تو یقیناً" یہ ایک اچھی آفر تھی مگر اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس ملک میں رہنا ہی نہیں چاہتی تھی اسے ہر حال میں اپنے وطن واپس جانا تھا اور اپنی یہ پلاننگ وہ کسی سے بھی ڈسکس نہ کر سکتی تھی یہ ہی وجہ تھی کہ وہ سب کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی خاص طور پر روزینہ کو تو اس نے مکمل طور سے یقین دہانی کروا رکھی تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہی جا کر رہے گی اور اب جبکہ شوبھا کے طفیل اس کی رجسٹریشن WAO میں ہو چکی تھی اصل مسئلہ یہاں سے نکلنے کا رہ گیا تھا اور یہاں سے نکلنا بھی صرف اس لیے دشوار ہو گیا تھا کہ وہ ابوذر کے بغیر یہ گھر نہ چھوڑ سکتی تھی رفیدا آج کل کسی ٹریننگ کے سلسلے میں اپنے آفس کی طرف سے جاپان گئی ہوئی تھی۔ فاطمہ دوپہر دو بجے کے قریب کھانا کھانے کے بعد اپنی بلڈ پریشر کی ٹیبلٹ کھا کر تقریباً" ایک گھنٹہ ضرور سوتی تھیں اور یہ ہی وہ ٹائم ہوتا تھا جب ایدھا بھی حماد کو لے کر ایک گھنٹہ آرام ضرور کرتی تھی یقیناً" دوپہر دو بجے کا وقت ہی وہ بہترین وقت تھا جب کوشش کر کے نیبو اس گھر سے نکل سکتی تھی اپنی پلاننگ کے وقت اسے اپنے کمرے کا پچھلا دروازہ استعمال کرنا تھا جہاں سے نکل کر وہ ساتھ والے گھر کو علیحدہ کرتی ہوئی لکڑی کی باڑ پھلانگتی اور پھر آنٹی ماجی کے گیٹ سے با آسانی باہر نکل جاتی۔ اس سلسلے میں وہ اپنی پڑوسن آنٹی ماجی کو مکمل طور پر اعتماد میں لے سکتی تھی اور یہ سب اس لیے ضروری تھا کہ سونے سے قبل فاطمہ اپنے گھر کے مین گیٹ کو بند کر دیتی تھیں حالانکہ اس سے قبل اس نے کبھی اس دروازے پر کنڈی لگی ہوئی بھی نہ دیکھی تھی اس لاک کی وجہ یقیناً" نیبو تھی جس کا اسے بخوبی علم تھا آج صبح سے ہی وہ بہت ٹینشن میں تھی سکندر کے جانے کے بعد اس نے ابوذر کو نہلا کر ناشتا کروایا جبکہ خود بڑی مشکل سے اس نے چائے کا کپ حلق سے اتارا اس کی نظر مسلسل گھڑی کی سوئیوں کا طواف کر رہی تھی لمحہ لمحہ آگے بڑھتا ٹائم اس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر رہا تھا' اسے شدت سے اس وقت کا انتظار تھا جب ایدھا اور فاطمہ اپنے اپنے کمروں میں چلی جاتیں فاطمہ کھانا کھا کر اپنی ٹیبلٹ کھا چکی تھیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے مسلسل نیبو ان پر نظر رکھے ہوئے تھی اس نے کمرے میں جا کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

فاطمہ باہر گیٹ کا لاک لگانے جا رہی تھیں جب کسی گاڑی کے تیز ہارن نے نیبو کے حواس کو منتشر سا کر دیا اس نے چونک کر لکڑی کی دیوار سے پار روڈ پر جھانکا گیٹ کے عین سامنے کھڑی ہونے والی سفید گاڑی نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا' یہ گاڑی یقیناً" روزینہ کی تھی روزینہ اس بھری دوپہر میں وہاں کیا لینے آئی تھی؟ اسے آج کا یہ دن بھی ضائع ہوتا محسوس ہوا اس نے ہاتھ میں اٹھایا چھوٹا سا بیگ بیڈ کے نیچے کر دیا نہایت ہی مایوسی کے عالم میں وہ خاموشی سے بیڈ پر جا کر لیٹ گئی ظاہر ہے اب فاطمہ نے کہاں سونا تھا یہ ہی سوچ کر نیبو نے اپنی آج کی پلاننگ کو فیل ہوتا محسوس کیا اگلے مزید چوبیس گھنٹے اسے اس گھر کے عقوبت خانے میں گزارنے تھے جہاں ایک ایک گزرتا پل اس کے لیے صدیوں کے عذاب کی مانند تھا آج کئی دن گزر جانے کے بعد بھی اس کے کمرے کا اے سی بند تھا ابوذر سکندر کے ساتھ سو جاتا جبکہ وہ اپنے بیڈ کے سرہانے ابوذر کا چھوٹا پنکھا لگا دیتی ایک ایسا گھر جہاں کا ہر کمرہ اے سی ہو وہاں اسے ایک پنکھے کی سہولت بھی میسر نہ تھی اور وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ سب اسے ذلیل کرنے کے لیے کیا جا رہا تھا مگر کیا کرتی وہ خود اپنے

دل کے ہاتھوں مجبور تھی جس کے سبب وہ اس گھر میں ذلت کی زندگی گزار رہی تھی اس امید کے ساتھ کہ اسے اس گھر کے ہر فرد سے اپنا انتقام لینا تھا اور یہ انتقام وہ ابوذر کی صورت میں ہی لے سکتی تھی اتنی پابندیوں کے باوجود ابوذر کو یہاں سے نکال کر لے جانا ایک ایسا طمانچہ تھا جو وہ پورے اور بھرپور انداز سے سکندر اور فاطمہ کے منہ پر مارنا چاہتی تھی۔

اسے اپنے رب سے پوری امید تھی کہ وہ اسے اس عمل کا موقع ضرور فراہم کرے گا وہ اللہ کی رحمتوں سے مایوس ہونا نہ چاہتی تھی اب ایک اور نئی کل کے انتظار میں وہ خاموشی سے آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر لیٹ گئی جب کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا اس کا دل ہی نہ چاہا کہ وہ دیکھے کمرے میں کون آیا ہے وہ اسی طرح خاموشی سے ساکت وصامت لیٹی رہی۔

"نیبو سو گئی ہو؟" خوشبو کے تیز جھونکے کے ساتھ ہی روزینہ کی آواز بھی اس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔

"نہیں بھابھی آجائیں آپ" وہ آہستہ سے کہتی اٹھ بیٹھی۔

"اے سی کیوں بند ہے تمہارا گرمی نہیں لگ رہی تمہیں۔"

روزینہ جو چوبیس گھنٹہ اے سی میں گزارنے کی عادی تھی ایک دم ہی کمرے کی گرمی سے گھبرا اٹھی جبکہ نیبو پچھلے کئی دنوں سے اسی طرح زندگی بسر کرنے کی عادی ہو چکی تھی یا شاید مجبوری انسان سے وہ سب کچھ کروالیتی ہے جو عام حالات میں اسے ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

"اے سی خراب ہو گیا ہے۔" نیبو اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"اوہ۔۔۔" روزینہ نے ہونٹ سکوڑے۔

"اگر خراب ہو گیا تھا تو کسی کو دکھا دیتیں گیس کا مسئلہ ہو گا یا مجھ سے کہتیں میں ٹھیک کروا دیتی بہرحال میں تمہیں اسی لیے کہتی ہوں میرے ساتھ چلو خواہ مخواہ میں کیوں ایک تیسرے درجے کے شہری کی طرح اس گھر میں زندگی گزار رہی ہو بلکہ میرا خیال ہے کہ ابھی چلو میرے ساتھ ویسے بھی رات میں میرے کچھ مہمان آرہے ہیں تمہاری مدد سے مجھے کام میں آسانی ہو جائے گی۔" وہ ایک کے بعد ایک تمام تفصیل بتاتی چلی گئی اس کی اس ساری تفصیلی وضاحت سے نیبو کو کوئی دلچسپی نہ تھی اس کا دھیان تو مکمل طور پر گھڑی کی جانب مرکوز تھا جس کی لمحہ بہ لمحہ آگے کی جانب بڑھتی سوئیاں اسے احساس دلا رہی تھیں کہ آج کا ایک اور دن بھی ضائع ہو گیا۔

"پھر کیا سوچا تم نے چل رہی ہو آج میرے ساتھ میرے گھر۔" اسے مسلسل خاموش دیکھ کر روزینہ نے زور سے پکارا۔

"آں ہاں۔۔۔" وہ یک دم چونکی۔

"بھابھی آج تو بہت مشکل ہے اصل میں آج میری طبیعت خراب ہے شاید مجھے فوڈ پوائزن ہو گیا ہے جس کے سبب میرے پیٹ میں سخت تکلیف ہے۔" وہ اپنی آواز میں ممکنہ حد تک نقاہت بھرتے ہوئے بولی۔

"اوہ گاڈ تمہیں تو فوراً" سے بیشتر کسی ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔" نیبو کا بروقت بنایا ہوا بہانہ اس کے کام آہی گیا۔

"تم ایسا کرو جلدی سے اٹھ کر تیار ہو جاؤ میں تمہیں کلینک لے جاتی ہوں۔" روزینہ کی یہ آفر بالکل غیر متوقع تھی، نیبو فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی اپنا دوپٹہ اوڑھا اور ہینڈ بیگ کندھے پر ڈال لیا ابوذر کی انگلی تھام کر باہر نکلتے ہوئے وہ مسلسل دل ہی دل میں آیت کریمہ کا ورد کر رہی تھی۔

"مامی میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہی ہوں۔" روزینہ نے لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو کر فاطمہ کو اطلاع دی۔

"اچھا۔۔۔" فاطمہ شاید نیند کے زیر اثر تھیں ویسے بھی وہ روزینہ سے تھوڑا سا دبتی تھیں یہ ہی وجہ تھی جو وہ اس سے کسی بھی قسم کا بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرتی تھیں۔

"ابوذر کہاں ہے؟" اگلے ہی پل فاطمہ کی آنے والی آواز نے نیبو کی سانس بند کر دی اسے اپنا منصوبہ ایک بار پھر ناکام ہوتا نظر آیا۔

"وہ بھی ساتھ ہی ہے" میں دوائی دلا کر ابھی دونوں کو چھوڑ جاؤں گی۔" فاطمہ خاموش ہو گئیں مگر جانے کیوں وہ اٹھ کر روزینہ کے ساتھ ساتھ چلتی باہر کے مین گیٹ تک آگئیں حالانکہ وہ ایک بار لیٹ جاتی تو پھر ایک گھنٹہ بعد ہی اٹھتی تھیں۔

"اماں میرے لیے ایک رینبو آئس کریم لے کر آنا۔"

حماد کب باہر آیا اسے پتا ہی نہ چلا یا شاید اپنی پریشانی میں اس نے دھیان بھی نہ دیا تھا اب جو اس کی آواز سنی تو یکدم جاتے جاتے واپس پلٹ آئی۔

"ہاں بیٹا ضرور۔" اس نے جھک کر حماد کے گال پر بوسہ دیا۔

"جلدی آؤ نیبو مجھے بچوں کو ان کے اسکول سے پک کرنا ہے دیر ہو جائے گی۔" روزینہ کی آواز سنتے ہی وہ جلدی جلدی مین گیٹ عبور کر کے باہر گاڑی میں جا بیٹھی اس نے گاڑی کو یوٹرن لے کر واپس موڑا فاطمہ ابھی بھی گیٹ میں ہی کھڑی تھیں گاڑی کے گلی کے سرے پر پہنچتے ہی نیبو نے گردن موڑ کر دیکھا فاطمہ ابھی بھی وہیں اپنی جگہ پر کھڑی تھیں نیبو کو محسوس ہوا وہ کچھ پریشان سی تھیں شاید وہ نیبو کے ساتھ ابوذر کو بھیج کر پچھتا رہی تھیں موڑ مڑتے ہی تھوڑا سا آگے ایک مقامی ڈاکٹر کا کلینک تھا روزینہ نے وہاں پہنچ کر گاڑی مین روڈ پر ہی روک دی اور جلدی جلدی اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم نکالی۔

"تم یہ پیسے رکھ لو اندر ڈاکٹر شافریز ہو گا اسے چیک کروا کر گھر واپس چلی جانا میرے بچوں کی چھٹی کا ٹائم ہو رہا ہے مجھے دیر ہو جائے گی۔" اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس قدر آسانیاں فراہم کرے گا یہ تو اس نے سوچا بھی نہ تھا روزینہ کی یہ آفر شاید خدا کی طرف سے ہی کوئی مدد تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر خاموشی سے پیسے تھام لیے اور دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر نکل آئی اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا وہ خوف زدہ تھی اسے چاروں جانب سکندر کا ہیولہ دکھائی دے رہا تھا۔

"تم یہاں سے واپس گھر جا سکتی ہو نا صرف دس منٹ کی واک پر ہے۔"

"جی بھابھی میں اس مارکیٹ تک ہمیشہ اکیلی ہی آتی ہوں آپ بے فکر ہو کر جائیں۔" اس نے روزینہ کو یقین دہانی کروائی اور خود ابوذر کا ہاتھ تھامے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی روزینہ زوردار آواز کے ساتھ گاڑی بھگاتی ہوئی لے گئی، نیبو تیزی سے سامنے نظر آنے والی مارکیٹ کے اندر داخل ہو گئی وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی اسے خدشہ تھا کہیں فاطمہ اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں تک نہ آجائیں اپنی اپنی مصروفیات میں مگن کسی بھی فرد نے نیبو پر دھیان نہ دیا وہ تقریباً" بھاگتی ہوئی مارکیٹ کے دوسرے دروازے سے باہر نکل آئی سامنے ہی ٹیکسی کھڑی تھی وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی۔

"پٹانگ جایا چلو گے؟" اس نے اپنی آواز کو حتی الامکان دباتے ہوئے کہا اسے خدشہ تھا کہیں اس کے ہونٹوں سے نکلا ہوا کوئی لفظ فاطمہ یا سکندر کے کانوں سے نہ جا ٹکرائے اسی سبب اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔

"پچیس رنگیٹ لوں گا۔" ٹیکسی ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا وہ خاموشی سے اندر بیٹھ گئی، ساتھ ہی اس نے اپنے پرس پر ہاتھ ڈال کر دس رنگیٹ ڈرائیور کی سمت بڑھا دیے جو کرایہ کی ایڈوانس رقم تھی باقی پیسے اسے پٹانگ جایا پہنچ کر دینے تھے جو یہاں سے تقریباً" ایک گھنٹہ کے فاصلے پر تھا۔

"یہ وہ ایڈریس ہے جہاں تم نے مجھے پہنچانا ہے" اس نے ڈرائیور کی سمت WAO کے ایڈریس والی پرچی بڑھائی جسے خاموشی سے اس نے تھام کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ گاڑی کے اگنیشن میں چابی لگا کر اسے اسٹارٹ کر دیا اگلے ہی پل دھیرے دھیرے رینگتی گاڑی مین روڈ پر آگئی، اس نے بے اختیار گردن موڑ کر پیچھے کی جانب دیکھا، لمحہ بہ لمحہ آگے کی جانب بڑھتی ٹیکسی

اس کے ماضی کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔ اس نے ان گلیوں پر دیر تک الوداعی نظر ڈالی جہاں اس کی زندگی کے بدترین سات سال گزرے تھے اس کے ساتھ ہی حماد کی یاد ایک ٹیس بن کر اس کے دل میں ابھری جو یقیناً اپنی رینبو آئس کریم کے انتظار میں لاؤنج کے دروازے پر ہی موجود ہو گا اے کاش میں ایک آخری بار اسے آئس کریم دے سکتی اس سوچ کے ساتھ ہی آنسو قطرہ قطرہ بن کر اس کی آنکھوں سے بہنے لگے جانے وہ کب تک اسی طرح روتی رہتی کہ ایک دم ہی موبائل کی وائبریشن نے اسے چونکا دیا وہ ڈر گئی اس نے جلدی جلدی اپنے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈال کر سیل ڈھونڈا اسکرین پر ربیعہ کا نمبر تھا اسے یاد آیا اس کا یہ نمبر سوائے ربیعہ اور شوبھا کے کسی کے پاس بھی نہ تھا کئی دیر سے رکا ہوا اپنا سانس بحال کرکے اس نے یس کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگا لیا۔

"ہیلو۔" سرگوشی کی مانند آواز اس کے ہونٹوں سے نکلی۔

"کہاں ہو تم؟" دوسری طرف ربیعہ کی آواز کی بے قراری بتا رہی تھی کہ اسے نیبو کے گھر سے ابوذر کو لے کر فرار ہونے کی خبر پہنچ چکی ہے۔

"کیوں کیا ہوا؟" جواب دینے کے بجائے اس نے ٹیکسی ڈرائیور پر ایک نظر ڈالتے ہوئے محتاط انداز میں سوال کیا دونوں کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو مکمل اردو زبان میں تھی جو یقیناً "ملائی ڈرائیور نہ جانتا تھا پھر بھی احتیاط اس کی اولین ترجیح تھا۔

"تمہاری ساس اور سکندر کا فون آیا تھا تمہارا پوچھ رہے تھے۔"

ربیعہ کے جواب دیتے ہی اس نے بے اختیار اپنی ریسٹ واچ پر نظر ڈالی ابھی اسے گھر سے نکلے تقریباً" پینتالیس منٹ ہوئے تھے اور اتنی دیر میں ہی اس کی تلاش کا عمل شروع بھی ہو گیا یقیناً" اس کی سابقہ ساس اس کے گھر سے نکلتے ہی ڈاکٹر شافریز کے کلینک آئی ہو گی جہاں اسے موجود نہ پا کر فوراً" سکندر کو اطلاع دی گئی پھر اپنے طور پر بھی اسے یہاں وہاں تلاش کرنے کے بعد ربیعہ سے رابطہ کیا گیا۔

"میں WAO پہنچ کر تم سے رابطہ کروں گی تم پریشان مت ہونا ابوذر میرے ساتھ ہے اور ہم دونوں ان شاء اللہ خیر خیریت سے اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔"

ربیعہ کو تسلی دینے کے ساتھ ہی اس نے فون بند کر دیا گاڑی WAO کے گیٹ پر پہنچ چکی تھی، بڑی سی اونچی اونچی دیواروں والی عمارت جس کا دروازہ اس کی شناخت کے بعد کھول دیا گیا اندر داخل ہوتے ہی اس کا استقبال ایڈا نے کیا، جو اسے آنٹی نوما کے آفس لے گئی، آنٹی نوما نے سب سے پہلے اسے WHO کے تمام قوانین سے آگاہ کیا جس کے بعد اس سے رجسٹریشن فارم فل کروایا گیا رجسٹریشن کے بعد اس کے حوالے کمرے کی چابی کر دی گئی، ساتھ ہی انہوں نے اپنے سامنے رکھی گھنٹی بجا کر سہتی کو بلایا جو ایک دبلی پتلی ملائی لڑکی تھی۔

"پہلے تمہیں ہال لے کر جائے گی جہاں WAO کی رہائش پذیر تمام خواتین تم سے ملاقات کریں گی اور ہاں تم جتنا عرصہ یہاں رہو گی تمہیں ان سب کے ساتھ مل جل کر رہنا ہو گا گیتی تم سب کی انچارج ہے اس کے ساتھ مل کر فیصلہ کر لینا کہ تم یہاں کون سا کام کر سکتی ہو کیونکہ یہ سب یہاں کے کام آپس میں مل بانٹ کر کرتی ہیں یہاں کوئی کام والی نہیں ہے۔" آنٹی نوما نے اسے تمام تفصیل سے آگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے آنٹی۔" وہ اثبات میں جواب دیتی سہتی کے ساتھ باہر آ گئی اور پھر اس دن سے اس نے دوپہر کے کھانے کی ذمہ داری سنبھال لی جبکہ اپنے اپنے کمرے کی صفائی وہ سب خود کرتی تھیں۔

☆ ☆ ☆
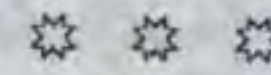
صبح جب وہ اٹھی تو اس کا سارا جسم دکھ رہا تھا ساری رات اسے ٹینشن سے نیند بھی نہیں آئی تھی لیکن اپنی یہ ٹینشن وہ مایا کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی یہی وجہ تھی کہ نہا دھو کر وہ اچھی طرح تیار ہو گئی، ساتھ ہی اس نے ابوذر کو بھی تیار کر لیا، اس کے بعد مایا کے ڈیڑھ سالہ بیٹے کو چینج کر کے فیڈر تیار کر کے دیا جبکہ اس کی بیٹی سیریا ابھی تک سو رہی تھی، نیبو نے الماری کھول کر اپنا تمام سامان بھی ہینڈ بیگ میں رکھ لیا اس کا یہ ہینڈ بیگ عام سائز سے خاصا بڑا تھا جس میں وہ اپنی ضرورت کی تمام اشیاء آرام سے رکھ لیتی ابھی بھی اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ WAO سے نکلتے ہوئے اپنے ساتھ تمام سامان لے کر نہیں آئی تھی ورنہ یہاں آ کر مشکل میں پھنس جاتی اس تمام عمل کے مکمل ہونے کے بعد اس نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی نو بجنے والے تھے اور مایا نے اسے یہ ہی ٹائم دیا تھا۔

اللہ کا نام لے کر وہ کمرے سے باہر آ گئی کاریڈور سے باہر نکلتے ہی اس کی نظر سامنے صوفے پر بیٹھی مایا پر پڑی جس کی نک سک سے کی گئی تیاری یہ بتا رہی تھی کہ وہ بھی ساتھ چلنے کو تیار ہے ورنہ عام طور پر اس وقت وہ ہمیشہ نائٹی میں ہی ملبوس نظر آتی تھی، نیبو تھوڑا سا پریشان ہو گئی اگر یہ اس کے ساتھ WAO جاتی تو پھر بہت مشکل تھا کہ نیبو اس سے اپنی جان چھڑا پاتی، بہرحال اسے یہاں واپس تو نہ آنا تھا یہ تو طے تھا اب یہ کس طرح ممکن بنانا تھا یہ سب اسے وہاں جا کر سوچنا تھا اسے امید تھی اس سلسلے میں آنٹی نوما ضرور اس کے کام آئیں گی۔

"اوہ گڈ......" اس پر نظر پڑتے ہی مایا نے ستائشی انداز میں ہونٹ سکوڑے یہ اس کا مخصوص اسٹائل تھا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ تم وہ ہی روتی دھوتی شکل لے کر باہر آ جاؤ گی مگر تمہیں اتنا اچھا تیار دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی بہرحال میں نے ٹیکسی کے لیے فون کر دیا ہے ڈرائیور آنے والا ہو گا، میرے اعتماد کا بندہ ہے راستہ میں جاتے ہوئے کدائی گامبا (فوٹو شاپ) سے تمہاری کچھ فوٹوز بھی بنوا کر مجھے سینڈ کر دے گا اور بحفاظت تمہیں واپس بھی لے آئے گا۔"

"کیوں آپ میرے ساتھ نہیں جا رہیں؟" اپنی خوشی کو اندر ہی دباتے ہوئے اس نے سرسری سا انداز اختیار کیا۔

"نہیں اصل میں آج صبح میری ایک آنٹی کا انتقال ہو گیا ہے لہٰذا مجھے جنازے کے ساتھ قبرستان جانا ہے۔" اس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ..... اچھا۔" نیبو جانتی تھی کہ یہاں کی تمام خواتین مردوں کے ساتھ قبرستان جاتی اور تدفین کا مکمل عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتیں جب کہ اتنے سالوں کی یہاں رہائش کے باوجود وہ کبھی بھی خود کو اس لمحہ میں قبرستان جانے کے لیے تیار نہ کر سکی تھی اور اس سلسلے میں کبھی سکندر نے اس پر دباؤ بھی نہ ڈالا تھا۔

"ٹھیک ہے ڈرائیور آ گیا ہے تم جاؤ لیکن اس کے ساتھ ہی واپس آ جانا میں نے تمہارے پاسپورٹ کے لیے ایڈوانس رقم دے دی ہے اب مجھے کوئی دھوکہ مت دینا۔"

شاید مایا کی چھٹی حس اسے کسی بات کے غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ جس کی بنا پر وہ نیبو سے یقین دہانی چاہتی تھی کہ وہ واپس پلٹ کر آئے گی۔

"لیکن مجھے اپنے زیور اور رقم کے لیے سیانگ جانا پڑے گا۔"

"وہ بھی تمہیں ڈرائیور لے جائے گا میں نے اسے پندرہ رنگیٹ ایڈوانس دے دیے ہیں باقی یہ بیس رنگیٹ تم رکھ لو، دس واپس آ کر ڈرائیور کو دینا اور دس تمہارے فوٹوشوٹس کے لیے ہیں۔"

نیبو کے ساتھ ساتھ چلتی وہ باہر آ گئی، کچھ دیر کھڑے ہو کر ڈرائیور کے ساتھ آہستہ آہستہ جانے کیا گفتگو کی جو نیبو کو سمجھ ہی نہ آئی ایک تو اس کی آواز بہت دھیمی تھی دوسرا وہ ڈرائیور کو لے کر ذرا دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

"میں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا ہے تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہ ہو گی اور ہاں تم WAO میں زیادہ وقت مت لگانا جلد ہی وہاں سے نکل کر سیانگ چلی جانا۔"

مایا نے اپنے مسلسل بجتے موبائل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اسے پھر سے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔" نیبو اسے جواب دے کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کردی ابھی وہ گیٹ سے باہر بھی نہ نکلی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا اسکرین پر نظر آنے والا نمبر مایا کا تھا جو کچھ دور پیچھے روش پر کھڑی تھی۔

"اب کیا مصیبت ہو گئی۔" اس نے جھنجلاہٹ سے سوچتے ہوئے یس کا بٹن دبایا۔

"جی بولیں ـــــ" وہ اپنی بیزاریت کو چھپاتے ہوئے بولی۔

"جاتے ہوئے یاد سے اپنی فوٹوز لے کر مجھے سینڈ کر دینا میں انتظار کروں گی اور ہاں جلدی واپس آنے کی کوشش کرنا تم سے ملنے ایجنٹ نے آنا ہے۔"

"اوکے ـــــ" مختصر سا جواب دے کر اس نے فون بند کر دیا' وہ جانتی تھی کہ یہ مایا کا اسے اپنے جال میں پھنسانے کے لیے پھینکا جانے والا دانا ہے لیکن شاید مایا یہ نہ جانتی تھی کہ نیبو جیسے پرندے کو مایا کے دانے کی اب ضرورت نہ رہی تھی۔

اس کا سیل دو دن بند رہنے کے بعد رات ہی مایا نے چارج کر کے دیا تھا جس پر دھڑا دھڑ ربیعہ کے کئی میسج آچکے تھے جنہیں ابھی تک اس نے کھول کر بھی نہ پڑھا تھا۔ ابھی بھی وہ یہ تمام میسج WAO جا کر ہی پڑھنا چاہتی تھی لہٰذا خاموشی سے اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں فون رکھ کر ابوذر کو بسکٹ کا پیکٹ کھول کر دیا اور خود کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے نظاروں پر نظر ڈالنے لگی جب گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی اس نے بے اختیار سامنے دیکھا ایک چھوٹی سی مارکیٹ تھی یقیناً" یہاں کوئی فوٹو اسٹوڈیو تھا جس کی بنا پر ڈرائیور نے ٹیکسی روکی تھی۔

ڈرائیور کے باہر نکلتے ہی وہ بھی خاموشی سے باہر نکل کر اس کے پیچھے اس مارکیٹ میں داخل ہو گئی جہاں سامنے ہی "فیری کدائی گامبا" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ ڈرائیور کے ساتھ ہی وہ اندر داخل ہو گئی' وہاں شاید پہلے ہی اس کی آمد کے متعلق علم تھا جاتے ہی اسے اندر ڈارک روم لے جایا گیا تقریباً" پندرہ منٹ مختلف زاویوں سے اس کی کچھ تصاویر لی گئیں وہ جانتی تھی کہ پاسپورٹ کے لیے ایسی تصاویر کی ضرورت نہیں ہوتی مگر اس وقت وہ کسی سے بھی جواب طلبی کی پوزیشن میں نہ تھی یہ ہی وجہ تھی کہ خاموشی سے اپنا فوٹو سیشن کروا کر وہ باہر آگئی۔

"تم ویٹنگ روم میں بیٹھو میں ابھی تمہاری فوٹوز لے کر میڈم کو سینڈ کر دوں۔"

اسے اندر ویٹنگ روم میں بٹھا کر ڈرائیور فوراً" باہر نکل گیا' نیبو خاموشی سے کرسی پر بیٹھ کر آیت الکرسی کا ورد کرنے لگی اس کا دل گھبرا رہا تھا وہ جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی تقریباً" دس منٹ بعد ہی ڈرائیور واپس آگیا۔ اس نے ہاتھ میں لیپ ٹاپ اٹھا رکھا تھا۔

"آجائیں میم ـــــ"

دروازے پر کھڑا ہو کر اسے پکارتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دیا نیبو بھی اس کی تقلید میں باہر آگئی گاڑی میں بیٹھتے ہی اس نے سکھ کا سانس لیا ٹیکسی کے اسٹارٹ ہوتے ہی مایا کا فون پھر سے آگیا جانے کیوں نیبو کو گھر سے WAO کے لیے بھیج کر مایا کچھ بے چین سی ہو گئی تھی۔

"ایسا کرو تم جہاں بھی ہو وہاں سے واپس آجاؤ WAO کل چلی جانا آج فوراً" واپس میرے گھر آؤ تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" فون کان سے لگاتے ہی مایا کی بے قرار آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"لیکن کیوں؟" نیبو نے حیرت سے دریافت کیا۔

"دراصل تم سے ملنے اینڈریو آرہا ہے' تم آج اس سے مل لو ہو سکتا ہے وہ ایک' دو دن میں ہی تمہیں پاسپورٹ بنوا دے۔" ترپ کا ایک اور پتا۔

"اوکے ـــــ" مختصر سا جواب دے کر اس نے فون بند کر دیا مگر اس کا ارادہ قطعی واپس جانے کا نہ تھا یہ ہی سوچ کر وہ خاموشی سے گاڑی کی سیٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی' کچھ ہی دیر بعد وہ WAO کے بڑے سے گیٹ کے سامنے تھی اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے ابوذر کو ہاتھ سے تھام کر نیچے اتارا۔

"میم آپ کتنی دیر میں واپس آرہی ہیں؟" ابھی وہ گیٹ تک ہی پہنچی تھی جب اسے اپنے پیچھے ٹیکسی ڈرائیور کی آواز سنائی دی وہ واپس پلٹی۔

"یہ تم اپنے باقی دس رنگیٹ لے کر یہاں سے جاؤ مجھے فی الحال واپس نہیں جانا اگر میڈم تمہیں فون کریں تو انہیں بتا دینا کہ میں سیانگ سے ہو کر خود ہی واپس آجاؤں گی وہ بے فکر رہیں۔" ڈرائیور کی ہتھیلی پر دس رنگیٹ رکھ کر وہ تیزی سے WAO کا گیٹ پار کر کے اندر آگئی جہاں آتے ہی اسے تحفظ کے احساس نے اپنے حصار میں لے لیا بے شک یہاں اسے کام کے ساتھ ساتھ سب کی باتیں بھی سننا پڑتی تھیں مگر پھر بھی یہاں وہ محفوظ تھی وہ آنٹی نوما کے آفس کی جانب چل دی۔

"تم نے اپنی کزن سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔" آنٹی نوما کے آفس میں داخل ہوتے ہی انہوں نے پہلا سوال یہ ہی کیا۔

"نہیں آنٹی دراصل مجھے ٹائم ہی نہیں ملا۔" وہ جواب دے کر وہیں بیٹھ گئی سب سے پہلے ضروری تھا کہ وہ انہیں' مایا کی تمام حقیقت بتاتی پھر کوئی دوسرا کام کرتی۔

"تو ٹھیک ہے تم ابھی اس سے بات کر لو وہ بے حد پریشان ہے پہلے اسے تسلی دو پھر مجھے بتاؤ تم خود اتنی پریشان کیوں ہو؟"

آنٹی نوما غالباً" اس کے چہرے سے ہی اس کے دل کی کیفیت بھانپ چکی تھیں نیبو نے بنا کوئی جواب دیے اپنا فون نکالا وہاں کوئی دس مایا کی مس کالز تھیں یقیناً" وہ اسے مسلسل فون کر رہی تھی اور اب کچھ بعید نہ تھا جو وہ کچھ ہی دیر میں یہاں آجاتی لہٰذا ضروری تھا کہ جلد از جلد ربیعہ کو اپنی خیریت بتا کر آنٹی نوما سے بات کی جائے' وہ ان پر واضح کرنا چاہتی تھی کہ اسے اب دوبارہ مایا کے ساتھ واپس نہیں جانا۔

☆ ☆ ☆

"تم کسی بھی طرح کی یونگ پہنچو فردوس خان آگیا ہے اور وہ تم سے ابھی ملنا چاہتا ہے۔" شمریز کے اس پیغام نے نیبو کے جسم میں بجلی سی بھر دی اس نے جلدی جلدی ابوذر کو تیار کر کے اس کے لمبے بالوں کی دو پونیاں بنائیں شمریز خان کی ہدایت کے مطابق اس نے ابوذر کے حلیے کو مکمل طور پر لڑکیوں والے حلیے میں تبدیل کر دیا تھا' اپنے لمبے بالوں کی پونی اور فراک کے ساتھ وہ لڑکی ہی نظر آتا اگلے تیس منٹ کے اندر ٹرین کے ذریعے وہ کی یونگ پہنچ چکی تھی جہاں ایک پاکستانی ہوٹل کے بڑے سے ہال میں شمریز کے ساتھ فردوس خان بھی موجود تھا پھر اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا احترام کا یہ انداز نیبو کو اچھا لگا۔

"آؤ بہن بیٹھو ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔"

وہ ابھی ٹیبل کے قریب پہنچی ہی تھی کہ بنا تعارف کے ہی فردوس خان اسے پہچان گیا وہ خاموشی سے اس کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تمہیں شمریز نے یقیناً" میرے بارے میں سب کچھ بتایا ہو گا میں یہیں قریب میں ہی رہتا ہوں یہاں میرے ساتھ میری بیوی اور چار عدد بچے بھی ہیں' میری ہمیشہ سے یہ کوشش ہوتی ہے کہ تم جیسے پریشان اور بے یار و مددگار ہم وطنوں کے کام آسکوں اور مجھے بہت خوشی ہوتی ہے جب بھی کبھی میں اپنی کسی ایسی کوشش میں کامیاب ہوتا ہوں اور یقیناً" اب بھی ایسا ہی ہو گا کیونکہ میں کبھی بھی اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتا۔" نیبو خاموشی سے سر جھکائے اس کی تمام گفتگو سن رہی تھی۔

"اب ایسا ہے کہ وطن واپسی کے لیے تمہارا پاسپورٹ بننا بہت ضروری ہے جس کے لیے تمہیں پرانے پاسپورٹ کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی لازمی طور پر چاہیے ورنہ اس کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔"

"مگر ـــــ" نیبو نے گلا کھنکار کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"میں سب کچھ جانتا ہوں۔" فردوس خان نے ہاتھ

اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"مجھے شمریز نے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے، تمہارے پاسپورٹ کی ایف آئی آر کے لیے میں ابھی خود تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

بات کے اختتام پر ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے ساتھ ہی شمریز بھی اٹھ گیا، ان دونوں کی تقلید میں نیبو بھی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوٹل سے باہر آگئی اور پھر اگلے ہی دس منٹ بعد وہ فردوس خان کی گاڑی میں مقامی پولیس اسٹیشن پہنچ گئی جہاں اندر داخل ہوتے ہوئے وہ تھوڑا سا گھبرا رہی تھی۔

"ڈرو مت، ایف آئی آر کا اندراج تمہارا قانونی حق ہے جو تم سے کوئی نہیں چھین سکتا، باقی رہے تمہارے اور تمہارے اس خبیث مرد کے اختلافات وہ سب بعد کی باتیں ہیں جس کا تعلق یہاں، اس علاقے کی پولیس سے نہیں ہے۔" فردوس خان کی تسلی کے بعد وہ اندر داخل ہو گئی۔

"تم یہاں بیٹھو اگر تمہاری ضرورت پڑی تو میں تمہیں اندر بلوالوں گا۔" فردوس خان کی ہدایت کے عین مطابق وہ باہر رکھی کرسی پر ہی بیٹھ گئی اسے حیرت ہوئی جب صرف پندرہ سے بیس منٹ کے اندر اس کے اس پاسپورٹ کی ایف آئی آر درج ہو گئی جس کے لیے وہ پچھلے کئی ماہ سے خوار ہو رہی تھی، ایف آئی آر کی فیس سات رنگیٹ تھی جو فردوس خان نے خود ادا کی یہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا نیبو کو یقین ہی نہ آرہا تھا۔

"اب تم یہ ایف آئی آر لے کر سفارت خانے جاؤ وہاں درخواست جمع کرواؤ کہ تم کو نیا پاسپورٹ جلد از جلد جاری کیا جائے۔"

فردوس نے پرانے پاسپورٹ کی ایف آئی آر اس کے حوالے کرتے ہوئے سمجھایا نیبو نے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں تھما کاغذ کا ٹکڑا لے لیا اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ فردوس خان کے اس احسان کا شکریہ کس طرح ادا کرے۔

"بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ۔۔۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"بھائی بھی کہتی ہو اور شکریہ بھی ادا کرتی ہو یاد رکھو بھائیوں کو صرف دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس ایک بہن کی طرح میرے لیے ہمیشہ دعا کرنا کہ میں تمہیں تمہارے اپنوں کے پاس پہنچانے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"ان شاء اللہ۔" قریب کھڑے شمریز نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"بس اب تم جاؤ کل صبح سفارت خانے چلی جانا پھر مجھے بتانا کہ انہوں نے کتنا وقت دیا ہے یہ میرا کارڈ رکھ لو اب جب بھی ضرورت پڑے مجھ سے ہی رابطہ کرنا۔"

وہ کارڈ دے کر باہر نکل گیا، نیبو اسے پشت کی جانب سے کھڑی دیکھتی رہی یقیناً" فردوس خان ایک ایسا فرشتہ تھا جسے شاید قدرت نے اس کا نجات دہندہ بنا کر بھیجا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم جانتی ہو تم نے مایا کے ساتھ جا کر کتنا خطرناک کام کیا تھا وہ تو تمہاری قسمت اچھی تھی جو بچ گئیں ورنہ آج شاید تھائی لینڈ کے کسی بار میں رل رہی ہوتیں اور تمہارا بیٹا کسی چوراہے پر بھیک مانگ رہا ہوتا۔" عبدالوہاب غصے سے چیختا ہوا بولا۔

آج مایا نے اس سے ملنے WAO آنا تھا جس کی بنا پر توما آنٹی نے صبح ہی اسے سیانگ بھیج دیا تھا، جانے وہ کیوں نیبو کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی تھی، اسے مسلسل فون کرتی اس کا کہنا تھا وہ نیبو کے کام کے سلسلے میں اینڈریو کو ایک خطیر رقم دے چکی ہے اور اب نیبو کے اس طرح مکرنے پر یہ رقم ضائع ہو جائے گی جبکہ نیبو اسے بتا چکی تھی کہ اب اسے کسی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہے مگر پھر بھی وہ باز نہیں آرہی تھی یہ ہی وجہ تھی جو آج اس کا فون آتے ہی وہ ٹیکسی لے کر سیانگ آگئی۔ اور یہاں آتے ہی عبدالوہاب نے اسے آڑے ہاتھوں لیا وہ ان دونوں میاں بیوی کی بے لوث محبت سے واقف تھی اسی سبب اسے عبدالوہاب کی کوئی بات بری نہیں لگ رہی تھی، اپنے اتنے سالہ تعلقات میں اس نے آج پہلی بار عبدالوہاب کو اس قدر غصہ میں دیکھا تھا اور وہ جانتی تھی کہ اس کا یہ غصہ جائز تھا اسی بنا پر وہ خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔

"اس نے نیٹ کے ذریعے تمہاری تصاویر یقیناً" کسی بروکر کو بھیجی ہوں گی جس سے وہ تمہارا ایڈوانس بھی پکڑ چکی ہے یہ ہی وجہ ہے جو وہ اس قدر تمہارے پیچھے خوار ہے ورنہ اس تیز رفتار زمانے میں کسی کے پاس اتنا وقت نہیں ہے جو وہ لوگوں کے پیچھے بھاگنے میں ضائع کرے بہرحال آئندہ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو میں ابوذر سکندر کے حوالے کر کے تمہیں تن تنہا پاکستان واپس بھیج دوں گا۔"

"ایک منٹ ذرا خاموش ہوں۔" ربیعہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کروایا اور اپنا سیل نیبو کی طرف بڑھایا۔

"تمہاری امی کا فون ہے بات کر لو۔" اس کے کوئی جواب دینے سے قبل ہی ربیعہ اس کے کان سے فون لگا چکی تھی اس نے خاموشی سے سیل تھام لیا۔

"السلام علیکم مما۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔

"یہ تم کہاں غائب ہو کوئی اتا نہ پتا تم نے تو ہم سب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔" اس کے سلام کے جواب میں ردا کی متوحش آواز سنائی دی۔

"میں ربیعہ کے گھر ہوں اور اس سے قبل جہاں تھی خدا کا شکر ہے خیریت سے تھی۔"

"دیکھو نیبو خدا کے واسطے ابوذر کو اس کے باپ کے حوالے کر دو اور خود خاموشی سے وطن واپس آجاؤ تم نہیں جانتیں تمہاری اس طرح گم شدگی نے ہمیں کس قدر پریشان کر رکھا ہے اوپر سے دنیا والے طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں ایک جوان اور خوب صورت لڑکی کا یوں تن تنہا پھرنا کتنی بدنامی کا باعث ہوتا ہے تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے؟ اوپر سے سکندر نے ہمیں فون کر کر کے ہلکان کر رکھا ہے بس بہت ہو گیا تم آج ہی سانپ کی اولاد اس کے باپ کے حوالے کرو اور اس سے اپنے کاغذات واپس لو، یہاں آتے ہی ہم تمہاری شادی سنان سے کر دیں گے۔"

"سنان۔۔۔" وہ چونکی اسے سوچنے پر بھی یاد نہ آیا کہ یہ نام اس نے پہلے کہاں سنا ہے۔

"مما یہ سنان کون ہے؟" اس نے غائب دماغی سے دریافت کیا۔

"کیا مطلب تمہارا تم سنان کو نہیں جانتیں۔"

دوسری طرف ردا کو ایسا محسوس ہوا جیسے نیبو اپنے حواسوں میں بھی نہ ہو اس کے اس سوال نے ردا کو تھوڑا سا پریشان کر دیا۔

"نہیں مما میں صرف اور صرف ابوذر کو جانتی ہوں اس کے علاوہ میں دنیا کے کسی اور مرد کے نام سے واقف نہیں لہٰذا بہتر ہو گا آج کے بعد آپ مجھ سے کبھی بھی زندگی میں سنان کا ذکر دوبارہ نہ کریں۔"

"میری بات سنو نیبو یہ سب ڈرامہ ختم کرو، سکندر کا بیٹا اس کے حوالے کر کے خود پاکستان واپس آؤ جانتی ہو تمہاری اس حرکت نے سکندر اور اس کی ماں کو کتنا پریشان کیا ہے آنٹی فاطمہ ابوذر کے غم میں ہاسپٹلائزڈ ہیں۔"

غالباً" جنید نے ردا کے ہاتھ سے فون لے لیا تھا اور اب وہ نیبو کو خوب لتاڑ رہا تھا نیبو نے اپنے کان سے ریسیور ہٹا کر حیرت سے دیکھا اسے یقین ہی نہیں آیا کہ دوسری طرف اس کا اپنا سگا بھائی بول رہا ہے جسے نیبو سے زیادہ سکندر اور اس کی ماں کی فکر تھی یہ اس کا ماں جایا تھا جو ہر مقام پر اس کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کرتا، جانے اس کی یہ کوشش دانستہ ہوتی یا نادانستہ یہ بات آج تک وہ سمجھ نہ پائی تھی مگر اس وقت جنید کی اس گفتگو نے اس کی طبیعت کو خاصا مکدر کر دیا اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تھوڑی سی تلخ ہو گئی۔

"جنید بھائی ابوذر میرا بیٹا ہے آنٹی فاطمہ کا نہیں اگر میں حماد کے بغیر زندہ ہوں تو سکندر کو بھی ابوذر کی جدائی سہنی پڑے گی، مرد ہونے کی خود ساختہ برتری اسے "ماں" کے رشتہ پر فوقیت نہیں دیتی میں دو بچے جنم دے

کر صرف ایک کی حق دار رہوں تو وہ کس بل بوتے پر مجھ سے میرا یہ حق چھیننا چاہتا ہے اور معاف کیجیے گا کبھی میری جگہ رحاب بھابھی کو رکھ کر سوچیے گا تو آپ کو پتا چلے گا اولاد کا دکھ کیا ہوتا ہے۔" وہ بات کرتے کرتے رو پڑی۔

"دیکھو نبیرو میری بات سمجھنے کی کوشش کرو میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تمہارے ہی بھلے ....." جنید کی بات درمیان میں ہی رہ گئی جب بالکونی کے دروازے سے گھبرایا ہوا عبدالوہاب اندر داخل ہوا وہ خاصا حواس باختہ تھا۔

"جلدی سے فون بند کرو۔"

اس کی گھبراہٹ دیکھ کر نبیرو پہلے ہی فون بند کر چکی تھی اسے اپنے آس پاس خطرے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے رہی تھی وہ ہڑبڑا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی "جلدی یہاں سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچو ابھی ابھی مجھے عبدالرحمٰن (سکینہ کا شوہر) نے فون پر اطلاع دی ہے کہ سکندر پولیس کے ساتھ ہمارے گھر ہی کی طرف آرہا ہے۔"

عبدالوہاب کی بات ختم ہونے سے پیشتر ہی نبیرو نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور تیزی سے آگے بڑھ کر ابوذر کو گود میں لے لیا جو اس اچانک افتاد سے گھبرا کر رونے لگا اس کے فرائز بھی ٹیبل پر ہی بکھر گئے۔

"ایک منٹ عبدالوہاب اسے کچھ کھا تو لینے دیں صبح سے صرف چائے ہی پی ہے۔" ربیعہ جو ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی اسے اس طرح جاتا دیکھ کر برداشت نہ کر سکی اور فوراً ہی عبدالوہاب کو ٹوک بیٹھی۔

"نہیں اس خبر نے میری بھوک کو بالکل ختم کر دیا ہے یہاں سے نکل کر کچھ کھالوں گی کیونکہ زندہ رہنے کے لیے کھانا ضروری ہے پہلے مجھے یہاں سے نکلنے دو۔"

اسے رہ رہ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سکندر کو اس کی ربیعہ کے گھر موجودگی کی خبر جنید نے دی ہے جانے اس نے ایسا کیوں کیا؟ شاید بہن کی محبت میں یا اس احساس کے تحت کے پردیس میں جانے وہ کہاں کہاں خوار ہوتی پھر رہی ہے، جو بھی تھا جنید نے یہ اچھا نہ کیا تھا اور بات تو یقیناً" ربیعہ اور عبدالوہاب بھی جان چکے تھے کیونکہ اس کی یہاں موجودگی کی خبر صرف اور صرف اس کے گھر والوں کو ہی تھی جو یہ چاہتے تھے کہ وہ ابوذر سکندر کے حوالے کر دے۔

"رکو نبیرو ایک منٹ میری بات سنو۔"

باہر نکلتے نکلتے اسے دروازے پر ہی عبدالوہاب نے روک دیا۔

"تم ربیعہ کے ساتھ جاؤ یہ تمہیں بلڈنگ کے پچھلے گیٹ سے نکالے گی اور پھر تمہیں کسی شاپنگ مال یا پبلک پارک میں چھوڑ دے گی جہاں سے پولیس کی تلاشی کے بعد یہ تمہیں پھر سے واپس پک کر لے گی۔"

اسے ہدایات دے کر عبدالوہاب کوئی نمبر پریس کرتا واپس بالکونی کی جانب چلا گیا شاید وہ پھر سے عبدالرحمان سے رابطہ کر رہا تھا، کچھ عرصہ قبل تک تو سکندر اسے خود بھی فون کر لیتا تھا لیکن پچھلے دنوں کسی بات پر عبدالوہاب نے اسے بری طرح لتاڑ دیا تھا جس کے باعث اب ان دونوں کے درمیان بات چیت بالکل بند تھی، ربیعہ گاڑی کی چابی لے کر اس کے ساتھ ہی باہر آگئی اور لفٹ کے ذریعے نیچے بیسمنٹ میں چلی گئی جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی جبکہ نبیرو نے نیچے اترنے کے لیے سیڑھیاں استعمال کیں وہ جانتی تھی کہ سکندر اوپر جانے کے لیے ہمیشہ لفٹ استعمال کرتا تھا سیڑھیاں اتر کر وہ پچھلے گیٹ سے باہر آگئی جہاں پہلے ہی ربیعہ گاڑی لیے اس کا انتظار کر رہی تھی تھوڑی دیر بعد ہی ربیعہ اسے ایک شاپنگ مال پر اتار کر واپس چلی گئی وہ ابوذر کو لیے اندر داخل ہوئی ربیعہ نے گھر سے نکلتے ہوئے ابوذر کے فرائز اور اس کے لیے چکن بریانی پیک کر کے بیگ میں رکھ دیے تھے۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

نظیر فاطمہ

علاقے کی زیادہ تر خواتین شیخ کلاتھ ہاؤس والوں کے اخلاق کی وجہ سے انہی سے کپڑا خریدتی ہیں۔ لہٰذا دوسرے بہت سے گھروں کی طرح ہمارے گھر میں بھی کپڑا انہی کی دکان سے آتا ہے۔"

اس وقت اتفاق سے دکان پر صرف کاشف ہی موجود تھا۔ ابھی تین سال پہلے ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کا دو سال کا ایک بیٹا ہے۔ تقریباً" پندرہ دن

بازار میں پھر پھر کر میں بری طرح اکتا گئی تھی اور اب تھکنے کا بہانہ کر کے میں امی سے بار بار گھر چلنے کو کہہ رہی تھی۔ امی نے غصیلی نظر سے میری طرف دیکھا۔ کیونکہ میں پھرنے سے بالکل نہیں تھکتی، لیکن آپ بتائیں پچھلے تین گھنٹوں سے گھر کے مسالاجات، گوشت اور سبزیوں کی شاپنگ کرتے ہوئے بندہ اکتائے گا نہیں بھلا۔ ہاں اگر میں اپنے لیے کپڑوں، جوتوں اور کاسمیٹک کی شاپنگ کر رہی ہوتی تو پھر اور بات تھی۔

"بیٹا! پچھلے دنوں شیخ کلاتھ ہاؤس والوں کے بیٹے کاشف کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا، ان سے افسوس کر لیتے ہیں پھر گھر چلتے ہیں۔" امی نے اپنی بات مکمل کر کے دکان کی سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا تو ناچار مجھے بھی ان کے پیچھے جانا پڑا۔ شیخ کلاتھ ہاؤس ہمارے بازار میں کپڑے کی سب سے پرانی اور بڑی دکان ہے۔ ہمارے

پہلے کاشف کی بیوی اچانک پیٹ کے درد کی وجہ سے فوت ہوگئی تھی۔ جوان موت تھی۔ سب کو بہت افسوس تھا۔ امی جیسے ہی دکان میں داخل ہوئیں، کاشف نے فوراً" اپنی جگہ سے اٹھ کر امی کو سلام کیا۔ امی نے "وعلیکم السلام" کہہ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔ میں بھی امی کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ کاشف بھی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

"کاشف بیٹا! بہت افسوس ہوا تمہاری بیوی کے انتقال کا۔ بس بیٹا اللہ کی مرضی کے سامنے ہم سب بے بس ہیں۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد امی نے کہا اور کاشف صاحب تو جیسے انتظار میں تھے۔

"او خالہ جی! بس کیا بتاؤں جی ہم دونوں میں بڑا پیار تھا جی۔ وہ میرے بغیر بالکل نہیں رہتی تھی جی۔ اے دیکھو جی! میری یاد میں اس نے پوری پوری ڈیریاں (ڈائریاں) بھری ہوئی ہیں جی۔" اس کے اس طرح بولنے پر مجھے عجیب سا گدگداتا احساس ہونے لگا۔ کاشف کے بولنے کا انداز ایسا تھا کہ میں نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی۔ کاشف نے اسی پر بس نہ کی، بلکہ اس نے دو، تین ڈائریاں میرے اور امی کی طرف بڑھا دیں۔

"اے دیکھو خالہ جی، اس نے ان ڈائریوں میں کیا، کیا لکھا ہے؟" امی نے ڈائری پکڑ کر کھولے بنا سامنے رکھی ہوئی میز پر رکھ دی اور میں سکتے کی کیفیت میں آگئی۔ (بھلا کوئی اپنے پرسنلز کو اس طرح بھی عام کرتا ہے؟)

"خالہ جی! یہ دیکھیں یہ میری اور اس کی تصویریں۔ دیکھیں ہم دونوں میں کتنا پیار تھا جی!" (جی اس کا تکیہ کلام تھا۔) اس نے تین، چار تصویریں امی کے ہاتھ میں پکڑائیں۔ میں بھی امی کے ساتھ تصویریں دیکھنے لگی۔ پہلی دو تصویروں میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے مسکرا رہے تھے، لیکن آخری دو تصویریں خاصی "بے باکانہ" تھیں۔ میں نے گھبرا کر امی کی طرف دیکھا تو انہوں نے وہ تصویریں ڈائری کے اوپر رکھ دیں۔

"خالہ جی! میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا جی۔ ہم دونوں کا جو تعلق تھا نا جی وہ بہت کم میاں، بیوی کا ہوتا ہے۔" کاشف پھر شروع ہو چکا تھا۔ اب تو امی بھی اس کی مسلسل چلتی زبان سے پریشان ہوگئی تھیں۔ وہ اٹھنے کے لیے پر تولنے لگیں۔ اتنے میں دکان میں ایک اور ماڈرن سی آنٹی اور ان کی بیٹی داخل ہوئیں۔ وہ بھی شاید خریداری کے ساتھ ساتھ "تعزیت" کا فریضہ نبھانے آئی تھیں۔ کاشف یہ بھانپ چکا تھا۔ وہ فوراً" ڈائریاں اور تصویریں اٹھا کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔ امی نے موقع غنیمت جانا اور مجھے چلنے کا اشارہ کرکے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ جب تک ہم دکان سے باہر نکلے۔ کاشف ان آنٹی کو اپنی "لو اسٹوری" سنانے میں مصروف ہو چکا تھا۔ دکان سے باہر آکر میں نے اپنی جان بوجھ کر روکی ہوئی سانس سینے سے خارج کی اور ہنسنے لگی۔ میں نے امی کی طرف دیکھا تو مجھے ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ کا شائبہ ہوا۔ لیکن شاباش ہے میری ماں پر جو کبھی ہم بچوں کو کسی دوسرے پر ہنسنے کی اجازت دی ہو۔ مجھے ہنستے دیکھ کر امی نے فوراً" اپنی مسکراہٹ پر قابو پایا اور مجھے گھور کر دیکھا۔

"کیا بدتمیزی ہے، ہما تم نے کوئی لطیفہ سن لیا ہے، جو دانت نکال رہی ہو۔ شرم تو نہیں آتی کسی کے دکھ پر ہنستے ہوئے۔" امی نے مجھے آہستہ آواز میں گھرکا۔ اب امی کو کیا بتاتی میں کہ اس کے دکھ پر نہیں اس کے انداز پر ہنس رہی تھی۔ کاشف کا انداز کسی لطیفے سے کم تو نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا بتاؤں آپا! میں نے سوچا اب بازار آئی ہوں تو کاشف سے افسوس بھی کرلوں۔ مجھے لگتا ہے کہ بیوی کی بے وقت موت سے اس کے اعصاب بری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ آپا! میرے افسوس کرنے کی دیر تھی کہ وہ نا صرف مجھے اپنی محبت کے قصے سنانے لگا، بلکہ اپنی پرسنل ڈائریاں اور کچھ تصویریں بھی نکال کر میرے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ ہما میرے ساتھ تھی۔ مجھے بڑا عجیب سا محسوس ہو رہا تھا اور مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں یہ پگلی اس کے سامنے ہنسنا نہ شروع کردے۔ آپ اس کی ہنسی کو جانتی تو ہیں ایک دفعہ شروع ہو جائے تو رکنا محال ہو جاتا ہے۔ میں تو اس وقت سے کاشف کے لیے دعا کر رہی ہوں اللہ اسے صبر دے۔" شام کو امی تائی جی کے پاس بیٹھی انہیں سارا قصہ سنا رہی تھیں۔ میری امی پورا ایک ہفتہ کاشف کی حالت پر افسوس کرتی رہی تھیں۔

اس واقعے کے تقریباً" دو ماہ بعد کی بات ہے کہ مجھے لان کے کچھ سوٹ لینے تھے۔ میں امی کے ساتھ شیخ کلاتھ ہاؤس گئی۔ دکان پر کاشف کے ابو اور چھوٹا بھائی تھے۔ میں اور امی کپڑے دیکھ رہے تھے۔ جب تک سک سے تیار کاشف اپنے بیٹے کو اٹھائے دکان میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی سب کو مشترکہ سلام کیا۔ اس نے کوئی تیز سی خوشبو لگا رکھی تھی، جس سے ساری دکان مہک اٹھی تھی۔ اس کے آتے ہی اس کا وہ بھائی جو ہمیں کپڑے دکھا رہا تھا وہ کسی کام سے چلا گیا۔ وہ شاید کاشف کے آنے کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ کاشف کے ابو دوسرے گاہکوں کے ساتھ مصروف تھے۔ کاشف نے اپنے بیٹے کو کرسی پر بٹھایا اور ہمیں کپڑے دکھانے لگا۔ آج وہ بہت فریش اور خوش لگ رہا تھا۔ امی نے اس کے بچے کی طرف پیار سے دیکھا۔

"کاشف! تم اپنے بیٹے کو اب روز ساتھ ہی لے آتے ہو؟ ظاہر ہے بے چارا گھر میں کس کے پاس رہے گا ماں تو اس کی رہی نہیں۔ اچھا ہے تم اسے اپنے ساتھ ہی رکھتے ہو۔" امی نے پہلے سوال کیا اور پھر خود ہی اس کا جواب بھی دے دیا۔

"ارے خالہ جی! ماں کیوں نہیں ہے اس کی جی۔ آپ کو نہیں پتا پچھلے جمعے کو میرا نکاح ہو گیا ہے جی میرے چاچے کی بیٹی کے ساتھ۔ وہ جی بہت اچھی ہے میرے بیٹے کو بہت پیار کرتی ہے جی۔ آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو میں بچے کو اپنے ساتھ لے آیا ہوں، تاکہ اسے تنگ نہ کرے۔ ویسے ایک بات بتاؤں میری بیوی نا مجھ سے بہت پیار کرتی ہے جی...." اس سے پہلے کہ کاشف اپنی موجودہ بیوی اور اپنی "لو اسٹوری" اسٹارٹ کرتا حیرت کی تصویر بنی میری امی نے فوراً" خود کو سنبھالا۔

"اچھا بیٹا! اللہ مبارک کرے۔" امی نے اسے مبارک باد دی جو اس نے خوش دلی سے اس طرح قبول کی، جیسے یہ اس کی پہلی شادی ہو۔ کاشف جو ڈھائی مہینے پہلے اپنی پہلی بیوی کی موت پر غم سے ادھ موا ہوا جا رہا تھا، آج اس نے بھول کر بھی اپنی پہلی بیوی کا نام نہیں لیا تھا۔

"ارے خالہ جی! میں نکاح کے بعد آج ہی دکان پر آیا ہوں۔ آپ بیٹھیں جی، میں مٹھائی منگواتا ہوں آپ کے لیے۔" کاشف کی پیش کش پر امی نے کہا۔

"ارے بیٹا! مٹھائی پھر کبھی سہی۔ ابھی تم یہ چار سوٹ پیک کردو۔" امی نے لان کے چار سوٹ الگ کرتے ہوئے کہا۔ کاشف سوٹ پیک کروانے لگا۔

"امی دیکھا! اس دن کیسے رو رہا تھا اور آج کیسے خوش ہو رہا ہے۔" مجھ سے رہا نہ گیا تو میں نے امی کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔ امی نے حسب سابق مجھے گھور کر چپ رہنے کی تنبیہہ کی۔

اور مجھے وہ شام یاد آئی جب امی نے کاشف سے اس کی بیوی کی موت پر افسوس کرنے والا واقعہ تائی کو سنایا تھا تو وہ ذرا متاثر نہیں ہوئی تھیں۔

"ارے بی بی جانے دو۔ تم نے سنا نہیں ہے کہ بیوی کی موت کہنی کی چوٹ ہوتی ہے، جو لگتے وقت تو بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے، لیکن تھوڑی دیر بعد بھول جاتی ہے۔ (واقعی جب ہماری کہنی پر چوٹ لگتی ہے تو ہم سر سے لے کر پاؤں تک کانپ جاتے ہیں، لیکن چند سیکنڈ بعد اس تکلیف کا نام و نشان بھی نہیں رہتا۔) تم دیکھنا یہ کاشف بھی جو اب اپنی بیوی کی موت پر باؤلا ہو رہا ہے نا کچھ ہی عرصے بعد دوسری شادی کرکے اس بہشتن کو بھول بھال جائے گا۔" تائی نے شان بے نیازی سے کہا تھا۔ آج میں اس کہاوت "بیوی کی موت، کہنی کی چوٹ" کی صداقت پر سو فیصد ایمان لے آئی ہوں، کیونکہ میں نے اس کا عملی مظاہرہ شیخ کلاتھ ہاؤس میں دیکھ لیا ہے۔

☆ ☆

نبیلہ عزیز

درد دل

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں' مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے' وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے' جس کے پیش نظر فائزہ بیگم' نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں' لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے' جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے' مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے' مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا' بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے' لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے بابا امتیاز مل جاتا ہے جو اسے کام کی آفر کرتا ہے' جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے' اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے' وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے' وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دلاور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے' وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے' اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا' اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دلاتی ہیں۔

ستائیسویں قسط

اس کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔
اور وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت و صامت سی اپنی جگہ پہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ اس کی رگوں میں دوڑتا لہو بھی جیسے منجمد ہو چکا تھا اور وہ سر سے پاؤں تک برف کی مانند ٹھنڈی پڑنے لگی تھی۔ کیونکہ خود سے سرزد ہونے والی خطا اور دل آور شاہ کی طرف سے ملنے والی سزا کے بارے میں سوچ کر ہی اس کے پیروں تلے سے زمین سرکنے لگی تھی۔

"رک کیوں گئی ہو... ؟ کھولو نا... نمبر بالکل کریکٹ بتایا ہے میں نے... پریس کرو... فوراً کھل جائے گا۔"

وہ اس کی حالت سے بے خبر لاپروائی سے کہتا اپنے پیچھے دروازے کا بولٹ چڑھا کر قدم بہ قدم چلتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا اور وہ اسے دروازے کا لاک لگا کر اپنی سمت بڑھتے دیکھ کر اور زیادہ خوف زدہ ہو گئی تھی' وہ کانپتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ بمشکل قدم اٹھاتی اس سے دور رہنے کے لیے پیچھے ہٹنے لگی تھی' وہ ایک ایک قدم آگے بڑھ رہا تھا اور وہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ رہی تھی' یہاں تک کہ بیڈ روم کی کشادگی ان دونوں کے قدموں میں سمٹ گئی تھی اور علیزے پیچھے ہٹتے ہٹتے الماری سے جا لگی تھی اور وہ اس کے بے حد قریب آرکا تھا اور اس کی نظریں علیزے کے گلابی رخساروں کو چھونے لگی تھیں۔

"تم آج پہلی بار میرے بیڈ روم میں آئی ہو... اور میں ٹھہرا مہمان نواز بندہ... مہمانوں کی خوب خاطرداری کرتا ہوں... سر آنکھوں پہ بٹھاتا ہوں... اور اگر مہمان تمہارے جیسا ہو تو دل میں جگہ دیتا ہوں... اس لیے آج ایسا کرو... یہیں رہو... میرے پاس... میرے بیڈ روم میں... تمہاری جان کی قسم خاطرداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔"

دل آور کی نظریں ہی نہیں لہجہ بھی بہکا ہوا سا لگ رہا تھا اور علیزے کی جان فنا ہو گئی تھی' اس کے پورے جسم کے اک اک روئیں سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہوا تھا اور اس کی خوبصورت پیشانی پہ پھوٹنے والے ننھے ننھے کانچ کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے بھی دل آور کی نظروں سے چھپے ہوئے نہیں رہ سکے تھے' وہ اسے بڑے غور سے اور بڑے قریب سے دیکھ رہا تھا۔

"بولو... !بنو گی مہمان... ؟" اس نے کافی گمبھیر لہجے میں پوچھا تھا' اس کی آواز خمار آلود ہو رہی تھی اور علیزے کے دل و دماغ کی حرکت جیسے بند ہونے لگی تھی۔

"م... مجھے جانے دو... پ پ... پلیز... ڈرائیور... مجھے جانے دو..." علیزے بمشکل اپنی قوت گویائی کا استعمال کر پائی تھی۔ ورنہ وہ تو جیسے اپنی ساری ہمتیں اور ساری قوتیں ہی کھو بیٹھی تھی۔

"جانے دوں... ؟ کہاں جانے دوں... ؟ رات بہت کالی اور موسم بہت سرد ہے... ایسے جان لیوا لمحات میں تمہیں اگر جانے دوں تو خود کدھر جاؤں... ؟" اس کی آواز' اس کی آنکھیں اور اس کا لہجہ دھڑکتی خواہشوں اور بہکتے جذبات کے بوجھ سے بوجھل ہو رہے تھے اور علیزے مرجانے کو تھی۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی ڈرائیور... !مجھے معاف کر دو... پلیز... مجھے جانے دو... میں آئندہ تمہارے بیڈ روم میں نہیں آؤں گی۔" علیزے کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور وہ کہتے کہتے رو پڑی تھی۔

اور پھر دل آور کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے نرم و گداز اور گلابی گلابی سے رخسار آنسوؤں کے نمکین پانیوں سے بھیگتے چلے گئے تھے... دل آور نے آج پہلی بار اپنی آنکھوں کے سامنے گلابی پھولوں پہ شبنم ٹپکنے کا منظر دیکھا تھا اور اس دلفریب منظر کا فسوں اس کے چہار سو پھیل گیا تھا اور وہ اس فسوں خیزی کے ہاتھوں مخمور سا ہونے لگا تھا۔

"جانتی ہو اس وقت تم جس کنڈیشن میں ہو' یہ کنڈیشن مردوں کو کتنا اپیل کرتی ہے... ؟"

دل آور نے اپنے دونوں ہاتھ علیزے کے دائیں بائیں الماری پہ جماتے ہوئے علیزے کے بچاؤ کے تمام راستے مسدود کر دیے تھے اور اس کے اس طرح دائیں بائیں ہاتھ جما کر کھڑے ہونے سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ پورے کی پوری اس کی بانہوں کے حصار میں آ گئی ہو' فرق بس اتنا تھا کہ اس حصار میں وہ اس کے سینے سے نہیں بلکہ الماری سے لگی کھڑی تھی' لیکن دل آور کی بات پہ اس نے یکدم کرنٹ کھا کے اسے دیکھا تھا اور اس کی گولڈن براؤن آنکھوں کے متوحش سے تاثر پہ دل آور نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"روتی بلکتی ہوئی عورت مرد کے جذبات کی آگ پہ تیل کا کام کرتی ہے اور آگ پہ تیل کا اثر تو تم جانتی ہی ہو گی؟ سب کچھ جل کے راکھ ہو جاتا ہے۔" دل آور کے لہجے اس کی باتوں اور اس کے تیوروں سے علیزے بری طرح خائف ہو چکی تھی اور اس کے منہ سے گھٹی گھٹی سی سسکیاں ابھرنے لگی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو... پلیز ڈرائیور... مجھے معاف کر دو... مجھے جانے دو..." علیزے نے بے بسی سے ایک بار پھر التجا کی تھی۔

"تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے میرے بیڈ روم تک آنے کی جرات کی ہے اور تمہاری اس جرات کو خراج تحسین پیش کیے بغیر تمہیں جانے دوں؟ یہ بھی تو مناسب نہیں لگتا نا؟ کچھ تو ہونا چاہیے آخر... ؟" دل آور کے عزائم خطرناک لگ رہے تھے۔

"نن... نہیں... !پلیز ڈرائیور نہیں... میں مر جاؤں گی..." علیزے کا خون خشک ہو چکا تھا وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"اف یار... !مر تو میں جاؤں گا اگر میرے سامنے اس طرح کھڑی التجائیں کرتی رہو گی... ؟ اور تمہاری ان التجاؤں پہ میری' میرے ہی دل سے ٹھن جائے گی' دشمن ہو جائیں گے ہم ایک دوسرے کے..." دل آور نے بھی بے بسی کا اظہار کیا تھا اور علیزے بھی بے بسی کے مارے رو رہی تھی اس کے آنسو زار و قطار بہے چلے جا رہے تھے۔

"لگتا ہے کہ آج تم دل آور شاہ کو ڈبو کر ہی چھوڑو گی... ؟" دل آور نے اپنا دایاں ہاتھ الماری سے ہٹا کر اپنی انگلی سے اس کی ٹھوڑی کو اٹھا کر اس کا چہرہ اونچا کیا تھا اور اس کی انگلی کا ذرا سا لمس بھی علیزے کے لیے بجلی کے کسی ننگے تار سے کم نہیں تھا اس کی سسکیاں ہچکیوں میں بدلنے لگی تھیں اور جان لبوں پہ آ گئی تھی جیسے اب نکلی کہ تب نکلی۔

"تم اور تمہاری ذات کورے کاغذ کی طرح ہے' بالکل سادہ' بالکل صاف' اندر باہر سے ایک جیسی پانی جیسی شفاف' بے ضرر اور بے ریا... کبھی کبھی بہت اچھی لگتی ہو... تم پہ رحم بھی آتا ہے... دل چاہتا ہے تمہاری کورے کاغذ جیسی ذات پہ پورے کے پورے دل آور شاہ کو چھاپ دوں' اپنا حرف حرف' لفظ لفظ لکھ ڈالوں' رنگ ڈالوں تمہاری ذات کو..." دل آور نے انتہائی گمبھیر آواز میں کہتے ہوئے اسے خاصی گہری نظروں سے دیکھا تھا اور اس کی نظروں کے مفہوم سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے ضرور کچھ ٹھان رکھی ہے۔ جس کو دیکھ کر علیزے کو اپنے اعصاب مفلوج ہوتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"لیکن پھر سوچتا ہوں کہ تم وقار آفندی کی بیٹی ہو..." دل آور نے وقار آفندی کے نام پہ نفرت سے سر جھٹکا تھا اور علیزے اس کی اتنی نفرت پہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"البتہ آج یہ اعتراف ضرور کروں گا کہ تم بڑے بڑے زاہدوں کو بھی رند کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہو' آج اس وقت اس جگہ کوئی اور ہوتا تو تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو چکا ہوتا' دانتوں پسینہ آ جاتا ہے تمہیں دیکھتے ہوئے... تمہیں دیکھنا اور دیکھ کر اپنے آپ میں رہنا صرف دل آور شاہ کا حوصلہ ہے' ورنہ ممکن ہی نہیں کہ اپنے آپ میں رہا جائے۔"

دل آور نے اس کی خوبصورتی کے سحر کو برملا تسلیم کیا تھا‘ کیونکہ وہ لگی لپٹی بات کرنے کا عادی نہیں تھا۔

”مجھے جانے دو ڈرائیور... ! پلیز... تمہیں خدا کا واسطہ... مجھے جانے دو... میں اب کبھی بھی تمہارے بیڈروم میں نہیں آؤں گی... مجھ سے غلطی ہوگئی... پلیز مجھے معاف کردو... میں تمہارے سامنے ہاتھ جوڑتی ہوں‘ پلیز...“

علیزے اس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے رو پڑی تھی اور اب کی بار ایسی دھواں دھار روئی تھی کہ سب کچھ جل تھل ہوگیا تھا‘ لیکن اس سے پہلے کہ دل آور مزید کچھ کہتا اچانک اس کی جیب میں موبائل کی وائبریشن ہونے لگی تھی اور اس نے فوراً موبائل جیب سے نکال لیا تھا اور عبداللہ کا نمبر دیکھتے ہی کال ریسیو کرلی تھی۔

”السلام علیکم... !“ اس کا لہجہ‘ اس کا انداز‘ اس کے تیور بدل چکے تھے بالکل پہلے جیسے ہوگئے تھے جن میں نہ کوئی خمار تھا اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی بوجھل پن تھا۔ چند منٹ پہلے کے لمحات کا تو شائبہ تک نظر نہیں آرہا تھا۔

”وعلیکم السلام... ! کیسے ہو... ؟“ عبداللہ نے کافی بشاشت سے پوچھا تھا۔

”اکیلا ہوں... تنہا ہوں... تڑپ رہا ہوں...“ دل آور نے افسردگی سے کہا تھا اور جواباً عبداللہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

”ہاہاہا... ! تم تنہا ہوسکتے ہو... مگر کبھی تڑپ نہیں سکتے۔“ عبداللہ کے لہجے میں یقین تھا۔

”کیوں... ؟ کیا تم مجھے مردہ تصور کرتے ہو... ؟ کیا میرے سینے میں دل اور جسم میں جان نہیں ہے کہ میں تڑپ نہیں سکتا؟ کیا میری رگوں میں جذبات نہیں دوڑتے؟ یا پھر تم سمجھتے ہو کہ میں انسان نہیں بجلی سے بنا روبوٹ ہوں کوئی... ؟“

دل آور نے جل کے کہا تھا اور موبائل کے ایئرپیس سے عبداللہ کے مسلسل قہقہوں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

”یہ جتنی حالتیں تم نے گنوائی ہیں نا... “ ان میں سے صرف پہلی حالت چھوڑ کے باقی سب پرفیکٹ ہیں‘ میں تمہیں بالکل ایسے ہی سمجھتا ہوں کہ تمہارے سینے میں دل اور جسم میں جان نہیں ہے‘ اس لیے تم تڑپ نہیں سکتے... اور تمہاری رگوں میں جذبات نہیں صرف خون دوڑتا ہے... اور یہ بھی کہ تم واقعی بجلی سے بنے روبوٹ ہو اور بس اپنے کام نپٹاتے پھر رہے ہو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں...“ عبداللہ کی مسکراہٹ دل آور بنا دیکھے بھی محسوس کرسکتا تھا۔

”میں اس کے علاوہ بھی اور بہت کچھ ہوں ملک صاحب... !“

”یہ روبوٹ کتنا رومانٹک ہے... ؟ یہ بات میری شادی کے بعد میری بیوی سے پوچھنا...“ دل آور نے کافی معنی خیزی سے کہا تھا۔ اور عبداللہ کا ایک بار پھر قہقہہ بلند ہوا تھا۔

”ہاہاہا... ! یہ بات تو ہم پوچھے بغیر بھی جانتے ہیں کہ تمہاری بیوی کے کانوں سے دن رات دھواں نکلا کرے گا آخر تمہاری باتیں جو ایسی ہوتی ہیں...“ عبداللہ نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

”اس وقت صرف باتیں نہیں ہوں گی جناب... ! عمل بھی ہوگا...“ دل آور نے ایک اور معنی خیز پوائنٹ بتایا تھا اور عبداللہ کا حشر ہوگیا تھا اس کی پسلیوں میں درد ہونے لگا تھا اتنا زیادہ ہنسنے اور قہقہے لگانے کی وجہ سے...

اور علیزے اس کو باتوں میں مصروف دیکھ کر آہستگی سے الماری سے ہٹ کے دروازے کی سمت بڑھی تھی اور دل آور کی بے دھیانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکل جانا چاہا تھا لیکن دو قدم آگے بڑھنے کے بعد ہی اس کے قدم رک گئے تھے کیونکہ اس کی کلائی دل آور کے مضبوط ہاتھ کے شکنجے میں آچکی تھی اور علیزے کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

”ہاری جائے گی...“ دل آور نے علیزے کو جن نظروں سے دیکھ کر کہا تھا ان پہ تو علیزے کو پورے جسم میں سنسناہٹ سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی مگر دوسری طرف عبداللہ کچھ نہیں سمجھا تھا۔

”کون... ؟“

”جو بھی آئے گی... !“ دل آور بات تو عبداللہ کے ساتھ کررہا تھا لیکن مفہوم علیزے کو سمجھا رہا تھا۔

علیزے کی کلائی ہنوز اس کے ہاتھ میں تھی اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی‘ کیونکہ وہ ایک غلطی پہ ایک اور غلطی کرنے چلی تھی پہلی کی ابھی معافی نہیں ملی تھی کہ اب ایک اور سزا کا اضافہ ہوگیا تھا۔

”بہت سفاک ہو یار... !“ عبداللہ نے تاسف کا اظہار کیا تھا۔

”نازک لوگوں کے ساتھ سفاک لوگ ہی سوٹ کرتے ہیں ملک عبداللہ صاحب... ! ورنہ نازک لوگ تو جان کو آجائیں۔“ اس نے ذرا استہزائیہ لہجے میں کہا تھا لیکن اب کی بار علیزے اس کی بات پہ نہیں بلکہ اس کے منہ سے نکلنے والے نام پہ چونکی تھی۔

”ملک عبداللہ صاحب... ؟“ اس نے اس نام کو بے ساختہ زیرلب دہرایا تھا‘ لیکن دل آور کا ذہن حد سے زیادہ کونیک تھا۔

ادھر علیزے نے ہونٹوں کو جنبش دی تھی اور ادھر اس کے ذہن نے کام دکھایا تھا‘ اس سے پہلے کہ علیزے اس نام کو دوبارہ ذرا بلند آواز سے دہراتی دل آور نے اس کی کلائی چھوڑ کر اپنا ہاتھ اس کے منہ پہ جما دیا تھا تاکہ عبداللہ کو اس کی آواز سنائی نہ دے‘ کیونکہ وہ اگر اس کی آواز سن لیتا تو اور سوال کرتا اور دل آور اپنی ریپوٹیشن خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے علیزے کی آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا جبکہ علیزے تڑپی تھی‘ پھڑپھڑائی تھی‘ روئی تھی... مگر دل آور شاہ کی مضبوط چوڑی ہتھیلی اپنے منہ سے نہیں ہٹا سکی تھی اور اس کوشش میں پیچھے ہٹتے ہوئے وہ دوبارہ الماری سے جا ٹکرائی تھی۔

”ویسے تمہارے ساتھ کوئی نرم و نازک سی لڑکی نہیں بلکہ اچھی خاصی سخت اور دھانسو قسم کی لڑکی ہونی چاہیے۔“

عبداللہ نے چڑنے والے انداز میں دانت کچکچا کے کہا تھا اور اب کی بار دل آور قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

”نو ٹینشن یار... ! جیسی بھی ملی‘ چلے گی... کیونکہ اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنا مجھے آتا ہے... نرم و نازک سی ملی تو اسے سخت بنا دوں گا اور سخت ملی تو اسے نرم و نازک کردوں گا... یہ مسئلہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں... بس خود میں صلاحیت ہونی چاہیے۔“

اس نے علیزے کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھا تھا اور وہ ایک بار پھر بے بس کونج کی طرح پھڑپھڑائی تھی۔

”دل آور... ! باز آجا...“ عبداللہ نے اسے تنبیہہ کی تھی۔

”او کے... ! آگیا باز... اب تم یہ بتاؤ کہ تم نے فون کیوں کیا ہے... ؟“ دل آور اصل سوال کی طرف آگیا تھا۔

”اف... ! تمہاری بے ہودہ گفتگو میں یہ بھی بھول گیا کہ فون کیوں کیا ہے... ؟“ عبداللہ نے جیسے اپنے سر پہ ہاتھ مارا تھا۔

”ٹھیک ہے... ! میں فون بند کردیتا ہوں‘ تم یاد کرلو کہ تم نے فون کیوں کیا ہے... ؟“ اس نے لاپروائی سے کہا تھا۔

”اچھا... ! بڑی جلدی ہے تمہیں فون بند کرنے کی... ؟“ عبداللہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تھا۔

”بس میرا دم گھٹ رہا ہے‘ فون بند کرکے تھوڑا ریلیکس ہونا چاہتا ہوں...“ دل آور اپنی آڑ میں علیزے کی فیلنگز بیان کررہا تھا‘ کیونکہ اس کا ہاتھ ابھی تک اس کے منہ پہ جما ہوا تھا۔

"او کے۔۔۔! کرو ریلیکس۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔" عبداللہ نے کہہ کر فون بند کردیا تھا اور دل آور نے گہری سانس کھینچتے ہوئے موبائل دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لیا تھا اور گردن موڑتے ہوئے علیزے کی سمت متوجہ ہوا تھا اور آہستگی سے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا تھا۔

"ہوں۔۔۔! اب بولو کیا کہنا چاہتی ہو۔۔۔؟" دل آور نے انتہائی گہری گہری سانسیں لیتی علیزے کو بولنے پہ اکسایا تھا۔

"عبداللہ کون ہے۔۔۔؟" علیزے نے اپنی تکلیف کو بھلا کر بے تابی سے پوچھا تھا۔

"تمہارا کزن۔۔۔ ملک شرافت علی کا بیٹا۔۔۔!" دل آور پلٹ کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف گیا اور وہاں سے سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر نکال کر سگریٹ سلگا لیا تھا۔

"میرا کزن۔۔۔؟" علیزے خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی۔

"ہاں۔۔۔! تمہارا کزن اور میرا دوست۔۔۔" وہ کہتے ہوئے اپنے بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا اور جھک کر دائیں ہاتھ سے اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگا تھا۔

"اور۔۔۔ اور۔۔۔ زری کون ہے۔۔۔؟" علیزے نے بڑی مشکلوں سے سوال پوچھا تھا اور اس کے سوال پہ دل آور نے تسمے کھولتے کھولتے یکدم سر اونچا کر کے اسے دیکھا تھا اس کے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔

"محبت۔۔۔!" اس نے بے ساختہ لفظ محبت ادا کردیا تھا اور علیزے نے چونک کر اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا۔

"کیا کہا۔۔۔؟ محبت۔۔۔؟" اس نے حیرانی سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ محبت۔۔۔! کیونکہ میری نظر میں اس کی یہی شناخت ہے۔۔۔" وہ بوٹوں کے تسمے کھول کر سیدھا ہو چکا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ میں سمجھی نہیں۔۔۔" وہ واقعی اس کی بات کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"تم کبھی سمجھوگی بھی نہیں کیونکہ یہ تمہاری سمجھ کی چیز نہیں ہے۔۔۔" وہ بوٹ اور جرابیں اتارنے کے بعد اپنی شرٹ کی آستینوں کے بٹن کھولنے لگا تھا اور ساتھ ساتھ سگریٹ اور اس کے دھوئیں سے بھی دل بہلاتا جارہا تھا۔

"محبت میری سمجھ کی چیز نہیں ہے۔۔۔؟" علیزے الجھ گئی تھی۔

"محبت تمہاری پوری حویلی کی سمجھ کی چیز نہیں ہے۔۔۔" وہ سگریٹ ہونٹوں میں دباتے ہوئے اب شرٹ کے سامنے والے بٹن کھول رہا تھا اور علیزے حیران اور الجھی الجھی سی بے دھیانی میں اسے دیکھے جارہی تھی۔

"مگر میں نے تم سے محبت کے بارے میں تو نہیں پوچھا۔۔۔؟" علیزے کی بات پہ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھتے دل آور کے قدم ٹھہر گئے تھے اور وہ یونہی کھلے گریبان سمیت پلٹ کر چلتا ہوا دوبارہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا جو ابھی تک الماری سے لگی کھڑی تھی۔

"مگر تم نے مجھ سے زری کے بارے میں تو پوچھا ہے نا۔۔۔؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

"تو تم زری کے بارے میں بتاؤ نا۔۔۔" علیزے نے تکرار کی تھی۔

"میری سمجھ بوجھ کی ڈکشنری میں زری کا مطلب محبت اور محبت کا مطلب زری ہے۔۔۔ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔۔۔" اس نے اب بھی بہت مبہم سا جواب دیا تھا۔

"زری اور عبداللہ کا آپس میں کیا رشتہ ہے۔۔۔؟" علیزے نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا تھا اور سوال بدل دیا تھا۔

"گڈ۔۔۔! یہ سوال اچھا ہے۔۔۔ زری اور عبداللہ بہن بھائی ہیں۔۔۔ عبداللہ ملک شرافت علی کا چھوٹا بیٹا اور زری

بھولی بیٹی ہے۔

بس یا اور کچھ۔۔۔؟" اس نے علیزے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا اور علیزے چپ کی چپ رہ گئی تھی

"اب وہ اور کیا پوچھتی۔۔۔؟

"نہیں۔۔۔! کچھ نہیں۔۔۔" اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تو پھر اب تم باعزت طریقے سے یہاں سے جا سکتی ہو۔۔۔" اس کے کہنے پہ علیزے نے یکدم نظریں اٹھا کر اسے دیکھا تھا حالانکہ دل آور نے شرٹ کے نیچے بھی وائٹ کلر کی بنیان پہنی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود علیزے اس کی شرٹ کے بٹن کھلے دیکھ کر نظریں جھکا گئی تھی۔

"کیا بات ہے۔۔۔؟ جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔۔۔؟" دل آور کے اگلے سوال پہ علیزے کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا تھا اور اس نے بے ساختہ قدم دروازے کی طرف بڑھا دیے تھے، لیکن دروازے کے قریب جا کر اس کے قدم رک گئے تھے اور اس نے دوبارہ پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

"ایک بات کہوں تم سے۔۔۔؟" وہ اس سے اجازت طلب کررہی تھی۔

"کہو۔۔۔!" اس نے ذرا سا جھک کر ایش ٹرے میں سگریٹ مسلتے ہوئے اسے اجازت دی تھی۔

"کیا تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں باعزت ہوں۔۔۔؟ کیا میری کوئی عزت باقی رہ گئی ہے تمہاری نظر میں۔۔۔؟" علیزے کی آنکھیں اور لہجہ زخمی ہورہے تھے اور حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکنے لگا تھا۔

"ہاں۔۔۔! مجھے اب بھی لگتا ہے کہ تم باعزت ہو۔۔۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ صرف میری نظر میں ہو، دنیا کی نظر میں نہیں۔ حالانکہ میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا، لیکن تمہارے میکے والے سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ہوچکا ہے اور میرا مقصد بھی یہی ہے، ان کو یقین دلانا کہ سب کچھ ہوچکا ہے، مگر حقیقت کیا ہے یہ تو صرف تم جانتی ہو کہ میں نے تمہیں بری نظر سے بھی نہیں دیکھا، میں نے تمہیں اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا ہے، اپنی کسی ہوس کے لیے نہیں۔۔۔ ہاں یہ افسوس کی بات ہے کہ وقار آفندی کی صرف ایک ہی بیٹی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کی کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اسے ٹارگٹ بنا لیتا اور تمہیں چھوڑ دیتا، لیکن یہ سب کچھ سہنا اور برداشت کرنا اب تمہاری مجبوری اور بے بسی ہے۔

بلکہ یہ بھی نہیں۔۔۔! کیونکہ تمہاری برداشت، مجبوری اور بے بسی کی حد تو اس وقت شروع ہوگی جب تم یہاں سے نکلوگی اور واپس اپنی حویلی جاؤگی اور تمہارا باپ تمہیں دیکھ دیکھ کر مرے گا اور مر مر کے جیے گا، تب میں تمہارے باپ سے پوچھوں گا کہ اذیت کیا ہوتی ہے۔۔۔؟ اور اس اذیت کے ناسور کو دل میں دبا کر جینا کیسا لگتا ہے۔۔۔؟ زندگی، موت۔۔۔ اور موت زندگی لگنے لگتی ہے، یہ جیتی جاگتی دنیا انسان پہ قبر کی طرح تنگ ہوجاتی ہے اور میں یہ دنیا وقار آفندی پہ تنگ کردینا چاہتا ہوں۔۔۔" دل آور کا لہجہ سخت اور بے رحم ہوچکا تھا اور علیزے ہمیشہ کی طرح دم بخود سی رہ گئی تھی جبکہ وہ مزید وہاں رکے بغیر واش روم میں چلا گیا تھا۔

وہ آج علیزے کے ساتھ جس طرح پیش آیا تھا اگر ایسا نہ کرتا تو یقیناً وہ آئندہ بھی نڈر ہو کر اس کے بیڈ روم میں آنے کی جرات کرسکتی تھی، لیکن دل آور نے اپنے تیور بدل کر اسے خائف کردیا تھا اور اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ اسے خائف کرنا۔۔۔ لیکن علیزے اس کے ہر مقصد سے بے خبر تھی اسی لیے مرے مرے قدم اٹھاتی واپس اپنے قید خانے میں آگئی تھی۔۔۔!

☆ ☆ ☆

عبداللہ گہری نیند سو رہا تھا جب گھر کے لینڈ لائن نمبر پہ رنگ ہونے لگی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دی

تھیں' کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا' اس نے ہاتھ بڑھا کے لیمپ جلا دیا تھا اور کال ریسیو کرلی تھی۔

"ہیلو۔۔۔!" اس کا لہجہ نیند سے بوجھل ہوچکا تھا' لیکن دوسری طرف کا لہجہ حد درجہ کرخت تھا' عبداللہ کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

"تم لوگوں نے ہماری نیندیں برباد کرنے کے بعد یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ تم لوگ سکون کی نیند سوئے رہو گے۔۔۔؟"

ملک اسد اللہ کی آواز اس کی سماعتوں کے لیے ایسے ہی ثابت ہوئی تھی جیسے کسی نے صور پھونک دیا ہو' عبداللہ اپنی کہنی پہ زور ڈالتے ہوئے فوراً" ذرا سا اونچا ہوا تھا۔

"یہی بات ملک حق نواز' بابا جان اور آپ خود کیوں نہیں سوچتے۔۔۔؟ آپ نے بھی تو آج تک ہزاروں لوگوں کی نیندیں برباد کی ہیں۔۔۔ ہزاروں پہ ظلم کیے ہیں۔۔۔ ہزاروں کو ستایا ہے آپ نے۔۔۔ تو اب آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آپ کو کسی کی آہ نہیں لگے گی۔۔۔؟ آپ کو کبھی مکافات عمل سے نہیں گزرنا پڑے گا۔۔۔ اور آپ کی نیندیں کبھی برباد نہیں ہوں گی۔۔۔؟ ہونہہ۔۔۔! یہ بھول ہے آپ کی۔۔۔ آپ کا وقت شروع ہوچکا ہے۔۔۔ اب آپ کی باری ہے۔۔۔ اب آپ نے جاگنا ہے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے گناہ گننے ہیں۔۔۔ جن کی تعداد لاتعداد ہے۔۔۔" عبداللہ نے بھی ان کو دندان شکن جواب دیا تھا جس پہ ملک اسد اللہ اور بھڑک اٹھے تھے۔

"ہم اپنے گناہ گنیں گے یا نہیں۔۔۔ لیکن تم دل آور شاہ کی زندگی کے دن گننا شروع کردو' اسے بتا دینا کہ اس نے شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالا ہے۔۔۔" ملک اسد اللہ نے انتہائی غضب ناکی سے انتہائی سفاک لہجے میں چبا کر کہا تھا۔

"یہ بات تو ایسے ہی ہو گئی ملک اسد اللہ صاحب۔۔۔ کہ جیسے میں اپنی زندگی کے دن گننا شروع کردوں۔۔۔؟ آپ نہیں جانتے کہ دل آور شاہ کی موت آپ کے لیے ملک عبداللہ کی موت ثابت ہوگی' اسے مارنے سے بہتر ہے کہ آپ مجھے مار دیں۔۔۔" عبداللہ اندر سے تڑپ کے رہ گیا تھا۔

"ضرورت پڑی تو تمہیں مارنے سے بھی گریز نہیں کریں گے ہم۔۔۔ تمہارا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہے ہمارے لیے۔۔۔ اور اگر ہم تمہارے ساتھ اس طرح پیش آسکتے ہیں تو دل آور شاہ تو کچھ بھی نہیں ہے ہماری نظر میں۔" ملک اسد اللہ خاصے تحقیر بھرے لہجے میں بولے تھے اور عبداللہ ان کی بے خبری اور خوش فہمی پہ استہزائیہ مسکرایا تھا۔

"دل آور شاہ کو عبداللہ مت سمجھیں ملک صاحب۔۔۔! جو آپکے ساتھ تھوڑی بہت رعایت برت دے گا۔۔۔ دل آور شاہ۔۔۔ دل آور شاہ ہے۔۔۔ رعایت کی گنجائش نہیں نکلتی اس کے پاس۔۔۔ وہ تخت یا تختہ والے محاورے کا پابند ہے۔۔۔ اور آپ اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالا ہے تو آپ صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ شیر کی کچھار میں شیر ہی ہاتھ ڈال سکتا ہے' یہ آپ کو آگے جا کر خود ہی پتا چل جائے گا۔۔۔" عبداللہ بھی ان کی آسانی سے دبنے والا نہیں تھا۔

"آگے جا کر کس کو پتا چلتا ہے اور کس کو نہیں۔۔۔ یہ تو وقت آنے کی بات ہے نا۔۔۔ ابھی تو ہم نے یہ اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے کہ ملک حق نواز کو اریسٹ کروا کر اس نے اچھا نہیں کیا' اسے اب بھی کہہ دو کہ باز آجائے ورنہ کسی کو انصاف دلاتے دلاتے خود اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوجائے۔۔۔؟" ملک اسد اللہ نے صاف کھلے لفظوں میں دھمکی دی تھی اور فون بند کردیا تھا اور عبداللہ ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو دیکھتا رہ گیا تھا۔ نجانے انہوں نے عبداللہ کے گھر کا نمبر کیسے۔۔۔؟ اور کہاں سے حاصل کیا تھا کہ فوراً" فون کھڑکا دیا تھا۔۔۔؟ حالانکہ اس کے گھر کا نمبر کوئی بھی نہیں جانتا تھا' لیکن پھر عبداللہ نے یہ سوچ کر سر جھٹک دیا تھا کہ واقعی ان سے کسی بھی قسم کی توقع کی جاسکتی ہے' وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں' کیونکہ بغیر کسی ایڈریس اور بغیر کسی اتے پتے کے وہ انگلینڈ جا کر اس کے گھر پہنچ گئے تھے تو پاکستان میں رہ کر اس کے گھر کا نمبر حاصل کرنا کون سا مشکل کام تھا ان کے لیے۔۔۔؟ عبداللہ نے سوچتے ہوئے ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا تھا اور اپنا موبائل اٹھا کر اس کی اسکرین سے ٹائم دیکھا تھا' صبح کے نو بج رہے تھے۔

"ارے۔۔۔! میں اتنی دیر تک سویا رہا۔۔۔؟ اور نگارش نے بھی آج نہیں جگایا۔۔۔؟" عبداللہ حیرانی سے کہتے ہوئے فوراً" کمبل ہٹا کر بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا' لیکن پھر کسی احساس کے تحت اس نے پلٹ کر بیڈ کی دوسری سائیڈ کی طرف دیکھا تھا اور چونک گیا تھا۔۔۔ نگارش بے سدھ پڑی تھی حالانکہ وہ اس وقت تک اٹھ کر ہزاروں کام بنا لیتی تھی' زری تو پھر بھی فجر کی نماز اور قرآن پاک پڑھنے کے بعد ذرا دیر کے لیے آرام کرلیتی تھی' لیکن نگارش نے تو آرام کرنا سیکھا ہی نہیں تھا وہ نماز اور قرآن پاک پڑھنے کے بعد ناشتے کی تیاری میں لگ جاتی تھی' لیکن آج اسے ہوش ہی نہیں تھا جبھی عبداللہ پریشانی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

"نگارش۔۔۔! نگارش۔۔۔! کیا ہوا۔۔۔؟ تم ٹھیک تو ہو۔۔۔؟" اس نے بیڈ کی دوسری سائیڈ پہ آکر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا' لیکن جیسے ہی اس نے نگارش کے رخسار کو تھپکا تھا وہ ٹھٹک گیا تھا کیونکہ وہ بہت تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔

"اف۔۔۔! اسے اتنا تیز بخار ہے اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔۔۔؟" عبداللہ پریشانی سے اس کی کلائی اور ماتھے کو چھو کر دیکھ رہا تھا۔

"نگارش۔۔۔!" اس نے نگارش کے قریب جھکتے ہوئے پکارا تھا۔

"ہوں۔۔۔!" نگارش نے آنکھیں کھولنے کی اور ذرا سا بولنے کی کوشش کی تھی' مگر نقاہت کی وجہ سے نہ وہ آنکھیں کھول سکی تھی اور نہ ہی کچھ بول سکی تھی۔

"میں زری کو بلاتا ہوں' پھر ہم تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں۔۔۔" وہ اس کا رخسار تھپک کر اس کی پیشانی پہ بوسہ دیتے ہوئے اٹھ کر بیڈ روم سے باہر نکل آیا تھا اور نیچے آتے ہی اسے زری ڈرائنگ روم میں بے چین سی ٹہلتی ہوئی ملی تھی وہ بھی پریشان تھی۔ عبداللہ کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر فوراً" اس کی طرف بڑھی تھی۔

"بھائی۔۔۔! بھابھی کہاں ہیں۔۔۔؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔۔۔؟ وہ ابھی تک اٹھیں کیوں نہیں۔۔۔؟" زری نے خاصی تشویش سے پوچھا تھا۔

"وہ بیڈ روم میں ہے' اسے بہت تیز بخار ہے' ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا پڑے گا۔۔۔" عبداللہ کے لہجے میں بھی پریشانی تھی۔

"اوف۔۔۔! مجھے تو پہلے ہی شک ہوگیا تھا کہ ضرور ان کی طبیعت خراب ہے' اسی لیے وہ ابھی تک نہیں اٹھیں۔۔۔" زری بھی پریشان اور فکرمند ہوگئی تھی۔

"آپ فریش ہو کر ناشتا کرلیں' پھر بھابھی کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتے ہیں' اتنی صبح تو کوئی ڈاکٹر بھی نہیں ملے گا۔" زری کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف آگئی تھی اور پھر دونوں بہن بھائی آگے پیچھے سیڑھیاں طے کرتے ہوئے اوپر بیڈ روم میں آگئے تھے۔

"بھابھی۔۔۔! بھابھی۔۔۔! کیسی ہیں آپ۔۔۔؟" زری نے اس کے پاس آکر بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

"زری۔۔۔؟" نگارش جیسے نیم بے ہوشی کی سی حالت میں تھی' اس کے ہونٹ غیر محسوس سے انداز میں ہلے تھے۔

"جی بھابھی۔۔۔! میں ہوں زری۔۔۔ یہ آپ نے راتوں رات اتنی طبیعت کیسے خراب کرلی۔۔۔؟ ہم کو بتایا بھی نہیں۔۔۔؟" زری نے اس کے بخار سے تپتے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں دبایا تھا۔

"زری...! پانی..." نگارش کا حلق اور ہونٹ خشک ہو رہے تھے اسی لیے اس نے پانی مانگا تھا بخار کی وجہ سے پیاس سے برا حال تھا۔
"جی بھابھی...! میں ابھی پانی لے کر آتی ہوں..." زری فوراً" وہاں سے اٹھ گئی تھی کیونکہ ان کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھا پانی کا جگ خالی تھا اس لیے اسے نیچے کچن میں آنا پڑا تھا اور پانی لا کر بمشکل اسے سہارا دے کر پانی پلایا تھا۔ اور اتنے میں عبداللہ شاور لے کر کپڑے چینج کر کے واش روم سے باہر نکل آیا تھا۔
"بھابھی اسپتال نہیں جاسکیں گی، ان کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے، باہر سردی ہے، آپ ایسا کریں کہ ڈاکٹر کو گھر بلالیں..." زری کو اندازہ ہو چکا تھا کہ نگارش اٹھ کر چل نہیں سکے گی اس لیے اس کی سہولت کی خاطر ڈاکٹر کو گھر بلانے کا مشورہ دیا تھا۔
"لیکن میں کس ڈاکٹر کو بلاؤں...؟ مجھے تو کسی کا پتا ہی نہیں ہے..." عبداللہ اس معاملے میں انجان تھا کیونکہ ابھی شہر میں اجنبی جو تھا۔
"تو آپ کسی سے پوچھ لیں نا...؟"
"کس سے پوچھوں...؟ دل آور تو اس وقت کورٹ میں ہوگا اور نبیل تو خود اس شہر میں میری طرح انجان ہے... خیر پھر بھی میں اسے ٹرائی کرتا ہوں..." عبداللہ ہیر برش ڈریسنگ ٹیبل پہ ڈال کر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھاتے ہوئے اس کا نمبر ڈائل کر چکا تھا۔
"ہیلو...!" دوسری طرف سے فوراً" ہی کال ریسیو ہوگئی تھی۔
"کہاں ہو...؟" عبداللہ نے سنجیدگی سے پوچھا تھا۔
"راستے میں ہوں... شوروم جا رہا ہوں..." نبیل گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔
"کسی ڈاکٹر کا کانٹیکٹ نمبر ہے تمہارے پاس...؟"
"کیوں...؟ خیریت...؟ کون بیمار ہے...؟" نبیل چونک گیا تھا۔
"نگارش کی طبیعت خراب ہے... اسے بخار ہے... اسے لے کر جانا مشکل ہے اس لیے سوچا ہے کہ ڈاکٹر کو یہیں بلا لیتے ہیں..." عبداللہ ذرا فاصلے پہ ہی کھڑا تھا اس کی باتیں زری کافی آسانی سے سن رہی تھی۔
"میں آجاؤں...؟" نبیل نے عبداللہ کی پریشانی کے خیال سے کہا تھا۔
"نہیں... تھینک یو یار...! اس کی ضرورت نہیں ہے، تم آرام سے آفس جاؤ، اور مجھے ڈاکٹر کا نمبر سینڈ کردو۔"
عبداللہ نے نبیل کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔
"یار...! اتنی غیریت کیوں برت رہے ہو...؟ اگر ضرورت ہے تو میں آجاتا ہوں اور ہم بھابھی کو اسپتال لے جاتے ہیں...؟" نبیل نے بصد اصرار پوچھا تھا۔
"ارے نہیں یار...! اب اتنی بھی پریشانی کی بات نہیں ہے، صرف بخار ہی تو ہے، تھوڑی دیر میں اتر جائے گا، تم بس ڈاکٹر کا نام اور نمبر بتا دو... بعد میں اگر ضرورت پڑی تو بلا لوں گا تمہیں..." عبداللہ نے ذرا تحمل کا مظاہرہ کیا تھا۔
"او کے...! میں تمہیں سینڈ کرتا ہوں... ڈاکٹر ہاشمی نام ہے ان کا... دل آور کے جاننے والے ہیں... اس کا حوالہ دو گے تو فوراً" آجائیں گے..." نبیل نے اسے تفصیل سے بتایا تھا، لیکن دل آور کے حوالے کے ذکر پہ عبداللہ کو صبح صبح موصول ہونے والی ملک اسداللہ کی کال یاد آگئی تھی۔
"وہ کورٹ سے فارغ کب ہوتا ہے..." اس نے دل آور کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"عموماً" تو بارہ ایک بجے تک کورٹ سے فری ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی پہلے بھی فری ہوجاتا ہے، کیوں... تم کیوں پوچھ رہے ہو...؟" نبیل کے بیک گراؤنڈ میں گاڑی کی آواز بند ہو چکی تھی گویا وہ شوروم کی پارکنگ میں پہنچ چکا تھا۔
"مجھے اس سے ملنا ہے، ایک ضروری بات ڈسکس کرنی ہے، تم سے بھی اور اس سے بھی، اس لیے دو بجے اس کے آفس میں ملتے ہیں... او کے...؟" دل آور اور نبیل کو اس کال کے بارے میں بتانا بہت ضروری تھا، اسی لیے اکٹھے ملنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن زری اور نبیل بیک وقت اس کی بات پہ چونک گئے تھے ایک فون کے اس پار اور ایک فون کے اس پار...!
"خیر تو ہے نا...؟ ایسی کون سی ضروری بات ہے...؟ جو ایک ساتھ مل کر ڈسکس کرنی ہے...؟" نبیل نے دور رہ کر زری کے ذہن میں ابھرنے والا سوال دہرایا تھا۔
"یار...! اب ساری بات فون پہ ہی تو نہیں بتائی جاسکتی...؟ میں فون بند کر رہا ہوں... دو بجے ملتے ہیں... اللہ حافظ۔"
عبداللہ نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور نبیل اور زری بے چین سے ہو کر رہ گئے تھے۔
بعد میں پھر عبداللہ نے ڈاکٹر ہاشمی کو بلایا، نگارش بھابھی کا چیک اپ کروایا، خود ناشتا کیا، نگارش کو سوپ وغیرہ پلایا... سب کچھ کیا، لیکن زری کو کچھ خبر نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے کیونکہ وہ عبداللہ کی مبہم سی بات میں الجھی ہوئی تھی۔
نگارش بھابھی کو سنبھالتے ہوئے، ان کے ماتھے پہ پٹیاں رکھتے ہوئے اور ان کے سارے کام کرتے ہوئے بھی وہ ذہنی طور پہ غیر حاضر رہی تھی، کیونکہ آج تو وہ نگارش سے بھی شیئر نہیں کرپا رہی تھی، آخر وہ خود بیمار تھی اسے مزید پریشان کیا کرنا تھا بھلا...؟

☼ ☼ ☼

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔"
مدحیہ نے اپنے سامنے کھڑے شہریار سے سنجیدگی سے کہا تھا جس پہ شہریار بری طرح ٹھٹک گیا تھا۔
"آپ ان سے ملنا چاہتی ہیں...؟ مگر کیسے...؟ وہ تو پولیس اسٹیشن میں ہیں...؟" شہریار کو حیرت ہوئی تھی۔
"تو کیا میں پولیس اسٹیشن نہیں جاسکتی...؟" مدحیہ نے اس سے زیادہ حیرت کا اظہار کیا تھا۔
"نہیں میڈم...! آپ کا پولیس اسٹیشن جانا مناسب نہیں ہے..." شہریار نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"کیوں...؟ مناسب کیوں نہیں ہے...؟" مدحیہ نے اسے تیکھی سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔
"دیکھیے میڈم...! یہ کورٹ کچہری اور تھانے وغیرہ جیسی جگہوں پر مرد ہی آتے جاتے اچھے لگتے ہیں، کیونکہ یہ مردوں کی جگہیں ہیں، یہاں عورتوں کا آنا جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، خصوصاً" شریف گھرانے کی عورتوں کا، آپ کو احتیاط کرنی چاہیے۔"
شہریار نے اسے مخلصانہ مشورہ دیا تھا، لیکن مدحیہ سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی اسے بس عدیل عمر سے ملنے سے غرض تھی۔
"تو پھر میں اس سے مل کیسے سکتی ہوں...؟" وہ جھنجلائی تھی۔
"بس آپ دعا کریں کہ وہ جلدی باہر آجائے، میری صبح صبح بات ہوئی ہے دل آور صاحب سے..." قدرے جھنجلا کر ادھر ادھر دیکھتی مدحیہ نے چونک کر شہریار کو دیکھا تھا۔

"کیا...؟ دل آور بھائی سے بات ہوئی ہے... ؟ کیا کہا انہوں نے...؟" اسے تجسس ہوا تھا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ عدیل صاحب کی بیل کروانے کے لیے انہیں کچھ ضروری کاغذات اور معلومات کی ضرورت ہے جو انہیں صرف میں ہی لا کر دے سکتا ہوں، اس لیے مجھے ان کے آفس ٹائمنگ کے بعد ان سے ملنا ہو گا اور عدیل صاحب سے بھی ملاقات کروانی پڑے گی اور ان شاء اللہ ایک دو روز تک کام ہو جائے گا، کیونکہ انہوں نے اس کیس کی کچھ جانچ پڑتال بھی تو کرنی ہے نا...؟" شہریار نے تفصیلی جواب دیا تھا۔

"اوہ...! تو تم اب ان سے ملو گے...؟" مدحیہ نے گہری سانس کھینچی تھی۔

"ظاہر ہے...! ملنا تو ہے... ان سے نہیں ملنا تو اور کس سے ملنا ہے...؟ ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے یہ کیس ہاتھ میں لیا ہے، وہ بھی بغیر کہے... اور بغیر کسی فیس کے... ورنہ عدیل صاحب کا تو کوئی مدد کرنے والا بھی نہیں تھا..." شہریار نے افسوس سے سر ہلایا تھا۔

"ہونہہ...! کوئی نہ بھی ہو... اوپر والا تو ہے نا...؟ اور یہ مدد بھی دل آور بھائی نہیں... اوپر والا ہی کر رہا ہے... کیونکہ کسی کو کسی کا وسیلہ بنا کر وہی بھیجتا ہے، کبھی شہریار کی صورت میں، کبھی دل آور شاہ کی صورت میں... اینی وے تم میرا یہ نمبر رکھ لو، بھائی سے ملاقات میں جو بھی بات ہو مجھے بتا دینا، ورنہ میں واقعی اس سے ملنے کے لیے چلی جاؤں گی۔"

مدحیہ نے اپنا نمبر لکھ کر اس کی سمت بڑھایا تھا اور اسے جیسے دھمکی بھی دی تھی، جس پہ شہریار بے ساختہ مسکرا دیا تھا اور وہ پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی... "خدا حافظ۔" وہ اسے ہاتھ ہلا کر گاڑی اڑا لے گئی تھی...!

☼ ☼ ☼

"یس مما...! آپ نے بلایا تھا...؟" عون دروازے پہ دستک دے کر اندر داخل ہوا تھا اور سوالیہ نظروں سے آسیہ آفندی کی جانب دیکھا تھا۔

"ادھر آؤ...! میرے ساتھ بیٹھو..." آسیہ آفندی نے آہستگی سے الماری کا پٹ بند کرتے ہوئے عون کو اشارہ کیا اور صوفے کی طرف بڑھ گئی تھیں اور عون ان کی تقلید کرتے ہوئے ان کے برابر ہی صوفے پہ آ بیٹھا تھا، وہ خاصا چپ اور سنجیدہ تھا اور یہ چپ اور سنجیدگی تب سے چلی آ رہی تھی جب سے علیزے حویلی چھوڑ کر گئی تھی، وہ دونوں بھائی ہر وقت کبوتر کی طرح اڑنے والے اور غڑغوں، غڑغوں کرنے والے، پھولوں کی طرح چپ ہو کر مرجھا گئے تھے، ان کی باتیں اور شرارتیں سب ختم ہو کے رہ گئی تھیں۔

اور اپنے بچوں کو چپ اور اداس دیکھ دیکھ کر آسیہ آفندی کا دل اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا، شوہر کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنے دونوں بچوں کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہی تھیں اور وہ بھی ان کو ڈسٹرب کیے بغیر اپنی روٹین پہ اسکول آ جا رہے تھے، ٹیوشن پڑھ رہے تھے اور اپنا قرآن پاک کا سبق بھی دہرا رہے تھے مولوی صاحب کے پاس، کیونکہ پہلے وہ ایک ایک مرتبہ قرآن پاک کا سبق پورا پڑھ چکے تھے، اب دوبارہ سے شروع کیا ہوا تھا اور آسیہ آفندی اس سب پہ بہت زیادہ خوش ہوتیں اگر یہ سب روٹین پہ کرتے ہوئے ان کی پہلے والی شوخیاں اور شرارتیں بھی زندہ ہوتیں... اسی لیے تو ان کو بجھا بجھا سا دیکھ کر ان کا دل بھر آتا تھا۔

"عدید کہاں ہے...؟" انہوں نے اپنے قریب سر جھکائے عون کی طرف رخ پھیرا تھا۔

"جی...! وہ اپنے بیڈ روم میں ہے..." اس نے یونہی سر جھکائے ہوئے جواب دیا تھا۔

"وہ کیوں نہیں آیا...؟" انہوں نے عون کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا اور استفسار کیا تھا۔

"آپ نے صرف مجھے بلایا تھا شاید..." عون نے اپنے بچپنے کے برعکس جواب دیا تھا، سمجھ داری لیے

ہوئے...!

"پہلے بھی تو میں صرف ایک کو بلاتی تھی اور تم دونوں آ جاتے تھے...؟" وہ ماں تھیں لاجواب کرنا آتا تھا۔

"لیکن پہلے پاپا بیمار نہیں تھے نا...؟ اب ان کو ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں لگتا..." عون نے پھر بھی معقول جواب ڈھونڈا تھا۔

"عون...! تمہارے پاپا پہلے بیمار نہیں تھے اور انہیں تم لوگوں کا بیڈ روم میں آنا، باتیں کرنا، شرارتیں کرنا اچھا لگتا تھا، لیکن اب وہ بیمار ہیں، اس لیے انہیں تم لوگوں کا بیڈ روم میں آنا، باتیں کرنا اور شرارتیں کرنا زیادہ اچھا لگے گا... کیونکہ وہ اکیلے ہو گئے ہیں، تنہا ہو گئے ہیں، بیڈ روم سے باہر کی دنیا مر گئی ہے ان کے لیے... ختم ہو گئی ہے... کیونکہ وہ دنیا کے لیے مر گئے ہیں... ختم ہو گئے ہیں... زندہ ہو کر بھی زندہ نہیں ہیں... یہ بیڈ روم ان کے لیے ایک لگژری قبر کی مانند ہے اور تم نہیں جان سکتے بیٹا... قبر جتنی بھی لگژری ہو جائے، آخر قبر ہی ہوتی ہے اور اس قبر میں پڑے ہوئے بے جان مردہ انسان پہ جب کبھی کبھار اس کے اپنے دو حرف فاتحہ کے پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو وہ بے جان مردہ جیسے جی اٹھتا ہے، اپنی موت اور بے بسی کی ساری تکلیفیں بھول کر اس پہ خوشی اور سکون کی لہر دوڑ جاتی ہے، بالکل ایسے ہی تم دونوں آؤ گے تو تمہارے پاپا پہ خوشی اور سکون کی لہر دوڑ جائے گی، کیونکہ تم دونوں نہیں آؤ گے تو اور کون آئے گا...؟ اور ان کے پاس بیٹھے گا...؟ دیکھو بیٹا...! فاتحہ اپنی اولاد ہی آ کر پڑھتی ہے، کوئی اور نہیں پڑھتا آ کر..." آسیہ آفندی نے انتہائی سفاک اور بے رحم الفاظ میں کہتے ہوئے اپنے حلق اور اپنی آنکھوں میں امڈنے والے زہریلے اور تلخ آنسوؤں کو بڑی مشکل سے اندر ہی اندر پینے کی اور اپنے آپ کو ضبط کے دائرے میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"پلیز مما...! ایسا تو مت کہیں...؟" عون ابھی بچہ تھا، ضبط نہیں کر سکا تھا، اس کے آنسو نرم رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں بیٹا...! یہی سچ ہے... اور سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے... اور تم لوگوں کو اس کڑوے سچ اور تلخ حقیقت کا سامنا کرنا ہی ہے... اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں آیا کرو، اپنے پاپا کے پاس بیٹھا کرو، باتیں کیا کرو، ان کے بے جان جسم میں جان پڑ جائے گی، کچھ پل کی خوشی اور راحت مل جائے گی، دل بہل جائے گا ان کا..." آسیہ آفندی نے عون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر تھپکتے ہوئے کہا تھا اور عون بے ساختہ ان سے لپٹ کر رو پڑا تھا۔

"آئی ایم سوری مما...! اب ایسا نہیں ہو گا... ہم روز آیا کریں گے... اور پاپا کے ساتھ باتیں کیا کریں گے... ایم رئیلی سوری مما... رئیلی سوری..." عون آسیہ آفندی سے لپٹا ہچکیوں سے رو رہا تھا اور ان کے سر کو اس کے بالوں کو چومتے ہوئے آسیہ آفندی کے آنسو بھی اس کے بالوں میں جذب ہو گئے تھے۔

"ریلیکس بیٹا...! رونے سے کچھ نہیں ہو گا... میں بھی بہت روئی ہوں... مگر اب کوشش کر رہی ہوں کہ نہ رویا کروں... تم بھی مت رو..." انہوں نے اس کی پشت سہلاتے ہوئے اسے چپ کرایا تھا... اور اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا تھا۔

"یہ لو پانی پیو...!" انہوں نے صوفے کی سائیڈ والی چھوٹی ٹیبل سے پانی کے جگ سے پانی انڈیل کر گلاس اس کی سمت بڑھا دیا تھا اور عون نے بمشکل پانی کے دو گھونٹ لیے تھے اور گلاس پیچھے ہٹا دیا تھا۔

"میں نے تمہیں رلانے کے لیے یہاں نہیں بلایا تھا، بلکہ کسی کام کے لیے بلایا تھا..." انہوں نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

"جی مما کہیے...! میں سن رہا ہوں..." اس نے آہستگی سے سر جھکاتے ہوئے پوچھا تھا۔

"دیکھو بیٹا۔۔۔! تمہارے پاپا کے لیے کچھ شاپنگ کرنی ہے' ان کے ٹاولز' ٹشوز اور ضرورت کی کئی اور چیزیں بھی لینی ہیں' میڈیسن بھی ختم ہو رہی ہیں ان کی۔۔۔ اس لیے میں دانیال کے ساتھ ذرا مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔۔۔ دیر بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ تمہارے پاپا سو رہے ہیں۔۔۔ اس لیے تمہیں میری واپسی تک یہیں ان کے پاس رہنا ہو گا۔۔۔ کیونکہ انہیں کسی بھی وقت کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور اگر وہ اٹھ کر ٹیک لگانا چاہیں تو مبارک خان کو بلا لینا۔۔۔" آسیہ آفندی نے اسے ہدایات دی تھیں اور اس نے سعادت مندی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا جس پہ وہ اس کا ہاتھ سہلا کر اٹھ گئی تھیں۔

"السلام علیکم آنی۔۔۔!" دانیال آہستگی سے دستک دے کر اندر داخل ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! لو دانیال بھی آگیا۔۔۔ میں اب چلتی ہوں۔۔۔ جلدی لوٹنے کی کوشش کروں گی۔۔۔ اپنے پاپا کا خیال رکھنا۔۔۔ اللہ حافظ۔"

آسیہ آفندی ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھا اپنا بیگ اٹھا کر دانیال کے ساتھ باہر نکل گئی تھیں اور ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا تھا۔

عون ان کے جانے کے بعد چند سیکنڈ یونہی صوفے پہ بیٹھا رہا اور پھر آہستہ قدموں سے اٹھ کر چلتا ہوا وقار آفندی کے بیڈ کے پاس آگیا تھا اور ان کو بغور دیکھتے ہوئے ان کے قریب ہی بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا۔

وقار آفندی کی پلکیں بند تھیں' لیکن نجانے کیوں بند پلکیں بھی لرز رہی تھیں۔

"پاپا۔۔۔! مما کہتی ہیں کہ ہمارے آنے سے' باتیں کرنے سے اور پاس بیٹھنے سے آپ کے بے جان جسم میں جان پڑ جائے گی' کچھ پل کی خوشی اور راحت مل جائے گی' دل بہل جائے گا آپ کا۔۔۔ لیکن پاپا۔۔۔! مما شاید بھول گئی ہیں کہ ان لوگوں کے آنے سے انسان کے بے جان جسم میں جان پڑتی ہے' جن کو انسان اپنی جان سے بڑھ کے چاہتا ہے' انہی کو دیکھ کر خوشی اور راحت ملتی ہے اور انہی کے پاس بیٹھ کر دل بہلتا ہے۔۔۔ اور آپ کی جان تو وہی ہیں نا جو آپ کو بے جان کر کے چلی گئی ہیں' چھوڑ گئی ہیں۔۔۔؟

ہمارا اور ان کا کیا مقابلہ۔۔۔؟ ان کی کمی ہم کیسے پوری کر سکتے ہیں بھلا۔۔۔؟ ان کی کمی تو بس وہی پوری کر سکتی ہیں۔۔۔ آپ کے بے جان جسم میں تو صرف انہی کے آنے سے جان پڑ سکتی ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور ہم انہیں کہیں سے لا بھی نہیں سکتے۔۔۔؟ وہ کھو گئی ہیں پاپا۔۔۔" عون کا لہجہ کہتے کہتے بھیگ گیا تھا۔

"کاش۔۔۔! وہ کہیں سے آجائیں اور۔۔۔ اور آپ کو پھر سے ٹھیک کر دیں۔۔۔ آپ بالکل پہلے جیسے ہو جائیں۔۔۔ کیونکہ آپ کو اس حال میں دیکھ کر بہت تکلیف ہوتی ہے ہمیں' اسی لیے۔۔۔ اسی لیے تو ہم یہاں نہیں آتے۔۔۔ اپنے بیڈ روم میں بیٹھے رہتے ہیں۔۔۔ آپ کی اور لیزے آپی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ کیوں ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں۔۔۔؟ وہ ایسی تو نہیں تھیں۔۔۔؟ پاپا میرا دل کہتا ہے میری آپی ایسی نہیں ہیں۔۔۔ ان سب کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔۔۔ لیزے آپی منصور حسین کے ساتھ نہیں گئیں' منصور حسین انہیں زبردستی لے کر گیا ہے۔۔۔ پاپا یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ سب' بہت برے ہیں' بہت گندے ہیں' لیزے آپی کے لیے گندہ سوچتے ہیں۔۔۔ مجھے' بہت برا لگتا ہے' بہت برا۔۔۔"

عون وقار آفندی کے سینے پہ سر رکھے بے تحاشا رویا تھا اور اپنے دل کا غبار بھی جی کھول کے نکالا تھا یہاں تک کہ وقار آفندی کی بند پلکوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور قطار در قطار بہنے والے آنسو ان کی کنپٹیوں کے بالوں میں جذب ہونے لگے تھے۔

"آپ بھی چپ ہو گئے ہیں۔۔۔ کسی سے کچھ نہیں کہتے۔۔۔ ہم سے بھی نہیں۔۔۔ پاپا پلیز۔۔۔! کچھ تو بولیے۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ آپ جاگ رہے ہیں' آپ مما کی بھی باتیں سن رہے تھے اور آپ میری بھی باتیں سن رہے ہیں۔

لیکن آپ ہم سے بات نہیں کر رہے۔۔۔ کیوں پاپا۔۔۔؟ کیوں۔۔۔؟" عون کی بات پہ وقار آفندی کا دل کانپ گیا تھا مگر دکھ تو اس بات کا تھا کہ وہ اپنے سینے سے لگ کر روتے اپنے لخت جگر کو بازو میں سمیٹ کر اپنے ہونے کا احساس بھی نہیں دے سکتے تھے' کیونکہ ان کے بازو بے جان تھے اور وہ خود بے بس۔۔۔

پھر بعد میں عون جتنا بھی رویا' جتنا بھی تڑپا لیکن خود ہی سنبھلا تھا۔۔۔ کیونکہ سنبھالنے والا جواب کوئی نہیں تھا۔ اور اپنے بچوں کو اس قدر تنہا محسوس کر کے وقار آفندی بھی آج بہت روئے تھے۔۔۔!

☼ ☼ ☼

وہ کورٹ سے اور اپنے چند دیگر کاموں سے فارغ ہو کر اپنے آفس پہنچا تو پارکنگ لاٹ میں نبیل اور عبداللہ کی گاڑیاں دیکھ کر چونک گیا تھا۔۔۔ اور یونہی حیران ہوتے ہوئے وہ اندر آگیا تھا۔

"السلام علیکم سر۔۔۔!" اس کا منشی قادر اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔! اندر کون ہے۔۔۔؟" اس نے اپنے آفس کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آپ کے دوست ہیں سر۔۔۔! نبیل صاحب اور عبداللہ صاحب۔۔۔ کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ قادر کے لہجے میں احترام تھا۔

"کچھ بھیجا اندر؟ چائے وغیرہ؟" اس نے ان کی خاطر تواضع کے بارے میں استفسار کیا تھا۔

"جی سر۔۔۔ چائے وغیرہ بھجوائی ہے۔" اس کے منشی نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اوکے۔۔۔ بیٹھو تم' اپنا کام کرو۔" وہ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود اندر آگیا تھا۔

"السلام علیکم۔۔۔" اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا اور وہ دونوں چونک کر متوجہ ہوئے تھے۔

"وعلیکم السلام! مل گئی فرصت؟" عبداللہ نے خفگی سے کہا تھا۔

"جی! مل گئی' کیوں؟ کیا آپ کو چاہیے؟" ول آور نے اپنا بریف کیس اور گاڑی کی چابی ٹیبل کی بائیں سائیڈ پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"الحمد للہ۔۔۔ ہمارے پاس تو آل ریڈی ہے۔" عبداللہ نے ہاتھ جھاڑے تھے۔

"لیکن افسوس کہ ہمیں کبھی کبھی ملتی ہے' بلکہ ڈھونڈنی پڑتی ہے؟" اس نے اپنے بریف کیس سے اپنا موبائل اور سگریٹ نکالتے ہوئے کہا تھا۔

"اور تم ہمیں کبھی کبھی ملتے ہو' بلکہ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔" عبداللہ نے طنز کیا تھا۔

"لگن سچی ہو تو بندہ مل بھی جاتا ہے۔" ول آور نے سگریٹ کی ڈبیا اور لائٹر ان دونوں کو پیش کیے تھے۔ لیکن عبداللہ نے ہمیشہ کی طرح سگریٹ نکال کر سلگانے کی بجائے ڈبیا ایک سائیڈ پہ رکھ دی تھی۔

"لگن سچی ہو تو ملک حق نواز بھی مل جاتا ہے۔" عبداللہ نے جان بوجھ کر اس کا ذکر کیا تھا۔

"آف کورس! مل جاتا ہے۔" ول آور نے کندھے اچکائے تھے۔

"لیکن اگر مل جائے تو آگے کا حل بھی سوچ لینا چاہیے۔" عبداللہ کی بات پہ ول آور ٹھٹکا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟ آگے کا حل کیا سوچنا چاہیے تھا۔" اس نے عبداللہ اور نبیل کے روبرو اپنی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آگے کا حل یہ کہ جواباً" وہ لوگ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔ مجھے آج صبح کال بھی موصول ہوئی ہے ملک اسد اللہ کی۔۔۔ اور میں تب سے اب تک پریشان ہوں۔" عبداللہ نے اپنی پریشانی اور یہاں آمد کی وجہ بھی بیان کی تھی۔

"اوہ۔۔۔! تو یہ کہو نا کہ میرے قتل کی دھمکیاں موصول ہوئی ہیں تمہیں۔" ول آور نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے ساری بات سمجھ لی تھی۔

"یہ صرف دھمکیاں نہیں ہیں یار! ان کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ ان سے کسی بھی قسم کی توقع کی جا سکتی ہے۔" عبداللہ نے دہائی دی تھی۔

تو اس کے لیے کیا کرنا چاہیے مجھے؟ ملک حق نواز کو جیل سے نکال کر اس سے معافی مانگ کر' اسے اس کے ڈیرے پہ واپس چھوڑ کر آنا چاہیے یا پھر مومنہ بی بی کے پاس جا کر سر جھکا کر اس سے معذرت کر لینی چاہیے کہ میں معافی چاہتا ہوں مومنہ بی بی' میں آپ کا کیس نہیں لڑ سکتا' میں آپ کو انصاف نہیں دلا سکتا' میں حق نواز سے ٹکر نہیں لے سکتا' کیونکہ وہ خطرناک آدمی ہے' اس کے سامنے آنا میرے بس کی بات نہیں۔ اس لیے پلیز آپ کسی اور کی طرف رجوع کریں' کوئی اور در کھٹکھٹائیں' مجھے تو قتل کی دھمکی ملی ہے اور میں تو ڈر گیا ہوں" ول آور نے استہزائیہ سے انداز میں کہتے ہوئے آگے کا نقشہ کھینچا تھا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تم ایسا کرو؟ تم اگر انا پرست اور غیرت مند ہو تو بے غیرت میں بھی نہیں ہوں کہ تمہیں یہ کہوں کہ مومنہ بی بی کے کیس سے پیچھے ہٹ جاؤ؟" عبداللہ نے ذرا سخت لہجے کا استعمال کیا تھا۔

"تو پھر کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا چاہتے ہو تم؟" ول آور نے سگریٹ کی ڈبیا سے سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لیا تھا اور پھر اسے آگ کا شعلہ دکھاتے ہوئے ایک گہرا کش لیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم احتیاط کرو اور اپنے لیے سیکورٹی کا انتظام کرو' گارڈز رکھو اپنے ساتھ' ورنہ نقصان بھی ہو سکتا ہے۔

عبداللہ حقیقتاً" ول آور کے حوالے سے پریشان تھا اور یہ جاننے کے باوجود کہ ڈر اس کی ہڈیوں کو چھو کر بھی نہیں گزرا' پھر بھی اسے ڈر جانے والی احتیاطی تدابیر وغیرہ بتا رہا تھا' کیونکہ وہ اپنے فکرمند دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔

"کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ یہ سیکورٹی' یہ گارڈز' یہ پہرے کیا میری موت کو روک لیں گے؟ بچا لیں گے مجھ کو؟ کیا کبھی مرنے نہیں دیں گے؟ ہونہہ۔۔۔ غلط فہمی ہے تمہاری' موت اور مقدر سے بچنا ناممکن بات ہے یار' کیونکہ یہ دونوں ازل سے لکھ دیے گئے ہیں اور جو لکھی جا چکی ہے وہ ٹل نہیں سکتی' اگر میری موت ملک خاندان کے ہاتھوں لکھی ہے تو ان ہی کے ہاتھوں ہوگی' کسی حادثے میں لکھی ہے تو حادثے سے ہوگی اور اگر رضائے الٰہی سے لکھی ہے تو ان شاء اللہ رضا الٰہی سے ہی ہوگی۔ حالانکہ ہر موت رضائے الٰہی سے ہی ہوتی ہے۔ لیکن ہر موت میں الٰہی کی رضا الگ الگ ہوتی ہے' اس لیے میری موت کے لیے الٰہی کی کیا رضا ہے؟ یہ تو الٰہی ہی جانتا ہے۔ میں اور تم کچھ بھی نہیں کر سکتے' اور نہ ہی کوئی سیکورٹی کام آسکتی ہے۔"

ول آور نے اسے ایک معقول اور مضبوط جواب سے نوازا تھا' جس پہ عبداللہ نے اک نظر اپنے برابر والی چیئر پہ بیٹھے نبیل حیات کو دیکھا تھا جو ان دونوں کی گفتگو کے دوران خاموش بیٹھا سب سن رہا تھا۔

"لیکن اللہ نے یہ بھی تو فرمایا ہے نا کہ انسان کو اپنی زندگی' اپنی جان کی حفاظت کرنی چاہیے۔ مشکل وقت آجائے تو جان بچانے کے لیے کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔" اب عبداللہ کی بجائے نبیل نے لب کشائی کی تھی۔

"اوکے۔۔۔ جب یہ مشکل وقت آئے گا تب میں کچھ بھی کر لوں گا' لیکن فی الحال مجھ پہ ایسا کوئی مشکل وقت نہیں آیا کہ میں اپنی ہی ذات پہ پہرے لگوا دوں اور زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے دائیں بائیں فرشتے کھڑے کر لوں' ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو موت سے ڈرتے ہیں' میں موت سے نہیں ڈرتا۔ میرے تمام دروازے کھلے ہیں۔ جب چاہے آسکتی ہے۔ موسٹ ویلکم' بٹ آئی کانٹ ڈو دس۔" اس نے ذرا سے بازو پھیلاتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا اور اب کی بار نبیل نے اک نظر اپنے برابر والی چیئر پہ بیٹھے ملک عبداللہ کو دیکھا تھا۔

وہ دونوں جو صبح سے اس کے لیے پریشان اور فکر مند ہو رہے تھے۔ اس کی باتیں سن کر خاموش سے ہو گئے تھے۔ اس نے ان کے مزید کچھ کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ اس لیے عبداللہ مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کر کے گہری سانس کھینچتا ہوا کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"نبیل! میرا خیال ہے کہ مجھے اب گھر چلنا چاہیے؟" عبداللہ کا لہجہ سخت اور نپا تلا سا ہو رہا تھا۔

"اتنی جلدی؟" دل آور اس کے لہجے کو محسوس کر چکا تھا۔

"نگارش کی طبیعت خراب ہے۔ ڈاکٹر نے اس کے لیے میڈیسن لکھ کر دی ہیں۔ وہ لے کر گھر جانا ہے۔ خدا حافظ۔" عبداللہ ہنوز اسی لہجے میں کہتے ہوئے پلٹ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"کیا ہوا ہے نگارش بھابھی کو؟" دل آور نے فوراً پوچھا تھا، لیکن عبداللہ رکا نہیں اور نہ ہی اس نے جواب دیا تھا۔

"عبداللہ!" وہ پیچھے سے اسے پکارتا رہ گیا تھا۔ لیکن عبداللہ سنی ان سنی کرتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا۔

"دیکھ رہے ہو نبیل! اس نے میری بات تک نہیں سنی؟" دل آور مارے جھنجلاہٹ کے اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم نے کون سا سنی ہے؟" نبیل نے کندھے اچکائے تھے۔

"اف نبیل! تم بھی؟ پلیز یار تم دونوں میری پوزیشن سمجھنے کی کوشش کرو، میں اگر ایسا کروں گا تو ملک حق نواز مجھ پر حاوی ہو جائے گا۔ وہ صاف سمجھے گا کہ میں نے اس کے ڈر سے، اور اس سے بچاؤ کے لیے یہ حفاظتی اقدامات کیے ہیں، جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔ زندگی، موت، عزت اور ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ جب بھی، جو بھی دے گا مجھے منظور ہو گا، لیکن یہ سب نہیں۔"

اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی اور نبیل بھی چپ سا ہو گیا تھا، کیونکہ وہ ان کا کہا ماننے کو تیار نہیں تھا! اور وہ پریشان تھے۔

☼ ☼ ☼

عبداللہ وہاں سے سیدھا مارکیٹ آیا تھا۔

میڈیکل اسٹور سے میڈیسن لینے کے بعد اسے یاد آیا کہ زری نے اسے کچھ فروٹ اور جوسز لانے کا بھی کہا تھا، کیونکہ نگارش کو ڈاکٹر نے فی الحال کسی ہیوی غذا سے منع کیا تھا۔ اس لیے اس نے تاکید کر کے بھیجا تھا کہ وہ اس کے لیے کچھ ہلکی ہلکی چیزیں لے کر آئے، کیونکہ فریج خالی پڑا ہوا تھا، جب ہی عبداللہ کو میڈیسن لینے کے بعد ایک بڑی سی فروٹ شاپ کی طرف آنا پڑا تھا۔

اس شاپ سے فروٹ بہت مہنگا ملتا تھا۔ لیکن اس فروٹ کی یہ خاصیت تھی کہ فریش، صحت مند اور صاف فروٹ ہوتا تھا۔ عبداللہ پہلے بھی ایک بار اس شاپ پہ آ چکا تھا۔

تین کلو انار، تین کلو سیب، چار درجن کیلا اور چار درجن کینو... شاپ کیپر نے چیزوں کی تعداد کا حساب کر کے اس گریس فل سی خاتون کو ان کا بل بتایا تھا جو عبداللہ سے ذرا آگے کھڑی فروٹ خرید رہی تھیں اور وہ اپنی باری کا منتظر تھا۔

"یہ لیجیے۔" انہوں نے اپنے پرس سے پیسے نکال کر شاپ کیپر کو تھمائے تھے اور فروٹ کے چار شاپر بمشکل ہاتھوں میں لے کر واپسی کے لیے پلٹی تھیں۔ لیکن ابھی صرف دو قدم ہی آگے بڑھی تھیں کہ کینوؤں والے شاپر سے جھانکتی ایک سبز ٹہنی سے سیبوں والا شاپر پھٹ گیا تھا اور شاپر میں موجود سارے کے سارے سیب نیچے

زمین پہ بکھر گئے تھے اور وہ آگے بڑھتے بڑھتے رک گئی تھیں۔

"اوہ..." عبداللہ کے منہ سے بے ساختہ افسوس کا لفظ ادا ہوا تھا، کیونکہ وہ بے چاری پہلے ہی اتنے وزنی بیگ اٹھائے ہوئے تھیں اور اس پہ یہ نئی مصیبت۔

"ٹھہریے! میں سمیٹ دیتا ہوں۔" عبداللہ نے انہیں نیچے بیٹھنے سے روک دیا تھا اور جلدی جلدی شاپ کیپر سے نیا شاپر لے کر سارے سیب چن کر شاپر میں ڈالنے لگا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں دیکھ پایا تھا کہ اس کی آواز سن کر آسیہ آفندی کو یوں لگا تھا جیسے وہ بائیس سال پیچھے چلی گئی ہوں اور ان کی سماعتوں میں بالکل ایسی ہی آواز گونجنے لگی ہو۔

"لیجیے! سارے اس میں ڈال دیے ہیں۔" عبداللہ جو نیچے پنجوں کے بل بیٹھا ہوا تھا سارے سیب شاپر میں ڈالنے کے بعد یک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اس خاتون کو یک ٹک اپنی سمت دیکھتے پا کر ذرا سا ٹھٹک گیا تھا۔

"لائیے... میں آپ کو گاڑی تک چھوڑ آتا ہوں۔" عبداللہ نے انہیں متوجہ کرنے کے لیے ان کے ہاتھ سے باقی شاپر بھی تھام لیے تھے اور نہ جانے کیا وجہ تھی کہ آسیہ آفندی نے بھی بغیر کسی تامل کے اسے شاپر تھما دیے تھے اور وہ ان کے ساتھ چل پڑا تھا اور ابھی وہ گاڑی کے قریب آئے ہی تھے کہ گاڑی کے ساتھ کھڑا کسی کا فون سنتا دانیال، آسیہ آفندی کو کسی اور کے ساتھ آتے دیکھ کر فوراً فون بند کر کے ان کی طرف لپکا تھا۔

"دانیال بیٹا! ان سے یہ بیگ پکڑ کر گاڑی میں رکھ لو۔" آسیہ آفندی نے انتہائی آہستگی سے کہتے ہوئے ایک بار پھر عبداللہ کے چہرے کو دیکھا تھا، جس کا اک اک نقش ان کے کلیجے کو کھینچ رہا تھا، لیکن اس کھنچاؤ کی وجہ کیا تھی؟ یہ انہیں خود بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا۔

"لیکن آنی... آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ کیا ہوا ہے آپ کو؟" دانیال پریشان ہو گیا تھا۔

"ہاں، میں ٹھیک ہوں بیٹا، بس یہ بیگ زیادہ وزنی تھے۔ اس لیے انہوں نے ہیلپ کروا دی۔" آسیہ آفندی نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اف آنی! آپ کم از کم میرے فون سننے کا ہی انتظار کر لیتیں، میں نے کہا بھی تھا کہ میں آپ کے پیچھے ہی آ رہا ہوں۔ بس آذر کی کال تھی اس لیے بات کرنا پڑ گئی۔" دانیال خفگی سے کہتا عبداللہ کے ہاتھ سے بیگ لے کر گاڑی میں رکھ چکا تھا اور دوبارہ اس کی طرف پلٹا تھا۔

"تھینک یو سر... آپ نے آنی کی ہیلپ کی۔" اس نے عبداللہ سے ہاتھ ملاتے ہوئے شکریہ ادا کیا تھا۔

"اٹس اوکے! تھینکس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کی آنی ہیں تو میری بھی آنی ہیں۔" عبداللہ نے کافی خلوص سے آداب نبھائے تھے اور آسیہ آفندی نے بے ساختہ چونک کر دیکھا تھا، حالانکہ اس نے تو محض محاورتاً "اور اخلاقاً" کہا تھا، لیکن ان کے تو سیدھا دل پہ اثر ہوا تھا۔

"اوہ شیور! اینڈ تھینکس اگین سر۔" دانیال نے خوشدلی سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"اوکے! یو ویلکم۔" عبداللہ نے ذرا سا مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا اور دو قدم پیچھے ہٹ کے کھڑا ہو گیا تھا، کیونکہ آسیہ آفندی نے گاڑی میں بیٹھنا تھا اور اس کے پیچھے ہٹتے ہی دانیال نے ان کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں، لیکن گاڑی میں بیٹھنے کے بعد بھی انہوں نے عبداللہ کی طرف دیکھا تھا اور عبداللہ اب بھی ان کے دیکھنے پہ چونک گیا تھا اور اب کی بار شیشے کے پار نظر آتی شکل و صورت اور کچھ کھوجتی ہوئی اداس آنکھیں عبداللہ کو بھی ٹھٹکا گئی تھیں۔ وہ یک دم الجھ گیا تھا۔

اور اتنے میں دانیال اسے ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا تھا، مگر عبداللہ اپنے دماغ پہ زور ڈالتے ہوئے الجھتا ہوا سا رہ گیا تھا۔

آنی؟ دانیال؟

دانیال؟ آنی؟

آنی... آنی! آسیہ پھوپھو؟

عبداللہ کے ذہن میں ان دو ناموں کی تکرار ہو رہی تھی اور یہ تکرار ایک نام پہ آکر اٹک گئی تھی اور اسے جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ دانیال اور آسیہ پھوپھو...؟ یہ... یہ؟ وہ دونوں تھے؟ عبداللہ نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا اور پھر بے ساختہ گاڑی کے پیچھے بھاگا تھا۔

"دانیال... دانیال... رکو پلیز... گاڑی روکو..." لیکن اب اس کے پکارنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا کیونکہ گاڑی آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ بہت دور جا چکے تھے وہ لوگ اور عبداللہ تاسف سے ہاتھ ملتا رہ گیا تھا۔

تو کیا اتنے سالوں بعد آنی بھی اسے بار بار دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں اور اتنی دیر میں عبداللہ نے بھی انہیں نہیں پہچانا تھا۔

بہت بڑی کوتاہی ہو گئی تھی اس سے وہ اپنے سگے خون کے رشتوں کو اپنے ہاتھوں سے گنوا بیٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼
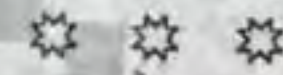
مان لے اب بھی میری جان ادا' درد نہ چھن
کام آتی نہیں' پھر کوئی دعا' درد نہ چھن
میں تیرے لمس سے محروم نہ رہ جاؤں کہیں
آخری بار مجھے خود سے لگا' درد نہ چھن
کچھ نہ دے گا یہ مسائل سے الجھتے رہنا
چھوڑ سب کچھ میری بانہوں میں سما' درد نہ چھن

نبیل اپنے موبائل پہ بجنے والی زری کی کال دیکھ کر اپنے دل کو سنبھالنے میں لگ گیا تھا وہ اسے کال کر رہی تھی۔ اور اس کے لیے تو یہ احساس ہی ہر احساس پہ بھاری تھا کہ وہ اس کے نمبر پہ اسے کال کر رہی ہے اور اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس احساس اور اس خوشی کے مارے وہ اپنے ہی موبائل کو سینے سے لگالے اور وہ سینے سے لگا دھڑک رہا ہے اور وہ اسے محسوس کرتا رہے... مگر یہ ممکن کب تھا بھلا...؟ وہ تو اسے اس کی اجازت کے بغیر نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی گستاخی نہیں کر سکتا تھا سینے سے لگانے کی بات تو قیامت کی بات تھی... اور ایسا تصور بھی حشر کا تصور تھا۔

اور حشر کے اس تصور میں اس کے دل پہ حقیقتاً "ایک قیامت گزر گئی تھی کیونکہ کال بجتے بجتے بند ہو گئی تھی۔

"اوہ شٹ...!" نبیل نے بے اختیار اسٹیرنگ پہ مکا دے مارا تھا حالانکہ غلطی اس کی اپنی ہی تھی کیونکہ اس کے موبائل پہ زری کی کال کافی دیر سے بج رہی تھی اور وہ ایک ہاتھ سے ڈرائیو کرتا دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے اسکرین پہ نظر آتے زری کے نام کو ہی دیکھے جا رہا تھا اور اس دیکھنے دیکھنے میں ہی کال مسڈ کالز میں شامل ہو گئی تھی اور وہ کف افسوس ملتا رہ گیا تھا۔ لیکن یہ افسوس زیادہ دیر افسوس نہیں رہا تھا بلکہ ذرا دیر بعد پھر سرشاری میں بدل گیا تھا اس کی کال دوبارہ آگئی تھی۔

"ہیلو...؟" نبیل نے فوراً "کال ریسیو کرلی تھی اور گاڑی کی اسپیڈ کو بھی کم کر دیا تھا۔

"السلام علیکم... میں زری بات کر رہی ہوں۔" اس کی آواز بے حد دھیمی تھی۔

"وعلیکم السلام... جی میں آپ کا نمبر دیکھ چکا ہوں..." نبیل کا لہجہ اس سے بھی زیادہ نرم ہو چکا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ آپ ڈرائیو کر رہے ہیں...؟" زری نے گاڑی کی آواز محسوس کرلی تھی۔

"جی... آپ کو لگ رہا ہے تو صحیح ہی لگ رہا ہو گا میں واقعی ہی ڈرائیو کر رہا ہوں..." وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

"تو میں کال بند کر دیتی ہوں' آپ آرام سے ڈرائیو کرلیں' میں بعد میں کال کرلوں گی..." زری نے کال بند کرنا چاہی تھی۔

"ارے...! نہیں... نہیں... کال بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے' آپ بات کریں' میں سن رہا ہوں..." نبیل نے فوراً "اسے روکا تھا۔

"تھینک یو... لیکن آپ جا کہاں رہے ہیں...؟" وہ بات شروع کرنے سے پہلے تمہید کا سہارا لے رہی تھی۔

"اپنے آفس... شوروم..." اس نے نارمل سے انداز میں بتایا تھا۔

"لیکن اس وقت...؟" زری نے جان بوجھ کر حیرانی ظاہر کی تھی۔

"جی...! وہ دراصل کسی کام کے سلسلے میں دل آور کے آفس جانا پڑ گیا تھا' ابھی وہیں سے واپس آ رہا ہوں۔"

"زیادہ ضروری کام تھا...؟" زری کرید رہی تھی۔

"ہاں... کہہ سکتی ہیں..." نبیل نے کندھے اچکائے تھے۔

"کیا جان سکتی ہوں کہ کیا کام تھا...؟"

"کیوں خیریت...؟ آپ کیوں پوچھ رہی ہیں...؟" نبیل نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"وہ... دراصل صبح عبداللہ بھائی آپ کو کوئی بات ڈسکس کرنے کے لیے دل آور شاہ کے آفس میں بلا رہے تھے اس لیے مجھے تب سے پریشانی ہو رہی تھی کہ نجانے ایسی کون سی بات ہے جسے ڈسکس کرنے کے لیے وہ آپ کو وہاں بلا رہے ہیں...؟" زری نے اپنی پریشانی کہہ ہی ڈالی تھی اور نبیل اس کی پریشانی سن کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"اوہ...! تو یہ بات ہے... اس پریشانی نے آپ کو فون کرنے پہ مجبور کیا ہے...؟" نبیل نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔

"جی...! میں واقعی بہت پریشان تھی' بلکہ اب بھی ہوں' کیا بات تھی...؟ کیا وجہ تھی آخر...؟" اس کا لہجہ اب بھی متفکر سا تھا۔

"ارے...! آپ پریشان نہ ہوں' آپ کے پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں تھی' بس وہ دل آور کا ایک مسئلہ تھا اس پہ بات کرنا تھی..." نبیل نے لاپروائی سے کہا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ جس مسئلے کو وہ اتنی لاپروائی سے لے رہا تھا وہی مسئلہ زری کی پریشانی اور فکر مندی کا اصل مرکز تھا... اور اس کے لیے تو وہ ہلکان ہو رہی تھی...!

"کیسا مسئلہ...؟" زری کو پھر پوچھنا پڑا تھا۔

"ملک حق نواز کا مسئلہ تھا' وہ جیل میں ہے' اس لیے ملک اسد اللہ آپ کے بڑے بھائی صاحب کی کال عبداللہ کو موصول ہوئی تھی وہ دل آور کو... دھمکیوں سے نواز رہے تھے اور عبداللہ نے یہی بات ڈسکس کرنے کے لیے مجھے بھی دل آور کے آفس بلایا تھا' لیکن وہ ماں کا شیر ایسا ہے کہ کچھ سننے کو ہی تیار نہیں ہو رہا تھا' کہتا ہے' ہونے دو جو ہوتا ہے' دیکھی جائے گی... اس لیے ہم دونوں بھی اٹھ کر واپس آگئے ہیں... ہم نے بھی کہا... دیکھی جائے گی..." نبیل کہے جا رہا تھا اور زری چکرا کے رہ گئی تھی۔

ملک اسد اللہ کی کال اور دھمکی کوئی ایسی ویسی بات نہیں تھی کہ نظر انداز کر دی جاتی' یہ تو زری جانتی تھی یا عبداللہ جانتا تھا کہ وہ محض ڈرانے کے لیے دھمکیاں نہیں دیتے بلکہ کوئی باز نہ آئے تو عمل بھی کرتے ہیں' لیکن دل آور کو یہ بات کون سمجھاتا...؟

"ہیلو! زری... ہیلو...!" نبیل ایکدم خاموشی چھا جانے پہ بار بار اسے پکار رہا تھا۔

"ایم سوری...! میرا خیال ہے کہ عبداللہ بھائی آگئے ہیں' میں کال بند کرتی ہوں اس وقت' آپ سے پھر بات

ہوگی۔"

زری نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کردیا تھا' لیکن نبیل کے لیے اتنا بھی کافی تھا کہ اس نے زری کی آواز سن لی تھی اور وہ خوش ہوگیا تھا۔

☼ ☼ ☼
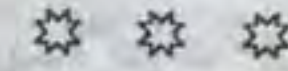
اور ٹھیک تین روز بعد شہریار کی مدد سے وہ عدیل عمر کی ضمانت کے کاغذات تیار کروا کر پولیس اسٹیشن پہنچ گیا تھا۔ اور اسے دیکھتے ہی ایس ایچ او جمال احمد اپنی سیٹ سے کھڑے ہوگئے تھے وہ ذرا کم کم ہی پولیس اسٹیشن کے چکر لگاتا تھا اس لیے اسے دیکھ کر ہی ایس ایچ او جمال احمد احتراماً" کھڑے ہوجاتے تھے۔

"السلام علیکم شاہ صاحب۔۔۔! آج کیسے رونق بخش دی اس ستم خانے کو۔۔۔؟" ایس ایچ او جمال احمد نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہمارے ایک عزیز قید کاٹ رہے ہیں آپ کے اس ستم خانے کی۔۔۔ سوچا ہمارے چند کاغذوں کے عوض آپ اگر اس کی جان بخشتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔۔۔ ہمارا کیا جائے گا۔۔۔؟ بس چند کاغذ۔۔۔ اور ایک بے گناہ آزاد ہوجائے گا۔"

دل آور نے ایس ایچ او جمال احمد کی پیش کی ہوئی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"چند بے گناہ تو آپ نے بھی قید کررکھے ہیں شاہ جی۔۔۔! کبھی ان کو آزاد کرنے کے بارے میں تو نہیں سوچا آپ نے۔۔۔؟"

اپنے عقب سے ابھرنے والی انسپکٹر شہناز کی آواز پہ دل آور نے بے ساختہ چونک کر دیکھا تھا کیونکہ انسپکٹر شہناز کی بات پہ اس کا پہلا خیال ہی علیزے کی طرف گیا تھا کیونکہ اس کے پاس تو صرف وہی قید تھی۔۔۔!

"مثلاً"۔۔۔؟" دل آور انسپکٹر شہناز کو دیکھ کر احتراماً" اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مثال آپ کے سامنے کھڑی ہے شاہ جی۔۔۔!" انسپکٹر شہناز اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اور ایس ایچ او جمال احمد مسکرا دیے تھے۔

"آپ کو شاید پتا نہیں ہے انسپکٹر صاحب۔۔۔! کہ میرا ایک اصول ہے' میں کسی کو قید نہیں کرتا' بلکہ آزاد چھوڑ دیتا ہوں' البتہ یہ اور بات ہے کہ لوگ پھر بھی خود کو قید میں ہی سمجھتے ہیں۔۔۔" اس نے انسپکٹر شہناز کو ذرا مبہم سا جواب دیا تھا۔

"جانے دیجیے میڈم۔۔۔! کن سے بات کررہی ہیں بھلا۔۔۔؟ بیرسٹر صاحب ہیں آخر۔۔۔؟" ایس ایچ او جمال احمد نے مسکرا کر سر جھٹکا تھا۔

"یہ اگر بیرسٹر صاحب ہیں تو ہم بھی اس وقت فل یونیفارم میں ہیں ایس ایچ او صاحب۔۔۔! کیا خیال ہے آپ کا۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز نے ایس ایچ او جمال احمد کی سمت دلچسپی سے دیکھا تھا۔

"ہمارے خیال تو ہمیشہ ہی اچھے ہوتے ہیں میڈم۔۔۔" ایس ایچ او جمال احمد ان لوگوں کی نوک جھوک پہ ہنس رہے تھے۔

"ذرا سوچیے شاہ جی۔۔۔! اگر ہم آپ کو اٹھا کر حوالات میں بند کردیں تو آپ کی ضمانت کرانے کے لیے کون آئے گا۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز کے سوال پہ دل آور شاہ یکدم فلک شگاف قہقہہ لگا کے ہنسا تھا کیونکہ اس کا سوال ہی اتنا دلچسپ سا تھا۔

"ہاہاہا۔۔۔! میری ضمانت کرانے کے لیے پورا شہر آئے گا میڈم۔۔۔ پورا شہر۔۔۔!" وہ ابھی تک ہنس رہا تھا۔

"مطلب۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز اس کی استہزائیہ سی ہنسی پہ سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"مطلب کہ پورا شہر میرا دشمن ہے' کوئی بھی مجھے دیکھنا نہیں چاہتا' اس لیے میری ضمانت کرانے کے لیے کوئی بھی نہیں آئے گا' کیونکہ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ جو انسان سب کا ساتھ دیتا ہے' وہی اکیلا رہ جاتا ہے' اس لیے مجھے ایسا کوئی بھروسہ نہیں ہے کہ کوئی آئے گا۔۔۔" دل آور کا لہجہ نجانے کیوں اچانک ہی سنجیدہ ہوگیا تھا۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ پورا شہر ہی آئے گا۔۔۔! پورا شہر آپ کا دشمن ہے تو پورا شہر آپ کا دوست بھی ہے شاہ جی۔۔۔! کبھی اپنے آپ کو حوالات میں بند کرکے تو دیکھیں۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز نے خلوص سچے دل سے کہا تھا کیونکہ اسے واقعی یقین تھا۔

"فی الحال تو میں کسی کو چھڑوانے کے لیے یہاں آیا ہوں' آپ یہ پیپرز چیک کرلیں۔۔۔" اس نے بات بدل دی تھی۔ اور پھر ضروری کارروائی کے بعد عدیل عمر کو آزاد کردیا گیا تھا' جو شہریار کو دیکھنے اور ملنے کے بعد دل آور شاہ کو حیرت زدہ سا دیکھ رہا تھا۔

"کیسے ہو بہادر۔۔۔؟" دل آور نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے ذرا بشاشت سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔۔۔! مگر آپ۔۔۔؟" عدیل کچھ کہہ نہیں پایا تھا اور شہریار عدیل کی کیفیت سمجھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"ارے یار۔۔۔! باقی کے سوال بعد میں۔۔۔ فی الحال یہاں سے تو نکلو۔۔۔؟" دل آور نے اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے باہر نکلنے کا اشارہ کیا تھا اور خود ایس ایچ او جمال احمد اور انسپکٹر شہناز کی طرف پلٹا تھا۔

"اوکے ایس ایچ او صاحب۔۔۔! بہت بہت شکریہ آپ کا۔۔۔ اب اجازت دیجیے۔۔۔ اللہ حافظ۔" وہ ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا تھا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آیا تھا البتہ انسپکٹر شہناز اسے چھوڑنے کے لیے گاڑی تک آئی تھی۔

"تھینک یو انسپکٹر صاحب۔۔۔! اتنے پروٹوکول کے لیے' بہت شکریہ۔۔۔" دل آور نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے پلٹ کر اسے دیکھا تھا' عدیل اور شہریار بھی انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔

"شرمندہ کررہے ہیں ہمیں۔۔۔؟" انسپکٹر شہناز سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

"میری اتنی مجال کہاں کہ آپ کو شرمندہ کروں۔۔۔؟" اس نے عاجزی کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ایک اور شرمندہ کرنے والی بات۔۔۔" انسپکٹر شہناز نے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"اوکے۔۔۔! نہیں کرتا شرمندہ کرنے والی بات۔۔۔ اب خوش۔۔۔؟" اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور انسپکٹر شہناز مسکرا دی تھی۔

"اللہ حافظ۔۔۔!" وہ بھی مسکراتے ہوئے کہہ کر گاڑی میں سوار ہوگیا اور عدیل کے لیے فرنٹ ڈور اور شہریار کے لیے بیک ڈور کھول دیے تھے اور ان کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کردی تھی لیکن گاڑی کو بیک کرتے کرتے ایک بار پھر انسپکٹر شہناز کے قریب رک گیا تھا اور گاڑی کا شیشہ فولڈ کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا تھا۔

"چند بے گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں' جو ہمیشہ ہماری قید میں رہیں تو ہی اچھا لگتا ہے اور انسان کبھی بھی انہیں آزاد چھوڑنے کے بارے میں نہیں سوچتا۔۔۔ اور یہ بے گناہ وہ لوگ ہوتے ہیں' جن سے ہم محبت کرتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو ہم سے محبت کرتے ہیں۔۔۔ اور ایسے لوگوں کو ہم ہمیشہ قید میں ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔" دل آور کی بات انسپکٹر شہناز کے ساتھ ساتھ عدیل اور شہریار کے بھی دل کو لگی تھی' انسپکٹر شہناز دو قدم اور قریب آگئی تھی۔

"مثلاً"۔۔۔؟" اس نے دل آور کے سے انداز میں کہا تھا۔

"مثال میرے سامنے ہی تو کھڑی ہے انسپکٹر صاحب۔۔۔؟" وہ دلچسپی سے کہہ کر انسپکٹر شہناز کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہراتے ہوئے گاڑی نکال لے گیا تھا اور وہ اپنی جگہ پہ جھنجلا کے رہ گئی تھی جبکہ دل آور گاڑی روڈ پہ

ڈالتے ہوئے بھی مسکرا رہا تھا۔

"ہیلو۔۔۔! کیا دیکھ رہے ہو۔۔۔؟ دل آور شاہ یا منصور حسین۔۔۔؟" اس نے گم سم سے بیٹھے عدیل کو مخاطب کیا تھا۔

"منصور حسین۔۔۔" عدیل کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

"منصور حسین میرے ایک کیس کا حصہ تھا' کیس ختم ہوا تو وہ بھی ختم ہو گیا۔۔۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا تھا۔

"لیکن وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وقار آفندی کی بیٹی کا ڈرائیور۔۔۔ وہ گاڑی۔۔۔ وہ حلیہ۔۔۔ وہ سب۔۔۔؟" عدیل بے ربط سا ہونے لگا تھا اسے رفتہ رفتہ سب یاد آ رہا تھا۔

"وہ سب بھی اسی کیس کا حصہ تھا۔۔۔ بھول جاؤ اسے۔۔۔ اور یہ یاد رکھو کہ تمہارے سامنے اب کون ہے۔۔۔؟"

دل آور نے رائٹ سائیڈ پہ ٹرن لیتے ہوئے خاصے دو ٹوک لہجے میں کہا تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ اس منصور حسین والے قصے کو دہرانا نہیں چاہتا تھا اسی لیے عدیل چپ کا چپ رہ گیا تھا۔

"جاب کرو گے۔۔۔؟" دل آور نے چند سیکنڈ کی خاموشی کے بعد خود ہی سوال کیا تھا اور وہ دونوں چونک گئے تھے۔

"جاب۔۔۔؟" عدیل حیرت اور بے یقینی سے گنگ ہو گیا تھا۔

"ہاں۔۔۔! میں نے جب تمہیں ورکشاپ میں دیکھا تھا تو تب بھی تمہاری جاب کے بارے میں سوچا تھا لیکن تب میں فارغ نہیں تھا اس لیے سوچا تھا کہ فارغ ہو کر تمہیں جاب کی آفر دوں گا' لیکن بعد میں بھی اتنی مصروفیت رہی کہ پھر خیال ہی نہیں آیا۔۔۔ اینی وے تم بتاؤ میرے لیے جاب کرو گے یا نہیں اور ارادہ ہے۔۔۔؟" وہ ڈرائیونگ میں مصروف عدیل کی سمت دیکھے بغیر پوچھ رہا تھا اور عدیل کے پاس تو جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ہی نہیں تھے وہ اللہ کی اس قدر مہربانی اور نوازش پہ کچھ بول ہی نہیں پا رہا تھا۔

"دیکھو۔۔۔! یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہاری ضمانت کروائی ہے' تمہارے لیے کچھ بھاگ دوڑ کی ہے تو بدلے میں تمہارے ساتھ کوئی ڈیل کر رہا ہوں یا پھر اس میں میرا کوئی مفاد شامل ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔! ایسا سوچنا بھی مت۔۔۔ میں جب کسی کی مدد کا ذمہ اٹھاتا ہوں تو اپنا نفع نقصان اور اپنا مفاد نہیں دیکھتا' ہاں یہ ضرور سوچتا ہوں کہ کسی دوسرے کا فائدہ ہو جائے۔۔۔ اس لیے تم پوری طرح سے آزاد ہو' خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ تم نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔۔۔؟ میرے پاس مینیجر کی جاب ہے' کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔۔۔ نہ کرنا چاہو تو زبردستی نہیں۔۔۔" دل آور نے کہتے ہوئے گاڑی شوروم کی پارکنگ میں پارک کر دی تھی۔

"مینیجر کی جاب۔۔۔؟" عدیل نے زیر لب دہرایا تھا اور دل آور گاڑی کا دروازہ کھول کے نیچے اتر آیا تھا اور اس کے پیچھے وہ دونوں بھی اتر آئے تھے۔

"ہاں۔۔۔! مینیجر کی جاب۔۔۔ اس شوروم میں۔۔۔" اس نے کافی سکون سے شوروم کی شاندار سی عمارت کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"اس شوروم میں۔۔۔؟" شہریار نے کافی اشتیاق سے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔! اس شوروم میں۔۔۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"تھینک یو سر۔۔۔! تھینک یو ویری مچ۔۔۔" عدیل کا لہجہ بے حد ممنون ہو رہا تھا اس کی آنکھیں' اس کا لہجہ بھیگ گیا تھا' اسے تو جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی' اللہ نے اسے ایک مشکل' ایک آزمائش میں ڈالنے کے بعد اسے اس کے صبر کا صلہ بھی دے دیا تھا' اتنا اچھا صلہ کہ وہ اللہ کے حضور جتنے بھی شکرانے ادا کرتا' وہ کم تھے۔

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ تو واقعی میرے لیے فرشتہ ثابت ہوئے ہیں سر۔۔۔" عدیل حد سے زیادہ شکر گزار ہو رہا تھا۔

"ارے چھوڑو یار۔۔۔! کوئی انسان کبھی فرشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی فرشتہ کبھی انسان نہیں ہو سکتا' کیونکہ فرشتے کے لیے انسان بننا مشکل ہے اور انسان کے لیے فرشتہ بننا' اس لیے جو جیسا ہے اسے ویسا ہی رہنے دو۔۔۔" دل آور نے سر جھٹکا تھا۔

"مجھے اب کیا کرنا ہو گا۔۔۔؟" عدیل نے اسے وہیں کھڑے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"تمہیں اب کچھ نہیں کرنا' تم اس وقت بس اپنے گھر جاؤ اور اپنے گھر والوں سے ملو' اپنے ماں باپ سے' اپنی بہنوں سے اور اپنے دوستوں سے' اس کے بعد فریش ہونے کے لیے ریسٹ کرو اور کل صبح فل تیاری سے آ کر اپنی سیٹ جوائن کرو' کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ باقی اسٹاف پہ تمہارا اچھا امپریشن پڑے' اس لیے اس وقت اس حلیے میں تمہیں متعارف کروانا مناسب نہیں ہو گا کیونکہ اس طرح اچھا امپریشن نہیں پڑے گا۔۔۔" عدیل اتنے دنوں سے جیل میں تھا' اس کے کپڑے خاصے ملگجے اور شکن آلود ہو رہے تھے' چہرے پہ سیاہ رواں بھی عجیب سا حلیہ پیش کر رہا تھا' سو دل آور کا مشورہ سو فیصد درست اور مفید مشورہ تھا' عدیل نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"او کے سر۔۔۔! جیسے آپ کی مرضی۔۔۔" اس نے دل آور سے ہاتھ ملاتے ہوئے تابعداری سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔! میرا مقصد اس وقت تمہیں شوروم دکھانا تھا' تم اب گھر جا سکتے ہو تم سے کل ملاقات ہو گی۔۔۔" دل آور اس کا ہاتھ تھپک کر پلٹ گیا تھا لیکن دو قدم آگے بڑھنے کے بعد پھر ان کی سمت پلٹا تھا۔

"اور سنو۔۔۔! یہ جو تمہارا دوست ہے نا۔۔۔ شہریار۔۔۔ یہی تمہارا اصل دوست ہے۔۔۔ سچا' کھرا اور مخلص۔۔۔ اس کا ساتھ کبھی مت چھوڑنا' ورنہ زندگی کی جیل میں اکیلے رہ جاؤ گے اور کوئی بیل بھی نہیں کروائے گا۔" دل آور نے شہریار کی سمت اشارہ کرتے ہوئے عدیل کو تاکید کی تھی اور وہاں سے چلا گیا تھا جبکہ عدیل نے اس کا مفہوم سمجھتے ہوئے شہریار کو گلے سے لگا لیا تھا کیونکہ شہریار نے واقعی اس کا دوست ہونے کا حق ادا کر دیا تھا جس کی گواہی دل آور شاہ نے بھی دے دی تھی۔۔۔!

☼ ☼ ☼

پندرہ جنوری۔۔۔!

اپنے لیپ ٹاپ پہ پندرہ جنوری کی ڈیٹ دیکھ کر نجانے کیوں آذر کے ہاتھ وہیں کے وہیں رک گئے تھے اور اس کا دل جیسے کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوب کے ابھرا تھا ـــ ایک گہرا غوطہ آیا تھا اور آذر کو یوں لگا کہ دم نکل گیا ہو۔

"دو ماہ۔۔۔؟

اف۔۔۔! علیزے کو دیکھے ہوئے دو ماہ گزر گئے۔۔۔؟" آذر کے دل و جان پہ یہ خیال قیامت کی طرح گزرا تھا اور روح پہ ایک لرزش چھوڑ گیا تھا۔۔۔ کہاں تو اس کے بغیر دو پل نہیں گزرتے تھے اور کہاں دو مہینے گزر گئے تھے کہ اس

کی آواز تک نہیں سنی تھی۔

"توکیا اب وہ عمر بھر نہیں ملے گی۔۔۔؟ توکیا اب عمر یونہی تمام کرنی پڑے گی۔۔۔؟ بے کار' بے معنی اور خالی۔۔۔؟"

آذر سوچتے سوچتے مضطرب سا ہو گیا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ دل سے لگا کر رکھنے والی صورت کبھی نظر نہیں آئے گی۔۔۔؟ کبھی پاس نہیں بیٹھے گی۔۔۔؟ کبھی بات نہیں کرے گی۔۔۔؟ تو اس کا مطلب ہے کہ دل کو کبھی قرار نہیں آئے گا۔۔۔؟" وہ یونہی اضطراب کے عالم میں لیپ ٹاپ وہیں بیڈ پہ چھوڑ کے بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اتنی شدید سردی کے باوجود کھڑکی کے شیشے کھول دیے تھے' باہر پورا واشنگٹن بارش میں بھیگا ہوا تھا' لیکن زندگی پھر بھی سڑکوں پہ رواں دواں تھی اور سفر جاری تھا۔

یہاں نہ کوئی آذر تھا اور نہ کوئی علیزے تھی۔۔۔ نہ کسی سے بچھڑنے کا غم تھا اور نہ کسی سے ملنے کی خوشی تھی۔۔۔!

یہاں تو بس انسان تھے اور ان کی ضرورتیں تھیں۔۔۔ اس سے آگے' اس سے بڑھ کے تو کچھ تھا ہی نہیں۔۔۔

وہ کس دیس آ گیا تھا۔۔۔؟ وہ کیوں آ گیا تھا۔۔۔؟ صرف علیزے کا غم چھپانے کے لیے یا بے حسوں کے شہر میں خود کو بے حس کرنے کے لیے۔۔۔؟ لیکن یہ بھی تو نہیں ہو رہا تھا۔۔۔؟ نہ غم چھپ رہا تھا' نہ وہ بے حس ہو رہا تھا۔۔۔ بلکہ وہ تو کچھ اور زیادہ شدتوں سے یاد آنے لگی تھی

"آذر۔۔۔! زندگی اس طرح نہیں گزرے گی۔۔۔ کب تک بھاگو گے۔۔۔ اور کب تک منہ چھپاؤ گے۔۔۔؟ مرد بنو یار۔۔۔ یہاں سب کو تمہاری ضرورت ہے۔۔۔ ڈیڈ کو علیزے نے نہیں تم نے اکیلا کر دیا ہے۔۔۔ ان کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔۔۔ آنی بھی کمزور ہو گئی ہیں۔۔۔ بوڑھی لگنے لگی ہیں۔۔۔ عون اور عدید اپنے بیڈ روم کے ہو کر رہ گئے ہیں۔۔۔ پورے گھر کا شیرازہ بکھر گیا ہے یار۔۔۔ سنبھالو آخر ڈیڈ کے بعد اس گھر کے کرتا دھرتا تم ہو' ڈیڈ کو بہت مان تھا تم پہ' بہت بھروسہ تھا تمہاری ذات پہ۔۔۔ پلیز تم تو ایسا مت کرو۔۔۔ واپس آ جاؤ یار۔۔۔ واپس آ جاؤ۔۔۔" فون کے ایئر پیس سے ابھرنے والی دانیال کی آواز ابھی تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور اس کے رخسار بھیگ رہے تھے' آذر نے چونک کر اپنے رخساروں کی نمی کو ہاتھ سے محسوس کیا تھا یعنی وہ رو رہا تھا

"کس کے لیے۔۔۔؟ ڈیڈ کے لیے۔۔۔؟ آنی کے لیے۔۔۔؟ عون اور عدید کے لیے۔۔۔؟ یا پھر۔۔۔ یا پھر علیزے کے لیے۔۔۔؟"

اس نے خود سے سوال کیا تھا اور اپنے اندر سے اس سوال کا جواب موصول ہوتے ہی اس نے اپنا چہرہ پونچھ کر سر جھٹک ڈالا تھا۔

"نہیں۔۔۔! اب اور نہیں۔۔۔ اب اسے یاد نہیں کرنا۔۔۔ نہیں کرنا۔۔۔ کبھی نہیں کرنا۔۔۔" وہ پر عزم اور مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے نفی میں سر ہلاتا ہوا کھڑکی کے شیشے بند کر کے پلٹا اور لانگ کوٹ اور شوز پہن کر اپنے ضروری ڈاکومنٹس لے کر ہوٹل کے روم سے باہر نکل آیا تھا' اس نے آج ہی پاکستان جانے کے لیے ٹکٹ کنفرم کروانا تھا کیونکہ وہ اب اور یہاں نہیں رہنا چاہتا تھا۔۔۔!

☼ ☼ ☼
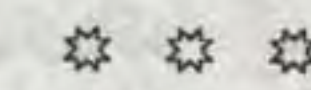
"سنو گل۔۔۔" اس نے کھانے کی ٹرے لے کر بیسمنٹ کی طرف جاتی گل کو آواز دی تھی۔

"یہ کیا ہے۔۔۔؟ کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟" وہ ڈرائنگ روم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا جب اس کی اچانک گل پہ نظر پڑی تھی۔

"جی صاحب۔۔۔! یہ کھانا ہے۔۔۔ علیزے بی بی کے لیے لے کر جا رہی ہوں۔۔۔" گل نے آہستگی سے جواب دیا

تھا۔

"ہوں۔۔۔! علیزے بی بی کے لیے کھانا۔۔۔؟" اس نے دو سیکنڈ کے لیے سوچا پھر ریموٹ صوفے پہ اچھال کر صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"لاؤ۔۔۔! آج تمہاری علیزے بی بی کے لیے کھانا میں لے کر جاتا ہوں۔۔۔" اس نے قریب آ کر گل کے ہاتھوں سے ٹرے تھام لی تھی اور گل بے چاری سر ہلا کر پیچھے ہٹ گئی تھی' وہ بھلا کیا کہہ سکتی تھی۔۔۔؟

"تم اپنا کوئی اور کام نبٹا لو۔۔۔" وہ گل سے کہہ کر وہاں سے ہٹ گیا تھا' اس کا رخ بیسمنٹ کی طرف تھا' سیڑھیوں کے پیچھے بنے دروازے میں کوئی تالا تھا نہ زنجیر۔۔۔ بس جو کچھ بھی تھا علیزے کے قدموں سے لپٹا ہوا تھا' تالا بھی اور زنجیر بھی۔۔۔ جو اسے کہیں بھی بھاگنے نہیں دے رہے تھے اور وہ بیسمنٹ کی دیوار سے لگ کر بیٹھی دیوار ہو گئی تھی اور وہ ٹرے اٹھائے سیڑھیاں اتر آیا تھا۔۔۔

اب میری تاک میں رہتے ہیں کوہ قاف کے جن
میں پرستان کی ملکہ اٹھا لایا ہوں۔۔۔!

اس نے سیڑھیاں اتر کر فرش پہ بیٹھی علیزے کی سمت بڑھتے ہوئے بڑے دلکش موڈ سے یہ شعر پڑھا تھا اور اس کی آواز پہ اور اس کے شعر پہ علیزے نے یکدم اک جھٹکے سے سر اٹھا کر دیکھا تھا' تب تک وہ اس کے بالکل سامنے اور قریب آ چکا تھا' لیکن وہ بیٹھی ہوئی تھی سو مجبوراً "دل آور" کو بھی بیٹھنا پڑا تھا۔

آف وائٹ کھدر کے شلوار سوٹ میں ملبوس' ڈارک براؤن گرم چادر کندھوں پہ پھیلائے' نیچے فرش پہ پنجوں کے بل بیٹھا وہ ڈائریکٹ اس کی زخم زخم آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور آج نجانے کیا بات تھی کہ علیزے بھی اسے ڈائریکٹ دیکھ رہی تھی آنکھوں سے آنکھیں چار کر کے۔۔۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دو آنکھیں پانیوں میں ڈوب گئی تھیں۔

"میں نے سوچا اتنے دنوں سے پرستان کی ملکہ کو نہیں دیکھا' آج اسے دیکھ آؤں۔۔۔" وہ بڑے دلفریب موڈ میں تھا اس نے ایک بار پھر دل آور کی سمت دیکھا وہ عین اس کے سامنے بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"پلیز یار۔۔۔! رویا نہ کرو۔۔۔ میرا دل مائل ہونے لگتا ہے۔۔۔" اس نے اپنے ہاتھوں سے علیزے کے رخساروں سے آنسو پونچھ ڈالے تھے۔

"دیکھو۔۔۔! میں تمہارے لیے کھانا لے کر آیا ہوں' یہ رونا دھونا چھوڑو اور مزے سے کھانا کھاؤ۔۔۔ چائے بھی پلاؤں گا۔۔۔"

اس نے خود ہی نوالہ بنا کر علیزے کی سمت بڑھا دیا تھا' لیکن علیزے نے نوالہ کھانے کی بجائے دل آور کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ڈرائیور۔۔۔! جو تم کہو گے میں کروں گی۔۔۔ ہر بات مانوں گی۔۔۔ ملکہ نہیں کنیز بن کے رہوں گی۔۔۔ تمہاری باندی بن جاؤں گی۔۔۔ بس ایک بات۔۔۔ صرف ایک بات مان لو۔۔۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے رو پڑی تھی۔

"کیا۔۔۔؟" وہ حیران ہوا تھا۔

"مجھ سے۔۔۔ مجھ سے۔۔۔ شش۔۔۔ شادی کر لو۔۔۔ پلیز ڈرائیور۔۔۔" علیزے کہتے ہوئے جیسے مر گئی تھی۔۔۔!!!

☼ ☼

(باقی آئندہ انشاءاللہ)

شبانہ شوکت

بہاروں کی دستک

آج ماہین کا پہلا دن تھا اس گھر میں، رات ہی وہ رخصت ہو کر یہاں آئی تھی اب جبکہ وہ ناشتا کر کے فارغ بیٹھی تھی تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ باہر جائے اور خالہ سے گپ شپ کرے۔ اسے نعمان کی خالہ بہت اچھی لگی تھیں۔ بہت خوب صورت اور با اخلاق خاتون تھیں۔ رات کو بھی وہی اس کا خیال رکھتی رہی تھیں اور اب صبح ناشتا بھی وہی لائی تھیں۔ وہ اپنی وہیل چیئرز دھکیلتی باہر آئی تو اسے لاؤنج سے آتی باتوں کی آواز نے متوجہ کر لیا اور اس نے اپنا رخ لاؤنج کی طرف موڑ لیا وہاں سعدیہ خالہ کسی سے فون پر مصروف تھیں۔

”میں تو چاہتی ہوں کم از کم ہفتہ تو اور رہ لے وہاں یہاں تو......“

”تم کسی طرح بھی اسے مزید ایک ہفتے تک روکے رکھو...... اوہ ماہین......“ ان کی نظر ماہین پر پڑی تو انہوں نے جلدی سے الوداعی جملے کہہ کر فون بند کر دیا اور مسکراتی ہوئی اس کے پاس آگئیں۔

”کچھ چاہیے تھا بیٹا؟“

”نہیں خالہ، میں تو آپ کے پاس بیٹھنا چاہ رہی تھی۔“ وہ بھی جواباً مسکرائی تھی۔ پھر دونوں گپ شپ کرنے لگیں۔ اتنے میں نعمان بھی آگیا اور ان کی باتوں میں شامل ہو گیا۔

کچھ دنوں میں نعمان اپنی جاب پر جانا شروع ہو گیا۔ گھر میں اوپر کے کاموں کے لیے دو دو ملازم موجود تھے ایک ہمہ وقت ملازمہ سعدیہ خالہ کے ساتھ کچن کے کاموں میں مصروف رہتی تھی۔ اس لیے ماہین کے کرنے کا کوئی کام تھا ہی نہیں۔ پھر بھی وہ سعدیہ خالہ سے بار بار پوچھتی رہتی تھی کہ انہیں کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔ اس وقت بھی نعمان آفس جا چکا تھا۔ وہ حسب معمول خالہ سے گپ شپ کے لیے لاؤنج میں آئی تو ٹھٹک گئی۔ صوفے پر موجود شخصیت جو اس کے ٹھٹکنے کا باعث بنی تھی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور ماہین تو جیسے سانس لینا بھول گئی۔ اس نے اپنی چھبیس (26) سالہ زندگی میں اتنی حسین لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ بے حد سرخ و سفید رنگت، گولڈن براؤن آنکھیں، گھنی سیاہ مڑی ہوئی پلکیں قدرے اوپر کو اٹھی ہوئی ستواں ناک، بہت خوب صورت کٹاؤ والے گلابی ہونٹ اور تھوڑی میں گڑھا۔ اسے دیکھ کر تو پروردگار کی صناعی پر پیار آجائے۔ وہ ماہین کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دراز قامت، دبلی پتلی، یعنی سراپا بھی مکمل تھا، وہ اس کے نزدیک آکر سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گی۔

”تو آپ ہیں مسز نعمان؟“

”جی، میرا نام ماہین ہے اور آپ؟“

”ماہا، مجھے ماہا کہتے ہیں کسی نے تعارف نہیں کروایا میرا؟“ بہت چبا کر کہا گیا۔ ماہین نے نفی میں سر ہلایا۔

”آپ کہاں رہتی ہیں؟“

”یہیں، اسی گھر میں، میں سعدیہ جہانگیر کی بیٹی ہوں......“ وہ کچھ اور کہتی مگر اسی دم سعدیہ اندر داخل ہوئی تھیں۔

”اوہ، ماہا، تم ملیں ماہین سے اور ماہین یہ میری بیٹی ہے ماہا، یہ اپنی پھپھو کے پاس حیدر آباد گئی ہوئی تھی، آج ہی آئی ہے۔“ وہ ماہین کو کچھ گھبرائی ہوئی سی لگیں۔

”میں گئی نہیں تھی بھجوائی گئی تھی بہر حال......“ اس نے لمبا سانس لیا۔

”ماہا بیٹا آپ اپنے روم میں چلو میں چائے لے کر آ رہی ہوں۔“

”یہاں پینے میں کیا ہے؟“ اس نے بھنویں اچکائیں۔

”ماہا۔“ ان کے لہجے میں سختی تھی اور آنکھوں میں تنبیہہ۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ماہین حیران پریشان دیکھتی رہ گئی۔

یہ تو رفتہ رفتہ ماہین کو معلوم ہوا کہ وہ تو ہری مرچ تھی۔ طنزیہ باتیں کرنا تو اس کی عادت تھی یہ اور بات کہ کئی دفعہ ماہین کو اس کے طنز کی سمجھ بھی نہیں آئی تھی شام میں وہ غائب ہوتی تھی۔ سعدیہ خالہ نے بتایا کہ اکیڈمی جاتی ہے۔ اس کے بی ایس سی فائنل کے ایگزیمز نزدیک ہیں ان کی تیاری کر رہی ہے۔ بہر حال وہ

نظر کبھی کبھار ہی آتی تھی۔ اس دن نعمان کو آفس کے کام سے لاہور جانا تھا ایک ہفتے کے لیے تو اس نے ماہین کو آفر کی کہ وہ اسے اس کے ابو کے پاس چھوڑ دیتا ہے۔ ماہین تو خوشی سے بے حال ہو گئی۔ کتنے دن سے وہ ابو کے پاس فرصت سے نہیں بیٹھی تھی۔ ایک ہفتہ خوب انجوائے کرنے کے بعد وہ نعمان کے ساتھ گھر آ گئی۔ جیسے ہی گاڑی پورچ میں رکی۔ ملازمہ اس کی وھیل چیئر لے آئی۔ وہ آگے بڑھی تو اس نے لان میں بیٹھی ہوئی ماہا کو دیکھ لیا۔ وہ بھی ادھر ہی دیکھ رہی تھی، ماہین کو ملے بغیر اندر جانا مناسب نہ لگا تو اس کے پاس رک گئی۔

"السلام علیکم، کیسی ہیں آپ؟"

"کیسی لگ رہی ہوں۔" وہ جواباً اتنی سرد مہری سے بولی کہ وہ حیران رہ گئی اتنے میں نعمان بھی قریب آ گیا تھا۔

"ہیلو ماہا، ہاؤ آر یو؟"

"کیوں مجھے کیا ہوا ہے کہ ہر کوئی میری خیریت پوچھ رہا ہے؟" وہ اتنے زور سے چلائی کہ ماہین بدک کر پیچھے ہٹی اندر سے سعدیہ نکل آئیں۔

"کیا ہوا ماہا، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں خالہ، یونہی...... شاید ماہا کا موڈ آف ہے۔" نعمان نے مسکرا کر بات ٹالی لیکن وہ مزید بھڑ گئی۔

"تم ہوتے کون ہو میرے متعلق بات کرنے والے ذلیل انسان۔" ایک زناٹے کا تھپڑ سعدیہ نے اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم نعمان کے ساتھ، اتنا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

"ہاں ہو گیا ہے خراب، میری تو زندگی خراب کر دی اس کمینے شخص نے آپ دماغ کی بات کرتی ہیں۔"

سعدیہ تو بالکل آؤٹ آف کنٹرول ہو گئیں پے در پے کتنے ہی تھپڑ انہوں نے اسے دے مارے۔ وہ تو نعمان نے انہیں اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا ورنہ تو وہ اس کا منہ بگاڑ دیتیں۔

"بے غیرت لڑکی، جس کا کھاتی ہے اسی کو گالیاں دے رہی ہے۔"

"نہیں کھاتی میں اس کا اور آئندہ اس گھر میں کھاؤں گی بھی نہیں۔" سعدیہ پھر اس کی طرف لپکیں لیکن وہ تیزی سے اندر بھاگ گئی۔ سعدیہ کچھ دیر خود پر قابو پاتی رہیں پھر ماہین کی طرف مڑیں۔

"جاؤ بیٹا اپنے کمرے میں تمہیں چائے بھجواتی ہوں۔" وہ تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئیں۔ نعمان کچھ دیر وہیں کھڑا رہا پھر آگے بڑھ کر اس کی وھیل چیئر دھکیلتا ہوا کمرے میں لے آیا۔

"نعمان ماہا آپ سے کیوں اتنی ناراض ہے؟" بہت دیر سے چبھتا ہوا سوال اس نے پوچھ ہی لیا۔

"تم نے دیکھا ہے نا وہ کتنی ایموشنل ہے، ہو گئی ہو گی کسی بات پر ناراض، مجھے یاد بھی نہیں۔" وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر کپڑے تبدیل کرنے ڈریسنگ روم میں چلا گیا اور ماہین اپنی سوچوں میں الجھتی رہ گئی۔

پتا نہیں سعدیہ خالہ کہاں تھیں۔ ماہین کاریڈور میں ادھر سے ادھر آ جا رہی تھی کہ کونے والے کمرے سے ان کی تیز آواز آئی۔

"آخر تم کیوں یہ جوگ لے کر بیٹھی ہو۔ وہ تو خوش باش ہے، اپنی زندگی میں مگن ہے اور تم اس طرح تو ابنارمل ہو جاؤ گی، آج کتنے دن سے تم باہر کھا رہی ہو، اگر مجھے کچھ ہو گیا تو یہاں رہو گی بھی کس حیثیت سے تم ان حقائق سے کب تک آنکھیں چراؤ گی۔ خدا کا واسطہ ہے ماہا میرے لیے زندگی کو اتنا مشکل نہ بناؤ۔"

وہ خاموشی سے پلٹ آئی بعد میں معلوم ہوا کہ ماہا کے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آیا ہوا تھا جس کے لیے اسے رضامند کر رہی تھیں پھر وہ رضامند ہو بھی گئی اور اس کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مایوں مہندی ایک ہی دن تھا۔ ان کے کافی سارے رشتے دار آئے ہوئے تھے۔ اس وقت رسم کے بعد سب لاؤنج میں بیٹھے باتوں میں مصروف تھے۔ ماہین، ماہا کے لیے لیا ہوا گفٹ لے کر اس کے کمرے میں آ گئی۔ وہ سامنے بیڈ پر نیم دراز تھی، پیلے اور سبز سوٹ میں پھولوں کا زیور پہنے بہت حسین، بہت اداس۔ اس نے کھلے ہوئے دروازے پر دستک دی۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں ماہین پر نظر پڑتے ہی اس کے لب بھینچ گئے۔ ماہین مسکرائی اور آگے بڑھ کر گفٹ اس کی طرف بڑھایا "یہ میری طرف سے۔"

اس نے خاموشی سے تھام لیا۔ نہ اسے بیٹھنے کا کہا نہ کوئی اور رسمی جملہ۔ ماہین نے البتہ اسے خوش رہنے کی دعا دی اور آ گئی۔

شادی والے دن ماہا بے پناہ حسین لگ رہی تھی۔ دولہا بھی بہت خوب صورت تھا، لیکن سنجیدہ سا تھا۔ رخصتی کے وقت سعدیہ خالہ بہت رو رہی تھیں۔ نعمان انہیں تھام کے گاڑی تک لایا۔ ماہین کو بھی ساتھ بٹھا دیا۔

"گھر جا کر خالہ کا خیال رکھنا، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" اس نے چائے کے ساتھ خالہ کو پین کلر ز دیں اور جب تک وہ سو نہیں گئیں وہ ان کے پاس بیٹھی رہی۔

☼ ☼ ☼

تیسرے دن ولیمہ تھا، انہیں ماہا بہت خوش سی لگی، واپسی پر وہ ان کے ساتھ ہی آئی تھی لیکن جب تک ماہین ان کے پاس بیٹھی رہی۔ ماہا اسی طرح خاموش اور الجھی ہوئی سی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ آتے جاتے رہنے سے یہ راز کھلا کہ ماہا کے میاں ہمایوں کسی اور کو پسند کرتے ہیں اور انہوں نے ماہا کو اپنایا ہی نہیں۔ سعدیہ خالہ اور نعمان ان کے پاس بات کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے دیدہ دلیری کی انتہا کرتے ہوئے طلاق نامہ ہاتھ میں پکڑا دیا۔ پتا نہیں کس طرح والدین کے مجبور کرنے پر انہوں نے شادی کی تھی اور دو ماہ اسے نبھایا بھی یوں کہ ماہا کو چھوا تک نہیں، ماہا واپس آ گئی تھی اور وہ چیختی چلاتی ماہا اب اتنی گم صم ہو گئی تھی کہ کہیں بیٹھی ہوتی تو اس کی موجودگی محسوس کرنے کے لیے اسے بار بار دیکھنا پڑتا تھا۔ نعمان بھی بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ اس وقت بھی رات کے بارہ بج چکے تھے لیکن نعمان کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی وہ کب سے یونہی سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا، جب ماہین نے اسے چونکایا۔

"نعمان، کیا سوچ رہے ہیں؟"

"ہاں، وہ بس، خالہ اور ماہا کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ اتنا اچھا رشتہ دیکھ کر چھان بین کر کے شادی کی تھی۔ اب دل کی چھان بین تو کوئی نہیں کر سکتا نا، اس کے دل میں کوئی اور تھی تو وہ ماہا کو کیسے قبول کرتا۔"

"جیسے آپ نے مجھے قبول کیا حالانکہ آپ کے دل میں بھی کوئی اور تھی؟" ماہین کی بات تھی یا بم کا دھماکہ جس نے نعمان کو اندر باہر سے ہلا کر رکھ دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟"

"میرا مطلب بالکل وہی ہے، جو آپ سمجھے ہیں۔ اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہی ہوں تو اتنی سیدھی سی بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ سکتی کہ ماہا مجھ سے عناد کیوں رکھتی ہے آپ کو دیکھ کر خصوصاً میرے ساتھ اتنی ہسٹیریک کیوں ہو جاتی ہے۔ یہ ویسے بھی کامن سنس کی بات ہے۔ وہ آپ کی خالہ اور چچا کی بیٹی ہے، آپ دونوں ایک ہی گھر میں رہ رہے ہیں تو آپ کی شادی کی اولین ترجیح اسے ہی ہونا چاہیے جبکہ وہ اتنی حسین بھی ہے اور آپ سے محبت بھی کرتی ہے۔"

نعمان سناٹے میں رہ گیا تھا۔ ماہین نرمی سے مسکرائی۔

"مجھے پتا ہے آپ نے مجھ سے ابو کے کہنے پر شادی کی ہے۔ لیکن یہ نہیں پتا تھا کہ اس میں آپ دونوں کے دل کا خون بھی شامل ہے۔ ابھی بھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا آپ ماہا سے شادی کر لیجیے۔"

نعمان کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا تھا۔

"کیا کہہ رہی ہو ماہین۔"

"صحیح کہہ رہی ہوں۔ ماہا آپ کو ہر خوشی دے سکتی ہے۔ وہ ابھی بھی آپ سے محبت کرتی ہے اور آپ بھی۔" اس نے توقف کے بعد کہا۔

"آپ پلیز قربانیاں دینا بند کر دیں اور اپنے دل کی خوشی حاصل کر لیں اس میں بہت سارے لوگوں کی خوشیاں چھپی ہوئی ہیں جن میں، میں بھی شامل

ہوں۔"

وہ بالکل خاموش تھا۔ ماہین نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

"پلیز نعمان، میری خاطر آپ نے اسے کھویا تھا۔ اب اسے پاکر مجھے بھی اپنے احسانوں کے بوجھ سے نکلنے کا موقع دیں۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ماہین نے اس کے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی۔

"وہ نہیں مانے گی، کبھی بھی، اسے مجھ پر بہت غصہ ہے۔"

"غصہ اتر بھی جاتا ہے اور میں آپ کے ساتھ ہوں، سب سے بڑی بات آپ تنہائی میں اس سے بات کر کے دیکھیں۔ وہ آپ کی بات رد نہیں کرے گی کیونکہ یہ اس کے دل کی خواہش ہے۔"

ماہین تو سو گئی لیکن نعمان ساری رات نہیں سویا۔ وہ سارا ماضی جسے وہ بھول جانے کی کوشش میں رہتا تھا ایک فلم کی طرح آنکھوں میں گھومنے لگا۔ وہ ماہا کے بہت ناز اٹھاتا تھا۔ آدھی رات کو اسے نیند سے اٹھا کر بھی وہ اگر کوئی کام کہتی تھی تو وہ پورا کر کے رہتا تھا۔ خالہ خوش بھی ہوتی تھیں اور قدرے پریشان بھی۔

"نعمان بیٹا اس کی عادتیں خراب مت کرو، آگے تمہیں ہی پریشانی ہوگی۔"

"مجھے ہی ہوگی نا، میں اٹھالوں گا پریشانی۔ بس ماہا کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" ان کی مشترکہ پھپھو کا خیال تھا کہ اب ماہا کے بی ایس سی کے بعد ان دونوں کی شادی کر دینی چاہیے۔

"بیس سال کی ہو گئی ہے ماہا، بس اب تو عید کے بعد تاریخ رکھ دیں گے۔"

لیکن پھر وہ ہو گیا جو کسی کے تصور میں بھی نہ تھا۔ پاپا کے بہت گہرے دوست تھے پروفیسر آصف تنویر جنہوں نے اسے اپنے پاس بلوایا۔ اپنی طبیعت کی خرابی کے بارے میں بتا کر ساتھ ہی انہوں نے اس سے درخواست کی کہ وہ ان کی بیٹی کے لیے کوئی رشتہ تلاش کر کے بتائے۔ ان کی بیٹی ایک ایکسیڈنٹ میں نہ صرف معذور ہو گئی تھی بلکہ ماں بننے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنی سی ہر کوشش کر کے دیکھ لی تھی۔ مجبور ہو کے انہیں نعمان سے کہنا پڑا۔ نعمان نے واقعی ہر جاننے والے سے، حتیٰ کہ دوسری شادی کے امیدواروں سے بھی کہہ کے دیکھ لیا مگر کوئی بھی راضی نہ ہوا۔

"نہ بابا، جو چل ہی نہیں سکتی، اس سے شادی کر کے کیا فائدہ ملے گا۔" نعمان نے جا کر آصف انکل کو بتایا تو انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"نعمان تم خود کر لو میری ماہین سے شادی۔" وہ دم بخود رہ گیا۔

"انکل میری تو منگنی بچپن سے ماہا سے طے ہے۔ آپ کو تو علم ہے۔"

"بیٹا وہ بہت پیاری بچی ہے، اسے تو ایک سے ایک اچھا رشتہ مل جائے گا لیکن میری ماہین ـــــ مجھے کچھ ہو گیا تو اس کا کیا بنے گا۔" وہ بے اختیار رونے لگے اور وہ ہار گیا۔ ایک بوڑھے، لاچار شخص کے آنسوؤں سے وہ ہار گیا۔ اس نے سعدیہ خالہ سے یہ تذکرہ کس مشکل سے کیا اس کا دل ہی جانتا تھا۔ ان کی جو حالت ہوئی اور کس طرح انہوں نے ماہا سے بات کی، وہ سب جانتا تھا۔ خالہ تو چپ ہو گئیں لیکن ماہا بپھری شیرنی کی طرح اس کے پاس آئی تھی۔

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو، تم کیسے کسی اور سے شادی کر سکتے ہو۔"

"ماہا وہ ایک معذور اور مجبور لڑکی ہے۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تم نے اس کے بارے میں تو سوچ لیا۔ میرے متعلق سوچا کہ میرا کیا ہو گا۔ میں تمہارے علاوہ کسی کا تصور نہیں کر سکتی، میں تمہیں کسی اور کے ساتھ دیکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی، نعمان پلیز ایسا مت کرو۔"

"میں انکل کو زبان دے چکا ہوں۔"

وہ اس سے نظریں چرا گیا تھا اور پھر ماہا نے بہت ہنگامہ کیا اتنا کہ اسے زبردستی پھپھو کے پاس حیدر آباد بھجوا دیا گیا۔ پھپھو بے چاری بھی بہت حیران ہوئی

تھیں۔ انہیں دکھ بھی بہت ہوا تھا۔ انہوں نے نعمان سے کہا تھا کہ یہ نہ ہو ایک معذور لڑکی کی زندگی سنوارتے سنوارتے، ایک اچھی بھلی لڑکی کی زندگی خراب کر دو۔"

پھر کوئی نعمان کے دل سے پوچھتا کتنا مشکل کام اسے کرنا پڑ گیا تھا۔ ماہا کی جگہ کسی اور کو دینا اور پھر ماہا کو اذیت میں دیکھنا۔ ماہا کے ڈر سے ہی وہ جب لاہور گیا تو ماہین کو آصف انکل کی طرف چھوڑ گیا اور جب اسے لے کر گھر واپس آیا تو ماہا نے وہی کیا جس کا اس سے خطرہ تھا۔ سعدیہ خالہ نے جب اسے تھپڑ مارے تو نعمان کو وہ درد اپنے دل میں محسوس ہو رہا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو ماہین کے سامنے بے پرواہ ظاہر کیا تھا۔ پھر جب ہمایوں کا رشتہ آیا تو اس نے خود ہر طرح سے معلومات کروائیں۔ سب اوکے ہونے پر ساری تیاری خود کی اور جب وہ دلہن بنی اسٹیج پر بیٹھی تھی تو اپنے خون ہوتے دل کے ساتھ سب سے ہنس ہنس کر ملنا کتنا مشکل تھا یہ وہی جانتا تھا۔ پھر بھی اس نے دل کی گہرائیوں سے اس کی خوشیوں کے لیے دعا مانگی تھی۔ لیکن وہ اجڑ کر واپس آ گئی تھی اب ماہین کہہ رہی تھی کہ وہ اسے اپنا لے۔ اس نے سر جھکا۔

"اب شاید یہ نہیں ہو سکتا وہ نہیں مانے گی۔" اس نے جلتی آنکھیں موند کر بازو اوپر رکھ لیا۔

☼ ☼ ☼
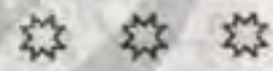
وہ تو اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا لیکن ماہین نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا اور سعدیہ خالہ سے یہ تذکرہ کر دیا۔

"نہیں بیٹا، میں تمہارے اوپر سوکن نہیں لا سکتی۔"

"کیسی بات کر رہی ہیں خالہ، ماہا کے لیے یہ لفظ نہ بولیں اور اس سے گھر میں کتنی خوشیاں پھیل جائیں گی ان کے متعلق سوچیں۔" لیکن ان کا سر نفی میں ہلتا گیا۔

"خالہ نعمان بہت ڈسٹرب ہیں، مجھے پتا ہے وہ تب

ہی خوش ہوں گے جب ماہا خوش ہوگی اور ماہا کی خوشی کس میں ہے وہ آپ بھی جانتی ہیں۔" انہوں نے چونک کر ماہین کو دیکھا۔ وہ اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دی۔ انہوں نے اسے بہت محبت سے گلے لگا لیا۔ دو آنسو ان کی آنکھوں سے ٹپک کر ماہین کے بالوں میں جذب ہو گئے۔

دروازہ ناک ہوا۔ ماہا چونک کر اٹھ بیٹھی۔ "یس۔" دروازہ کھلا اور نعمان اندر داخل ہوا۔

"میں یہاں کچھ دیر بیٹھ سکتا ہوں، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" وہ لب بھینچے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ آگے بڑھ کر نزدیک رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ شاید آفس سے ابھی آیا تھا۔

"میں جو بات کرنے آیا ہوں اس میں سعدیہ خالہ کی حمایت میرے ساتھ ہے لیکن اصل میں سب سے اہم تمہاری مرضی ہے۔" وہ ہلکا سا کھنکھارا۔

"ایکچولی ماہین کا خیال ہے کہ ہم دونوں کو شادی کر لینی چاہیے اور خالہ بھی یہی چاہتی ہیں۔" اس کی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ ماہا حیرت سے بت بنی رہ گئی تھی۔

"ماہا۔" اس نے پکارا۔ وہ بمشکل حرکت میں آئی اور بیڈ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کیا کہا تم نے؟" اس کے لہجے میں غراہٹ سی تھی

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" وہ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیوں اب مجھ میں کون سے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں۔ یا پھر ایک اور ہمدردی کرنے کا شوق اٹھا ہے۔ پہلے ایک معذور لڑکی، پھر طلاق یافتہ لڑکی اور تیسری شاید کوئی بیوہ....." وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔ اس کے ہنسنے پر وہ اور چڑ گئی تھی۔

"اتنا خوش ہونے والی کونسی بات ہے اور یہ ماہین کون ہوتی ہے یہ خیال پیش کرنے والی، اتنا شوق ہے تمہاری دوسری شادی کروانے کا تو جا کر ڈھونڈ لائے کوئی لڑکی۔"

"وہ تم تو نہیں ہوگی۔" وہ نرمی سے اس کے پاس آ کر بولا۔

"میں ہو بھی نہیں سکتی، میرے نصیب میں تم تھے ہی نہیں اور نہ ہو گے۔"

"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا نصیب ہیں تبھی تو ہر راستہ ہماری طرف آ کر رک گیا ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو میں نے ماہین سے کیوں شادی کی تھی۔ اب ماہین بھی اچھی طرح جان گئی ہے اور اسی نے سعدیہ خالہ کو بھی راضی کیا ہے۔ بس تمہیں راضی کرنے والا کام ان دونوں نے میرے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بات کرتے ہوئے آخر میں شرارت سے بولا۔

"پھر کیا خیال ہے کیا جواب دوں میں خالہ کو؟" وہ چپ رہی۔ نعمان نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ابھی بھی غصہ ہے مجھ پر۔"

ماہا نے آنسوؤں سے بوجھل آنکھوں سے اسے دیکھنا چاہا مگر وہ چھلک پڑیں وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپنا چاہتی تھی کہ نعمان نے اسے کھینچ کر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو پڑی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کا سر تھپکتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی الگ ہو گئی۔

"بہت برے ہو تم۔ تم نے مجھے بہت رلایا ہے، بہت دکھ دیا ہے۔"

"جانتا ہوں اور تلافی بھی میں خود کروں گا۔"

بہت سادگی سے، قریبی دوستوں اور رشتے داروں کو بلوا کر ان دونوں کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا گیا۔ نعمان بہت ایمانداری سے ایک رات ماہین کے پاس اور ایک رات ماہا کے پاس گزار رہا تھا۔ ماہا بالکل نارمل ہو گئی تھی، پہلے کا چیخنا چلانا اور بعد کا چپ کا روزہ سب معمول کی بات چیت اور سب کے ساتھ ہنسنے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ ماہین سے بھی بالکل صحیح رویہ رکھتی تھی۔ بہت جلد وہ خوشخبری بھی سننے کو مل گئی جس کا ہر شادی شدہ جوڑے کو انتظار ہوتا ہے۔ نعمان کی خوشی اس کے ہر انداز سے چھلکی پڑتی تھی۔ وہ روز شام میں سب کو ساتھ لے کر آؤٹنگ کے لیے جاتا تھا، کچھ وقت آگے گزرا تو الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے جڑواں بچوں کی اطلاع مل گئی۔ ایک ساتھ اتنی بے پناہ خوشیاں ملی تھیں کہ پچھلی ہر پریشانی کا ازالہ ہو گیا تھا۔ پھر وہ دن بھی آ گیا جب ماہا کو آپریشن کے لیے لے جایا گیا۔ سعدیہ خالہ پریشان بھی تھیں اور متوقع خوشخبری کی خوشی بھی تھی۔ جب میں نے دو خوب صورت بچے لا کر نعمان اور خالہ کی گود میں دیے تو دونوں کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو تھے۔

☼ ☼ ☼
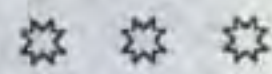
آج ماہا کو گھر لایا جا رہا تھا، ماہین نے ہر چیز میں بہت اہتمام کیا تھا، پورے گھر کی صفائی کروا کے ہر طرف پھول ہی پھول پھیلا دیے تھے، جب ماہا اندر داخل ہوئی تو اس کے ہاتھوں میں ایک بچہ تھا اور خود ماہا کو سعدیہ خالہ نے تھاما ہوا تھا دوسرا بچہ نعمان کے ہاتھوں میں تھا، دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ماہین نے مسکرا کر اسے مبارک باد دی۔ ماہا جھک کر ماہین سے ملی اور بچہ اس کی گود میں ڈال دیا۔

"یہ آپ کا بیٹا ہے۔" ماہین نے اسے ہاتھوں میں اٹھا کر چوم لیا۔

"بہت پیارا ہے۔" نعمان نے دوسرے بچے کو ماہا کے حوالے کیا اور ماہین کی وہیل چیئر کا رخ ماہا کے کمرے کی طرف کر کے دھکیلنے لگا۔ سعدیہ خالہ نے ماہا کو بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز کیا۔

"میرا بیٹا نہیں دیکھیں گی ماہین؟"

"کیا مطلب۔" ماہین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ یہ میرا بیٹا ہے جو میرے پاس ہے اور وہ آپ کا بیٹا ہے جو آپ کے پاس ہے۔ اسے میں نے فیڈ بھی نہیں کروایا۔ ڈبے کے دودھ سے فیڈ کرتا ہے۔"

"یہ کیسی باتیں کر رہی ہو ماہا؟" ماہین گھبرا گئی۔

"یہ تو جب ان کا پتا چلا تھا کہ ٹوئنز بے بی ہوں گے تو میں نے نعمان سے کہا تھا کہ میں پہلا بے بی ماہین کو دوں گی کیونکہ وہ ان کا حق ہے جبکہ دوسرا میرا ہو گا۔ یہ میری طرف سے آپ کے لیے گفٹ ہے اگر آپ قبول کریں۔" نعمان مسکرا رہا تھا۔ ماہین نے بچے کو اٹھا کر اپنے سامنے کیا وہ ذرا سا کسمسایا اور پھر سو گیا۔ ماہین نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔ اس کے گالوں پر بے آواز آنسو بہہ رہے تھے سعدیہ نے آگے بڑھ کر ماہین کا سر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"خوشی کے موقع پر روتے نہیں شکرانہ ادا کرتے ہیں۔ چلو منہ میٹھا کرو۔" انہوں نے مٹھائی اس کی طرف بڑھائی تو اس نے جلدی سے منہ کھول کر چھوٹا سا پیس توڑ کر کھا لیا، ساتھ ہی اس نے اپنی چیئر ماہا کے بالکل نزدیک کر دی۔

"تمہارا بے بی دیکھوں کیسا ہے؟"

"بالکل نعمان جیسا۔" ماہا نے اسے آگے کیا تو ماہین نے اس کے نرم گال چوم لیے۔ وہ بھی بالکل اسی جیسا تھا جو ماہین کی گود میں تھا۔

"میں تمہارا شکریہ نہیں ادا کر سکتی ماہا۔ یہ جو گفٹ تم نے مجھے دیا ہے۔"

"لیکن میں نے آپ کا شکریہ ادا کر دیا، آپ نے جو گفٹ مجھے دیا تھا۔"

ماہا شرارت سے نعمان کی طرف دیکھ کر مسکرائی تو اس کا مطلب سمجھ کر ماہین بھی ہنس پڑی تھی۔ نعمان مسکراتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔ اسے ابھی نہا دھو کر بہت سے نوافل پڑھنے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانے کے نوافل جس نے اسے اتنی بے شمار خوشیوں سے بیک وقت نوازا تھا۔

☼ ☼

صدف ریحان گیلانی
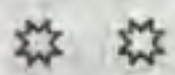
شدید گرمی، حبس زدہ فضا، سورج سے تو جیسے آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ اس پر عین دوپہر اور پھر کھچا کھچ بھری اسکول وین کا سفر۔ اُف۔

چھوٹی سی وین میں لاتعداد بچے ٹھنسے ہوتے۔ سانس لینا محال، پسینہ چوٹی سے ایڑی تک ایسے بہتا کہ جیسے آبشار، آج کل یہ وقت اسے نہایت ہی بار گراں لگنے لگا تھا۔ خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا۔ وین کا دروازہ کھلا اور دونوں نے گیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ گیٹ حسب سابق ان کے انتظار میں بانہیں وا کیے ہوئے

مکمل ناول

تھا۔ وہ صد شکر کرتی ناک کی سیدھ میں اندر دوڑی تھی۔ جس کے پار واقعتاً" جہنم کے بعد جنت کے ٹھنڈے ٹھار ماحول کا سا آرام تھا۔ جبکہ نمرہ پیچھے چیختی رہ گئی تھی کیونکہ حسب معمول گیٹ بند کرنے کی ذمہ داری آج پھر اس کے حصے میں آگئی تھی۔ وہ غصے سے بل کھاتی، بھناتی وہیں رک گئی تھی کہ کھلا گیٹ چھوڑ کر اندر جاتی تو ماں کے ہاتھوں عزت افزائی لازمی تھی۔

اور وہ جو اپنی ہی دھن میں سورج کی چبھتی ہوئی روشنی سے مندی آنکھیں لیے نیم اندھیری ڈیوڑھی میں چلی تو اگلے ہی قدم پر چودہ طبق روشن ہو گئے۔ کوئی سخت سی چیز پیٹ میں چبھی تھی۔ تکلیف سے کراہتے ہوئے جو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا تو چم چماتی ہوئی بائیک منہ چڑا رہی تھی۔

"دفع دور۔" اس نے سخت طیش میں ایک ہاتھ بائیک کی گدی پر مارا اور دوسرے سے کتابیں سنبھالتی آگے بڑھی۔ دالان کے پردے گرے ہوئے تھے اور روم کولر کی سرد ہواؤں نے اندر کی فضا کو پر سکون کر رکھا تھا۔ کتابیں اور بیگ تخت پر اچھال کر خود وہ صوفے پر گری تھی۔ ابھی پانی کے لیے نعرہ بلند کرنے ہی لگی تھی کہ نظر ٹیبل تک گئی۔ جس پر لبالب ٹھنڈ سے بھرے جگ گلاس کے علاوہ مٹھائی کا ڈبا، پرا لیٹر لیس اپ، جدید موبائل، بائیک کی چابی تھی۔

"واؤ..." اس کا منہ دائرے کی صورت کھلا۔

"بہت بہت مبارک ہو پھپھو۔" پانی کا گلاس لے آتی آصفہ کو دیکھ کر وہ بولی تھی جو اپنی جگہ حیران ہوئیں۔

"خیر مبارک، پر تمہیں کس نے بتایا۔"

"تو یہ بھی بھلا بتانے والی بات ہے۔ سامنے سب نظر آ رہا ہے۔ پھوپھا جی نے تو حیران کر دیا ہے۔ ان کی ترقی ہو گئی ہے نا۔" پانی نظر انداز کیے اس نے ٹھنڈ گلاس میں انڈیلا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔ جبکہ آصفہ ہنس پڑیں۔ اس کا اگلا دھاوا مٹھائی کے ڈبے پر تھا۔ لیکن جو دیکھا کہ بند ہے تو ہاتھ ہٹا کر موبائل اٹھا لیا۔

"زبردست... بہت خوب صورت ہے۔ شکر ہے پھوپھا جی نے اپنے آثار قدیمہ کے موبائل سے جان چھڑائی۔"

"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ وہ دن بھی آئے، لیکن فی الحال تو یہ سب کچھ..."

"مما دیکھ رہی ہیں آپی کو۔ آج پھر پہلے دن

آئیں۔ حالانکہ گیٹ بند کرنے کی آج ان کی باری تھی۔ مجھے تو انہوں نے سچ مچ اپنی نوکرانی ہی سمجھ لیا ہے۔ آج تو میں بند کر آئی ہوں لیکن، کل بالکل بند نہیں کروں گی، سن لیں۔" نمرہ بولتی ہوئی آرہی تھی، آصفہ کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔

"اور ڈیوڑھی میں بائیک کس کی کھڑی ہے۔ کون آیا ہے۔ اوف۔ یہ اتنا کچھ۔۔۔ واہ مزا آگیا۔" وہ بھی اس کے برابر میں دھپ سے گری تھی۔ جو موبائل سے چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی۔

"السلام علیکم۔" کہتے ہوئے پیچھے سے اچانک کسی نے موبائل جھپٹ لیا۔

"بری بات۔۔۔ بغیر اجازت کسی کی ذاتی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ لگتا ہے قد ہی بڑھایا ہے، عقل نہیں بڑھی۔ خیر سے کون سے ایئر میں ہو۔" مقابل کا لہجہ بے تکلفانہ اور تازیانہ تھا۔ وہ سلگ کر کھڑی ہوئی۔ نمرہ "ہائے فرجاد بھائی" کا نعرہ لگاتی نووارد کے گلے کا ہار بن گئی۔

"ہائے اللہ کتنے مہینوں کے بعد آئے ہیں آپ۔۔۔ بڑے ہی بے مروت ہیں، ہم تو روز آپ کو یاد کرتے ہیں، پر آپ کو ہماری یاد نہیں آتی اور کیا اکیلے آئے ہیں، بڑی خالہ کہاں ہیں، وہ نہیں آئیں۔" وہ بغیر رکے شروع ہو گئی۔

"آئے ہائے۔۔۔ سانس تو لے لو۔ اس بے چارے کو بھی بیٹھنے دو۔ کیا اس کی جان کو چمٹ گئی ہو۔" آصفہ نے ڈپٹا۔ فرجاد مسکراتے ہوئے اسے لیے صوفے پر آ بیٹھا۔

"تمہارے سارے سوالوں کے جواب دوں گا۔ پہلے تم منہ میٹھا کرو۔ میرے چھوٹے سے منے کی چھوٹی سی پھوپھو۔" اس نے مٹھائی اپنی طرف کھسکائی۔ نمرہ تو چیخ ہی پڑی۔

"نہیں۔۔۔ آپ کا منا، کب، کہاں۔۔۔" وہ حیران تھی۔ آصفہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ فرجاد کھسیا گیا۔

"اوہو۔۔۔ میرا مطلب ہے ارباز بھائی کا نیو بورن منا۔ بھئی وہ میرا بھی تو ہوا نا۔ اسی کی خوشی میں امی نے یہ سب کچھ بھجوایا ہے۔ لو مٹھائی کھاؤ۔" اس نے ایک ٹکڑا نمرہ کے منہ میں ٹھونس کر دوسرا اس کی طرف بڑھا دیا۔ جو اس سارے قصے میں بت بنی کھڑی تھی۔

"تمہاری کزن ہونے کے ناتے تم بھی منے کی پھوپھو ہی لگتی ہو نا، لو منہ میٹھا کرو۔" وہی بے تکلف انداز۔ وہ سر سے پیر تک سلگ گئی۔

"شٹ اپ۔" مارے غصے کے کتابیں سمیٹ کر اس نے باہر کی راہ لی۔ جاتے جاتے اس نے سنا۔ وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"واہ جی واہ۔۔۔ شہر آکر تو گپو پڑھی لکھی ہو گئی ہے۔ انگریزی بولتی ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔ خود تو جیسے پیدا ہوتے ہی انگریزی بولنے لگا تھا۔ پیدائشی پینڈو، بدتمیز۔" وہ دھاڑ سے کمرے کا دروازہ بند کر چکی تھی۔ ادھر آصفہ اس کو گھرک رہی تھیں۔

"اے خبردار۔۔۔ آئندہ اسے گپو نہ کہنا۔ وہ بچپن کی باتیں تھیں۔ جب وہ چھوٹی سی اور موٹی سی ہوا کرتی تھی، تو ہم سب پیار سے اسے گپو کہتے تھے۔ اب بڑی ہو گئی ہے اور بہت پیاری بھی اور اس کا نام اسی طرح پیارا ہے۔ لاجورد عثمان ویسے اب ہم اسے پیار سے لاج کہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔۔۔ بہت شکریہ، معلومات میں اضافے کا۔ آئندہ خیال رکھوں گا۔ ویسے، آپ کی یہ پیاری لاج صاحبہ اس قدر غصے میں کیوں تھیں۔ میں نے انہیں کیا کہا ہے۔" وہ سراپا سوال تھا۔ جبکہ آصفہ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ نمرہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

چھاجوں چھاج مینہ برس رہا تھا۔ شدید گرمی کی کملائے ہر ذی روح میں جیسے جان سی پڑ گئی تھی۔ گرد سے اٹے پھول پتے ٹھنڈے پانی سے نہائے نئے ہوتے جا رہے تھے۔ درختوں کی ٹہنیوں پر پرندے بھی پر کھول کھول کر خوب نہا رہے تھے۔ صحن میں خوب شور مچا ہوا تھا۔ نمرہ بارش میں نہانے کو بار بار لپک رہی تھی۔ آصفہ کی جھڑکیاں۔ وہ بھی بچہ بنا ہوا تھا، باتیں، قہقہے، وہ بے حد انجوائے کر رہے تھے۔ نمرہ اسے بھی دو بار بلانے آئی تھی، وہ سوتی بن گئی، ہوا بند، لائٹ ندارد، اس پر کمروں میں بارش کا مخصوص حبس، اس پر اس کی اتنی گہری نیند، نمرہ بڑبڑاتی چلی گئی، جا کر آصفہ سے حال بیان کیا، وہ بگڑ کر اٹھیں۔

"پاگل ہے یہ لڑکی تو میں لے کر آتی ہوں اسے۔ کیسے اتنے حبس میں سوئی ہوئی ہے۔"

"بیٹھ جائیں اچھی خالہ۔" فرجاد کی آواز آئی، وہ انہیں روک رہا تھا۔

"سونے دیں اسے، تھک گئی ہو گی، گرمی لگے گی تو خود ہی اٹھ جائے گی، آپ خوامخواہ فکر مند ہو رہی ہیں، ویسے بھی مثل مشہور ہے آپ نے بھی سنی ہو گی کہ سوتے کو تو کوئی جگا بھی لے، جاگتے کو کون جگائے۔" وہ ہنسا تھا۔

"بدتمیز۔۔۔" وہ تلملا کر رہ گئی۔ کھڑکی کا پٹ زور سے بند کر کے بیڈ پر آ بیٹھی۔ صرف اس کے منہ نہ لگنے کی وجہ سے وہ اتنی گرمی میں جل رہی تھی۔ اس کو بھی آج ہی آنا تھا یا بارش کو بھی آج ہی برسنا تھا۔ اس کا اتنا دل چاہ رہا تھا، اتنے دن بعد ہوئی بارش کو انجوائے کرنے کا۔ ایسی بارش ہو اور وہ کمرے میں بیٹھ جائے ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ تو اپنے گھر میں بھی بارش کو بڑے اہتمام سے مناتی تھی۔ کچا صحن، بے شمار پھول دار درخت، بے اندازہ پھول دار کیاریاں، ہر طرف اڑتی کچی مٹی اور مختلف پودوں کی خوشبو اور اس پر امی کے ہاتھ کی چائے بمعہ پکوڑے تو کبھی گلگلے اور سویاں، بارش کے بعد چھوٹے بھائیوں کے ساتھ گیلے فرش پر کبھی کرکٹ، تو کبھی گلی ڈنڈا کھیلنے کا اپنا ہی مزا اور اس پر امی کی جھڑکیاں اور ابا کی ڈانٹ ڈپٹ۔ اف کیا، کیا نہ یاد آ گیا تھا۔

وہ اکیلی بیٹھی تنہائی کا شکار ہونے لگی اور آپا کی یاد کے ساتھ تو اور بھی بہت کچھ یاد آنے لگا تھا۔ جس نے باہر موجود شخصیت کے ساتھ اکتاہٹ اور نفرت کچھ اور بڑھا دی، جس سے اس کی بے زاریت میں اور اضافہ ہوا، کھڑکی پار سے آتی آوازیں۔۔۔ باتیں، قہقہے، سماعتوں پر بوجھ بننے لگے۔ اس حد تک کہ اس نے اکتا کر کھڑکی ہی بند کر دی۔ کمرے میں حبس کچھ اور بڑھ گیا۔ کچھ دیر وہ کھولتی تلملاتی ٹہلتی رہی۔ پھر ٹیلی فون سیٹ کی جانب چلی آئی اور بلا سوچے سمجھے آپا کا نمبر ملا ڈالا۔ چند ثانیے بعد ادھر سے آتی ہیلو کی آواز نے اس کی رہی سہی طبیعت بھی مکدر کر ڈالی، جی تو چاہا کہ ٹھک سے ریسیور پٹخ دے، مگر پھر نقص امن کے خدشے کے باعث بمشکل خود کو اس امر سے باز رکھا اور جی کڑا کر کے اگلے پر سلامتی بھیج دی۔ جس کا جواب ادھر سے بڑے ہی جوش سے دیا گیا۔

"شکر ہے تمہاری آواز بھی سنائی دی۔ سچی بات ہے موسم کی خوب صورتی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ایسا فضول پڑھائی کا شوق تمہارا، کہاں جا کر بیٹھ گئی ہو، بھئی میرا تو اپنے سسرال جانے کو اب بالکل دل نہیں کرتا، ایک اکلوتی سالی آدھے گھر والی اگر وہ بھی ادھر نظر نہ آئے تو پھر بھلا میرا وہاں جانے کا فائدہ۔۔۔ دفع کرو پڑھائی کو واپس آجاؤ بس۔" نہایت لگاوٹ بھرے انداز سے کہا جا رہا تھا اور اس کا بس نہیں چلا تھا کہ یہیں سے کوئی چیز

کھینچ ماری۔

"اور کیا حال ہیں تمہارے..... ٹھیک ٹھاک تو ہو نا' آج کیسے یاد آگئی ہماری۔" وہاں سے پھر مظاہرہ ہوا تھا۔

"میری آپا سے بات کروائیں۔" اس نے لٹھ ماری۔

"ارے آپا واپا کو چھوڑو' اس سے کیا بات کرنی ہے تم نے..... مجھ سے بات کرنے کو دل نہیں کرتا تمہارا۔" بے حد پر شوق لہجے میں پوچھا جا رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"آپا کہاں ہیں' کیا سو رہی ہیں۔" ادھر سے کیے گئے سوال کو یکسر نظرانداز کیے وہ اپنی ہی بات پر تھی۔

"مجھے کیا پتا سو رہی ہے کہ رو رہی ہے۔" نہایت بے زاری سے جواب آیا تھا' وہ بھونچکا ہی تو رہ گئی۔

"کاہل' ست سدا کی بیمار عورت' میرے ہی پلے بندھنے کو رہ گئی تھی۔ میری ماں' بہنیں بے وقوف' سب جانتے بوجھتے مجھے پھنسایا۔ اللہ پوچھے گا ان عورتوں کو۔ دو دن ہوئے میکے بھجوا دیا تھا میں نے۔ مجھ سے نہیں اس کی روز' روز کی بیماریاں برداشت ہوتیں۔ خود تو وہ مر کر بستر پر پڑ جاتی ہے۔ باقی سارے گھر کو میں منہ دیتا پھروں۔" ادھر سے جہالت کا رواں انداز جاری تھا۔ اس نے جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اسے منہ ہی منہ میں دو' چار سنا ڈالیں۔ اس کا دماغ تک جھنجھنا اٹھا اتنی بکواس پر' کمرہ ایک دم مانند جہنم ہو گیا۔ باہر بارش نہیں جیسے آگ برسنے لگی۔

"دو دن ہوئے میکے بھجوا دیا تھا میں نے۔" سماعتوں میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اگلے ہی پل بے قراری سے گھر کا نمبر ڈائل کیا۔ کوئی پانچویں بیل پر اسے شکیلہ کی چہکیلی ہیلو سنائی دی تھی۔

"امی سے بات کرواؤ میری۔"

"اچھا جی اچھا۔ میں ادھر ہی فون لے جاتی ہوں۔ تاج آپا آئی ہوئی ہیں نا۔ رات بہت طبیعت خراب ہو گئی تھی ان کی۔ سویرے ہی سویرے شہر لے گئے تھے۔ ابھی کوئی پندرہ منٹ پہلے آئے ہیں سارے۔ آپ کے چوچے (چوزے) بھی بالکل ٹھیک ہیں' بڑا دھیان رکھتی ہوں میں ان کا۔ ویلے سر دا اناپانی ڈال رہی ہوں' ایسہ لو جی گل کرو بی بی جی نال۔" اس نے پورا خبرنامہ نشر کر دیا تھا۔

"کون ہے۔" اسے ماں کی ہلکی سی آواز آئی تھی۔ تھکن سے بھرپور۔

"لاج باجی ہے جی' امی۔"

"اور تم نے اسے سب کچھ بتا بھی دیا ہے' صبر نہیں ہے تمہارے اندر۔ منع بھی کیا تھا میں نے۔" اسے ڈانٹتے ہوئے انہوں نے ریسیور کان سے لگایا تھا۔

"ہاں بیٹا کیسی ہو۔"

"میں ٹھیک ہوں امی جی' آپ کیسی ہیں اور آپا کو کیا ہوا ہے' آپ انہیں شہر لے کر گئے تھے۔ سب خیریت تو ہے نا۔" نہ جانے اس کا دل کیوں پریشان ہو اٹھا تھا۔

"کیا بتاؤں بیٹا' بس سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ بیماری بھی' تندرستی بھی' آج میری بچی تکلیف میں ہے تو اسے صحت بھی وہی دے گا۔ تم اتنی دور بیٹھ کر پریشان نہ ہو میرے بچے' اپنی پڑھائی پر دھیان دو' کالج تو باقاعدگی سے جاتی ہو' اپنا خیال رکھو' اللہ پاک ہر شر سے بچائے۔" وہ ماں تھیں جن کی ہر سانس سے اولاد کے لیے دعا نکلتی ہے۔

"امی میں چند دنوں کے لیے گھر نہ آجاؤں۔"

"کوئی ضرورت نہیں' گھر آکر کیا کرنا ہے' تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا اور میں نے کہا نا کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ تمہاری آپا کے پاس میں ہوں' کیا مجھ سے زیادہ خیال رکھ سکتی ہو تم اس کا۔" ان کا سوال اسے اک لمحے کو چپ کرا گیا۔ واقعی یہ تو سچ تھا۔ ماں سے بڑھ کر کون سا رشتہ مخلص ہو سکتا ہے بھلا۔

"اچھا میری آپا سے بات ہی کروا دیں۔" اس نے گویا ہار مانی تھی۔

"پھر کر لیں نا' ابھی آنکھ لگی ہے اس کی۔ پریشان نہ ہونا۔ جو اللہ کی رضا ہو' وہی ہوتا ہے' بس دعا کرو وہ سب بہتر کرے' اپنا خیال رکھنا اور سب کو سلام دینا' اللہ حافظ۔" ادھر سے لائن کٹ چکی تھی۔ وہ بڑی دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ باہر بارش تھم چکی تھی۔

لائٹ آگئی تھی' پنکھا گھرر گھرر چلتا کمرے میں ہلکی سی ٹھنڈک کا احساس اتار رہا تھا۔ باہر سے آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ وہ سب بھی کمرے میں جا بیٹھے ہوں گے۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر اس نے دیوار سے ٹیک لگالی۔

☼ ☼ ☼

اور اگلے ہی دن وہ گاؤں آگئی تھی۔ ساتھ آصفہ بھی تھیں۔ جو سارے راستے مارے غصے کے جلتی کڑھتی بولتی آئی تھیں۔ گھر پہنچ کر انہوں نے صرف تاجور کے سامنے اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔ وہ بھی صرف اس کی حالت کے پیش نظر کہ اس بے چاری میں تو پہلے ہی لگتا تھا خون کی ایک بوند بھی نہیں —— مزید اسے کیا جلاتیں۔ دوسرے کمرے میں امی کے پاس بیٹھتے ہی وہ پھر شروع ہو گئیں۔

"تاجور کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو کوئی ضرورت نہیں ہے اسے بھیجنے کی' رکھیں اسے ادھر ہی' ہم پر اس کی دو روٹیاں بھاری نہیں ہیں۔ اللہ کا دیا بہت ہے ہمارے پاس۔ الحمدللہ ان بھوکے ننگے لوگوں سے اچھا ہی کھا رہی ہیں ہماری بچیاں اور ان شاء اللہ آگے بھی خوب کھلا اور اچھا ہی کھائیں گی۔ میرا تو کل شام سے دماغ چٹخا ہوا ہے۔ اس بدبخت کی باتیں سن کر۔" آصفہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے' ساتھ امی کے کھلے منہ کی طرف نظر گئی تو نئے سرے سے وضاحت کرتے ہوئے بولیں۔

"کل شام رفعت نے اسپیشل فون کیا تھا مجھے یہ جتانے کے لیے کہ تاجور کا ابارشن ہو گیا ہے اور یہ مت سمجھیے کہ اس نے تاجور سے ہمدردی جتانے کے لیے کہا۔ بلکہ اس کے پورے خاندان کا یہ خیال ہے کہ ہماری لڑکی شروع سے ہی نہ جانے کتنی اندرونی بیماریوں میں مبتلا ہے۔ ان کی تو قسمت پھوٹ گئی ہے اپنے بھائی کی شادی کر کے۔ جس لڑکی کی گود میں دو بار امید کا پھول کھل کے مرجھا جائے کیا پتا آئندہ وہ پھر ماں بن سکتی ہے یا نہیں۔ بقول اس کی ماں کے لڑکی کا علاج ضروری ہے اور ہم اس کا علاج کروائیں تو پھر وہ اسے لے کر جائیں گے۔ پچھلی بار تاجور کی طبیعت خراب ہوئی تو اسے فوری طور پر کسی اچھی ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے بجائے یہاں چھوڑ گئے۔ چار پیسوں پر جان دینے والے کنجوس خدا کی مار شہر کے قریب رہتے ہیں گاڑی بھی پاس ہے' جو ایسے وقتوں میں کام نہ آئے تو پھر کیا اسے پھونکنا ہے۔ وہیں سے اسے شہر لے جاتے تو اتنا نقصان نہ ہوتا۔

ایک تو ہم نے فرحان کا رفعت سے رشتہ کر کے غلطی کی۔ دوسری اس سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ ہم نے اس کے نالائق بھائی سے اپنی نازوں پلی بیٹی بیاہ دی۔ اس وقت بھی کتنا سمجھایا تھا بھابی کو کہ وہاں رشتہ نہ کریں۔ لڑکا بس دیکھنے میں ہی قابل لگتا ہے۔ ورنہ لچھن اس کے خاص نہیں۔ عقیل کو تو وہ اتنا ناپسند ہے کہ پوچھیں مت۔ وہ تو آخر تک کہتے رہے کہ خاندان سے باہر کہیں رشتہ کر دیں تو بہتر ہے۔ لیکن بھابی نے ایک نہ مانی اور دیکھ لی اپنی کر کے۔ لڑکی برباد کر لی۔ کیا ہاتھ آیا' ساری عمر کی پریشانی' ستیاناس کر کے رکھ دیا۔"

آصفہ کے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئیں اور وہ پریشان حال ماں جو تین راتوں سے بیٹی کو تڑپتے دیکھ رہی تھیں۔ پہلے ہی بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں' انہوں نے جو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا تو آصفہ اور لاجور سے انہیں سنبھالنا محال ہو گیا۔

"بھابھی..... خدا کے لیے بس کریں' میرا مطلب ہرگز آپ کا دل دکھانا نہیں تھا۔ میں کیا بتاؤں' مجھے رفعت کی فضول گوئی سے کتنی تکلیف ہوئی ہے۔ اب یہی دیکھ لیں' کل سے تاجور اس حالت میں پڑی ہے اور کوئی ان میں سے پوچھنے آیا' چلو اوروں کو تو گولی ماردیں' لیکن وہ جس سے اس کی ساری زندگی کا ناتا جڑا ہے اس تک نے یہاں جھانک کر نہیں دیکھا۔ ظلم کی انتہا ہے کہ نہیں۔ میرا تو تاجور کو دیکھ کر کلیجے پر ہاتھ پڑا ہے۔ ایسی صحت مند اور خوب صورت بچی تھی ہماری۔ ظالموں نے اس کا لہو تک نچوڑ لیا ہے۔ کتنی اذیت سے گزری ہے وہ اور کیا گزر رہی ہوگی اس کے

دل پر۔ بس آپ سے کہہ رہی ہوں اس بار ہرگز اسے نہیں جانے دینا۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ ان ناقدروں کو اس کی قدر محسوس نہ ہو۔"

"ہونہہ۔۔۔ اس گھر میں پہلے کبھی میری مرضی چلی ہے جو اب چلے گی۔ کیسی باتیں کرتی ہو' یہ سب کیا دھرا تمہارے بھاجی کا ہے اور بھگتنا ہمیں پڑ رہا ہے۔ پتا نہیں کیا قصور ہوا ہے۔ جس کی سزا میری معصوم بچی کو مل رہی ہے۔" لاجور دوڑ کر پانی لے آئی تھی۔ دو تین' گھونٹ پی کر ان کا دل ذرا ٹھہرا تھا۔

"قصور تو کوئی کیا جانے' بس بات وہیں آجاتی ہے کہ جو اللہ کی مرضی۔ اب آپ کو یہ کرنا ہے کہ تاجور کی صحت بن جائے تو میرے پاس آجائیں۔ میری ایک بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے سلام دعا ہے۔ میں ان سے مشورہ کروں گی۔ خدانا خواستہ تاجور کو کوئی مسئلہ بھی ہوا تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔ آپ گھبرائیے گا مت۔ حوصلہ کریں۔" آصفہ ان کے ہاتھ سہلانے لگیں۔

"ہاں بس اب تو حوصلہ ہی کرنا ہے۔" ان کے آنسو پھر بھل بھل بہنے لگے۔

☼ ☼ ☼
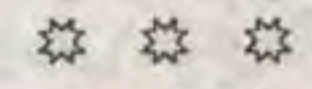
"کیا بات ہے سوئیں نہیں ابھی تک۔" وہ چارپائی پر چت لیٹی آسمان کے آنچل پر ٹنگے مدھم۔۔۔ چمکتے تارے بغور دیکھ رہی تھی کہ امی کی آواز نے اس کا انہماک توڑا۔ وہ نماز عشاء ادا کرکے ابھی اپنی چارپائی پر آکر بیٹھی تھیں۔ ان سے اگلی چارپائی تاجور کی تھی جو بے خبر سو رہی تھی۔ اس سے آگے تینوں چھوٹے بھائیوں اور ابا کی چارپائیاں بچھی تھیں۔ وہ بھی کب کے خراٹے لے رہے تھے۔ بڑا سا صحن کسی سرائے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ امی نے پہلے تاجور کی طرف پھونک ماری' پھر اس پر' اس کے بعد چہار جانب پھونک کر اپنا تکیہ سیدھا کرکے لیٹ گئیں' جبکہ ماں کے اس عمل پر اس کے لبوں پر طمانیت بھری مسکان پھیلی تھی۔ کتنا بے غرض' بے لوث رشتہ ہے ماں۔ جس کی چھاؤں میں تمام تفکرات سمٹ جاتے ہیں۔

"تم نے اپنا سامان تو سمیٹ لیا ہے نا۔ میں نے کر دیا تھا تمہارے ابا سے۔ صبح سویرے تمہیں چھوڑ آئیں گے۔ بس اب واپس جاؤ' بہت حرج ہو گیا تمہاری پڑھائی کا۔ اچھی بھی بار بار فون کرکے پوچھ رہی ہے۔ اللہ بھلا کرے اس کا۔ اس نے ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ یہاں سے تو روز اتنا سفر کرکے بسوں کے دھکے کھا کر کالج آنا جانا بہت پریشان کرتا تھا مجھے' شکر ہے اب سکون ہے میرے دل کو اور تم بھی دل لگا کر پڑھائی پر توجہ دو۔ شرمندہ نہ کروانا ہمیں۔ پتا ہے نا اپنے خاندان کا' کس قدر باتیں کرتے ہیں سارے اور تمہارے ابا کو بھی کیسی مشکلوں سے راضی کیا تھا' نہیں تو وہ اسی پر اڑے ہوئے تھے بس بارہ جماعتیں ہی کافی ہیں' اب گھر بٹھاؤ۔"

"افوہ۔ امی خاندان کی پروانہ کیا کریں۔ یہ تو وہ قوم ہے جو سوتے میں بھی باتیں کرتی ہے' ان کو تو غم لگ گیا ہے آپ کی بیٹی ان کی بیٹیوں سے زیادہ پڑھ لکھ جائے گی۔ آپ کوئی بھی وہم مت پالیں' خوش رہا کریں۔" اس نے ماں کا ہاتھ دبایا۔

"اچھا سنو' ہو سکتا ہے کہ کچھ دنوں تک میں اور تاجور چکر لگائیں۔ اسے ڈاکٹر کو بھی دکھالوں گی اور روحیل کی شادی کے لیے تھوڑی سی خریداری بھی کرلوں گی۔ آج آئی تھیں تمہاری تائی تو کہہ رہی تھیں اگلے مہینے کی آخری تاریخوں میں رکھنی ہے اس کی شادی۔" انہوں نے بتایا اور یہ بات تو اس کے علم میں بھی تھی۔ ثمن آج شام یہی قصے اسے سناتی رہی تھی۔

یوں ہی اچانک اس کے ذہن میں ایک بات آئی تھی' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ویسے امی کتنا اچھا ہوتا اگر ہم اشفاق چاچا کی بات مان لیتے اور آپا کا رشتہ روحیل بھائی سے کروتے۔ سجاد بھائی سے تو کہیں درجے بہتر ہیں روحیل بھائی۔ شکل میں بھی اور عقل میں بھی۔ سجاد بھائی تو اتنے بدتمیز ہیں کہ انہیں بات کرنے کی تمیز نہیں۔ مجھے تو سخت زہر لگنے لگے ہیں۔ دفع کریں ایسے شوہر سے تو وہ۔۔۔"

"چپ کرو۔" وہ اپنے ہی دھیان میں بولتی جا رہی تھی کہ امی کی دھاڑ نے وہیں منہ بند کر دیا۔

"اب تم بھی مشورہ دو گی مجھے۔ بس تمہاری ہی کسر رہ گئی تھی۔ پہلے ہی میری بیٹی پر ٹھکرائی ہوئی کا ٹھپا لگا ہوا ہے' اس پر اب میں اسے گھر بٹھا کر ٹھوکروں میں آئی ہوئی کرلوں۔"

انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کر تاجور کو دیکھا۔ ملگجی سی روشنی میں جس کا چہرہ کچھ اور زرد محسوس ہو رہا تھا اور ان کی بات پر بے اختیار ہی وہ بول گئی تھی۔

"بڑی پھوپھو کے ہاں دوسرا پوتا پیدا ہوا ہے۔" ارباز کا نام لینے سے دانستہ گریز کیا تھا۔ امی اک اور آہ بھر کر رہ گئیں۔

"لائٹ آف کرو اور سو جاؤ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔" اس خبر پر کسی بھی طرح کے تبصرے سے اجتناب کرتے ہوئے انہوں نے کروٹ بدل لی۔ چند ثانیے تو وہ گم سم بیٹھی رہی' پھر بلب بجھا کر اپنے بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند گئی۔

"واہ میرے مولا۔ تیری قدرت بھی نرالی ہے۔ تو بے نیاز اور بے پروا ہے۔ کہیں خوشی تو کہیں غم' کسی کا دامن اتنا بھر دیتا ہے کہ وہ سنبھال نہیں پاتا اور کسی کو اتنا تہی داماں کر دیتا ہے کہ وہ اپنی کم نصیبی پر جتنا بھی بین کرے کم ہو۔ تیری یہ مصلحتیں تو ہی جانے۔ میرے حصے میں تو نے خسارے ہی خسارے رکھ دیے ہیں۔ یا رب ایسا کیا گناہ ہوا مجھ سے۔ جس کی پکڑ میں میری زندگی کا ہر لمحہ آگیا ہے۔ میرے اللہ مجھ پر میری برداشت سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔ میں تیری عاجز کمزور بندی' میری خطا میں معاف کردے۔ کرم کردے۔" امی کے ساتھ والی چارپائی پر لیٹی تاجور کی کھلی آنکھوں سے آنسو اک تسلسل سے بہہ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھلتے ہی سبز و سرخ قمقمے پوری حویلی میں جل اٹھے تھے۔ بڑے سے دالان میں فرشی دریوں پر دھرنا دیے میراثنوں اور خاندان بھر کی شوخ و شنگ لڑکیوں نے خوب دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔

آج روحیل کی مہندی کی پر رونق تقریب تھی' سارا خاندان مدعو تھا۔ ورک خاندان میں شادی خانہ آبادی

کا یہ پرمسرت موقع بڑی دیر بعد آیا تھا۔ اس سے پہلے یہ موقع غالباً" دس سال پہلے آیا تھا۔ فرخ چچا کی شادی کا۔ لیکن نہیں یہ موقع تو کچھ عرصہ پہلے بھی آیا تھا۔ تاجور کی شادی کا اور اس سے بھی پہلے ارباز کی شادی کا۔ مگر یہ دونوں شادیاں یوں ہوئیں ـــــ کہ کسی کا منہ کدھر تھا تو کسی کا کہیں۔ سارا خاندان تتر بتر ہو گیا تھا۔ کیونکہ بات ہی وہ ہوئی تھی کہ جس کا گمان بھی نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

کبیر احمد ورک آج کی پود کے دادا جان اس حویلی کے مالک ہوا کرتے تھے۔ جن کے نو بچوں میں سے دو تو عالم طفل ہی میں اس جہان فانی کو خیرباد کہہ گئے تھے۔ بقایا سات الحمد للہ بقید حیات تھے اور آگے وہ سب بھی ماشاء اللہ کثیر العیال تھے۔ کسی کے بھی پانچ، چھ بچوں سے تو کم نہیں تھے۔ حتیٰ کہ سب سے چھوٹے چچا فرخ نے تو حد ہی کر دی۔ دس سالوں میں چھ بچے۔ اب تو سب ہی کو یقین تھا کہ اس جوڑے نے اپنی ذاتی کرکٹ ٹیم بنا کر ہی چھوڑنی ہے۔

کبیر احمد ورک، اپنی سب سے بڑی بیٹی رقیہ کے بیٹے اور بیٹے عثمان کی بیٹی تاجور کا رشتہ ان کے بچپن اور اپنی زندگی میں ہی طے کر گئے تھے۔ رقیہ بھی اسی گاؤں میں بیاہی گئی تھیں۔ اسی لیے تاجور اور ارباز کا بچپن ایک ساتھ بیتا تھا۔ ویسے تو ان کا سسرال کچھ فاصلے پر تھا۔ لیکن ارباز سارا، سارا دن ننھیال ہی میں پایا جاتا۔ ایک ہی آنگن میں کھیلنا، ایک ہی درخت پر جھولا جھولنا۔ یہ نسبت ارباز اور تاجور کے سنگ پروان چڑھی تھی۔ وہ بچپن کی انسیت اس وقت تک محبت میں بدل چکی تھی۔ جب ارباز نے پچھلے گاؤں کے ہائی اسکول سے سیکنڈ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا۔ مزید پڑھائی کے لیے وہ لاہور جا رہا تھا۔

تاجور نے رو، رو کر آنکھیں سجالیں۔ لیکن ارباز اسے بہلاتا، ہزاروں تسلیوں، امیدوں خوش رنگ خوابوں کے بے شمار پھول اس کے دامن میں ڈالتا پردیسی ہو گیا اور پھر۔۔۔ وہی ہوا جو اکثر ہوتا آیا ہے۔

آگے سے آگے نئے جہاں نظر آئیں تو پچھلی دنیا کی حیثیت ماند پڑ جاتی ہے۔ نئی سے نئی منزلیں ملیں تو پرانی بھولتی جاتی ہیں۔ ارباز پر بھی جادو چل گیا۔ تاجور کے سادہ و نمکین حسن سے نظریں چراتا وہ جاذبہ وقار کے طرح دار دلکش و دلربا روپ میں ایسا الجھا کہ ہر وعدہ، ہر آس توڑ گیا۔

اور تب ورک خاندان میں بڑا طوفان آیا تھا۔ سب نے حتی المقدور ارباز کو اس امر سے باز رکھنے کی سعی کی۔ مگر سب لاحاصل، وہ تو بالکل ہی بے گانہ ہو چکا تھا، نہ اسے رشتوں کا پاس رہا، نہ محبتوں کا مان۔ سب جذبوں پر جیسے دھول پڑ گئی۔ ایسا دھوکہ، اس قدر بے ایمانی، اتنا بھاری دکھ، تاجور تو اس صدمے سے پتھر ہو گئی۔

تب بری طرح دلبرداشتہ ہو کر ابا نے بہن اور بہنوئی سے ہر قسم کا تعلق توڑ لیا اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے سارے بہن، بھائیوں نے اس فیملی کا بائیکاٹ کر دیا۔ تاجور بکھر بکھر گئی۔ ارباز نے من پسند شادی کر لی۔ کچھ دنوں بعد وہ والدین اور بہن، بھائیوں کو بھی شہر لے گیا۔ تین، چار سال ملنا ملانا بالکل بند رہا۔ کوئی سال بھر پہلے اشفاق چاچا کے ایکسیڈنٹ کی خبر سن کر رقیہ پھوپھو نہ رہ سکیں۔ بچوں اور دلاور پھوپھا سمیت گاؤں آئیں، تو یہاں بھی سب کے دلوں سے گلے شکوے جاتے رہے۔ تب تک تاجور بھی اپنے گھر کی ہو چکی تھی۔ ابا، بہن سے نہیں ملے۔ وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ بے شک ان کی بیٹی بیاہی گئی تھی۔ مگر کیا وہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ ارباز کا نام تو آج بھی جونک بن کے اس کی زندگی سے چمٹا ہوا تھا۔ اس کا الیف اے فیل شوہر دن رات طعنے دے دے کر اسے بھولنے دیتا ہی نہیں تھا۔ خود تو وہ خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا تھا اور تاجور بے چاری، قسمت نے اچھا دغا دیا تھا اسے۔

☼ ☼ ☼

بڑے عرصے بعد خاندان میں ہونے والی اس شادی

پر وہ بھی خوش ہوئی تھی اور بھرپور طریقے سے شرکت کا ارادہ تھا۔ پھر سجاد خود اسے چھوڑ گیا تھا۔ پہلے بیٹے کی شادی تھی، الماس چاچی نے سب کو ایک ایک جوڑا بنوا کر دیا تھا۔ امی نے الگ کپڑے بنوائے تھے اور بڑے دنوں بعد اس کا بھی دل چاہا تھا سنورنے کو۔ وہ بہت شوق سے تیاریاں کر رہی تھی کہ سجاد کی فون کال آ گئی۔ جانے اس نے کیا کہا کہ ہنستی مسکراتی تاجور کے چہرے کی ساری شادابی یک لخت ہوا ہو گئی۔ ہوں، ہوں، جی، اچھا، اچھا کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہے تھے سجاد بھائی۔" بغور اسے تکتی لاجورد پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تم تیار بھی ہو گئیں۔ ماشاء اللہ اچھی لگ رہی ہو، نظر اتار کر جانا۔" براؤن سوٹ پر کٹ دانہ اور موتیوں سے بھرے کام، نفاست سے کیا گیا میک اپ، جیولری کے نام پر کانوں میں نازک سے ٹاپس، لمبے بالوں کو کھلا چھوڑے وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ تاجور نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"شکریہ اب آپ بھی جلدی سے تیار ہو جائیں تو پھر نظر اتار کر چلتے ہیں اور کیا کہہ رہے تھے سجاد صاحب۔" وہ آرام سے صوفے پر ٹک گئی۔

"کچھ بھی نہیں اور تم جاؤ، میں تھوڑا ٹھہر کر آؤں گی۔" تاجور نے اسے ٹالنا چاہا۔

"ارے واہ۔ ایسے ہی ٹھہر کر آئیں گی، کپڑے آپ چینج کر چکی ہیں، جلدی سے میک اپ کریں، لائیں بال میں بنا دیتی ہوں۔" وہ آگے بڑھی۔

"رہنے دو میں خود ہی کر لوں گی، میں نے کہا نا آ جاتی ہوں تم جاؤ۔" وہ بے زار ہو رہی تھی۔ لاجورد نے چڑ کر امی کو آواز دے دی۔

"کیا بات ہے، تم دونوں تیار نہیں ہوئیں ابھی تک، وہاں سے کتنی دفعہ بلاوا آ چکا ہے۔ حد ہو گئی گھر کی فرد ہو کر مہمانوں کی طرح دیر کر رہی ہو۔" امی نے بھی آتے ہی ڈانٹا۔

"میں تو تیار ہوں، آپ کی یہ لاڈو ہی دیر کر رہی ہیں۔ ابھی بھی فرما رہی ہیں تم جاؤ میں ٹھہر کر آؤں گی۔" لاجورد کا بھی موڈ خراب ہو گیا۔

"کیا بات ہے تاج۔" امی نے پوچھا۔ وہ کچھ افسردہ سی کلائی میں پڑی چوڑیاں گھما رہی تھی۔

"یہ کچھ نہیں بولیں گی۔ میں ابھی فون کرتی ہوں۔ جلاد صاحب کو اور پوچھتی ہوں کہ انہوں نے اب کیا شوشا چھوڑا ہے۔" اسے یقین تھا سجاد نے ہی ایسا کچھ کہا ہے۔

"خبردار تم فون نہیں کرو گی۔ ہاں سجاد نے مجھے وہاں جانے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا میں اب نہیں جا رہی۔ امی آپ اور لاجورد چلی جائیں۔ میرا کوئی پوچھے تو کہہ دیجیے گا کہ وہ بیمار ہے۔" وہ اذیت کی انتہا پر تھی۔ امی چپ کی چپ رہ گئیں۔ اس کا غصہ دوچند ہوا تھا۔

"کیوں۔۔۔ خیر سے اب کیا ہوا ہے۔ آپ کے شوہر نامدار کو۔ خود آپ کو شادی میں شرکت کے لیے چھوڑ کر گئے ہیں۔ اب کیا تکلیف ہوئی ہے۔ کیوں منع کیا ہے۔ امی آپ پوچھیں نا، میں ملاتی ہوں فون۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔ امی نے تاجور کو دیکھا، جس کی دراز پلکوں پر نمی اتری تھی۔

"تم چلو۔۔۔ میں خود بات کرتی ہوں سجاد سے اور اسے لے کر آ رہی ہوں۔" امی نے ریسیور پکڑ لیا۔ وہ تن فن کرتی کمرے سے نکل گئی۔ اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ امی فون کریں گی یا کریں گی تو سجاد جیسا خر دماغ ان کی بات سمجھ جائے گا۔

"پتا نہیں کیا سمجھتا ہے خود کو بے وقوف آدمی۔" بڑبڑاتی ہوئی وہ ادھر پہنچی تھی۔

"واہ جی۔۔۔ کب سے بلا رہی ہوں اور میڈم ہیں کہ اب آ رہی ہیں۔" اسے دیکھتے ہی ثمن نے طنز کا تیر پھینکا تھا۔ پر وہ خاموش رہی۔

"بتاؤ نا منہ کیوں پھولا ہوا ہے۔"

اس کے اصرار وہ کچھ نہ چھپا سکی۔

ثمن کو بھی دکھ ہوا۔ اس نے بھی غائبانہ سجاد کے بخیے ادھیڑے، اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھی۔ ہاں اس کا موڈ بحال کرنے کو آس پاس بکھری رونقوں کی طرف متوجہ کرنے لگی۔ پر اس کا دل اتنا برا ہو رہا تھا کہ

اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"چھپی پھوپھو نظر نہیں آرہیں۔" اسے دھیان آیا۔

"بیٹھک میں ہوں گی۔" زور، زور سے تالیاں پیٹتی ثمن پوری طرح محفل میں گم تھی۔ وہ فوراً" اٹھ کر اودھر چل دی اور مطلوبہ کمرے تک آکر وہ سخت پچھتائی کیونکہ آصفہ کے ساتھ وہاں جو ہستیاں موجود تھیں ان میں سے ایک سے تو وہ تصویر کی حد تک واقف تھی۔ آج پہلی بار روبرو دیکھ رہی تھی۔ اسکائے کلر کی بھاری کامدانی کی ساڑھی میں خوب صورت زیورات اور گہرا میک اپ کیے اس کی گوری رنگت خوب دمک رہی تھی۔ لیکن لگتا تھا سارے زمانے کی بے زاری اس کے حسین چہرے پر سمٹی ہوئی ہے اور دوسری خاتون کو وہ کم و بیش پانچ سال بعد دیکھ رہی تھی۔ بے حد قیمتی اور نفیس سوٹ ان کے بروقار سراپے پر بہت بج رہا تھا۔ گول کلائیوں میں پھنسے کنگن اور پرل کا نازک گلوبند ان کی شخصیت کو اور نکھار رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر وہ جھجک کر دروازے میں ہی رک گئی، تو اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں جوت جل اٹھی تھی۔ ناچار اسے اندر آنا پڑا۔ وہ یک ٹک پرشوق نگاہوں سے تکے جارہی تھیں۔

"اپنی لاجورد ہے آپا۔" آصفہ نے انہیں بتایا۔

"اے لو ہم کیا سمجھیں میں اسے پہچانی نہیں۔ اپنی بٹی کو اپنے خون کو۔ ماشاء اللہ کتنی بڑی، کتنی پیاری ہوگئی ہے۔ میری تو آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں، یقین کرو۔" گود میں لیے گپلو سے منے کو اس بے زار چہرے والی کے حوالے کرتے ہوئے وہ اٹھیں اور اسے گلے لگا کر چٹاچٹ پیار کر ڈالا۔

"مجھے تو جب سے فرجاد نے بتایا تھا کہ تم اچھی کے پاس ہو، میرا تو تب سے دل بڑا بے تاب تھا۔ پر میرا آنا ہی نہ ہوا، تم بتاؤ ٹھیک ہونا۔ تاجور کیسی ہے، وہ بھی ٹھیک ہے۔ اودھر ہی ہے نا۔" کتنی گرمجوشی تھی ان کے انداز میں، ان کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں، وہ بس سر ہلا کر رہ گئی۔

"آؤ، ادھر آؤ، بیٹھو میرے پاس اور اپنی بھابھی سے ملو ارباز کی دلہن ہے اور جاذبہ بیٹا یہ لاجورد ہے میرے بھائی عثمان کی بیٹی۔" انہوں نے رسم تعارف نبھائی۔ اس بے زار چہرے والی نے بس اک ناقدانہ نظر اس پر ڈالی اور مسلسل روتے اپنے چھکو کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"اُفوہ آنٹی، کتنا اچھا ہوتا آپ خود ہی اپنی رشتہ داریاں نبھالیتیں۔ مجھے خوامخواہ ساتھ گھسیٹ لائی ہیں۔ آپ دیکھیں یہ بالکل چپ نہیں ہو رہا، تنگ ہوگئی ہوں میں تو، یہ تو اچھا ہوا کہ منذر کو مما نے اپنے پاس رکھ لیا، ورنہ جانے کیا حشر ہوتا میرا اور وہ لڑکی کہاں رہ گئی ہے، جلدی سے فیڈر منگوائیں اس کا۔" نک سک سے درست وہ حسین مورت بڑے ہی بے تکے پن سے بچے کو جھلاتی انتہائی روکھے لہجے میں گویا تھی۔

"تم پریشان نہ ہو۔ لاؤ مجھے دو، اچھی تم ذرا اس کے فیڈر کا پتا کرنا۔" رقیہ پھوپھو نے لپک کر بچے کو پکڑ لیا تھا اور وہ بظاہر مہذب نظر آتی۔ ہونہہ کرکے سر جھٹک گئی۔ جس پر جو خجالت پھوپھو کے چہرے پر آئی اس سے لاجورد کو اک پرسکون سا احساس اپنے دل پر اترتا محسوس ہوا۔ روح پر چھائی کثافت جیسے ایک دم ہی چھٹ گئی۔ اگر قسمت نے ان کا واسطہ سجاد جیسے انسان سے ڈالا تھا تو لگتا تھا کمی یہاں بھی نہیں رکھی۔

"اتنی خوب صورت تو نہیں جتنی بن رہی ہے، اس سے زیادہ خوب صورت تو میری آپا ہیں۔" ایک فطری سا جلاپا اس کے اندر اٹھا تھا، جس پر وہ اسے ایک اور خطاب دے گئی۔

"ناشکری عورت۔" ایک انمول نعمت گود میں تھی اور وہ کتنی بے زار۔ بے ساختہ اس کا دل ہمک گیا۔ اس نے بچے کو پھوپھو کی گود سے لے لیا۔

گورا چٹا، نیلی آنکھیں گول مٹول سا اتنا پیارا چھوکر۔ اس نے بے اختیار اپنے لب اس کے پھولے گال پر رکھ دیے۔ بھوک کے علاوہ اس کی آنکھوں میں نیند بھی بھری تھی۔ اسے کندھے سے لگا کر ہولے ہولے تھپکنے لگی۔

"ارے یہ فتنہ تو کسی کے پاس بہلتا نہیں۔ اب دیکھو کیسے چپ کر گیا ہے۔" پھوپھو خوش ہوگئیں۔

اسی اثناء میں فرجاد کھلے دروازے سے اندر آیا۔

"بھابھی۔۔۔ ارباز بھائی کی کال ہے۔ آپ کا موبائل بند ہے شاید۔"

"میرا موبائل کبھی بند نہیں ہوا۔ میں خود بہت دیر سے ٹرائی کر رہی ہوں۔ لیکن اس جگہ سگنل پرابلمز ہیں۔" بڑی نخوت سے جواب دے کر اس نے سیل کان سے لگا لیا تھا۔ فرجاد نے اسے دیکھا تو اوہ کی صورت ہونٹ کھل گئے۔ لاجورد نے احتیاط سے سوئے ہوئے بچے کو بیڈ پر لٹایا اور کمرے سے نکل آئی، وہ پیچھے ہی آیا تھا۔

"میری فیملی سے میل ملاقاتیں، بے تکلفیاں، ایک مجھے دیکھ کر ہی منہ بنتا ہے تمہارا۔ آج بتا ہی دو مجھ سے کیا پرخاش ہے تمہیں؟" وہ راستہ روکے سراپا سوال تھا۔ اس کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔"

"بدتمیزی تو کوئی نہیں، بس اک آسان سا سوال پوچھا ہے۔" اس نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ گویا فرصت سے جواب لینا تھا اور اس کی جان پر بن آئی۔ ان دونوں کو کسی نے آمنے سامنے دیکھ لیا تو اک نیا تماشا کھڑا ہو سکتا تھا۔ وہ سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگی۔ فرجاد کا بازو راہ میں حائل ہوا۔

"ویسے ایک بات کہوں۔ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" گہری نگاہوں سے اسے سرتاپا دیکھتے وہ بولا تھا۔ پھر پلٹ کر اندر چلا گیا اور اک پل کو اس کی دھڑکنیں زیر و زبر ہوگئیں۔ اسے اپنے رخسار گرم ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ سر جھٹک گئی۔

"زمانے بھر کا چھچھورا۔" چہرہ تھپتھپاتے ہوئے وہ اسے خطاب عطا کر گئی۔

☼ ☼ ☼
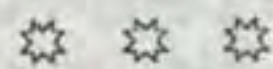
فائنل ایگزام میں کچھ ہی عرصہ رہ گیا تھا۔ اسی لیے سیکنڈ ٹائم اس نے اکیڈمی جوائن کرلی۔ روٹین ورک بہت ٹف ہوگیا تھا۔ سویرے کالج، شام اکیڈمی، مسز اکرام بہت سلجھی ہوئی خاتون تھیں۔ پڑھانے کا طریقہ بھی اچھا تھا۔ ان سے ڈسکشن کر کے وہ ریلیکس فیل کرتی تھی۔ کل اس کا باٹنی کا ٹیسٹ تھا اور تیاری مکمل۔ سو وہ بڑے فریش موڈ میں باتیں کرتی زرین کے ساتھ اکیڈمی سے نکلی تھی۔ زرین، آصفہ کے گھر سے ایک گلی پیچھے رہتی تھی۔ اس کے ہونے سے لاجورد کو آنے جانے کا بھی مسئلہ نہیں رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے ہی دھیان میں تھیں کہ قریب ہی بائیک کے ٹائر چرچرائے تھے۔ دونوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چونک گئی۔ گرے جینز پر ریڈ ٹی شرٹ پہنے۔ ماتھے پر سن گلاسز لگائے فرجاد تھا۔

"ہیلو۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔ آؤ بیٹھو، میں بھی گھر ہی جا رہا ہوں۔" اس کے دیکھنے پر اس نے یوں آفر کی جیسے وہ روز اس کے ساتھ ہی گھر جاتی ہو۔ جبکہ لاجورد کا دماغ بھک سے اڑا تھا۔ چند ثانیے وہ ہونق سی اسے دیکھتی رہی۔

"ہوا زہی۔" زرین نے اس کا بازو ہلایا تو وہ ہوش میں آئی۔ فرجاد بھی منتظر تھا۔

"پتا نہیں کون ہے، میں نہیں جانتی، آؤ چلیں۔" نہایت بے دردی سے اس کے تعلق کی نفی کرتی وہ زرین کا بازو پکڑے چل پڑی۔ فرجاد کے لب بھینچ گئے تھے۔ وہ اسے پہچاننے سے ہی انکار کر گئی تھی۔ اتنی ہتک۔

"جھوٹ مت بولو۔ وہ اتنی بے تکلفی سے تمہیں بلا رہا تھا۔" زرین کو یقین نہیں آیا۔

"ہونہہ۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے راہ چلتے رشتہ داریاں بنانے کا۔"

"پاگل تو نہیں لگتا، ویسے ہے بہت ہینڈسم۔" زرین نے مڑ کر دیکھا۔ لب دانتوں میں دبائے ماتھے پر کئی بل، وہ وہیں فریز ہوگیا تھا۔

"پھر دیکھتی رہو، میں جا رہی ہوں۔" اس کے قدموں میں تیزی آگئی تھی۔ زرین کو بھاگ کر اس کا

ساتھ دینا پڑا۔
وہ ہوائی رفتار سے گھر پہنچی تھی۔ گیٹ آصفہ نے کھولا اور اس کا چہرہ دیکھ کر ابھی وہ کچھ پوچھنے ہی والی تھیں کہ فرجاد کی بائیک آن رکی۔ رنگ اس کا بھی کم لال نہیں تھا۔ وہ تیر کی سی رفتار سے اندر گئی تھی۔ وہ بھی بائیک سے اتر آیا۔ آصفہ اسے لیے لاؤنج میں آئیں تو وہ پانی کی بوتل لیے کچن سے نکلی۔

"پتا نہیں، بعض لوگوں کو کیوں شوق ہوتا ہے اپنی اہمیت بڑھوانے کا۔" فرجاد اسے سنانے کو ہی بہت کلس کر بولا تھا اور اس نے سن لیا تھا۔ کتابیں اور بوتل صوفے پر پھینک کر اس کے مقابل آکھڑی ہوئی۔

"اور پتا نہیں بعض لوگوں کیوں شوق ہوتا ہے دوسروں کو ستانے کا۔ تمہیں کیا حق پہنچتا تھا کہ تم وہاں تک آئے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔"

"میں کزن ہوں تمہارا کوئی غیر نہیں۔" اس نے یاد دلایا۔

"تو یہ میرے یا تمہارے ماتھے پر نہیں لکھا۔ تم نے بہت چیپ حرکت کی ہے، کیا سوچتی ہوگی وہ لڑکی میرے بارے میں۔" دکھ سے اس کا گلا بیٹھ رہا تھا۔

"تو کیوں انکار کیا، مجھے پہچاننے سے... بتا دیتیں اسے کہ میں کون ہوں۔" اسے بھی غصہ آرہا تھا۔

"کیوں بتاتی میں اسے۔ کیا تم روز مجھے لینے آؤ گے۔"

"بسرو چشم... تم حکم کرو، میں روز بخوشی یہ ڈیوٹی انجام دوں گا۔" وہ چہکا اور اسے احساس ہوا کہ غلط کہہ گئی ہے۔ اگر وہ روز آنے لگا۔ وہ آصفہ کی طرف گھومی۔

"پھوپھو... پھوپھو... سمجھالیں اسے... میرے ساتھ پنگا نہ لے، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"تم سے اچھا بھی کوئی نہیں ہے۔" وہ غصہ بھلائے شرارت پر آمادہ تھا۔

"مائی فٹ۔" اس نے ٹیبل کو ٹھوکر ماری اور کمرے میں جا گھسی۔ فرجاد نے اس کی لائی بوتل اٹھا کر منہ سے لگالی۔

"یہ سب کیا ہے فرجاد۔ کیا، کیا ہے تم نے، کیوں لڑ رہے ہو تم دونوں۔" آصفہ حیران پریشان سی مکالمہ سن رہی تھیں۔ کچھ پلے نہیں پڑا تھا۔ فرجاد نے تمام ماجرا ان کے گوش گزار کیا۔ جس پر وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں، پھر پوچھا۔

"کیا سوچ کر تم اسے لینے گئے تھے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تو ادھر سے آرہا تھا کہ میں نے لاج کو دیکھا تو رک گیا۔"

"تمہیں ایک فیصد بھی امید تھی کہ وہ تمہاری آفر قبول کرلے گی۔" ان کے اگلے سوال نے اسے لاجواب کردیا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"نہیں نا، تو تمہیں ایسی حرکت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ لاجی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، تمہیں اسے راستے میں روکنا نہیں چاہیے تھا۔ تم نے اسے ہرٹ کیا ہے اور بہتر ہوگا کہ اس سے سوری کرلو۔"

"ارے واہ... اب میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا کہ میں معافی مانگوں۔" وہ اس تصور سے ہی بدکا۔ آصفہ کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ انہیں لاجورد کی فکر تھی اور جب اس کا موڈ بحال کرکے آئیں تو وہ جاچکا تھا۔

"لو... بغیر بتائے چلا بھی گیا۔ عجیب ہے یہ لڑکا بھی۔ غلطی بھی خود کی، اوپر سے نخرے بھی، اُفوہ، اس نے تو پانی بھی نہیں پیا تھا۔" آصفہ خود سے ہی سوال جواب کرتی گیٹ بند کرنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اور وہ تیسرا دن تھا جب اسے ایک کارڈ اور بکے موصول ہوا تھا۔ نمرہ اس کے پاس لے کر آئی تھی۔

"یہ کیا ہے۔" اس نے کتاب سے سر اٹھایا۔

"یہ کارڈ ہے، خوب صورت سا اور یہ پھول، کتنی پیاری خوشبو ہے ان کی۔" نمرہ نے ناک کے پاس لے جاکر لمبا سانس کھینچا۔

"وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے، پر آیا کہاں سے۔" اس نے کارڈ کھولا بڑا سا سوری لکھا تھا۔ نیچے بڑے مشکل سے سائن تھے۔

"کون لے کر آیا ہے۔"

"کوریئر سروس سے ابھی مما نے وصول کیا ہے، آپ کے نام تھا، کس نے بھیجا ہے۔" نمرہ اشتیاق سے پوچھتی پاس ہی بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں۔" اس نے کارڈ ہوا میں اچھال دیا۔ جو اندر آتی آصفہ کے قدموں میں جاگرا۔ وہ چائے لیے آرہی تھیں۔ جھک کر کارڈ اٹھایا۔

"نمرہ بیٹا آپ کی ٹیوٹر آگئی ہیں۔ آپ جاکر پڑھو اور ان کے لیے کچن سے چائے بھی لیتی جانا۔" انہوں نے نمرہ کو بھیجا، پھر اسے دیکھا۔

"بہت ہی بری بات ہے لاج، اگر کوئی اپنی غلطی پر نادم ہوجائے اور مہذبانہ طریقے سے سوری بھی کرے تو کیا پھر بھی ایسے کرتے ہیں۔ اتنے حسین پھول دیکھ کر بھی تمہارا غصہ نہیں اترا۔ چلو اٹھو، یہ پھول پکڑو اور انہیں گلدان میں سجادو۔ خلوص سے بھیجے ہوئے تحفوں کی ناقدری نہیں کرتے۔"

"اور میرے خیال میں ایک اور فضول حرکت کی ہے موصوف نے۔ تحفے وہاں بھیجے جاتے ہیں جہاں کوئی تعلق، کوئی قرابت داری ہو۔ مجھے کوئی انتظار نہیں تھا کہ وہ مجھ سے سوری کرے۔" وہ ابھی بھی اینٹھی ہوئی تھی۔

"تمہیں پتا نہیں تھا میں نے اس سے کہا تھا اور دیکھ لو وہ کتنا سمجھ دار اور فرماں بردار بچہ ہے۔ اس نے میری بات مان لی۔ ایک تم ہو ابھی تک دل میں غصہ دبائے بیٹھی ہو۔ وہ کوئی غیر نہیں۔ کزن ہے تمہارا۔ بچپن ایک ساتھ گزرا ہے تم دونوں کا۔ تعلق تو ہے تم لوگوں کے درمیان۔ ہاں قسمت کی ستم ظریفی نے دور کردیا ہے تو کیا ان دوریوں کو ایسے ہی رہنے دیا جائے۔ فاصلوں کو بڑھایا نہیں کرتے۔ اچھے لوگ وہی ہوتے ہیں جو انہیں گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تمہیں کیا پتا رقیہ آپا کتنی پریشان ہیں، کتنی دکھی ہیں وہ۔ ہماری ماجور خوش نہیں تو ارباز کی بیوی کا رویہ بھی دیکھ لیا۔ آپا بے چاری کے تو ناک میں دم کیا ہوا ہے اس نے۔ بچے سنبھالنے والی آیا سے زیادہ حیثیت نہیں ان کی۔ ارباز کو بھی خوب ہی قابو کیا ہوا ہے۔ وہ بے چارا دم نہیں مار سکتا اس کے آگے۔ اتنے حسن کو کیا چاٹنا ہے۔ جب گن ہی اچھے نہ ہوں۔ سچ پوچھو تو وہ خود بھی اب پچھتاتا ہے۔ اس کے کیے کی سزا وہ سارا کنبہ بھگت رہا ہے۔ آپا پر تو دوہری قیامت ہے۔ ایک تو بہو بے کار ملی، دوسرے بھائی سے تعلق ختم ہوگیا۔ ان کا تو بس نہیں چلتا کہ کون سی گھڑی ہو اور بھائی سے معافی ملے۔

فرجاد کو بھی ماں کے دکھ کا پورا احساس ہے۔ اس نے تو بھائی کا انجام دیکھ کر آپا سے کہہ دیا ہے کہ وہ ان کی مرضی سے شادی کرے گا۔ جہاں ان کی خوشی ہوگی، جہاں وہ چاہیں گی اور آپا نے بھی اس کے لیے لڑکی دیکھ لی ہے۔ پتا ہے کون ہے ان کی چاہت، ان کی خوشی۔" آصفہ رکیں، اس کا بے تاثر چہرہ دیکھا۔

"تم... تم ہو ان کی چاہت۔"

"میں... کیا۔" وہ جو بے توجہی سے سن رہی تھی اچھل ہی تو پڑی۔ وہ مزید کہہ رہی تھیں۔

"ہاں... آپا کی بڑی خواہش ہے۔ بھائی کے دل کا دکھ مٹانے کے لیے انہیں اک یہی صورت نظر آئی ہے اور سچی بات ہے مجھے بھی ان کا خیال اچھا لگا ہے۔ اس طرح دو بچھڑے بہن، بھائی مل جائیں گے۔ بکھرا خاندان یکجا ہوجائے گا۔ اور یہ سہرا کس کے سر ہوگا سوچو تو ذرا؟ کتنی بڑی نیکی ہوگی یہ، کتنا بڑا اعزاز، فرجاد کو بھی تم جانتی ہو، باتیں وہ بہت کرتا ہے، ذرا بڑبولا ہے، پر دل کا برا نہیں۔ اس میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہوسکتی ہیں۔ وہ خوب صورت ہے، پڑھا لکھا ہے، پھر اپنا بزنس بھی شروع کررہا ہے۔ اللہ نے چاہا تو بڑی ترقی کرے گا۔ بہت ہی محنتی اور لائق بچہ ہے۔ بس خدا کرے بھابھی کی سمجھ میں ہماری بات آجائے تو پھر بہت ہی اچھا ہو ہے نا۔" انہوں نے اس سے رائے چاہی، وہ بالکل ہی چپ ہوچکی تھی۔ کئی سوچیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔

"کیا ہوا ہے، کہاں گم ہو، دیکھو اگر تم نے کوئی اعتراض اٹھانا ہے نا تو سن لو کم از کم تمہارا کوئی اعتراض قابل قبول نہیں ہوگا، کیونکہ بڑے جو سوچتے ہیں اچھا

ہی سوچتے ہیں۔ میری تو اب ایک ہی دعا ہے۔ اللہ تم دونوں کا نصیب ایک کردے۔ میرے بہن 'بھائی مل بیٹھیں۔ ورک خاندان کی خوشیاں پھر سے لوٹ آئیں۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ اباجی کبھی راضی ہوں گے۔ آپ اس خیال کو رہنے ہی دیں تو اچھا ہے۔ پلیز پھوپھو کوئی بھی ایسی بات مت چھیڑیے گا' کہیں کوئی ہنگامہ نہ اٹھ کھڑا ہو۔" وہ بولی تو لہجے میں کئی خدشے سرسرا رہے تھے۔ اسے پہلا خیال یہی آیا تھا۔

"میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا۔ بھلا کیوں راضی نہ ہوں گے بھاجی۔ ہم بھی انہیں منالیں گے۔" آصفہ بڑی ریلیکس سی تھیں اور اس کے تو دل کا سکون اڑنچھو ہو گیا تھا۔ آصفہ کی کہی ساری باتیں کمرے میں چکرا رہی تھیں۔

کھلی کتاب پر کوئی لفظ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اکتا کر اس نے کتاب بند کردی۔ آنکھیں موندلیں 'تو چھم سے ایک شبیہ پلکوں پر اتر آئی۔ گھبرا کر آنکھیں کھولیں 'ٹیبل پر پڑے پھول اس کی بے بسی پر مسکرا رہے تھے۔ اس نے چڑ کر پھول اٹھائے ارادہ تو کیا دیوار پر مارنے کا 'مگر پھول بہت خوب صورت تھے یا ان کی خوشبو دلفریب تھی۔ یا پھر۔ جانے کیا ہوا۔ ہاتھ اٹھ ہی نہ سکے۔ مسکراتے ہوئے پھول اس کی جھولی میں آن گرے تھے۔

☼ ☼ ☼

"آئے ہائے۔ لڑکے تم نے تو میرا گھر ہی دیکھ لیا ہے 'کہاں تو سالوں نہیں بھٹکے 'اب ہر دوسرے دن منہ اٹھائے چلے آتے ہو۔ آخر مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔" آصفہ نے مصنوعی واویلا کیا وہ بھی بلا کا ڈھیٹ دانت نکوستے ہوئے کہنے لگا۔

"کوئی مسئلہ نہیں اچھی خالہ۔ اگر آپ کو میرے روز چلے آنے پر اعتراض ہے تو میں یہیں ڈیرہ جمالیتا ہوں 'پھر تو ناراض نہیں ہوں گی۔ آخر اور لوگوں کو بھی رکھا ہوا ہے آپ نے۔" وہ در پردہ اس پر چوٹ کر گیا جو خلاف توقع اپنی جگہ پر موجود تھی۔ ورنہ تو اسے دیکھتے ہی وہ منظر سے غائب ہونے میں دیر نہیں لگاتی تھی۔

"اور لوگ بامقصد رہ رہے ہیں۔" آصفہ اشارہ سمجھ گئیں۔

"تو میں کون سا بے مقصد رہوں گا' میرا مقصد تو ان لوگوں کے مقصد سے بھی زیادہ بلند ہے' بلکہ عظیم ہے۔"

"اف۔۔۔ بہت بولتے ہو تم۔"

"یہ بتاؤ کیا پیو گے۔" آصفہ نے اٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

"جو مرضی پلادیں۔ بس زہر نہ ہو 'کیونکہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ ابھی تو بہت سے خواب شرمندہ تعبیر کرنے ہیں ۔۔۔۔۔۔" آصفہ زچ ہو کر میدان چھوڑ گئیں۔ اس نے ریموٹ اٹھا کر چینل گھما دیا۔ نمرہ چیختی ہوئی اس کے سر ہو گئی تو لاجورد کو بھی اٹھنے کا بہانہ مل گیا۔ لاجورد نے کافی بنائی تھی سب کو سرو کرکے اپنا کپ لیے وہ چھت پر چلی آئی۔

کل جو کچھ آصفہ نے کہا۔ اگر ایسا ہوا تو' اس کا ذہن مسلسل بھٹک رہا تھا۔

"نہیں یہ ناممکنات میں سے ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ آصفہ پھوپھو تو بس 'لیکن اگر پھر بھی۔" اس کے اندر کئی آوازیں گڈمڈ تھیں۔

"اوفوہ۔" وہ جھنجلا گئی۔ کل سے ناچاہتے ہوئے بھی سوچ سوچ کر اعصاب تھک گئے تھے۔ تب ہی کوئی اس کے نزدیک کھنکھارا تھا۔ وہ گھبرا ہی گئی۔ کپ میں سے کافی چھلک گئی۔ کرسی پر سمٹے پاؤں جھٹ نیچے کیے۔ دل سکڑ کر پھیلا تھا۔ پیچھے فرجاد تھا' جس کے لبوں پر اس کے ڈرنے سے محظوظ مسکراہٹ آئی تھی۔ لیکن جس پر اس نے فوراً" ہی سنجیدگی کا پردہ ڈال دیا اور بازو سینے پر لپیٹے ہوئے دیوار سے ٹیک لگائی۔ کئی ثانیے خاموشی کی نذر ہوئے۔ وہ اٹھنے کو پر تولنے لگی۔ فرجاد نے ہی پہل کی۔

"تم نے میرے سوری کا جواب نہیں دیا۔" لاجورد کی سماعت میں اس کی آواز اتری۔ وہ سر جھکائے نیم اندھیرے میں کپ کے ڈیزائن کو گھور رہی تھی۔

"بتائیے۔ اب اور کس طرح معافی مانگوں۔ کیا الٹا لٹک جاؤں۔" اب کے آواز میں جھلاہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔

"سوری کا کیا جواب ہوتا ہے بھلا۔" جانے وہ بتا رہی تھی یا پوچھ رہی تھی۔ فرجاد ماتھے پر ہاتھ مار کر رہ گیا۔

"ارے بھئی سوری کا جواب ہوتا ہے' بس اک ذرا سی مسکراہٹ اور جو تمہارے پاس ہے نہیں' ہر وقت پنجے تیز کیے رکھتی ہو۔ بچپن کی عادت نہ گئی تمہاری۔ ہائے ماں جی کہاں پھنسانا چاہتی ہیں مجھے۔" وہ کراہا تھا۔ بے ساختہ وہ بولی۔

"کسی گمان میں مت رہنا' جو پھوپھو چاہتی ہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اباجی قطعاً" راضی نہیں ہوں گے۔"

"تم بھی کسی گمان میں مت رہنا' یہ میری ماں کی خواہش ہے اور اس کے لیے مجھے سر دھڑ کی بازی بھی لگانا پڑی تا تو گریز نہیں کروں گا۔"

"کیا مطلب۔۔۔ دھمکی دے رہے ہو مجھے۔" اسے تو غصہ ہی آگیا۔ جبکہ فرجاد کو ہنسی۔

"دھمکی نہیں دے رہا۔ ڈیئر کزن بتا رہا ہوں۔ ماما جی کی طرف سے مت گھبراؤ' انہیں منالیں گے۔ اس وقت تو میں صرف تمہاری رضا چاہتا ہوں۔ اگر تم راضی ہو گی تو میں اس سلسلے کو آگے بڑھاؤں گا اور وائز تم پر کوئی زبردستی نہیں۔ امی کو میں سمجھالوں گا۔ میں دس تک گنتا ہوں۔ اچھا لگتا ہوں تب بھی بتادو۔ برا لگتا ہوں تب بھی۔ میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔ چلو پھر شروع کرتے ہیں ایک' دو۔" وہ گن رہا تھا اور وہ حیران اسے دیکھ رہی تھی۔

عجیب دھونس بھرا انداز تھا۔ بھلا ایسے بھی کبھی کسی نے کیا ہو گا۔ اس کا دماغ تو ہر سوچ سے خالی ہو چکا تھا اور وہ ایک ہی سانس میں گنتی پوری کیے اس کے جواب کا منتظر تھا۔ جواب سر اٹھائے ستاروں کے جھرمٹ میں چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کیا۔ پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا اور لاجورد کے سر سے تو جیسے کوئی بلا ٹلی تھی۔ اک گہرا سانس لیتی وہ کرسی پر گر سی گئی اور ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ پھر آگیا۔ ہاتھوں میں ڈھیروں ڈھیر رنگ برنگے پھول لیے۔

"سیانے کہتے ہیں لڑکی کی خاموشی اس کی رضامندی ہوتی ہے۔ تھینک یو۔ تم نے مجھے خوش کیا۔" فرجاد نے سارے پھول اس پر اچھال دیے اور وہ جو اس کی بات پر بھنائی تھی' پھولوں کا حشر دیکھ کر تو پاگل ہی ہو اٹھی۔ وہ اس کے کئی مہینوں کی محنت ایک لمحے میں اجاڑ لایا تھا۔

"اف۔۔۔ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ہائے میرے پھول۔" وہ اسے مارنے کو لپکی تھی۔ پھر جھجک کر رک گئی اور اس کی حالت پر فرجاد کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔

☼ ☼ ☼

امی کا فون آیا تھا۔ وہ اسے گاؤں بلا رہی تھیں۔

"میرے تو منتھلی ٹیسٹ شروع ہیں کل سے۔ خیریت کیا بات ہے۔" سال سے اوپر ہو گیا تھا اسے یہاں آئے اور کبھی گھر سے اس طرح بلاوا نہیں آیا تھا۔

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔ اچھا تمہارے ٹیسٹ کب ختم ہوں گے۔"

"ہفتہ ڈیڑھ تو لگ ہی جائے گا۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اچھی سے بات کرواؤ ذرا۔" امی نے کہا تو اس نے ریسیور آصفہ کی طرف بڑھا دیا۔ سلام دعا کے بعد وہ سنتی رہیں اور جب فون بند کیا تو چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی تھی۔ اسے فکر لاحق ہوئی۔

"کیا ہوا 'کیا کہہ رہی تھیں امی۔"

"پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔ بات تو خوشی کی ہے۔ روحیل کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تمہارے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ بھابھی وہی تفصیل بتا رہی تھیں مجھے۔" آصفہ نے کہا اور وہ دھک سے رہ

گئی۔ ان کا چہرہ دیکھا۔ شاید مذاق کر رہی تھیں۔ لیکن وہاں ایسے کوئی آثار نہ تھے۔

"تو۔۔۔ تو۔۔۔ پھر۔" بولی تو خود ہکلا گئی۔

"تو پھر کیا۔ کچھ بھی نہیں۔ بھابھی اس سلسلے میں گاؤں بلا رہی ہیں ـــــ ان لوگوں نے آنا ہے۔"

"اور۔۔۔ اور۔۔۔ وہ جو بڑی پھوپھو' آپ کہہ رہی تھیں۔" وہ اٹک اٹک گئی۔ سمجھ نہ آیا کس طرح انہیں یاد دلائے اور وہ مسکرا اٹھیں۔

"ہاں۔۔۔ میں انہیں ابھی فون کرتی ہوں۔ وہ تو تمہارے امتحانوں کے انتظار میں تھیں کہ تم اطمینان سے امتحان دے لو تو پھر وہ کوئی ذکر کریں۔ مگر اب لگتا ہے۔ زیادہ دیر مناسب نہیں۔ ہمیں جلد ہی گاؤں جانا پڑے گا۔ تم تسلی رکھو۔ جو بھی ہے باہر کے لوگوں سے زیادہ حق ہمارا ہی ہے۔ ڈونٹ وری۔" آصفہ نے اس کا گال تھپکا اور وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

کیا پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی۔ وہ تو اس بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہ رہی تھی' تو پھر اب۔۔۔ اچانک۔۔۔ یہ کیا ہوا تھا۔ اس کا دل یک لخت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ پتا نہیں آگے کیا ہو گا۔ وہ حقیقتاً" متفکر ہو چکی تھی۔

اور پھر آگے کے تمام مراحل بڑی تیزی سے طے ہوتے چلے گئے تھے۔ آصفہ و عقیل کی بھرپور وکالت' چچاؤں کی پرزور حمایت۔ رقیہ پھوپھو کے آنسو' معافیاں' سب مل کر ابا کو سارے گلے شکوے بھلا کر پھر سے پرانی رفاقت جوڑنے پر مجبور کر گئے تھے اور شاید وہ خود بھی تھک گئے تھے۔

تاجور کا حال دیکھ کر اس کے لیے کوئی نیا تجربہ کرنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اس لیے اپنی انا کا پرچم جلد ہی سرنگوں کر گئے۔ ابھی تک تو جو بھی مذاکرات ہوئے تھے وہ ان بہن' بھائیوں کے درمیان ہی ہوئے تھے۔ بات خاندان میں نہ پھیلی تھی۔ لیکن اب سب کی متفقہ رائے تھی کہ اس خوشی کو باقاعدہ منایا جائے۔ چھ سال بعد روٹھے بہن' بھائی ملے تھے۔ کوئی چھوٹی بات نہ تھی۔ اس لیے آنے والے جمعہ کے مبارک دن دلاور پھوپھا و پھوپھو باضابطہ طور پر رشتہ لے کر آ رہے تھے۔

☼ ☼ ☼
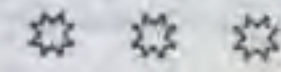
ورکوں کی حویلی میں آج پھر بہار آئی تھی۔ پھلوں کے ٹوکرے' بے شمار مٹھائی' پھول' آنے والے بڑے تزک و احتشام سے آئے تھے۔ سارا خاندان ہی جمع تھا۔ ہال کمرے میں خوب رونق تھی۔ امی کے چہرے پر بھی آج بہت دنوں بعد اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔ ابا جی کے جھکے شانے تن سے گئے تھے۔ ہشاش بشاش سے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد امی سے تمام انتظامات کی رپورٹ لے رہے تھے۔ صحن کے عقبی حصے میں مٹی کے چولہوں میں لکڑیوں کی دہکتی آگ پر کھانے پک رہے تھے۔ حالانکہ گاؤں کی بہترین نائن بلوائی گئی تھی۔ لیکن امی کو تسلی کہاں۔ وہ خود اس کے سر پر کھڑی ہدایات دے رہی تھیں۔ ابھی الائچی والی دودھ پتی بنوا کر اندر بھجوائی تھی۔ ساتھ کئی قسم کے بسکٹ تھے۔

"اوہو۔۔۔ بھابھی اگر آپ نے ہی کھانا پکانا تھا تو پھر اماں حاجن کو بلوانے کی کیا ضرورت تھی۔ ارے بھئی ان کو کرنے دیں نا' شکیلہ بھی ان کے پاس ہے' ہیلپ کروا رہی ہے ان کی۔ آپ الگ ہلکان ہو رہی ہیں۔ چلیں آئیں آپ کو آپا بلا رہی ہیں۔" آصفہ انہیں ڈھونڈتی ہوئی آئی تھیں۔

اور انہیں لیے کمرے میں آگئیں۔ ابا انہیں دیکھتے ہی خوشدلی سے بولے۔

"یہاں سارے مہمان تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں اور تم پتا نہیں کہاں وی آئی پی بنی گھوم رہی ہو۔" امی تو ان کی بات پر محض مسکرا کر رہ گئیں۔ جبکہ رقیہ پھوپھو فوراً" بولی تھیں۔

"ہاں تو میری بھابھی ماشاء اللہ ہے ہی وی آئی پی اور آج تو خصوصاً" کیونکہ ان کے پاس عرضدار جو آئے بیٹھے ہیں۔ ان کی قیمتی متاع مانگنے۔ انہیں حق ہے جتنا چاہیں انتظار کروائیں اور اب آپ دونوں موجود ہیں تو پھر بتائیں کیا جواب ہے ہماری عرضی کا۔"

"آپا میرا سب کچھ ہی آپ کا ہے۔ آپ میری ساری دولت بھی مانگیں تو انکار نہ کروں۔ لاج اب میری نہیں آپ کی ہی بیٹی ہے۔ بس ایک بوڑھے باپ کی اتنی سی درخواست ہے کہ اسے اپنی اولاد ہی سمجھنا' اس سے کبھی کوئی غلطی بھی ہو جائے تو ماں بن کر اصلاح اور درگزر سے کام لینا۔" ابا کا لہجہ بھر آیا' کتنے ہی دکھ آواز میں لرزنے لگے تھے۔"

"خوش رہو عثمان۔ تم نے میرا مان رکھا۔ میں بھی تمہیں مایوس نہیں کروں گی۔ لاجورد میری بیٹی ہے۔ ان شاء اللہ' پھولوں کی طرح رکھوں گی۔" پھوپھو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ بھائی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں دلاسا دیا۔ مبارک مبارک کا شور مچ گیا۔ آصفہ نے جگمگاتے کاغذ اور رنگین پھولوں میں لپٹی مٹھائی کی ٹوکری سامنے لا رکھی اور کھولنے کا اشارہ کیا۔

"ٹھہریں جی' جس کی وجہ سے یہ مٹھائی کھولنے لگے ہیں کیا اس سے بھی پوچھا ہے۔" بڑی دیر سے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے سجاد نے نہایت مدبرانہ انداز سے لب کشا کیے تھے اور اس کا یہ فصیحانہ سوال سب کو ہی بے محل لگا تھا۔ ساری بات ہو گئی تھی۔ مٹھائی کھلنے لگی تھی۔ عین اس وقت یہ شوشا۔۔۔ آصفہ نے اسے دیکھا۔

"ہم سب کی خوشی جس میں ہے وہی لاج کی خوشی ہے۔ پوچھنے کی کیا ضرورت۔ ویسے بھی ماں' باپ جو فیصلہ کرتے ہیں اولاد کی بہتری کے لیے ہی کرتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے بعض فیصلوں میں بہتری نہ ہوتی ہو۔ ماں' باپ کوئی غیبی علم تو نہیں جانتے۔ پڑھے لکھے ہوتے ہوئے جاہلوں والی بات کی ہے' لڑکی سے ہی نہیں پوچھا گیا میں تو کہتا ہوں اس سے سب کے سامنے پوچھا جائے' پھر کوئی حتمی فیصلہ کیا جائے۔" اس نے اک نئی ہیخ لگائی تھی۔

"نہ پتر نہ۔ یہ کوئی رواج نہیں' بیچ مجمع میں بیٹیوں سے اس طرح کی رائے لینا۔ غیب کا علم ماں' باپ نہیں جانتے تو بیٹیاں بھی اپنا نصیب چکھ کر نہیں دیکھ سکتیں۔" ابا کو بھی برا لگا تھا اس کا مشورہ۔ سبھاؤ سے جواب دیا۔

"پر چاچا ـــ آپ بھی سیانے بیانے ہو۔ لڑکی کی رائے لینے کو شرع بھی کہتی ہے۔" باقی تمام معاملات زندگی میں احکام شرع سے نابلد اس وقت معلومات شرع دے رہا تھا۔ لطیفہ ہی تھا آصفہ دانت کچکچا کر رہ گئیں۔ وہ کچھ بول بھی دیتیں' جو رقیہ پھوپھو ہاتھ دبا کر چپ نہ کرواتیں۔ اس خوب صورت موقع پر کسی طرح کی بدمزگی ناقابل قبول تھی اور سجاد جیسے شخص کے منہ لگنا نہایت ہی بے وقوفی تھی۔ انہوں نے خود ہی فیصلہ دے دیا۔

"چلو جی جس بات میں ہمارے بیٹے کی خوشی۔ ہم سب کے سامنے لاجورد سے پوچھ لیتے ہیں۔ اس میں کوئی برائی بھی نہیں۔ تاج پتر جاؤ اسے لے کر آؤ۔" انہوں نے قالین کے ڈیزائن کو گھورتی تاجور سے کہا جو بڑی دیر سے اس مشغلے میں مصروف تھی۔ اردگرد کے ماحول سے بے نیاز۔۔۔ ان کی آواز پر چونک کر سر اٹھایا اور سمجھنے کی کوشش کرنے لگی کہ کیا کہا گیا ہے۔ امی اس کے کھڑے ہونے سے پہلے ہی اٹھ گئیں۔

"میں لے کر آتی ہوں اسے۔" سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اس طرح تو ان کے پورے خاندان میں کبھی نہیں ہوا تھا جو آج ہونے چلا تھا۔ کچھ دیر بعد امی کے پیچھے وہ آئی تھی اور اس کی چال سے لگ رہا تھا کہ جیسے کھینچ کر لائی گئی ہے۔ آصفہ نے دیکھا اور رقیہ پھوپھو نے بھی نوٹ کیا اور حیران ہوئیں جو سوٹ اس کے لیے لے کر آئی تھیں وہ تو اس نے پہنا ہی نہیں تھا۔ صرف اس کا دوپٹہ کل کے سلوٹ زدہ کپڑوں پر اچھی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ شاید وہ بھی امی نے زبردستی اوڑھایا تھا۔ دوپٹے کے ہالے سے جھانکتا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ پپوٹے پھولے ہوئے' ناک سرخ عارض تمتمائے ہوئے اور لرزتے ہونٹ۔ وہ آکریوں بیٹھی جیسے ابھی اٹھ کر بھاگنا ہو اور کسی نے محسوس کیا ہو یا نہیں' آصفہ کو اس کے انداز عجیب لگے تھے' دلاور پھوپھا بولے۔

"لو جی آ گئی ہماری دھی رانی۔ سجاد میاں تمہیں بہت فکر ہو رہی ہے۔ بھئی تم ہی اس سے پوچھ لو جو پوچھنا چاہ رہے ہو۔" اور میاں سجاد سیدھے ہو بیٹھے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ گویا انہیں ایک سوال نہیں تقریر کرنے کو کہہ دیا گیا ہو۔

"ہاں بھئی لاج' آج کا دن بڑا خاص ہے' تمہاری ساری زندگی کا معاملہ طے ہو رہا ہے۔ یہ لوگ تو سب سوچے بیٹھے ہیں۔ مگر سچی بات ہے مجھے تم سے بہت ہمدردی ہے' میں نہیں چاہتا تمہارے ساتھ ناانصافی ہو۔ اس خاندان نے پہلے تمہاری فیملی کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی تمہارے سامنے ہے۔" (لو بھلا۔ اس وقت اس گزرے قصے کو چھیڑنے کی بھلا کیا تک ہے۔ یہ شخص ساری عمر اس واقعے پر گرد نہیں پڑنے دے گا۔ پھونکیں مارنے سے باز نہیں آتا اس نے۔) سب نے ہی پہلو بدلا تھا۔

"اب تمہاری باری آئی ہے۔ تم بتاؤ' تمہارا کیا خیال ہے اس رشتے کے متعلق۔ ہاں کہتی ہو یا نا۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" ساتھ مشورہ بھی دیا ایسے جیسے کوئز پروگرام والے آپشن دیتے ہیں۔ لاجورد کا سر مزید جھک گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھی کانپنے لگیں۔

"بولو بیٹا۔ سجاد میاں کو بتا دو۔ آخر بڑا بھائی ہے۔ بہت فکر ہے اسے تمہاری۔" دلاور پھوپھا کی طرف سے حوصلے کی کمک آئی اور اس کو لگ رہا تھا حوصلے کی طنابیں ٹوٹنے کو ہیں۔ بہت سے امتحان دیے تھے۔ مگر ایسا کڑا سوال ساری زندگی میں اس سے پہلے تک سامنے نہیں آیا تھا۔ وہ پل صراط پر آ کھڑی ہوئی تھی۔ آر یا پار۔ اس کے لیے تو دونوں طرف ہی جہنم لگ رہا تھا۔ زبان بند' لب سل گئے تھے۔ بھلا وہ کس دل سے قیامت کی اس گھڑی کو آواز دے لے جو آیا ہی چاہتی تھی۔ آصفہ تو اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئیں۔ لحہ بہ لحہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگ ان کی الجھن بڑھا رہے تھے۔

"آپ اللہ کا نام لے کر مٹھائی کھولیں آپا جان۔ ہماری بیٹی کی بھی وہی مرضی ہے جو ہماری ہے۔ اچھی بیٹیاں والدین کے فیصلوں پر سر جھکا دیتی ہیں۔" امی نے قصہ ہی تمام کر دیا اور وہ یوں اچھل کر کھڑی ہوئی جیسے صوفے میں کانٹے نکل آئے ہوں۔

"نہیں' نہیں۔۔۔ میں اس رشتے سے انکاری ہوں' میں نے نہیں کرنی شادی۔" وہ عجب بے ربطگی سے بولی اور بہ سرعت دروازے کی طرف لپکی اور سب نفوس ایسے ہو گئے جیسے اس کے منہ سے الفاظ نہیں بارود کی گولیاں نکلی ہوں اور سب کو بھسم کر گئی ہوں۔ یا ابھی ادھر سے کوڑیالا سانپ گزرا ہو۔ سب اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے۔

بس اک شخص نے نہایت اطمینان سے ٹانگ پر ٹانگ چڑھالی۔ اس کے بظاہر خوب صورت چہرے پر انتہائی مکروہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"چچ چچ۔۔۔ کیا زمانہ آ گیا ہے۔ گھر بلا کر اتنی بے (بے عزتی) اتنا بڑا ڈرامہ۔ لاجی نے تو حد ہی کر دی بے شرمی کی۔ بندہ پوچھے اگر تاجور کی شادی ارباز سے نہیں ہوئی تو دونوں کے مقدر۔ اس بات کو بنیاد بنا کر فرجاد نمانے سے کس بات کا بدلہ لیا ہے۔ ایسے تو کوئی غیر بھی نہ کرے۔ اللہ معافی' اللہ توبہ' ہائے وڈی آپا آپ کے ساتھ تو چنگا ہتھ ہو گیا۔ آپ تو سچی نیت لے کر آئی تھیں' پرا گلے کا کیا پتا لگتا ہے۔ ہائے اور دیکھو کیا ہو گیا۔" موٹی رفعت چاچی گال پیٹتی ہاتھ ملتی شوشے پہ شوشا چھوڑے جا رہی تھیں۔ دلاور پھوپھا کے وجود میں بھی جنبش ہوئی۔

"بس رقیہ بہت ہو گیا۔ بڑا شوق چڑھا تھا تمہیں بھائی سے ناتا جوڑنے کا اور گرو ان کے پیروں میں ہر والی اپنی عزت۔ اب اٹھو اور کتنا ذلیل کرواؤ گی۔" ان کی دھاڑ شیر سے مشابہ تھی۔ ابا تو دونوں ہاتھوں میں سر تھام گئے۔ ان کے تو ہونٹ ہی جڑ گئے تھے۔ امی کے بھی کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ہر چیز دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

"ہائے ایسہ کی ہو گیا۔ اوہ بی بی جی بارتے ——

تے دیکھو ہائے اللہ لاج باجی ہوش کرو۔" یکبارگی باہر سے شکیلہ کی چیخ و پکار آنے لگی۔ لاجورد کمرے سے نکلتے ہی دو قدموں پر زمین بوس ہو گئی تھی —— آصفہ اور تاجور کے علاوہ کوئی باہر نہیں گیا تھا۔ کسی کو اس سے ہمدردی نہیں تھی۔ اسے بھی نہیں جس نے کچھ دیر پہلے اعلان کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہائے ہائے بس یہی کسر رہ گئی تھی۔ یہی دن دیکھنا باقی تھا —— اتنی ذلت' اتنی بے عزتی' پہلے کیا کم عذاب تھے ہمارے اوپر۔ تو نے ہمارے سفید بالوں کا بھی خیال نہ کیا' کیسی خاک ڈال دی۔ بوڑھے باپ کی عزت' خوشی' کسی چیز کا خیال نہ آیا تجھے۔ ہمیں کسی کے سامنے سر اٹھانے جوگا نہیں چھوڑا۔ ہر کوئی تھو کے گا ہم پر۔ یہ کیا کیا ہے تو نے۔ ہائے تو مر کیوں نہ گئی اس وقت۔" امی واویلا کر رہی تھیں۔ جیسے سچ مچ کسی کی موت ہو گئی ہو اور موت تو ہوئی تھی' بلکہ خودکشی کی گئی تھی۔ اس نے کس کرب و اذیت سے گلا گھونٹا تھا اپنے ہی ہاتھوں اپنے نئے نویلے جذبات کا۔ اپنی روپہلی محبت کا۔ اس نے اجاڑی تھی اپنی دنیا۔ اپنا دل۔۔۔ اس نے برباد کیا تھا۔ اپنا راستہ' اپنی زندگی۔

اس نے تو ابھی خواب دیکھنے شروع ہی کیے تھے کہ آنکھوں میں دھول پڑ گئی۔ اس نے تو ابھی رنگوں کو چھوا تھا کہ وہ کچے بے رنگ پانی کی طرح بہہ گئے۔ وہ تو پھولوں بھری راہ پر ایک قدم ہی چلی تھی کہ راہ پر خار پر گھسیٹ لی گئی تھی۔ اس کے خوابوں کی بہت بھاری قیمت مانگی جا رہی تھی۔ بہت گراں تاوان کا مطالبہ کیا گیا تھا جو اس کی استطاعت سے باہر تھا۔ سو وہ دست بردار ہو گئی اور یہ دستبرداری کیا کیا قیامتیں لائی تھی اور لائے گی' کون جانے سارے خاندان میں ہونے والی جگ ہنسائی کے خوف سے امی کا دل پھٹا جا رہا تھا۔ صدمہ ہی اتنا تھا کچھ دیر پہلے وہ سب کتنے خوش تھے اور اب۔

"سارے زمانے میں ہماری ناک کٹوا کر خود بے ہوشی کا ڈرامہ رچا رہی ہے نامراد۔" ان پر جنون سوار تھا۔

"امی آرام سے اس موضوع پر پھر بات کر لیں گے۔ ابھی حالت تو دیکھیں اس کی۔" تاجور نے انہیں روکنا چاہا۔

"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ حالت دیکھوں میں اس کی۔ ہماری حالت نہیں دیکھی تم نے۔ اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ تمہارے دکھ سہہ سہہ کر ادھ موا ہوا پڑا ہے۔ آج اس نے مارنے میں کسر نہیں رکھی۔ میں کہتی ہوں نکلو باہر۔ تم بھی جاؤ اچھی۔" انہوں نے دونوں کو پکڑ کر نکال باہر کیا اور کنڈی چڑھالی۔

"ہاں اب بتا کس بات کا بدلہ لیا ہے تم نے۔ جب ہم نے ہر پرانی بات بھلا کر تمہارے ہی بھلے کے لیے انہیں دوبارہ گلے لگالیا' تو پھر کیا ہوا' کیوں رولی ہماری عزت۔" وہ پلٹ کر اس تک آئیں۔ باہر وہ دونوں دروازہ پیٹ رہی تھیں۔ اندر وہ اسے۔۔۔ وہ چپ چاپ پٹتی رہی۔ اک کراہ منہ سے نہ نکالی۔ جتنی سختی وہ جھیل گئی تھی۔ اس کے مقابلے میں تو کچھ بھی نہ تھی۔ امی مار' مار کر تھک گئیں' تو وہ ان سے لپٹ کر رونے لگی اور جتنا چاہے غصہ کرتیں۔ آخر وہ ماں تھیں' مار کر اسے خود میں سمیٹ لیا۔

"کیوں کیا لاجی تو نے ایسے کیوں کیا۔ کیوں ہمارے سروں میں خاک ڈلوائی۔ اپنے نصیب کو بھی لیک لگالی بے حیا گلے تو نے۔"

"مجھے معاف کر دیں امی' مجھے معاف کر دیں' میرا قصور نہیں ہے۔ میرے لیے جو فیصلہ ابا نے اور آپ نے کیا' مجھے دل سے قبول تھا —— مجھے تو مصلوب کیا گیا اور ہم سے یہ دشمنی سجاد بھائی نے نکالی ہے۔ ہاں امی انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں نے اس رشتے کے لیے ہامی بھری تو وہ آپا کو طلاق دے دیں گے۔ آج ابھی سب کے سامنے' امی میری دکھی آپا' میں کیسے ان کے دکھوں میں اضافہ کر دیتی۔ امی میں نے اپنی خوشیاں قربان کر دیں' امی میں نے اپنے خوابوں کو آگ لگا دی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی اور

انہیں تو یہ سن کر سکتہ ہی ہو گیا۔
اتنی نفرت، ایسا عناد، اتنا بغض، اتنی خودساختہ دشمنی، تاجور تو سزا کاٹ رہی تھی کہ اس ظالم انسان کو یہی شک رہتا تھا کہ وہ ارباز کو نہیں بھولی۔ اب بے قصور وہ بھی ماری گئی تھی کہ بقول اس کے۔
"بڑے نے بڑی کا دماغ خراب کیا تھا۔ وہ آج تک اس کی یادوں سے نہیں نکلی۔ سب نے مل کر میری زندگی برباد کی۔ ارے تم نے بہن کے تجربے سے کچھ نہیں سیکھا۔ اب چھوٹے کے چکروں میں تم آگئی ہو۔ کچھ تو سوچا ہوتا فرجاد سے پینگیں بڑھاتے ہوئے۔ لیکن قصور تمہارا بھی نہیں، یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے سفید کپڑا بھی رنگین نظر آتا ہے۔ مجھے پتا ہے وہ تمہاری پھوپھی کے گھر آتا جاتا ہے۔ یہ سارا چکر اسی کا چلایا ہوا ہے۔ پر کیا تم نہیں جانتیں۔ کتنے دھوکے باز ہیں یہ۔ ان کا کوئی اعتبار ہے۔ عقل مند وہی ہوتا ہے جو ایک سوراخ سے دوبارہ نہ ڈسا جائے۔ کل کو فرجاد کو بھی کوئی رئیس زادی نظر آگئی تو وہ ادھر چل پڑے گا تو تم یہاں روتی رہ جاؤ گی اور میں تمہارا ہمدرد ہوں، میں نہیں چاہتا کہ یہ رشتہ ہو۔ وہ تو دور رہ کر نہیں بھولتے تمہاری آپا کو۔ قریب آگئے تو۔۔۔
بس میں اس فیملی کا کوئی فرد ایک نظر برداشت نہیں کر سکتا اور یہاں ساری زندگی کا رشتہ جوڑنے لگے ہو۔ یاد رکھنا اگر ایسا ہوا تو میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔ تمہاری لاڈلی آپا کو یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ ہمیشہ کے لیے، تمہیں سب کے سامنے انکار کرنا ہو گا۔ ورنہ میں سب کے سامنے اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔ سوچ لو اپنی خوشیاں چاہتی ہو یا بہن کی طلاق۔" کس قدر رعونت و سفاکی تھی اس شخص کے لہجے میں۔ وہ سر تا پیر کانپ گئی۔ وہ احساس کمتری کا مارا ہوا۔ خود تو محبت کرنے کے ہنر سے واقف نہیں تھا کہ اگر ذرا سی بھی عقل اس میں ہوتی تو اپنی اور تاجور کی زندگی تباہ کیے نہ رکھتا۔ محبت کو بھلانے کے لیے بھی محبتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ بات اگر وہ جانتا تو رونا کیا تھا۔ وہ اپنی زندگی تو اجاڑے ہوئے تھا۔ اس کی آرزوؤں کا چمن بھی اجاڑ گیا تھا۔ وہ سر پٹخ پٹخ کر رو رہی تھی۔
"بس۔۔۔ بس چپ کر۔ یہ بات یہیں بھول جاؤ، کسی سے مت کہنا۔ پی جاؤ اسے۔" امی کا سکتہ ٹوٹا تھا۔
اور کیا اس کے لیے یہ بھول جانا آسان تھا۔ کبھی شیشہ بھی ٹوٹ کر جڑا ہے۔ پھول بھی کبھی بکھر کر سمٹا ہے۔ اس کا دل ماتم کناں تھا۔ آنکھوں میں ریزہ ریزہ خوابوں کی کرچیاں تھیں۔ جنہیں دیکھ کر امی پھر ماتم کناں ہو گئیں۔ تاجور کا دکھ ہی کیا کم تھا کہ اب وہ بھی۔
"نہیں میرے اللہ نہیں، مجھ میں اور برداشت کی سکت نہیں۔ میری بچی سے کوئی کڑا امتحان نہ لینا۔ اس کے مقدر میں خوشیاں ہی خوشیاں لکھ دے مولا۔" ان کا ممتا بھرا دل کرلانے لگا۔ رب کے حضور گڑگڑانے لگا اور ایک ماں کی دعا تو وہ قریب ہو کر سنتا ہے۔ وہ خود ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرنے والا ہے اور بے شک اس کی رحمتیں بے شمار ہیں۔

☼ ☼ ☼
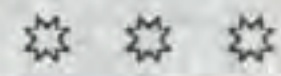
دروازے پر مسلسل دستک ہو رہی تھی۔ امی نے دروازہ کھولا اور باہر چلی گئیں۔ اندر آنے والی آصفہ تھیں، جن کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی۔ ہاتھ میں تھاما موبائل انہوں نے اس کے سامنے پھینکا تھا۔
"فرجاد کی کال آئے گی ابھی، تم سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔" وہ الٹے قدموں پلٹ گئیں اور وہ اک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ اس کے حصے میں صرف خسارا نہیں بلکہ خسارے ہی خسارے آگئے تھے۔ جن کا ادراک اسے بتدریج ہو تا تھا۔
موبائل فون کی مدھر ٹیون بجنے لگی۔ اک پل کو تو اس کا دل دھڑکنا ہی بھول گیا۔ اس لمحے کا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اس نے صرف اپنا زیاں نہیں کیا تھا۔ اسے بھی گہری زک پہنچائی تھی۔ وہ کس منہ سے اس سے بات کرے گی کیا کہے گی کیا رہ گیا تھا اس کے پاس کہنے سننے کو۔ کچھ بھی تو نہیں۔ سب کچھ تو ختم ہو گیا تھا۔ بیل بجتی ہی جا رہی تھی۔ آخر کار اس نے ہمت کی۔ ہاتھ بڑھا کر موبائل اٹھایا۔ لاجورد ادھر سے تصدیق چاہی گئی تھی اور جسے اپنے ہاتھوں پرایا کیا تھا۔ اس کی آواز سن کر وہ نئے سرے سے بکھر گئی۔
"مجھ سے کچھ مت پوچھنا۔ مجھے کچھ مت کہنا۔ میں کچھ نہیں بتا سکوں گی۔ خدا کے لیے۔"
"میں نے تم سے کچھ پوچھنے کے لیے فون نہیں کیا، نہ ہی تمہارا رونا سننے کے لیے فون کیا ہے۔ تم نے جو کھیل کھیلنا تھا کھیل چکیں۔ میں تو حیران ہوں، معصومیت کی آڑ میں اتنا زہر چھپائے رکھا تم نے۔ اتنا بڑا دھوکہ کیا میرے ساتھ۔ اگر تمہاری بددیانتی صرف مجھ تک رہتی تو ٹھیک تھا۔ میں سہہ جاتا۔ لیکن میرے والدین کو گھر بلا کر پورے خاندان کے بیچ اس طرح بے عزت کرنا میری برداشت سے بہت زیادہ ہے۔ تم نے بہت بھاری قرض چڑھا دیا ہے مجھ پر اور مقروض تو میں کبھی رہتا نہیں۔ فکر نہ کرنا بہت جلد اتاروں گا سود سمیت۔" کیسی بے گانگی تھی اس کے لہجے میں اور لفظوں میں انتہا درجے کی تپش۔ اس قدر بدگمانی، اتنی نفرت کیا محبتیں اتنی جلدی مر جاتی ہیں۔
"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ فرجاد۔۔۔ نہیں۔۔۔ پلیز تم تو مجھے سمجھو۔ کم از کم تم تو ایسے نہ کہو۔ میں مجبور ہو گئی ہوں۔ مصلوب کر دی گئی ہوں۔ باقی جو چاہیں سمجھیں جو مرضی کہیں۔ میں سب کی نفرت سہہ سکتی ہوں۔ مگر تم تو غیرت کا لبادہ نہ اوڑھو، تم تو بہتان نہ باندھو۔ میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک تو مت چھڑکو۔ پلیز فرجاد، پلیز۔۔۔ پلیز۔" وہ کرلا رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ فریاد کناں تھی۔ لیکن کون تھا جو سنتا۔
"ٹوں۔۔۔ ٹوں۔۔۔ ٹوں۔۔۔" رابطہ تو کب کا منقطع ہو چکا تھا اور اسے لگا تھا اس کی روح کا اس کے جسم سے۔

☼ ☼ ☼

دن بھر کے تھکے ہارے شاہ خاور نے اپنے سنہری پر سمیٹ لیے تھے۔ مغربی افق پر ڈوبتے نارنجی گولے سے پھوٹتی شعاعوں نے آسمان پر پھیلے سفید بادلوں کو البیلی نار سا روپ عطا کر دیا تھا ہر سو۔ اک کاسنی شام اتر رہی تھی۔
پرندے غول کے غول بنائے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ کس قدر خوب صورت تھا یہ منظر۔ وہ بہت دیر سے بانسوں کے جھنڈ تلے بیٹھی تھی اور ہر روز کی طرح آج بھی یہ قدرتی دلکشی اس کے اندر کی اداسی ختم نہیں کر سکی تھی۔ اس کے لیے تو اک اور سوگوار دن کا اختتام ہوا تھا اور پر درد رت جگے کا آغاز ہوا چاہتا تھا۔ زندگی کسی بے کیف اور بے رنگ ہو گئی تھی۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔ اس سے کچھ ہی فاصلے پر شکیلہ دہکتے تندور میں روٹیاں لگا رہی تھی ساتھ اس کی زبان بھی پوری رفتار سے چل رہی تھی۔ یقیناً" وہ اسے ہی سارے پنڈ کے قصے، کہانیاں سنا رہی تھی اور وہ تو اپنے ہی دکھوں میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اک لفظ پلے نہیں پڑا تھا۔
"اے لو جی۔ میرا کم تے ہو گیا۔ خیر نال تسی وی ہن اٹھو تے چل کے روٹی ٹکر کھا لیو۔ آپ نے تو دوپہری وچ کج نہیں کھایا تھا۔" شکیلہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اکثر دیہاتوں میں رات کا کھانا مغرب کے ساتھ ہی کھا لیا جاتا ہے۔ ان کے گھر کا بھی یہی اصول تھا۔ شکیلہ سب لوازمات سمیٹ رہی تھی۔ گرم گرم تندوری روٹیاں جو ہمیشہ اسے بہت مرغوب تھیں۔ آج تو ان کی سوندھی سوندھی خوشبو بھی اس کی بھوک نہیں جگا سکی تھیں۔ وہ ہنوز گم سم تھی۔ حتیٰ کہ اب تو خونی مچھروں کا غول بھی اس کے پھیرے لینے لگا تھا۔ "لاج باجی، ہن اٹھ وی جاؤ۔ ایس ویلے درختاں تھلے نئیں بیٹھدے۔ جن بھوت چمبڑ (چمٹ) جاندے نے۔"
"جن کو دکھوں کے بھوت چمٹ جائیں ان کو۔ ان جنوں، بھوتوں کا کیا ڈر۔" اس کے سینے سے ہوک نکلی تھی۔ امی کی آواز پر شکیلہ ادھر چل دی۔
ابا جی نماز پڑھ کر مسجد سے لوٹے تو اسے وہیں پایا جہاں وہ عصر سے پہلے اسے دیکھ کر گئے تھے۔
"لاج پتری یہ کوئی وقت ہے اس جگہ بیٹھنے کا۔ سو کیڑے مکوڑے کھڈوں سے نکل آتے ہیں۔ کوئی

کاٹ جائے گا' اٹھ جاؤ اب۔" ان کے لہجے میں پیار اور تحکم تھا۔ اسے اٹھنا ہی پڑا۔ اس روز کے بعد ابا جی اس سے شدید ناراض ہو گئے تھے۔

دو دن تو انہوں نے اس کی شکل نہ دیکھی تھی۔ پھر امی نے جانے کن الفاظ میں انہیں صورت حال بتائی تھی کہ ان کا دل نرم ہوا۔ اسے سینے سے لگا کر وہ کتنی دیر روتے رہے تھے۔ کس قدر برا انسان تھا۔ سجاد جس نے اپنی منتقمانہ فطرت سے ان سب کو اذیت پہنچائی تھی۔ اس کے دل میں تو اس شخص کے لیے خاص عزت نہیں تھی اور اب صرف نفرت ہی نفرت تھی۔

☼ ☼ ☼

آصفہ کی طرف آئے اسے ایک ہفتہ ہو چلا تھا۔ ابا جی اسے خود چھوڑ کر گئے تھے۔ ڈھیروں تاکیدوں کے ساتھ کہ وہ اپنا خیال رکھے' پورے دھیان سے پڑھے۔ پھوپھو کو تنگ نہ کرے وغیرہ وغیرہ۔

آصفہ دو' تین روز تو اس سے خوب اکھڑی اکھڑی رہیں۔ پھر نارمل ہو گئیں۔ لیکن وہ پہلی سی بات نہ تھی۔ کئی بار تو اس کا چاہا سب چھوڑ چھاڑ واپس چلی جائے۔ پھر ابا کی تاکیدیں یاد آتیں' تو خود کو سنبھالنے لگی۔ زیادہ سے زیادہ کتابوں کی طرف دھیان رکھتی کہ دل بہلانے کا واحد ذریعہ بھی یہی تھا۔

وہ بھی ایک اداس سی شام تھی۔ وہ پورے انہماک سے کتابوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ جب گیٹ کے باہر بائیک رکی۔ اس کا دل ڈوب کر ابھرا تھا۔ کچھ توقف سے بیل ہوئی۔ نمرہ بھی اس کے پاس ہی ہل ہل کے سبق یاد کر رہی تھی' کتاب رکھ کر گیٹ کی جانب دوڑی۔

"آہا فرجاد بھائی۔" اس کی چیخ نے گمان پر یقین کی مہر رکھی تو ڈوب ڈوب کر ابھرتا دل اک لحظے کو تو بالکل ہی ڈوب گیا۔ اس کا سامنا کسی کڑے امتحان سے کم نہ تھا۔ بے اختیار کتاب چہرے کے آگے کر لی۔ اس سے چھپنے کی اک بے وقوفانہ کوشش۔

ہمیشہ نک سک سے سجا بنا فرجاد آج یکسر بدلا ہوا تھا۔ ملگجے سے شلوار قمیص میں ملبوس' بکھرے بالوں بڑھی شیو کے ساتھ نڈھال تھکا تھکا سا۔ اسے دیکھ کر لاجورد کے دکھوں میں اور اضافہ ہوا تھا۔

اس نے صرف اپنا چہرہ چھپایا تھا۔ تمام وجود تو نہیں' لیکن وہ اسے یکسر نظر انداز کیے اندر چلا گیا اور وہ سخت پچھتائی۔

"کیوں کیا میں نے ایسا۔ اس کا سامنا کر کے معافی کیوں نہیں مانگی۔ اس کی غلط فہمی دور کیوں نہ کی۔ اسے بتایا کیوں نہیں کہ جو کچھ وہ سمجھتا ہے ویسا کچھ نہیں۔ اگر وہ دکھی ہے تو میں خود کتنی دکھی ہو گئی ہوں جب منزل فقط دو گام رہ جائے اور تقدیر کوئی چال چل جائے تو دل و روح کیسے گھائل ہوتے ہیں۔ خوابوں کی کرچیاں کیسے ریشہ ریشہ ادھیڑ ڈالتی ہیں۔ تم نے اذیت سہی ہے تو عذاب میں بھی بھگت رہی ہوں۔ امید کی ٹوٹی ڈور الجھ گئی ہے۔ اب یہ سلجھتی بھی ہے یا۔" وہ سوچوں میں الجھی تانے بانے بن رہی تھی۔ خیالوں ہی خیالوں میں اسے کتنا سنا رہی تھی اور چونکی تو تب جب وہ اندر سے نکلا اور سیدھا گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ اب تو اس کے چہرے کے آگے کتاب نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے نگاہ غلط تک نہ ڈالی تھی۔ وہ گیٹ کھول چکا تھا۔ جب وہ بے تاب ہو کر پکار اٹھی۔

"فرجاد۔۔۔ فرجاد۔" ننگے پاؤں اٹھ کر وہ گیٹ تک دوڑی تھی۔ اس نے سنا نہیں تھا یا ان سنی کر گیا تھا۔ اس کے گیٹ تک پہنچنے پر وہ بائیک کو زوردار کک لگا چکا تھا۔

"فرجاد رکو۔۔۔ میری بات تو سنو' پلیز۔۔۔" اس کا دوپٹہ کانٹے دار جھاڑی میں الجھا تھا۔ بالکل اس کے نصیب کی طرح۔ وہ جا چکا تھا۔ پیچھے دھول اڑ رہی تھی۔ وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔ نڈھال قدموں سے پلٹی تو سامنے ہی آصفہ سے نظر جا ملی جو نہایت عجیب تاثرات سے اسے گھور رہی تھیں۔ وہ اندر تک کٹ کر رہ گئی۔ بے قصور ہوتے ہوئے وہ قصور وار ٹھہرا دی گئی تھی۔ جو گناہ کیے نہ ہوں ان کا بھگتان بھرنا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ اس نے اب جانا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات روتے تڑپتے گزری۔ صبح سر منوں وزنی تھا۔ آنکھیں شدت گریہ کی چغلی کھاتی ہوئیں۔ اسی لیے تو جب وہ کالج یونیفارم پہنے کچن میں آئی تو آصفہ بھی چونک گئیں۔

"کیا بات ہے لاج' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

"جی۔۔۔" اس نے مختصر جواب دے کر چائے کا کپ اٹھا لیا۔ رات بھی اس نے کھانا برائے نام کھایا تھا' آصفہ نے ٹوکا۔

"خالی پیٹ چائے مت پیو' ناشتا کرو' میں تو کہتی ہوں کالج مت جاؤ مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ نمرہ کو بھی رات سے بخار ہے۔ وہ آرام کر رہی ہے۔"

"لیکن میرا آج بہت ضروری پریکٹیکل ہے۔ چھٹی نہیں کر سکتی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" اس نے انہیں تسلی دی اور مزید اطمینان کے لیے تھوڑا بہت ناشتا بھی کر لیا۔ انہیں خدا حافظ کہتی وہ گھر سے نکل آئی۔ روڈ تک آتے ہی کالج وین مل جاتی تھی۔ ابھی اسے کھڑے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ بلیک شیشوں والی وائٹ کرولا پاس آن رکی۔ فرنٹ ڈور کھلا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان شخصیت کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔ بلو جینز پر ریڈ وائٹ لائننگ والی شرٹ پہنے' تازہ شیو کیے' جیل سے بال سمیٹے۔ خوشبوؤں میں نہایا ہوا کل کی بہ نسبت بہت نکھرا نکھرا اور اچھا لگ رہا تھا۔ کل وہ اس کی پکار پر ٹھہرا بھی نہیں تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا اور اس کی ناراضی کیسے اسے سولی پر لٹکائے ہوئے تھی۔

ملنا نہ ملنا سب مقدر کے ہاتھ ہے' لیکن اگر محبت میں بدگمانیاں پیدا ہو جائیں تو یہ تمام عمر ناسور بنتے جسم و جاں کو جلائے آزاد رکھتی ہیں۔ دل یاد ماضی کا بوجھ اٹھائے بے کل بے کل' آنکھیں لہو چھلکاتی اور روح بے یقینیوں کی کثافت میں لپٹی ہر پل کرلاتی ہوئی۔ بچھڑنا ہی ہے تو پھر اس طرح بچھڑا جائے کہ اپنی ذات پر بے وفائی کا داغ نہ لگا رہے۔

فرجاد اک لفظ نہیں بولا تھا۔ دروازہ کھولے خود ونڈ اسکرین کے پار دیکھتا۔ گویا بیٹھنے یا نہ بیٹھنے کا فیصلہ اس پر تھا اور فیصلہ تو وہ کر چکی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔ فرجاد نے اگنیشن میں چابی گھمائی اور گاڑی سبک رفتاری سے چلنے لگی۔

کسی جھٹکے سے اس کا استغراق ٹوٹا تھا۔ گاڑی شہر کی حدود سے باہر کے راستے پر محو سفر تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ فرجاد۔۔۔ میں نے کالج جانا تھا بہت ضروری۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ مکمل بے تاثر تھا۔

"اف خدا تم کہاں لے کر جا رہے ہو' مجھے کچھ بولتے کیوں نہیں۔" ایک تو انجان راستے پر وہ گونگے کا گڑ کھائے بیٹھا تھا وہ چیخ اٹھی۔

"گھبراؤ مت۔ اغوا نہیں کرنے لگا تمہیں۔ جیسے لے کر جا رہا ہوں ویسے چھوڑ آؤں گا اور پلیز اب کوئی سوال نہ کرنا کار ڈرائیونگ کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے میرا' اپنے ساتھ ساتھ مجھ غریب کو بھی مرواؤ گی۔" وہ نہایت بے لچک و دو ٹوک لہجے میں کہتا یکسر اجنبی لگا تھا اور پھر واقعی لاجورد کی ہمت نہیں پڑی تھی اسے مخاطب کرنے کی۔

البتہ دل کو پنکھے لگ گئے تھے۔ وہ اس لمحے کو پچھتا رہی تھی۔ آخر کار ہوا کے دوش پر تیرتی گاڑی ایک نسبتاً "غیر آباد علاقے میں جا پہنچی۔ جا بجا تعمیراتی کام ہو رہا تھا۔ وہ بھی ایک زیر تعمیر بنگلہ تھا۔ جس کے کچے پورچ میں فرجاد نے کار جا روکی تھی اور اس تمام عرصے میں پہلی بار مسکرا کر اس پر نگاہ کی' جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں سمجھتا رہا کہ تم نے صرف میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے۔ لیکن آج جس طرح بغیر کسی تصدیق کے تم نے مجھ پر اعتبار کیا اس سے میں نے محسوس کیا ہے کہ شاید تمہیں بھی مجھ سے محبت رہی ہے۔"

"شاید۔۔۔" اس کا دل کرلایا تھا۔ وہ گاڑی سے اترا' دوسری طرف سے آ کر اس کے لیے دروازہ کھولا' ہاتھ

پکڑ کر باہر نکالا۔

"اچھی طرح دیکھ لو' یہ گھر میرا ہے اور آج سے ہمارا۔" وہ کہہ رہا تھا۔ وہ کیا دیکھتی آنکھوں کے آگے دھند کی چادر تن رہی تھی۔ وہ اسے اک کمرے میں لے آیا۔ کچا پکا فرش بغیر پلستر کی دیواریں عجیب پر ہیبت لگ رہی تھیں۔ دو کرسیاں' ایک میز عین وسط میں رکھی تھی۔

"تم بیٹھو' میں ابھی آیا۔" اسے چھوڑ کر وہ انہی پیروں باہر گھوم گیا۔ تھوڑی دیر بعد آیا تو ہاتھوں میں اک ٹرے تھی۔ جسے میز پر رکھا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ جوں کی توں کھڑی تھی۔

"ارے تم ابھی تک وہیں ہو۔۔۔ بی ایزی یار۔۔۔ جتنا اعتبار مجھ پر کیا ہے نا تھوڑا سا اور کرلو۔ میں تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔ دیکھو میں یہ ناشتا لے کر آیا ہوں۔ یقین کرو میں کئی دنوں سے بھوکا ہوں۔ میری بھوک' پیاس سب ختم ہو گئی تھی اور آج میرا کھانے کا حق بنتا ہے۔ تم میرے پاس ہو' میری ہر ٹینشن دور ہو گئی ہے۔ چلو آؤ میرے ساتھ ناشتا کرو۔" اسے دعوت دے کر شریک ہونے کا انتظار کیے بغیر وہ شروع ہو چکا تھا اور اس کے انداز بتا رہے تھے جو کہا ہے سچ ہے۔ ڈٹ کر پر تکلف ناشتا کیا۔

"افوہ بھئی تم تو ایسے کھڑی ہو جیسے کچھ چرا کر بھاگنے کا ارادہ ہے۔ میرا دل تو چرا لیا ہے' اب اور کیا چرانا ہے' او ہو اور تم نے کچھ کھایا بھی نہیں' خیر تم نے ناشتا کیا ہی ہوگا۔ چلو کم از کم چائے ہی میرے ساتھ پی لو' پھر جانے کب یہ موقع نصیب ہو۔" فرجاد نے ایک کپ اس کے اور ایک اپنے سامنے رکھا اور فلاسک سے چائے انڈیلنے لگا۔

"دیکھ لو تمہارے کرنے والے کام بھی میں کر رہا ہوں۔ چائے تو بنا دیتیں اپنے ہاتھوں سے۔" وہ کتنا بے فکر تھا اور وہ اسی قدر ہراساں۔

"تم۔۔۔ تم مجھے یہاں کیوں لائے۔ مجھے ابھی جانا ہے واپس۔۔۔ فوراً۔" وہ رو دینے کو تھی۔ دروازے کی طرف بڑھی کہ دفعتاً کھلے پٹ پر کسی نے زوردار ہاتھ مارا۔

"ابے جگر تیرا ابھی تک ناشتا نہیں ہوا۔ ادھر مولانا صاحب تشریف لے آئے ہیں۔" باہر سے کوئی با آواز بلند بولا تھا۔

"ٹھیک ہے بٹھاؤ انہیں آرہا ہوں۔" فرجاد نے آواز کا جواب دیا' پھر اس کی جانب مڑا۔ اس کے خوب صورت سادہ چہرے پر پریشانی و خوف کے سائے لرزاں تھے۔ آنکھیں چھلکنے کو بے تاب۔

"سوری لاج۔۔۔ گو کہ یہ سب مجھے اچھا نہیں لگ رہا تو تمہیں بھی نہیں لگ رہا ہوگا۔ لیکن جیسے حالات میرے ساتھ پیش آئے ہیں مجھے نا چاہتے ہوئے بھی یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے۔ تم چادر اچھی طرح اوڑھ لو۔ کچھ دیر میں مولانا صاحب ادھر آئیں گے' تم سے اجازت لینے' ہمارا نکاح ہو رہا ہے۔" فرجاد کے منہ سے لفظ نکلے تھے یا کوئی بم جو اس کے اعصاب پر آپڑا تھا۔

"ک۔۔۔ کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو تم۔۔۔ تت۔۔۔ تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"ایسا ہو رہا ہے' تم خود کو ذہنی طور پر تیار کرلو۔ میں آتا ہوں ابھی۔" وہ جانے لگا۔ لاجورد نے لپک کر راہ روکی۔

"تم نہیں جا سکتے۔ مجھے ابھی چھوڑ کر آؤ۔ میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہر سکتی' سنا تم نے۔"

"اور تم بھی سن لو۔ میں جو کہہ رہا ہوں وہی ہوگا۔ انکار میں کسی صورت برداشت نہیں کروں گا' سمجھیں۔" وہ غرایا۔

"ک۔۔۔ کیا کرلو گے تم۔ دیکھو۔ ایسے مت کرو' پلیز اتنی انتہا تک مت جاؤ' ایسے اچھا نہیں ہے' میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں کس قدر مجبور ہو گئی تھی۔ میری پوری بات تو۔۔۔"

"میں نے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔ میں کچھ سننا نہیں چاہتا' تم نے جو اس روز میرے والدین کو گھر بلا کر خاندان بھر کے سامنے ذلیل کیا۔ وہ میرے لیے چھوٹی بات نہیں۔ تم نے میرے ساتھ مکاری کی۔ فریب کیا۔ ارباز بھائی کی غلطی کا بھگتان میں کیوں بھروں۔ دھوکہ انہوں نے کیا۔ میں تو تمہارے ساتھ فیر تھا۔ سچے دل سے اپنانا چاہتا تھا تمہیں اور اب بھی میری خواہش میں کھوٹ نہیں' اس لیے تو تمہارے ساتھ برا کرنے کی بجائے اچھا ہی کر رہا ہوں۔ میں نے تو جائز طریقہ چاہا تھا' ایسا تو سوچا بھی نہیں تھا۔ مگر تمہاری عیاری نے مجھے اس امر کے لیے مجبور کیا ہے۔ اب بھی میں صرف نکاح چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں چھوڑ آؤں گا' ہاں تمہاری مرضی ہو میرے ساتھ رہنا چاہو تو موسٹ ویلکم' یہ گھر تمہارا ہوگا۔ میرا فیصلہ تمہارے سامنے ہے۔ بخوشی قبول کرلو گی تو بہتر ہے' ورنہ دو دن بھی اس کمرے میں رہ کر گئیں تو نہ ادھر کی رہو گی' نہ ادھر کی' سوچ لو' عزت چاہتی ہو یا ساری عمر کا اندھیرا۔" وہ دروازہ بند کرکے جا چکا تھا۔ وہ سناٹوں کی زد میں تھی۔ انتہائی ناقابل یقین یہ وہ فرجاد تو نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔ یہ تو کوئی اور تھا' نہایت ظالم' شقی' کیا نام دیتی وہ اسے۔ یہ آج کیسا دن آیا تھا اس پر' حیرت سی حیرت' پریشانی سی پریشانی۔ رو' رو کر اس کا گلا بیٹھ گیا۔ سر پھٹ رہا تھا۔ وہ نڈھال ہو گئی تھی' جانے کتنی دیر بیتی۔

دروازہ کھلا۔ وہ اندر آیا تھا اور اس کے پیچھے کون کون تھے۔ کیا کارروائی ہوئی۔ اس نے کیا سنا' کیا کہا' کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔

سب فرجاد سے گلے ملتے' مبارک باد دیتے باہر جا چکے تھے۔ وہ بھی اس کے ہارے ہوئے وجود پر اک نظر ڈالتا ان کے پیچھے ہو لیا۔ واپس آیا اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا' ہاتھ میں پلیٹ تھی۔

"انسان کیا کیا خواب دیکھتا ہے۔ اپنی آئندہ زندگی کے لیے کیا کیا پلان کرتا ہے۔ بڑے منصوبے بناتا ہے۔ بڑی تدبیریں کرتا ہے' لیکن اکثر وہ نہیں ہوتا جو وہ چاہتا ہے اور جو ہوتا ہے وہ صرف منجانب اللہ ہوتا ہے۔ میرا تو یہ ایمان ہے' تم بھی اس پر ایمان رکھو اور رونے کی بجائے اپنے آپ کو سنبھالو' جو ہوا بہتر ہوا۔ آگے بھی اچھا ہی ہوگا۔ سب وہم دل سے نکال کر ایک بار اس سچویشن کو محسوس تو کرو۔ پھر دیکھو کتنا اچھا فیل ہوتا ہے۔ لو یہ مٹھائی بھی کھاؤ۔" اس کے لہجے و انداز میں کتنا اطمینان تھا۔ جیسے دنیا فتح کر بیٹھا ہو۔ لاجورد نے پلیٹ لے کر فرش پر دے ماری۔

"میں۔۔۔ میں سمجھتی تھی کہ تم بہت اچھے ہو۔ لیکن تمہاری اصلیت تو آج مجھ پر کھلی ہے۔ جنگلی' وحشی' گرے ہوئے انسان' تم نے یہ کیا' کیا ہے میرے ساتھ۔ کیوں کیا ایسا' مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ تم اتنے برے بھی ہو سکتے ہو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ مجھے نفرت ہے تم سے شدید نفرت۔" اس کے کالر کھینچتے ہوئے وہ جنونی سی بولتی چلی گئی۔

"میں گرا ہوا انسان ہوں۔ میں برا ہوں' تمہیں مجھ سے نفرت ہے' ٹھیک ہے' تمہیں حق ہے' جو مرضی کہو' میں خود شرمندہ ہوں' تم سے محبت کرنے پر' ہاں اس نکاح پر مجھے کوئی افسوس نہیں' لیکن اگر تمہیں یہ بھی پسند نہیں تو یہ لو۔" وہ کالر چھڑاتا کھڑا ہوا۔ شرٹ کی پاکٹ میں سے تہ شدہ پیپر نکالا' جینز کی پاکٹ میں سے ماچس برآمد کی اور آن کی آن میں دیکھتے ہی دیکھتے وہ کاغذ راکھ بن کر اس کے قدموں میں بکھر گیا۔ وہ ساکت سی منہ پر ہاتھ رکھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تماشا دیکھتی رہی

"لو جی۔۔۔ یہ قصہ بھی ختم۔ یہ نکاح نامہ تھا جواب نہیں ہے' ہمارا نکاح ہوا ہے' یہ میں جانتا ہوں یا تم جانتی ہو' تیسرا گواہ اور کوئی نہیں' جو ثبوت تھا وہ مٹ چکا' میں اس بات کا تذکرہ کہیں نہیں کروں گا' تم بھی مت کرنا' اب خوش۔" وہ ہاتھ جھاڑ کر پھر سے بیٹھ چکا تھا۔

"تت۔۔۔ تم پاگل ہو چکے ہو فرجاد۔ قسم سے تم پاگل ہو چکے ہو' یہ کیا کر دیا۔" بہت دیر بعد اس کے حلق سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی تھی' اب تک یقین نہیں آیا تھا آنکھوں نے جو دیکھا ہے وہ ہو گزرا ہے۔

"کبھی کہتی ہو یہ کیا کیا' کبھی کہتی ہو وہ کیا کر دیا۔ پاگل تو تم نے مجھے کیا ہے' جو پہلے ہوا اس پر بھی خوش نہیں' جواب کیا اس پر بھی پریشان ہو' مجھے بتاؤ

میں کیا کروں؟ کہا نا بھول جاؤ جو کچھ ہوا۔" وہ کتنا معصوم بن رہا تھا۔ لاجورد کا بس نہیں چلا تھا کیا کر ڈالے۔ اس پر زور نہیں تھا۔ اپنے آنسوؤں پر تو اختیار تھا جو پھر تیزی سے بہنے لگے۔

"جب یہ شغل پورا کر لو تو بتا دینا۔ میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔" وہ قطعاً" متاثر ہوئے بغیر اٹھ کر چلا گیا۔ وہ ایک بار پھر چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آصفہ اتنا جانتی تھیں کہ وہ صبح کالج جا رہی تھی تو اس کی طبیعت خراب تھی اور واپسی پر انتہائی خراب۔ تین دن تو اس کا بخار ٹوٹ کر نہ دیا۔ اکثر تو وہ غنودگی میں ہی رہتی۔ ذرا جو ہوش میں آتی تو علاوہ رونے کے اس سے کوئی بات نہ ہو پاتی۔ وہ روئے جاتی، حتیٰ کہ ہچکیاں بندھ جاتیں۔ آصفہ نے گھبرا کر گاؤں فون کر دیا۔

اگلے دن ہی امی آ گئیں، ساتھ اشعر بھی تھا، اس کی حالت دیکھ کر وہ دونوں بھی پریشان ہو گئے۔ یہ وہ صحت مند سی سنہری رنگت والی لاجورد تو نہ تھی۔ اندر کو دھنسی آنکھیں، زرد رنگ، پپڑی جمے ہونٹ، امی تو اس کی پٹی سے لگ گئیں۔ پڑھ پڑھ کر پھونکتیں۔ وقت پر دوا اور غذا کھلاتیں، ایک سے بھلے دو، اکیلی آصفہ کے قابو میں تو وہ آتی نہ تھی۔ اب امی بھی تھیں۔ اس کی ایک نہ چلتی یوں اتنی تیمارداری سے دو دنوں میں بخار تو اتر گیا، مگر کمزوری اور نقاہت اب بھی بے تحاشا تھی۔ آنکھیں ہمہ وقت بھیگی رہتیں۔ وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ یاد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جب بھی پلکیں موندتی وہ سارے منظر ذہن کے پردے پر روشن ہو جاتے۔ وہ تڑپ کر آنکھیں کھول لیتی۔ دل شدت کرب سے پھٹنے لگتا۔ یہاں رہ کر اس بے درد سے سامنا لازمی تھا۔ وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ امی کے ساتھ ہی گاؤں آ گئی۔

یہاں آ کر امی کے علاوہ ثمن بھی سارا دن اس کے پاس آ جاتی اور اس کی کتر کتر چلتی زبان پر جہاں بھر کے قصے ہوتے۔ وہ بھی اس کی طرف دھیان لگانے کی کوشش کرتی کہ یوں مقدور بھر اپنے اندر کی اکھاڑ پچھاڑ سے بچی رہتی۔ تاجور نے اس کی بیماری کا سنا تو وہ بھی سجاد کے ساتھ آئی اس کی عیادت کے لیے۔ اس نے سنا تو سوتی بن گئی۔

صرف اس شخص کی وجہ سے آج وہ اس مقام پر تھی۔ جہاں لگتا تھا نہ دھوپ ہے نہ چھاؤں۔ زندگی کے آسمان پر ہر سو سیاہ گھنگھور گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ تیز ہوا تھی اور خدا جانے آنے والے لمحات میں گرد آلود طوفان اٹھنے والا تھا یا رحمت کی برسات۔ دل کے آنگن میں جہاں پہلے خواب، آرزوئیں، امنگیں بھری تھیں، اب وہاں پر ہول سناٹے بول رہے تھے۔ ایک ہی دھڑکا بے سرے جھینگر کی طرح چرائے جا رہا تھا۔ "جب سب کے علم میں یہ بات آئے گی تو کیا ہو گا۔ کیا ہو گا، کیا ہو گا" وہ تو مارے ڈر کے امی، ابا سے نظریں چرائے رکھتی تھی۔ دل کا چور کسی سے آنکھیں ملانے ہی نہ دیتا تھا۔ اک شکنجے میں پھنس چکی تھی اس کی جان اور اسے لگتا تھا جسم سے روح اب نکلی کہ تب۔

سب کچھ کتنا اچھا ہو رہا تھا، زندگی کتنی پرسکون کس قدر خوب صورت ہوتی، اگر جو اس شخص کی شیطانیت نہ آڑے آتی۔ وہ اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔ نفرت ہو چکی تھی اسے سجاد کے نام سے بھی۔

وہ دونوں کمرے میں آئے تھے۔ تاجور نے اس کے بکھرے بال سمیٹے، ماتھا چوما۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہے لاج، اس کی تو وہ پہلی جیسی صحت ہی نہیں رہی۔" وہ بھی پریشان ہوئی۔

"مجھے تو اس کی بیماری کسی اور چکر میں لگتی ہے۔" سجاد نے بغور اس کی بند آنکھیں دیکھیں۔

"کیا مطلب۔" تاجور الجھی۔

"بھئی میں نے تو پہلے بھی تم لوگوں سے کہا تھا کہ لڑکی کو خوامخواہ پڑھائی کے چکروں میں ڈالا ہوا ہے۔ بارہ، چودہ جماعتیں پڑھ کر اس نے فیکٹری تو نہیں کھولنی، کرنا تو وہی ہے جو تمہاری ماں اور تم کر رہی ہو۔ تمہیں تو نہ پڑھایا اتنے شوق سے۔ فٹافٹ شادی کر دی۔ تم کہیں بھاگی جا رہی تھیں اور اسے اوروں کے گھر رکھا ہوا ہے۔ رشتے دار پھر رشتے دار ہی ہوتے ہیں، چاہے کتنے ہی سگے کیوں نہ ہوں۔ لڑکی کی وہ نگرانی نہیں کر سکتے جو ماں، باپ کی نظریں کرتی ہیں۔ اس عمر کی لڑکیاں اپنے گھروں کی ہو جائیں تو اچھا ہے، یہ عمر بڑی خطرناک ہوتی ہے، تم بھی اپنے ماں، باپ سے کہو بس کریں، اب اس کی شادی کر دیں، اگر ان کو کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں ملتا تو میں ڈھونڈ دیتا ہوں کوئی لڑکا۔ بڑے دوست یار ہیں میرے، ایک سے ایک سوہنے گھبرو جوان، کیا نام تھا تمہاری اس پھوپھی کے لڑکے کا۔ وہ تو چنگے ہی ہیں۔ ویسے میرا تو خیال ہے اس نے اسی منڈے (لڑکے) کا روگ تو نہیں لگا لیا۔ تمہاری پھوپھی کے گھر آتا جاتا ہے وہ۔ علیک سلیک ہو گئی ہو گی دونوں کی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اس نے تو خود اس رشتے سے انکار کیا ہے۔ خدانخواستہ یہ کیوں روگ لگانے لگی۔ لاج اس طرح کی لڑکی نہیں ہے۔" تاجور تو تڑپ ہی گئی اس خیال پر۔

"اچھا۔۔۔" سجاد کے ہونٹوں پر بڑی کمینی ہنسی پھیل گئی۔

"ہاں۔۔۔ اس نے تو خود انکار کیا ہے اس رشتے سے اور ساری لڑکیاں اس طرح کی نہیں ہوتیں یہ تو لڑکے ہی برے ہوتے ہیں جو ان کا دماغ خراب کرتے ہیں، ہے نا۔"

"بالکل۔۔۔ بالکل، کتنی سچی بات کی ہے سجاد بھائی آپ نے۔ مجھے تو آج خبر ہوئی کہ آپ اتنے سچے اور کھرے انسان ہیں۔ یقین مانیں لڑکے بہت ہی برے ہوتے ہیں۔ ایک وقت میں دس، دس لڑکیوں کو بے وقوف بنایا ہوتا ہے۔ عورت پر تو الزام ہے نا کہ وہ ایک محبت نہیں بھولتی۔ مگر یہ مرد، اف توبہ اگر گزشتہ و حالیہ سو پچاس محبتیں بھی ہوں نا تو یہ ان میں سے ایک بھی نہیں بھولتے، بلکہ نمک مرچ لگا کر فخریہ اپنی آوارگی کے رسیلے قصے بیوی کو بھی یوں سناتے ہیں جیسے کوئی بہت عظیم کارنامے انجام دیے ہوں۔" چائے کی ٹرے لیے آتی ثمن نے تبصرہ کیا تھا، سجاد کی بھنویں تن گئیں۔

"اس میں آوارگی کہاں سے آ گئی، یہ تو مردانگی ہے۔ نوجوانی میں لڑکے ایسی شوخیاں، شرارتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ لڑکیاں کیوں ان کے چکروں میں پھنستی ہیں۔ انہیں عقل نہیں ہوتی۔"

"واہ بہت خوب۔ مردوں نے اپنے لیے کتنی چھوٹ رکھی ہوئی ہے۔ خود کریں تو شوخیاں، شرارتیں، واہ سبحان اللہ اور قبل از شادی تو آپ بھی خاصے منچلے ہوتے تھے سجاد بھائی۔ یہاں تک کہ میں نے تو اڑتی اڑتی سنی ہے آپ کی تو آج کل بھی کہیں گڈی اڑی ہوئی ہے۔" ثمن بہت صاف گو ہے اس کا اندازہ تاجور کو بھی آج ہی ہوا تھا۔ سجاد پہلے تو چونکا، پھر کھسیانی ہنسی ہنس پڑا۔

"لوگ تو یوں ہی بے پر کی اڑاتے ہیں، تم لاؤ چائے پلاؤ۔"

"جی نہیں، پر ہوتا ہے تو کوا بنتا ہے۔" وہ بحث کے موڈ میں تھی، تاجور سر جھکائے انگلیاں چٹخا رہی تھی، وہ اس پر برس پڑا۔

"تم یہ کیا نحوست پھیلا رہی ہو، جلدی سے چائے پیو، پھر واپس بھی جانا ہے۔"

"کیوں اتنی جلدی، شام کا کھانا کھا کر جائیے گا نا آپ لوگ۔"

"وہ چھوڑو جی، گھر میں بھی کھانا پک رہا ہو گا۔ جس کے لیے تمہاری آپا بے چین ہو کر آئی ہے وہ تو بے خبر سو رہی ہے۔ اتنی آوازوں سے تو مردے بھی اٹھ جائیں۔" اس نے زور سے کپ پٹخا۔

"دراصل کتنے دنوں سے اس کی طبیعت خراب ہے۔ نیند پوری نہیں ہوتی۔ وقت بے وقت سو جاتی ہے۔ میں جگاتی ہوں۔" ثمن آگے بڑھی۔ تاجور نے روک دیا۔

"رہنے دو اس کی نیند خراب نہ کرو، خود ہی اٹھ جائے گی تو مل لیں گے۔"

"وہ چاہے اگلی صبح تک نہ اٹھے، تم ملتی رہنا میں چلتا ہوں۔ اپنے باپ یا بھائی سے کہنا تمہیں چھوڑ جائیں

گے۔" سجاد نے اک لمحہ نہ لگایا اٹھنے میں، حکم صادر کرتا کمرے سے نکل گیا، تاجور پیچھے لپکی۔

"آج ثابت ہو گیا کہ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ خود دوسروں پر کتنی باتیں کرتا ہے یہ آدمی۔ اپنی باری پر ایک برداشت نہیں ہوئی، بے چاری تاج آپا کس مصیبت سے پالا پڑا ہوا ہے ان کا۔ انہی کا دم ہے کہ گزارہ کر رہی ہیں۔ کوئی اور ہوتی تو کب کی بھاگ چکی ہوتی۔ اتنی خوب صورت اور نیک بیوی ملی ہے، پھر بھی ادھر ادھر منہ ماری کرتے ذرا شرم نہیں آتی۔ اوپر سے کیسے اکڑتا ہے واہیات انسان۔" ثمن بڑبڑاتے ہوئے برتن سمیٹنے لگی، سیدھی ہوئی تو اس پر نظر گئی، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"ہیں... تم جاگ رہی ہو، بہت ہی فضول ہو بھئی، یہ کیا حرکت تھی، آپا سے ملی کیوں نہیں۔"

"مل لوں گی، تم کیا بول رہی ہو، کیا قصہ ہے سجاد بھائی کا۔" اسے اک نئی فکر لگ گئی۔

"ارے دفع کرو، یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے، بڑی پرانی کہانیاں ہیں یہ تو، میں نے تو ان کے منہ پر اس لیے پوچھا ہے کہ ان کو بھی پتا چلے ہم اتنے بھی بے خبر نہیں جتنا یہ سمجھتے ہیں۔ بس ان کو کوئی شرمندہ کرنے کی جرات نہیں کرتا، اسی لیے ان کی ڈھٹائی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ویسے بھی ہوتے ہیں کچھ لوگ۔ جن سے کوئی اچھا کام تو ہو نہیں سکتا، وہ اپنی اوچھی حرکتوں سے ہی دوسروں پر رعب ڈال کر خوش ہوتے ہیں، ان کو بھی مسکین سی بیوی مل گئی ہے۔ جس کو ڈرا، ڈرا کر اپنی جنونی انا کو تسکین دیتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ذہنی مریض ہوتے ہیں، احساس کمتری کے مارے ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی بیمار کر دیتے ہیں۔ کاش... ارباز بھائی نے ہی راہ نہ بدلی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا، آج حالات کتنے مختلف ہوتے۔" وہ بہت غصے میں بول رہی تھی۔ ویسے ہو

لاج اب تو سچ بتا دو تم نے فرجاد کے رشتے سے انکار کیوں کیا تھا۔ یقین مانو کبھی کبھی مجھے تم پر اتنا غصہ آتا ہے کہ حد نہیں۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی سارے کے سارے اندھے اور بے وقوف ہمارے ہی خاندان میں کیوں پڑے ہیں۔ پہلے ارباز بھائی پھر تم۔ اچھا بھلا کماتا کماتا لڑکا ہے فرجاد۔ اپنا کاروبار پھر لاہور کے نزدیک ذاتی مکان بھی بنا رہا ہے اور کیا چاہیے تھا تمہیں لیکن ایک آنکھ کا اندھا اسے بھی تم ہی نظر آئیں اور کوئی دکھائی نہ دی اسے۔ خیر میرے لیے بھی کوئی نہ کوئی شہزادہ تو کہیں ہو گا۔ لیکن سچ پوچھو تو جو ہوا اچھا نہیں ہوا۔ اور تمہیں پتا ہے فرجاد ملک سے باہر جا رہا ہے۔"

"کیا۔" وہ پوری جان سے لرز گئی۔ یہ کیا سنا تھا اس نے۔ اس کو ایک ان دیکھے گرداب میں پھنسا کر خود وہ کہیں اور جانے لگا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا۔

"کک... کہاں جا رہا ہے وہ۔" اس کی سانس رک رک گئی۔

"یہ تو کنفرم نہیں، بہرحال یہ پکی بات ہے کہ وہ باہر جا رہا ہے۔ پچھلے دنوں دونوں بھائیوں کی لڑائی ہوئی ہے بہت زبردست، جاذبہ بھابھی اپنی کسی کزن کا رشتہ دے رہی تھیں اس کے لیے۔ جو اس نے ریجیکٹ کر دیا۔ جو انہیں حسب توقع بہت برا لگا۔ جس کے نتیجے میں وہ آج کل گھر سے باہر ہے۔ کیونکہ جہاں وہ رہ رہے ہیں وہ گھر تو جاذبہ بھابھی کا ہی ہے۔ اس کے پیچھے پھپھو اور سب لوگ بھی اپنے زیر تعمیر مکان میں شفٹ کر گئے ہیں پچھلے دنوں اس نے بزنس بھی شروع کیا تھا جو اب سب چھوڑ چھاڑ باہر جانے کی دھن میں لگ گیا ہے۔ گاؤں بھی وہ اس سلسلے میں آ رہا ہے۔ پھوپھا جی کی زمین فروخت کرنے اور میں تب سے سوچ میں پڑی ہوں۔ یہ سارا سلسلہ کیا ہے، تمہارا انکار فرجاد کی بھائی سے تکرار پھر گھر بدری اور اب ملک سے فرار اگر یہ ساری کڑیاں جوڑیں تو کیا بنتا ہے سوچو ذرا۔" وہ اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"خیر رہنے دو، تم نے کیا سوچنا ہے تم میں سوچنے کی حس ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتیں۔ میں نے سمجھ لی ہے ساری بات، مجھے شک ہی نہیں یقین ہے کہ وہ بے وقوف تم سے عشق کر بیٹھا ہے اور تم نے انجانے میں اس کا دل توڑ دیا ہے اور تم نے یہ بہت برا کیا ہے۔" ثمن یقیناً "غضب کی قیافہ شناس تھی۔ کیسے کیسے اندازے لگا رہی تھی اور لاجو دیک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی کتنی باخبر تھی وہ ایک بس وہی بے خبر تھی۔

"وہ چلا جائے گا۔ مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر۔ اور اگر وہ چلا گیا تو؟ اور میرے خدا یہ کس بند گلی میں آ پھنسی ہوں میں جس کے چاروں اطراف کوئی راہ نہیں ہے۔ میں کس کو اپنا دکھ سناؤں۔ کس سے اپنا درد کہوں۔ کون ہمراز ہے میرا ایک تیرے سوا۔ یا اللہ کوئی راستہ سجھا دے۔ کیسی مشکل میں آ پڑی ہوں میں یہ میری زندگی کا کیسا موڑ ہے۔ لگتا ہے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔"

وہ کیسے بتائے اور کس کو بتائے کتنا مشکل تھا یہ سب۔ اس جفاجو نے جائز رشتہ بھی بنایا تو کس طور کہ وہ یقین کرتے ہوئے بھی بے یقین تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ یہ سوچیں جلد ہی اسے مار دیں گی وہ ایک بار صرف ایک بار اس سے ملنا چاہتی تھی تاکہ اپنی الجھی تقدیر کا سرا ڈھونڈ سکے اور یہ کیسے ممکن تھا۔

"ثمن ہاں ثمن۔" وہ ہر راز اسے بتانے کو تیار ہوئی پر تب تک وہ کمرے سے جا چکی تھی۔ اک اور اذیت رساں رت جگا اس کا منتظر تھا اور اگلے ہی دن باوجود امی کے روکنے کے وہ پڑھائی کو وجہ مجبوری بنا کر شہر چلی آئی۔

☼ ☼ ☼
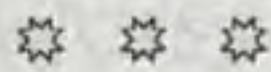
یونہی دن سے رات اور رات سے دن ہو جاتا۔ سویرے سورج نکلتا شام کو مغرب کی گہری پنہائیوں میں اتر جاتا تب چاند اپنی جولانی پر آتا تارے گپ چپ باتیں کرتے، زمین اپنے مدار کے گرد ویسے ہی چکر کاٹ رہی تھی۔ جیسے پہلے اور انہی گھمن گھیریوں میں وہ آ گئی تھی۔ اطمینان، بے فکری، سکھ چین سب زندگی سے عنقا ہو گئے تھے اک مسلسل بے کلی تھی جو ہر لحظہ نوکیلی سوئی کی مانند بائیں پہلو میں چبھتی رہتی۔ بلا تقصیر اک غیر متعین سزا اس کا نصیب ہو گئی تھی۔ وہ کہاں اپنا مقدمہ لے جاتی۔

دس دن ہو چکے تھے اسے آصفہ کے پاس آئے ان دنوں میں وہ خود تو کیا اس کی آواز بھی سنائی نہ دی تھی۔ وہ روز کالج سے آ کر بے قرار متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتی کہ شاید کہیں کسی کونے میں بیٹھا ہو مگر بے سود بہت بار مجبور ہو کر اس کا سیل نمبر ملا ڈالا اور ہر بار اس کا سیل آف ملتا "یا اللہ کس سے کہوں کیا کروں۔" سوچتی ضرور اور کئی بار درد دل نوک زبان پر آتے آتے رہ جاتا۔ آصفہ کے پوچھنے پر بھی کہ "کیوں پریشان ہو۔ کیا بات ہے" وہ آئیں بائیں شائیں کر جاتی۔ اب انہیں کیا بتاتی کہ ان کا چہیتا اسے کس عذاب میں ڈال گیا ہے اور حوصلہ کر کے اک دفعہ اس کے متعلق پوچھ ہی بیٹھی تو انہوں نے اتنی کٹیلی نگاہوں سے دیکھا کہ اس کے اندر شگاف پڑ گئے۔

"خیر ہے تمہیں آج اس کی یاد کیسے آ گئی۔" بولیں تو لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"وہ۔ وہ۔ کام تھا مجھے۔" وہ ہکلا ہی گئی۔

"بس کرو۔ اب کیا کہنا ہے تم نے اس سے۔ جو تم نے پہلے کیا اس پر وہ سر اٹھانے کے لائق نہیں رہا سارے خاندان میں۔ کیا کیا خواب نہیں دیکھ بیٹھا تھا وہ۔ تم نے سب تہس نہس کر دیے۔ خوش ہو جاؤ جا رہا ہے وہ اس ملک سے۔" انہوں نے اطلاع دی۔ گویا خبر سچی تھی۔ وہ تڑپ ہی گئی۔

"کب جا رہا ہے وہ اور۔ اور آپ بھی مجھے ہی برا سمجھتی ہیں۔ وہ بھی مجھے ہی قصوروار سمجھتا ہے۔ میں نے کوئی دھوکہ نہیں کیا لیکن جو میرے ساتھ ہوا اور جو ہو رہا ہے وہ کسی کو نظر نہیں آتا۔"

"کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔ تمہیں کس نے کیا کہا ہے تم اپنے مقام پر ہو در بدر تو وہ بے چارا ہو رہا ہے نا۔ دل تو اس کا ٹوٹا ہے۔ ماں باپ، بہن بھائیوں سے دوری تو وہ کاٹے گا۔ پردیس کے دھکے تو وہ کھائے گا وہ

بھی صرف تمہاری وجہ سے۔ اسے یہاں کس چیز کی کمی ہے گھر' اپنا کاروبار' لیکن وہ تو اتنا ہرٹ ہوا ہے کہ سب چھوڑ چھاڑ خود کو سزا دینے پر تل گیا ہے۔" ان کی ساری ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں۔

"میری وجہ سے۔۔۔؟ اور میں جو اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوں آپ کو اس کی کتنی فکر ہے میرا کوئی احساس ہے؟ میرے ساتھ جو اس نے کیا آپ کو کیا پتا اس کو ایک بار بلائیں پھوپھو صرف ایک بار۔ وہ اتنا ہی سچا ہے تو پھر مجھ سے چھپ کر کیوں بیٹھ گیا ہے سامنے کیوں نہیں آتا میرے۔ جو سزا اس نے مجھے دی ہے آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ میں بتاؤں اس نے کیا کیا ہے میرے ساتھ۔" آج صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ مزید ضبط کا یارا نہ تھا' ہمت ختم ہو چکی تھی' کرلاتے' روتے' سسکیوں' ہچکیوں کے درمیان رک رک کر وہ انہیں ہر بات بتاتی چلی گئی۔

سجاد کی بکواس' بے غیرتی' اپنی مجبوری' بے بس فرجاد کا ستم' بے حسی' کچھ بھی نہ چھپایا اس نے' سب ورق ورق کھول کر بتا دیا۔ آصفہ حق دق انگشت بدنداں تھیں۔ یہ کیا سن رہی تھیں ان کی سماعتیں' وہ بھی تو اسے ہی قصوروار سمجھی تھیں۔

"ہائے لاج میری بچی' اتنا کچھ سہہ گئیں تم اپنی جان پر اور کسی سے کچھ نہ کہا۔ اتنا حوصلہ کہاں سے آیا تم میں اور وہ فرجاد کیا ہو گیا اسے۔ وہ ایسا بھی کر سکتا ہے وہ اتنی انتہا تک چلا گیا زبردستی نکاح' پھر نکاح نامہ بھی جلا دیا اس نے۔ کیا پاگل ہو گیا تھا۔ ہائے میرے خدایا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا' یہ کیا ہوا اور اب آگے کیا ہو گا۔" وہ سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اور یہ وہی کمرہ تھا۔ فرش و دیواریں پختہ ہو چکی تھیں۔ بس پینٹ کی کمی تھی سیمنٹ کی سیلن کی بو ابھی بھی کمرے میں تھی۔ ایک سنگل بیڈ' صوفہ' الماری اور رائٹنگ ٹیبل پر رکھا کمپیوٹر۔ ڈھیروں کتابیں' فائلیں۔ اک آرائشی گلدان پھولوں سے سجا کمرے میں رونق بکھیر رہا تھا اس ٹیبل کی سائیڈ میں رکھے دو فل سائز سوٹ کیس کسی کے متوقع سفر کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی کیا کچھ نہ یاد آ گیا تھا۔ وہ دن اس کے بعد ایک ایک لمحہ ایک ایک پل کیسی عجیب تقدیر لے کر آئی تھی وہ۔ جیسے کوئی جال میں آیا بے بس پرندہ۔ جیسے کوئی ملزم کسی اور کے گناہ کی بھینٹ چڑھ جائے۔

آصفہ نے اس سے ساری داستان سن کر فوراً شارٹ نوٹس پر رقیہ پھوپھو اور پھوپھا اور فرجاد کو بلایا تھا اور ہر بات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی تھی۔ وہ دونوں تو متحیر رہ گئے تھے۔ پھوپھو کو تو اپنے لاڈلے' فرماں بردار سعادت مند بیٹے کی اس حرکت پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ پھوپھا الگ آگ بگولا ہو چکے تھے۔ اس سے بازپرس شروع کی گئی اور وہ تو تمام بیان سن کر پہلے ہی سر جھکا چکا تھا جس غضب میں آ کر وہ اتنا بڑا قدم اٹھا چکا تھا اس کے پیچھے تو کہانی ہی اور نکلی۔ اس کا قصور کتنا تھا کہ بہن کو بچاتے بچاتے وہ خود کو رول بیٹھی تھی۔ وہ کیا کیا نہ الزام لگا چکا تھا اس پر جبکہ وہ چیختی رہی تھی روتی رہی تھی شاید کہ وہ ذرا تحمل سے کام لے لیتا تو۔ اس لیے تو غصے کو حرام قرار دیا گیا ہے وہ بھی تو اس غصے میں آ کر اب کیا کر چکا تھا۔

پھوپھا نے تو پھر جو اس کے لتے لیے وہ اک الگ داستان ہے۔ بس جوتا اتارنے کی کسر رہ گئی تھی ورنہ اس کی عزت افزائی کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں۔۔۔ چھوڑی تھی۔

اب حالات یکسر مختلف تھے۔ پھوپھو کو ایک بار پھر بھائی کے دروازے پر آنا پڑا تھا۔ آخر یہ بات چھپانے والی تو نہ تھی جو بہادری ان کا لخت جگر دکھا چکا تھا اس نے انہیں پشیمانی کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا تھا مارے شرمندگی کے ان کی پیشانی عرق آلود تھی جس لڑکھڑاتی زبان سے بھائی کو صورت حال سے آگاہ کیا وہ جانتی تھیں حالانکہ آصفہ' عقیل' فرخ' اشفاق سارے

بہن بھائی تھے ان کا ساتھ دینے کو اور سب نے بھرپور ساتھ دیا بھی۔

ابا جی جو ساری بات سن کر اس درجہ مشتعل ہوئے تھے کہ لگتا تھا ان دونوں کو قتل ہی کر دیں گے' سب نے بمشکل سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کیا۔ بند کمرے میں کوئی چار گھنٹے میٹنگ چلی جو گھر کی بات کو گھر میں ہی رکھتے ہوئے اس فیصلے پر پہنچی کہ ابا جی کو اس نکاح کو ماننے کے ساتھ فوری رخصتی پر بھی رضامند کر لیا گیا۔

چونکہ فرجاد تو ملک سے باہر جا رہا تھا اس لیے بقایا خاندان کے لوگوں کو یہی توجیہہ پیش کی گئی کہ اس لیے "آناً فاناً" یہ شادی کی جا رہی ہے۔ ساری چاچیاں مامیاں حیران تھیں۔ اتنی اچانک اور یوں کہ اس میٹنگ میں رقیہ' آصفہ اور امی کے علاوہ کوئی خاتون شامل نہیں تھیں اور یہ راز سب سے مخفی رکھا گیا تھا۔ ثمن تو یہ خبر سنتے ہی گرتی پڑتی آئی تھی وہ اپنے اندازوں کی درستگی پر بے انتہا مسرور تھی۔

اور یہ اطلاع بھی ہمہ وقت مواصلاتی رابطوں کے ایکٹو ہونے کے باعث سجاد اور تاجور کو بھی فوری دی جا چکی تھی۔ امی ابا کو تو کسی بات کو ہوش ہی نہ رہا تھا یہ کوئیک سروس تو رفعت چچی نے دکھائی تھی جو خاطر خواہ اثر انداز بھی ہوئی۔ مرے پر سو درے اس کو کہتے ہیں جو اس وقت ہوا۔ سجاد جس کی رخنہ اندازی نے پہلے ہی اتنا فساد بپا کیا تھا وہ اب بھی نہ مڑا اپنے قول کا پکا وہ لاجورد کو لیے آ پہنچا تھا پھر تو اس نے وہ شور و غل ڈالا وہ جہالت کے مظاہرے کیے کہ اللہ دے اور بندہ لے۔ پہلے تو لاجورد نے اس کا پردہ رکھ کر سب کی نظروں میں خود کو برا بنوا لیا تھا۔ آج اس نے خود ہی وہ پردہ چاک کر کے سب پر واضح کر دیا تھا کہ پہلے بھی انکار کی وجہ وہی تھا سب ہی حالت افسوس میں تھے۔ آخر کار فرحان چچا کو ہی فیصلہ کن انداز اپنانا پڑا۔

"ٹھیک ہے' تمہیں یہ شادی منظور نہیں تو نہ سہی۔ اب کیا کریں کہ ہم نکاح پڑھوا چکے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا ویسے بھی تم کوئی اعتراض کرنے کے حقدار نہیں ہو لیکن اگر تمہیں کوئی پرخاش ہے اور تم تاجور کو چھوڑنا چاہتے ہو تو بے شک چھوڑ جاؤ۔ ہاں جاتے جاتے اپنی بہن رفعت اور اس کے چھ بچوں کی پوٹلی باندھ کے لے جانا۔"

"میں کیوں لے کر جاؤں بچے۔ انہیں رکھو تم اپنے پاس' میں رفعت کو لے کر جا رہا ہوں۔ چل باجی رفعت اٹھ جا۔ بڑی ہو گئی بیستی۔" وہ بھی اکڑ کا پکا تھا رفعت کو آگے دھکیلا۔

"ہائے ہائے۔ پاگل ہوا ہے' میں کیوں چھوڑ کے جاؤں اپنے بچے' میں نے نہیں جانا تیرے ساتھ یہ تیرا معاملہ ہے تو خود نبڑ (نبٹ)۔" جب خود پر بات آنے لگی تو رفعت جیسے کم فہم عورت کو بھی عقل کا جھٹکا لگا وہ بچے چھوڑ کر بھائی کے ساتھ چل پڑی تو بات یقیناً بہت دور تک چلی جاتی اور بہن کو یوں سب کے درمیان پینترا بدلتے دیکھ کر وہ سخت متحیر ہوا ہمیشہ ہمدردیاں جتانے والی بہن موقع پڑنے پر آنکھیں ہی پھیر گئی تھی۔ یہ ڈبل بیستی اس کی برداشت سے باہر تھی بکتا جھکتا وہ اپنی راہ ہو لیا۔

"کوئی بات نہیں ہفتہ دس دن میں سارا ابال بیٹھ جائے گا تم فکر نہ کرنا اللہ عقل دے گا اسے ان شاء اللہ۔" اپنا ترپ کا پتہ کامیاب ہونے پر فرحان چچا مطمئن تھے تاجور کا سر تھپکا جو بڑے حوصلے سے سب کے درمیان کھڑی تھی وہ پھر سے باپ کے گھر آ بیٹھی تھی اور دوسری کی رخصتی ہو رہی تھی کچھ یوں کہ نہ رنگ نہ روشنی نہ کوئی خوشی نہ چاہت نہ مہندی نہ گیت۔ وہ تو ہر طرف سے بے قصور ماری گئی تھی ابا اس منظر سے غائب ہو چکے تھے تاجور نے اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا امی نے سسکیاں بھرتے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ روتے دھوتے انتہائی سادگی سے اس کی رخصتی عمل میں آئی تھی سب ارمان سب خواب سارے شوق اپنی اپنی جگہ کرلاتے رہ گئے تھے یہ کیسی شادی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور رقیہ پھوپھو نے تو اسے خوب سمجھایا تھا۔

"لاجوردبیٹا۔ جو ہوا جیسے ہوا یہ سب تمہارا اپنا مقدر تھا اسی طرح ملنا تھا تم دونوں نے تم کو پچھلی باتوں کا غم نہ کرنا باپ کے غصے کو بھی دل سے نہ لگانا وہ اپنی جگہ حق پر ہے اور یاد رکھنا کچھ وقت گزرے گا تو یہ غصہ اتر بھی جائے گا لڑکیوں کا اصل گھر اس کا سسرال ہی ہوتا ہے اور تم اب خیر سے اپنے گھر آگئی ہو گھبرانا مت ہم ہیں یہاں تمہارے ماں باپ' ہر بات کی تلافی کردیں گے تم کل ہماری خواہش تھیں تو آج ہمارے لیے خوشی' فرجاد سے گزری باتیں دہرانا نہ کوئی ذکر چھیڑنا وہ بہت شرمندہ ہے تم سے' جوش میں آکر سب کر تو بیٹھا پھر خود بھی بڑا پریشان رہا ہے۔ اب تم دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز خوشی خوشی کرنا اللہ تعالیٰ تم دونوں کو اپنی رحمتوں' نعمتوں سے نوازے' بہت سی خوشیاں دے بس میری بچی اپنے آپ کو سنبھالو بھول جاؤ سب رونے سے کچھ حاصل نہیں اب میں تمہیں روتے نہ دیکھوں۔"

اور کیا واقعی وہ سب بھول سکتی تھی؟ کیا اتنا ہی آسان تھا یہ؟ کہنے والے تو آسانی سے کہہ دیتے ہیں پر جو چکی کے دو پاٹوں میں پسا ہو اس اذیت کو صرف وہی جان سکتا ہے نا وہ بھی ریزہ ریزہ ہوئی تھی آخر کچھ وقت تو درکار تھا اپنی بکھری ذات کے ٹکڑے چننے میں۔ فرجاد نے تو انتقاماً" نکاح کیا تھا محبت میں تو نہیں اور یہی دکھ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا کس قدر ارزاں کردیا تھا اسے اس کی بھی تو انا تھی مان تھا لیکن کیا خیال کیا تھا اس کے احساسات کا؟

وہ کمرے میں آیا تھا بہت کچھ سوچ کر بڑے لفظوں کی مالا جوڑ کر وہ انجانے میں بہت ٹھیس پہنچا چکا تھا اسے اب اس درد کا درماں کرنا تھا پہلا قدم رکھتے ہی اس نے دیکھ لیا تھا کہ سارا کمرہ تلپٹ تھا بیڈ کا تکیہ صوفے پر تو کشن فرش پر چادر کہیں تو اس کا فیورٹ گلدان عین وسط میں کرچی کرچی ہوا پڑا تھا رائٹنگ ٹیبل پر دھری کتابیں فائلیں ادھر ادھر اپنی ناقدری پر ماتم کناں' لگتا تھا خوب ہی بھڑاس نکالی گئی ہے۔

"اب اپنی خیر منا بیٹا!" اک گہری سانس بھرتا وہ آگے بڑھا وہ نہ بیڈ پر تھی نہ صوفے پر واش روم کا دروازہ بھی چوپٹ تھا تو پھر کہاں؟ فرجاد کی نظروں نے بے چینی سے ادھر ادھر تلاشا وہ اک کونے میں دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے ان پر سر رکھے اکڑوں بیٹھی نظر آئی۔

اور اس کے قدموں کی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا تھا شدت گریہ سے سرخ انگارہ آنکھیں پھولے پپوٹے ستا چہرہ الجھی چپکی لٹوں میں گھرا تھا کتنے شکوے تیر رہے تھے اس کے آنسوؤں میں' فرجاد کا دل کٹ کر رہ گیا وہ دوزانو اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"لاج۔ ایسے کیوں بیٹھی ہو۔ اٹھو یہاں سے۔" ہاتھ تھام کر اٹھانا چاہا جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا۔

"لاج پلیز۔" وہ بالکل برا نہیں مانا تھا اک اور کوشش کی اور وہ پھنکاری تھی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے میں بہت بری طرح پیش آؤں گی سمجھے۔"

"او کے۔ او کے نہیں لگاتا ہاتھ۔ تم اٹھو بیڈ پر چلی جاؤ صوفے پر بیٹھ جاؤ لیکن ایسے مت بیٹھو مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

"کیا۔ کیا تمہیں؟ تمہیں تکلیف ہو رہی ہے کسی کی تکلیف پر تمہیں تکلیف بھی ہو سکتی ہے۔ بہت ہی تعجب خیز بات ہے یہ' تم جیسے پتھر انسان کو کسی پر ترس بھی آسکتا ہے۔ ہاؤ اسٹرینج۔" وہ تڑپ کر کھڑی ہوئی تیر کی طرح چبھی تھی اس کی ہمدردی فرجاد کا سر جھک گیا اب وہ چاہے کتنے ہی پھاہے کیوں نہ رکھ دیتا اس کے زخم فوری بھرنے والے نہ تھے آج اس کی باری تھی اب وہ جتنے چاہے طنز کرتی اسے سب سہنے تھے۔

"سوری لاج۔ دیکھو میں۔"

"شٹ اپ۔ آئی سے جسٹ شٹ اپ' سوری تمہارے ایک سوری کہہ دینے سے میری اس تمام اذیت کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ یہی یہی منحوس کمرہ تھا جس میں تم نے زبردستی اپنے نام کا طوق میرے

میں ڈالا تھا۔ تمہارے نزدیک میں عیار تھی' مکار تھی' دغا باز' دھوکے باز اور جانے کیا کیا تم نے میری ایک نہیں سنی تھی' میری کوئی آہ و بکا' کوئی فریاد' کوئی منت تمہارے دل میں رحم نہیں ڈال سکی تھی جابر بن گئے تھے تم' میرے کسی احساس' میرے جذبے میری انا' بھرم کسی بات کا خیال نہیں آیا تھا تمہیں تمہارے سر پر انتقام سوار تھا۔ تم نے مجھے کس کس طرح ہرٹ کیا ہے تم کیا جانو تمہاری انا کا علم تو اونچا ہو گیا تمہاری خواہش تو پوری ہو گئی تمہاری مردانگی کو تو سکون آگیا اب جشن مناؤ اپنی جرات کا اور مجھے اپنے بے مول ہونے کا ماتم کرنے سے مت روکو میں جہاں ہوں جیسے ہوں میری فکر آئندہ مت کرنا۔"

"میں مانتا ہوں کہ تمہیں بہت غصہ ہے اور غصہ کرنے کا حق تم رکھتی ہو مگر میری بات۔" اس نے ذرا توقف کیا تھا اور فرجاد نے پھر سے صفائی دینے کی کوشش کی۔

"پلیز۔ میں نے کہا نا کچھ مت کہو۔ تمہاری کوئی وضاحت' کوئی تاویل' کوئی دلیل میرے دل میں گڑا نیزہ نہیں نکال سکتی۔ تمام رت جگے سارے مصائب و آرام تو میری قسمت میں لکھے گئے ہیں تمہیں کیا فرق پڑا تم تو اپنے گھر میں ہو۔ تمہارے ماں باپ بہن بھائی سب تمہارے ہیں۔ دربدر تو میں ہوئی ہوں باپ کے دل سے تو میں اتری ہوں۔ خالی ہاتھ خالی دامن کچھ بھی تو نہیں رہ گیا میرے پاس جہاں تم نے مجھ پر اتنی عنایتیں کی ہیں وہاں ایک اور کردو اگر تم اپنے کمرے کے اس کونے میں برداشت کر سکتے ہو تو ٹھیک ورنہ میں باہر چلی جاتی ہوں۔" وہ بیگانگی اور خود اذیتی کی حد پر تھی۔ فرجاد چند ثانیے اسے دیکھتا رہا اس کے چہرے پر پتھروں کی سی سختی تھی اور کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اس کی نہ مانتا تو وہ اپنے الفاظ پر عمل نہ کرتی اسے یہی بہتر لگا کہ کچھ دیر اسے اکیلا چھوڑ دے وہ چپ چاپ دروازے کی طرف بڑھ گیا پھر کچھ سوچ کر رکا۔

"یہ کمرہ اب میرا نہیں آج سے تمہارا ہے۔ میں صبح پانچ بجے کی فلائٹ سے یو کے جا رہا ہوں تین سال کے لیے' زندگی رہی تو ضرور ملاقات ہوگی اپنا خیال رکھنا گڈ نائٹ۔" اور وہ اس بات پر چونکی ضرور تھی مگر اسے جواب دیا نہ روکا نہ مڑ کر دیکھا وہ بغیر آواز کے دروازہ بند کیے کمرے سے جا چکا تھا۔ وہ تنہا تھی۔ اور یہ تنہائی اس نے اپنے ہاتھوں خریدی تھی جس پر اسے فی الوقت کوئی ملال بھی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

کھلی کھڑکی سے آتی سورج کی تیز روشنی بتا رہی تھی کہ کافی دن چڑھ آیا ہے وہ کسی تیز آواز پر جاگی تھی حواس یکجا ہوتے ہی پہلا احساس نرم گرم بستر کا ہوا تھا وہ یکدم اٹھ بیٹھی وہ تو ادھر تھی اس کونے میں بیٹھے بیٹھے وہیں آنکھ لگ گئی تھی پھر وہ یہاں کیسے۔ نظریں بے اختیار ٹیبل کی سائڈ تک گئیں جگہ خالی تھی کمرہ بھی بہتر حالت میں تھا ہر چیز اپنے ٹھکانے پر گویا رات کے کسی پہر آنے والے نے ہر چیز سمیٹی تھی۔ اسے عجیب سا احساس ہوا۔

وہ اتنی ہی بے ہوش سو گئی تھی خود کو ملامت کی۔ نظریں بھٹک بھٹک کر خالی جگہ پر جانے لگیں۔

"تو کیا وہ چلا گیا؟" جانے کس سے سوال کیا۔

"تو کیا وہ رک جاتا۔" دل کی خفگی بھری آواز آئی۔

"تم نے کوئی گنجائش چھوڑی ہی کہاں تھی اس نے جانا ہی تھا۔"

"اچھا ہے چلا گیا یہاں رہتا تو اسے دیکھ دیکھ کر زخم ہی ہرے رہتے۔" دماغ نے دلاسا دیا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں گھس گئی بڑی دیر تک سلگتی آنکھوں پر چھپاکے مارتی رہی مگر لگتا تھا جلن ختم ہی نہ ہوگی کتنی راتوں سے روتی آنکھیں تھیں اور ابھی تو جانے اور کتنا رونا تھا۔ دل کے اک کونے پر کوئی احساس برابر چٹکیاں کاٹ رہا تھا وہ آئینے میں نظر آتے اپنے عکس سے نظریں چراتی باہر نکل آئی۔

"یہ کمرہ میرا نہیں آج سے تمہارا ہے۔ میں یو کے جا رہا ہوں۔ تین سال کے لیے۔"

"تین سال کے لیے اف۔" کمرے کی ایک ایک

چیز اسے مطلع کر رہی تھی۔ رات تو اس نے دھیان ہی نہیں تھا دیا مگر اب احساس ہوا تھا کہ اس کی سزا معاف نہیں ہوئی پہلے وہ دار پر لٹکی تھی جان کنی کا عالم تھا ہر پل کا دھڑکا، موت سامنے رقص کناں تھی پھر قدرت نے رحم کھا کر سزا میں ردوبدل کر دی وہ دار سے تو اتار لی گئی۔ مگر قید ہو گئی ہے رہائی تو پھر نہ ملی تین سال کوئی کم عرصہ تو نہیں۔

"یہ کیسی زندگی ہے میری۔ سکون کہاں ہے میرے لیے۔" وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔ کوئی آہستگی سے دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر آیا۔

"کاج آپی آر یو اوکے۔" وہ نمرو تھی۔ جو اسے یوں بیٹھے دیکھ کر پریشان ہوا تھی اس نے سر اٹھایا آنسو تو اس کے آوارہ ہو گئے تھے پل میں ہی پلکوں کی باڑھ پھلانگ جاتے اسے پتا بھی نہ لگتا۔ نمرو نے بڑے پیار سے اس کے آنسو سمیٹے۔

"نہ روئیں آپی۔ فرجاد بھائی بہت برے ہیں۔ ہم نے بھی بہت روکا تھا مگر وہ نہیں رکے۔ چلے گئے ہمیں تو خود ابھی سے اداس ہو گئی ہوں۔ تین سال کیسے گزریں گے۔" وہ پوچھ رہی تھی اور یہی سوال تو اسے پریشان کر گیا تھا۔

اسے نمرہ سے پورا اتفاق تھا۔ دوپٹے سے چہرہ پونچھتی وہ اٹھی وہ تو چلا گیا تھا باقی سب کا سامنا تو کرنا تھا۔ نمرو کے ساتھ وہ لاؤنج میں آئی سامنے ہی بچھے تخت پر رقیہ پھوپھو بیٹھی تھیں جن کے چہرے سے ظاہر تھا بہت دیر سے رو رہی ہیں پاس ہی کرسی پر کسی سوچ میں گم آصفہ براجمان تھیں اس نے پاس جا کر سلام کیا۔ آصفہ چونکیں۔ رقیہ نے سر ہلا کر جواب دیا اور پلو سے آنکھیں صاف کرنے لگیں۔

"بیٹھ جاؤ۔ چائے لاؤں تمہارے لیے" آصفہ نے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صرف چائے کیوں۔ اچھا سا ناشتا لاؤ میری بیٹی کے لیے زارا، حمرہ بھابھی اٹھ گئی ہے تمہاری۔ ناشتا لے آؤ اب۔" آصفہ سے کہہ کر رقیہ پھوپھو نے کچن کی جانب آواز لگائی۔

ابھی آئی امی۔ بس ایک منٹ۔" اندر سے حمرہ کی آواز آئی۔

"دونوں صبح سے لگی ہوئی ہیں پتا نہیں کیا کیا بنا رہی ہیں تمہارے لیے۔" انہوں نے اسے بتایا۔ وہ حیران ہوئی ——— وہ تو سمجھ رہی تھی اس کے حصے کی ساری چاہتیں ختم ہو چکی ہیں۔

"میں دیکھتی ہوں کیا کر رہی ہیں یہ۔" آصفہ اٹھ گئیں نمرہ بھی ان کا ہاتھ پکڑے ساتھ چل دی پھوپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

"میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا بیٹا۔ مگر تم نے میری بات نہیں سمجھی ہم سب نے تو اسے بہتیرا روکا مگر وہ نہیں رکا تم روکتیں ایک بار ہی کہتیں وہ کبھی نہ جاتا اب جانے یہ آنکھیں کب دیکھیں گی اسے۔ تین سال پورے تین سال تھوڑے دن نہیں ہوتے۔" وہ ماں تھیں ان کا کلیجہ شق تھا۔

وہ پھر سے رو رہی تھیں۔

"او ہو اب بس بھی کریں امی۔ جب سے بھائی گئے ہیں تب سے آپ رو رہی ہیں اس طرح تو آپ خود کو بیمار کر لیں گی۔ ان کی مسز کو دیکھیں کتنا حوصلہ ہے ان میں۔ کل شادی ہوئی ہے اور آج میاں صاحب باہر جا چکے ہیں وہ کتنے سکون سے ہیں آپ بھی ایسی بہادر بنیں اور آجائیں اور دیکھیں کیا کتنے مزے دار آئٹم تیار کیے ہیں ہم نے، کھائیں اور داد دیں۔" حمرہ ٹرالی دھکیلتی آرہی تھی۔

"اور بھابھی جی۔ ویلکم ٹو دو ہوم۔ یہ سب ہم نے آپ کے اعزاز میں بنایا ہے۔ رات تو ہم آپ کو اچھی طرح خوش آمدید بھی نہیں کہہ سکے اتنا اچانک ہوا یہ سب بہرحال جو ہوا اچھا ہوا آپ ہمارے پاس آگئیں اب ہمیں بھائی کے باہر جانے کی اداسی بھی نہیں رہے گی۔ ہم ان کی جگہ آپ کو دیکھ کر خوش ہو لیا کریں گے اور ابھی تو ہم نے اور بھی مزے کرنے ہیں۔ ناشتے کے بعد ہم شاپنگ پر جائیں گے اور آپ کے لیے ارجنٹ بری خریدیں گے وہ بھی آپ کی پسند سے۔"

زارا نے بڑے فریش موڈ میں اسے سارا پروگرام بتایا۔

"اور میں نے فن لینڈ بھی جانا ہے۔" نمرو کی فرمائش آئی تھی۔

"ڈن۔ فن لینڈ بھی چلیں گے۔" وہ سب کتنے خوش تھے یونہی خوش گپیوں کے دوران ناشتا ہوا۔

آصفہ نے جانے کے لیے رخت سفر باندھا تو وہ بھی تیار ہو بیٹھی۔

"ارے بھئی یہ کیا بات ہے بھابھی جی۔ آپ قطعاً نہیں جاسکتیں ہم آپ کے بغیر اداس ہو جائیں گے۔" زارا کو اختلاف ہوا تھا۔

"بہت دن ہو گئے ہیں، میں ایک لفظ نہیں پڑھ سکی۔ میرے فائنل ایگزام ہونے والے ہیں اور میں نے فیل ہرگز نہیں ہونا ویسے بھی میری کتابیں بھی ادھر ہی ہیں۔" اس نے مجبوری بتائی۔

"کوئی بات نہیں ہم کتابیں منگوا لیتے ہیں، آپ یہاں رہ کر بھی تیاری کر سکتی ہیں۔" ادھر سے حل پیش کیا گیا اس نے لاچاری سے آصفہ کو دیکھا جو خود بھی اس کی حالت دیکھ رہی تھیں۔ وہ ہر وقت بولائی بولائی سے رہتی تھی۔ کسی بات میں دل نہ لگتا پھوپھو کوئی کام بھی نہ کرنے دیتیں۔ فارغ سارا دن وہ الجھی سلجھی سی سوچوں میں گھری رہتی۔

"تھوڑے دنوں کی بات ہے ابھی جانے دو، دھیان سے امتحان دے لے تو پھر اس نے یہیں آکر رہنا ہے تم سب کے ساتھ۔" آصفہ کی کمک آئی۔

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ جانے دو بیٹا، میں بھی دیکھ رہی ہوں میری بچی کا ابھی ہمارے ساتھ دل نہیں لگا آہستہ آہستہ ہی عادت ہو گی اسے ہماری، رقیہ پھوپھو نے بھی اپنا تجزیہ بیان کیا وہ تائید کر سکی نہ تردید پر سر جھکا کر رہ گئی۔

"اگر فرجاد بھائی یہاں رہتے تو پھر میں دیکھتی کیسے بھابھی جی جانے کا نام لیتی ہیں امتحان وامتحان سب بھول جاتے۔" حمرہ ہنستے ہوئے بولی جبکہ اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی اور یونہی وہ سب کے درمیان سے اٹھ گئی۔ اس کی خاموشی کو سب نے ہی محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارا دن وہ ہوتی اور اس کی کتابیں حتی الوسع وہ ادھر ادھر کی سوچوں پر دھیان نہ دیتی۔ کیا حاصل تھا دکھ دیتی سوچیں پالنے کا۔

ابا جی نے خبر نہیں لی۔ اس کے امتحان ہونے کو تھے اور امی نے کوئی اسپیشل چیز بنا کر نہیں بھیجی نہ چنے کی دال کا حلوہ نہ گریاں بادام۔ کوئی خیال ہی نہیں نہ کسی نے پوچھا کہ کس حال میں ہو۔ بس کبھی ثمن تو کبھی تاجور کا فون آجاتا جو دو چار منٹ کی بات کر کے خیریت پوچھ لیتیں۔ ادھر کی بتا دیتیں اور اس کا دل بہلانے کو جو وہ جھوٹ سچ کہتی اس کی حقیقت بھی اس پر کھل چکی تھی۔ ابا جی اس سے ناراض ہو چکے تھے امی مجبور تھیں جبکہ اس کا قصور کتنا تھا؟ اس کی کیا غلطی تھی؟ پھر اسے بھگتان کیوں بھرنا پڑ رہا تھا؟ ٹھیک ہے ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔

وہ لاپروا ہونے کی کوشش کرتی۔ روز خود کو باور کرواتی کہ اگر کسی کو اس کی فکر نہیں تو وہ بھی کسی کی پروا نہیں کرے گی حتی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس شخص کی یاد بھی ہر دن آتی جس کی وجہ سے وہ اس حال کو پہنچی ہوئی تھی۔ رقیہ پھوپھو، حمرہ باقاعدگی سے فون کر کے اس کی خیریت پوچھتیں۔

ایسے ہی الجھے سلجھے دنوں میں جیسے تیسے تیاری کر کے اس نے ایگزام دیے اس روز وہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو امی اور تاجور کو دیکھ کر خود پر چڑھایا لاپروائی کا جھوٹا خول تڑخ گیا تمام ضبط جاتا رہا ماں کے گلے لگ کر اس طرح روئی کہ ان کا ملال بھی ڈھل گیا۔

"میں نے کیا کیا ہے امی۔ میں نے تو کوئی ایسی غلطی نہیں کی پھر سزا مجھے ہی کیوں آپ نے بھی نہیں پوچھا میں مر جاؤں گی امی مجھے معاف کر دیں۔ آپ تو جانتی ہیں ——— اپنی بیٹی کو پھر بھی۔ پھر بھی آپ کا یہ رویہ۔" وہ بولتی گئی روتی گئی۔ ہچکیاں بندھ گئیں امی اس کے آنسو پونچھ رہی تھیں بار بار منہ چومتیں گلے لگاتیں۔

"بس کر۔ بس کر میری بچی مجھے پتا ہے بس ہماری تقدیر کے ہی الٹ پھیر ہیں سارے۔ جانے تم دونوں کے نصیب ایسے کیوں ہوئے۔ میں تیرے دکھ کو سمجھتی ہوں پر کیا کرتی میری جان میں مجبور تھی تیرے باپ کو بڑا غصہ ہے۔ تم جس طرح رخصت ہوئیں اور جیسے تاج گھر آئی اس دکھ نے انہیں بیمار کر ڈالا کئی دن بستر سے ہی نہ اٹھ سکے۔ میں نے بھی ڈر کے مارے کوئی بات نہ چھیڑی تمہاری فکر تو بڑی ہے پر کیا کرتی تاج تیری خیر خبر لے لیتی تھی کچھ بھی بتا دیتی تو دل کو تسلی ہو جاتی تھی۔ میں تو اپنی اولاد کے لیے دن رات دعائیں کرتی ہوں پر اللہ کی مصلحتیں کیا ہیں وہی جانے اب اسے ہی دیکھ لو۔" امی نے تاجور کی طرف اشارہ کیا۔

"اللہ نے اولاد کی خوشخبری بھی دی ہے تو کن دنوں جب شوہر میکے چھوڑ گیا ہے۔"

"ہیں سچ۔" لاجورد کو بے اندازہ خوشی ہوئی رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔ لگتا تھا خوب کیئر ہو رہی ہے نکھرا نکھرا رنگ روپ بھرا بھرا بے ڈول جسم وہ تو سرتا پیر بدلی ہوئی تھی بے ساختہ اسے سجاد کا وہ سفاکانہ لہجہ یاد آیا جب اس نے انتہائی بے دردی سے کہا کہ۔

"مجھے لگتا ہے میں کبھی باپ بننے کی خوشی نہیں دیکھ سکتا۔"

اور وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

"سجاد بھائی کو بتایا۔"

"نہیں۔ میں نے تو نہیں بتایا۔ میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہاں اسے علم ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ جب رفعت چچی کو پتا ہے تو پھر سمجھ لو سارے زمانے کو خبر ہے۔ میری ساس دو تین بار بیٹی سے ملنے آئی ہیں مجھ سے نہیں آئیں تو جب ان لوگوں کو میری پروا نہیں تو مجھے کیا ضرورت ہے ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے مجھ پر اپنا کرم کیا۔ مجھے خوشی دی ورنہ تو لوگوں نے بہت باتیں بنا رکھی تھیں۔" تاجور پر سکون تھی اطمینان اس کے روم روم سے پھوٹ رہا تھا۔

"بالکل۔ وہ سب کی بگڑی بنانے والا ہے۔ اچھا کیا سجاد کو نہیں بتایا اسے احساس ہونے دو خود سے رابطہ مت کرنا ورنہ اس جیسے مرد اس بات کو طعنہ بنا دیتے ہیں آئے گا وہ تمہارے پاس ہی آخر اولاد کون چھوڑتا ہے۔" آصفہ بولیں۔

"سچ کہہ رہی ہیں اور سجاد کو تو بچے اچھے ہی بہت لگتے ہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنی اولاد سے دور رہے آئے گا وہ میرے پاس ہی۔" تاجور کو یقین تھا۔

☼ ☼ ☼

اور وہ شدید خواہش رکھنے کی باوجود امی کے ساتھ گاؤں جانے کے بجائے گھر آگئی تھی وہی گھر جہاں اس کا تمام سکون اور اطمینان لوٹا گیا تھا پھوپھو نے امی کو صاف جواب دیا تھا جو کہ ظاہر ہے اسے بھی برا لگا تھا اس لیے تو اس کا منہ پھول کر کپا ہو گیا تھا اور اس کی یکی روتی صورت دیکھ کر انہوں نے بہت پیار سے اسے خود سے لپٹا کر اپنے انکار کا جواز پیش کیا تھا۔

"کتنے مہینے ہو گئے تمہاری شادی کو؟ اس عرصے میں نہ تمہاری ماں نے پوچھا نہ باپ نے 'اب کس برتے پر میں تمہیں جانے دوں۔ وہ اچھے طریقے سے یہاں آئیں تمہیں لے کر جائیں پھر تو بات بنتی ہے خدانخواستہ تم نے بھاگ کر شادی نہیں کی۔ نکاح جس طرح بھی ہوا رخصت تو تم اپنے باپ کے گھر سے ہی ہوئی ہو اور اصل حقیقت کو جب ہم نے دنیا والوں سے چھپایا تو پھر ان لوگوں کو اس طرح کا رویہ تمہارے ساتھ رکھنا روا نہیں تھا۔ انہوں نے تو خود دنیا کو چہ میگوئیاں کرنے کا موقع فراہم کیا ہے 'کیا لوگ تمہاری بابت پوچھتے نہ ہوں گے ان سے 'انہیں چاہیے تھا تمہاری رخصتی کے بعد ایک بار تو آکر تمہیں لے جاتے چاہے رسم دنیا نبھانے کو ہی سہی لیکن وہ تو یوں لاپرواہ ہوئے کہ مت پوچھو۔

میں تو بھابھی کے سامنے اس لیے زیادہ نہیں بول سکی کہ ان سے شرمندہ ہوں سارا گناہ تو میری اپنی اولاد کا ہے 'بڑے ہی ارمان تھے میرے، بہت سے شوق میں بھی انتہائی کم نصیب ٹھہری ہوں اس معاملے میں پریشان ہو گئی ہوں تمہیں دیکھتی ہوں تو دل الگ فکر

مند ہوتا ہے خیر سے میرے مولا نے سہاگن کیا ہے اب تم اپنے سہاگ کے ساتھ ہی جچتی ہو۔ میں نے کہہ دیا ہے فرجاد سے کہ مجھ سے نہیں سلجھائی جاتیں تمہاری الجھنیں یا تو وہ تمہیں اپنے پاس بلا لے یا پھر خود واپس آجائے۔ بس بہت ہو چکا۔" ان کے حتمی انداز نے اس کی دھڑکنیں منتشر کر دیں۔ بار حیا سے سر نہ اٹھ سکا منہ نیچا کیے انگلیاں مروڑتی رہی۔

اور اس کمرے کی تو حالت ہی بدل گئی تھی، چمکتا آف وائٹ پینٹ نئے لش پش میرون پردے' میرون کارپٹ نئے صوفہ کور' بیڈ شیٹ خوبصورت ڈیکوریشن پیسز سب کچھ ہی نیا اور دلفریب تھا۔

"کیسا لگا اپنا کمرہ۔" زارا پوچھ رہی تھی۔

"بہت اچھا۔" اس نے دل سے سراہا۔

"بھائی کا سخت آرڈر آیا تھا کہ میری دلہن کی واپسی سے پہلے پہلے میرے کمرے کو دلہن کی طرح سجا دو' یہ دونوں کلر بھائی کے فیورٹ ہیں ہم نے ان کی پسند سے کمرہ سیٹ کر دیا اب خیال آرہا ہے آپ کا فیورٹ کلر پوچھ لیتے تو اچھا تھا۔" حمرہ کو افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں یہ بھی بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تھینک یو۔" اس کی بات سے دونوں خوش ہو گئیں۔

"اور ہاں بھابھی جی آپ کا ڈریس بھی بالکل ریڈی ہے شام کو تیار ہو جائیے گا امی نے آپ کو بتایا ارباز بھائی نے ان سے سوری کر لی ہے اور آج رات اس خوشی اور خاص آپ کے لیے وہ ہم سب کو اپنے گھر ڈنر کی دعوت دے کر گئے ہیں۔" یہ ایک نئی اور اچھی خبر سنائی تھی حمرہ نے۔ اسے بھی خوشی ہوئی۔

"کب صلح ہوئی ارباز بھائی سے؟"

"کل آئے تھے ابو اور امی سے بڑی معافیاں مانگ رہے تھے دراصل منذر اور عتبہ امی سے بہت مانوس ہیں ان کے بغیر وہ دونوں ہی بیمار رہنے لگے ہیں ہم سب کی بھی ان دونوں میں جان ہے ہم تو خود اداس ہو گئے ہیں۔ بھابھی تو بہت مصروف شخصیت ہیں ان کے پاس تو بچوں کے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا آیا کے وہ قابو نہیں آتے۔ بھائی تو کہہ رہے تھے کہ ہم سب ان کے گھر واپس چلیں لیکن امی نے منع کر دیا یہ گھر چاہے ابھی انڈر کنسٹرکشن ہے لیکن ہم ایڈجسٹ کر چکے ہیں اور ویسے بھی فرجاد بھائی تو بالکل پسند نہ کریں کہ ان کی مسز وہاں رہیں۔ جاذبہ بھابھی سے تو ان کی کبھی نہیں بنتی تھی اس لیے امی نے سہولت سے معذرت کر لی ہاں اب یہ ہے کہ ارباز بھائی بچوں کو ہر شام ہمارے پاس بھیج دیا کریں گے۔" حمزہ نے تفصیل بتائی۔

"چلو اچھی بات ہے گھر میں بھی رونق ہو جایا کرے گی۔ اب تو عتبہ بھی چلتا اور بولتا ہو گا اسے روحیل بھائی کی شادی پر دیکھا تھا۔" وہ گل گوتھنا سا بچہ یاد آگیا وہ دونوں ان کی شرارتوں کے قصے سنانے لگیں۔

اور بہت عرصے بعد اس نے ارباز کو دیکھا تھا۔ وہ لمبا اور سوکھا سا ارباز جو اس کے حافظے میں تھا اس سے یکسر مختلف۔

چھ فٹ سے نکلتے قد اور شاندار صحت کے ساتھ قیمتی سوٹ میں ملبوس نہایت باوقار شخصیت۔ بات بات پر ہنستا مسکراتا' بے فکر خوش باش سا وہ اپنی زندگی سے کتنا مطمئن نظر آرہا تھا۔ ویل ڈیکوریٹڈ خوبصورت گھر' حسین بیوی' صحت مند خوبصورت بچے' دولت کی فراوانی' آسودگی کوئی کمی نہ تھی وہ اس سے بہت خوش خلقی سے ملا۔ شادی کی مبارک باد دی۔ احوال پرسی کی وہ جھینپی جھینپی سی جواب دیتی گئی۔

"فرجاد سو لکی اسے تم جیسی پیاری بیوی ملی ہے اور وہ کتنا بے وقوف ہے تمہیں یہاں چھوڑ کر خود اکیلا باہر چلا گیا ہے اور میں تمہیں بتاؤں کہ میرا بھائی تھوڑا سا بدھو اور بہت زیادہ جوشیلا اور جذباتی ہے۔ تم نے اسے جانے کیوں دیا' جتنی جلدی ہو سکے اسے واپس بلواؤ' ارے بھئی تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ وہاں کیسی کیسی بلائیں ہوتی ہیں جن کا سایہ وہاں گئے اکیلے خوبصورت نوجوانوں پر پڑ جائے تو پھر وہ آسانی سے جان نہیں چھوڑتیں۔ پھر نہ کوئی دم نہ جھاڑ پھونک سب بے اثر ہو جاتے ہیں اتنی ہی آفتیں ہیں وہاں تو۔" وہ جانے مذاق کر رہے تھے یا اسے ڈرا رہے تھے وہ ان کے چہرے دیکھے گئی وہ ہنس دیے۔

"سمجھیں نہیں ہو میری بات۔" اور سمجھ تو وہ خوب گئی تھی مسکرا کر بولی۔
"ہو جائے سایہ مجھے پروا نہیں۔"
"نہیں سچ۔ واہ پہلی بار اتنی دیالو بیوی دیکھ رہا ہوں جسے شوہر پر اتنا اعتبار ہے ایک ہماری زوجہ محترمہ ہیں کچھ نہ بھی کرو پھر بھی اکثر جھاڑ پھونک کرتی ہیں۔ ہک ہاہ۔" ارباز نے اک مصنوعی آہ کے ساتھ کن انکھیوں سے بیوی کو بھی دیکھا جو انہیں ہی گھور رہی تھیں۔
"ہاں تو ٹھیک ہے نا۔ شوہروں کی خصلت ہی ایسی ہوتی ہے ذرا کھلا چھوڑ دو تو فوراً" ادھر ادھر گھاس چرنے لگتے ہیں۔"
"آئے ہائے کیسی باتیں کرنے لگے ہو تم لوگ۔ میرا فرجاد ایسا نہیں، بہت ہی نیک اور سلجھا ہوا بچہ ہے، وہ بھلا کیوں آنے لگا کسی کے چکر میں اور اسے ضرورت بھی کیا ہے اللہ خیر کرے اس کی بیوی اتنی خوبصورت ہے۔" انہوں نے پیار بھری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔
"کوئی پتا نہیں لگتا ماں جی کیا میں آپ کا بہت نیک اور سلجھا ہوا بچہ نہیں تھا، میں بھی تو شہر میں آتے ہی آگیا تھا نا کسی کی۔۔۔" ارباز نے مسکرا کر بیوی کو دیکھا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔
"ہاں۔ ہاں کہو جو کہہ رہے ہو رک کیوں گئے کہہ دو میں نے تمہیں اپنے چکر میں پھنسایا تھا حالانکہ تمہاری منگیتر بھی بہت خوبصورت تھی۔" جاذبہ چمک کر بولیں اک نظر کو تو ٹیبل پر سناٹا چھا گیا جس کو اگلے ہی پل ارباز کے مسکراہٹ سے پر جواب نے توڑا۔
"بے شک۔ یہ بات تو سچ ہے لیکن خیر تم بھی کسی سے کم نہیں اور پھر وہ کیا مشہور زمانہ مثل ہے کہ دل آیا۔۔۔" اور اگلے ہی پل احساس ہوا کہ کیا کہنے جا رہے ہیں تو زبان دانتوں تلے دبالی لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ جاذبہ پیر پٹخ کر اٹھیں اور واک آؤٹ کر گئیں۔
لاجورد حیران پریشان سی دیکھ رہی تھی، پھوپھو منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھیں۔ حمرہ، زارا پورے دھیان سے اپنی پلیٹوں پر جھکی تھیں گویا ایسے مناظر کی عادی رہ چکی ہوں۔
"ارے تمہیں کیا ہوا۔ رک کیوں گئیں کھانا پسند نہیں آیا ہے۔ یہ شوارمہ تو تم نے چکھا ہی نہیں۔ ارے بھئی تم تو کچھ کھا ہی نہیں رہیں چلو لو۔" ارباز اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مہمان نوازی کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اس کے نہ نہ کی پروا نہ کی اچھا خاصا کھلا کر دم لیا۔
"جاذبہ کی کسی بات پر دھیان مت دینا وہ تھوڑی سی کھسکی ہوئی عورت ہے۔" وقت رخصت وہ کہہ رہے تھے لاجورد محض سر ہلا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہی پہلی سی صبح شام تھی وہی رات دن کا چکر اور وہی اس کی ذات بے قرار۔ فرصت کے لمحے بہت بھاری ہوتے وہ خود کو مصروف رکھنے کی سعی میں ہلکان ہوتی رہتی کبھی کچھ تیار کرنے کی خاطر کچن میں جا گھستی مختلف ڈشز پر طبع آزمائی ہوتی۔ کبھی کسی کونے کی صفائی ستھرائی تو کبھی کوئی شغل، اب تو اجاڑ صحن بھی اس کے شوق کے باعث ہرا بھرا ہونے لگا تھا اک دن پھوپھا جی سے کہہ کر نرسری سے کئی قسم کے پودے منگوا لیے تھے جس کی صبح شام دیکھ بھال بھی ذمے لے لی۔
"حمرہ کالج جاتی، زارا ایوننگ ٹائم میں کمپیوٹر کورس کر رہی تھی۔ پھوپھو نے اسے بھی اجازت دے دی مزید پڑھنا چاہتی ہے تو کتابیں منگوا لو۔"
"ہائے یونیورسٹی میں ریگولر ایڈمیشن لے لیں، ٹف شیڈول ہو گا بھائی کی یاد بھی نہیں ستائے گی۔" حمرہ اسے چھیڑ رہی تھی وہ اسے گھور کر رہ گئی ریگولر کا تو ارادہ نہ تھا پرائیویٹ اگزام دینے کا سوچ رہی تھی اور ابھی تک تو یہ بھی طے نہ ہو پایا تھا کہ کس مضمون میں ماسٹرز کرے پھر اس نے رزلٹ آنے تک فیصلہ موخر کر دیا اور ہنوز اپنے روٹین ورک میں مصروف رہی۔
ہر شام ارباز کے بچے بھی آجاتے۔ لاڈلے شرارتی نٹ کھٹ بچے اسے خوب ہی تگنی کا ناچ نچاتے کھانے پینے میں سو نخرے ہوتے نت نئی فرمائشیں بچے اس

سے مانوس بھی بہت ہو گئے تھے عتبہ تو ابھی چھوٹا تھا۔ منذر اسکول جاتا تھا اکثر ویک اینڈ پر وہ اس کے پاس ہی رہ جاتے۔ ارباز تو اس کے بہت ممنون تھے۔ بچوں کی ماں کے پاس تو ان کے لیے ٹائم ہی نہ تھا ایک تو جاب اوپر سے آئے دن کی پارٹیز اور میٹنگز ہی ان کی جان نہ چھوڑتیں۔ ارباز کو سخت چڑ تھی بیوی کی اس روش سے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے سوائے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ بچوں کی فکر تھی تو اب اس سے بھی مطمئن ہو چکے تھے کہ یقیناً" دادی اور چاچی کی تربیت سے بچے بگڑیں گے تو نہیں۔
اور اس کے لگائے پودوں پر کلیاں لگ رہی تھیں پھول کھلنے کو تھے۔ تاجور اور امی کا فون تو آتا ہی رہتا تھا خیر خیریت پتا چلتی رہتی۔ اباجی بیمار رہے دوسرے تاجور کی حالت امی تو گھن چکر بنی رہیں اس لیے اس کی طرف سے بھی غفلت ہوتی رہی چاہتے ہوئے بھی اسے لینے نہ آسکیں نہ ہی وہ گاؤں جانے کی پھر ہمت کر سکی۔ اباجی کا سامنا اور باقی سب کے سوالوں کے جواب دینا بڑا ہی مشکل کام تھا۔ چھپنے میں ہی عافیت تھی وہ سب کچھ بھلائے بہادر بنی رہی۔ مگر اب وہ بہت خوش خوش گاؤں جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ بات ہی ایسی تھی بہت میٹھی سی خوشی اچھوتا سا احساس صبح آنکھ کھلتے ہی خوشخبری ملی تھی کہ وہ پیارے سے منے کی خالہ بن چکی ہے" امی نے کہا۔
"میں نے ثنا سے بات کر لی ہے، میں اور تمہارے ابا تمہیں لینے ۔۔۔ نہیں آسکتے۔ اشعر کو بھیج رہی ہوں، تم آجاؤ۔"
"سچ امی۔" وہ ہوا سے بھی ہلکی ہو گئی اس کے اپنوں کو بھی اس کا خیال آیا دل سے ایک پہاڑ سرکا تھا یہ منا تو بہت مبارک ثابت ہوا اک بند راستہ کھلا تھا۔ یا اللہ شکر ہے تیرا۔" پھوپھو نے نیلے نیلے کئی نوٹ ہاتھ میں تھما دیے۔
"میرا تو خیال تھا کہ بھائی اور بھابھی ہی تمہیں لینے آتے چلو خیر اللہ نے یہ خوشی کا وقت انہیں دکھایا وہ ادھر مصروف ہیں تم یہ رکھو تاجور اور منے کو دے دینا اپنی طرف سے شاپنگ کا تو ٹائم نہیں ہاں میں کل آؤں گی آج بازار جا کر کپڑے اور کھلونے لے لوں گی منے کے لیے۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ کہہ رہی تھیں مارے شکر کے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔
"پہلی بار میکے جا رہی ہے میری بیٹی خیر سے جاؤ۔ خوش رہو۔" انہوں نے ماتھا چوم لیا۔ اشعر کے آنے تک وہ تیاری مکمل کر چکی تھی بہت سے دن رہنے کا ارادہ تھا سب نے خوشی خوشی رخصت کیا۔

☼ ☼ ☼

ننھے منے سے ہاتھ پاؤں، گلابی رنگت، نہایت ملائم خوبصورت گول سا چہرہ منا تو بہت ہی پیارا تھا وہ خوب بھینچ بھینچ کر پیار کر رہی تھی۔
تاجور کا چہرہ گو کہ زرد تھا مگر اک الگ ہی رنگ اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا فخر کا، خوشی کا، ممتا کا، وہ اس روپ میں کس قدر حسین لگ رہی تھی۔ اللہ نے اپنی نعمت سے نوازا تھا اسے تو ہر دکھ بھول گیا تھا۔ چہار جانب خوشی تھی۔
وہ اباجی سے ملی کتنے مہینوں بعد انہیں دیکھا تھا بہت کمزور لگ رہے تھے سر کے بال بھی پہلے سے زیادہ سفید ہو گئے تھے، اک نظر کے بعد انہیں دیکھ ہی نہ سکی۔ دل دکھ سے بھر گیا تھا وہ لمحہ یاد آیا جب ان کی دعا اور شفقت کے بغیر اس گھر سے جانا پڑا تھا اور اس سے پہلی "وجہ" جس کے باعث وہ ان کی نظروں میں گناہگار ٹھہری تھی وہ کن الفاظ میں اپنے ناکردہ گناہ کی معافی مانگتی۔ احساس شرمندگی نے لبوں پر بھاری قفل ڈال دیا تھا انہوں نے چپ چاپ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا تھا حال پوچھا نہ کوئی اور بات یونہی اسے دیکھے بنا وہ آگے بڑھ گئے اور ان کی گہری چپ نے اس کے قفل لگے ہونٹوں پر ضرب لگائی تھی۔
"اباجی۔" اس نے پیچھے سے پکارا۔ تاجور نے ہاتھ پکڑ لیا۔
"کوئی بھی بات ایکدم سے نہیں بھلائی جاتی آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ٹینشن مت لو اب آگئی

ہوتا۔ آنکھوں کے سامنے رہوگی تو اباجی کا غصہ بھی اتر ہی جائے گا پھر کوئی موقع دیکھ کر انہیں منالینا ور اصل فرجاد کی کرنی تمہیں بھرنی پڑ رہی ہے چلو کوئی بات نہیں برداشت کرلو۔ اس میں اور تم میں کوئی فرق تو نہیں نا۔"

اور وہ کیا کیا برداشت کرتی۔ فرجاد پر تو اسے بھی بہت غصہ تھا اور وہ خود جا بیٹھا تھا بزدل کم ہمت فضول انسان وہ تادیر بڑبڑاتی رہی اس کا کیا اسے کہاں کہاں بھگتنا پڑ رہا تھا عورتوں کے سوال جواب نے اسے اور پریشان کر دیا تھا۔

آدھی ادھوری خوشیاں ہی کیوں تھیں ان کے لیے وہ بھی خود کو چاہے کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ظاہر کرتی کسی کے سامنے اپنے دکھ نہ کہتی بے فکری کا تاثر دیتی رہتی کتنے مہینے ہو گئے تھے اسے سب کے سامنے ناٹک کرتے ہوئے اور اکیلے میں اس کا دل ہی جانتا تھا کہ کتنے درد کے صحرا پار کرنے پڑتے سجاد جیسا بھی تھا تو آخر اس کا شوہر پھر اب سب سے بڑھ کر اس کے بچے کا باپ بچے کے گود میں آنے سے پہلے وہ سوچتی تھی۔ سجاد نہ بھی پلٹ کر آیا تو میں اپنے بچے کے سہارے زندگی گزار لوں گی مگر اب کتنا مشکل لگ رہا تھا کیا وہ اپنے ہاتھوں اپنے بچے کو کم نصیب کرلے اس بچے کا بھی حق ہے کہ وہ اپنے باپ کے سائے اور شفقت میں پروان چڑھے اب سوچ لیا تھا وہ آیا تو اس سے کچھ نہیں کہنا اپنے بچے کے صدقے اس کی ہر خطا معاف کر دوں گی اس کا رواں رواں منتظر تھا۔

ہر ہر کھٹکے پر وہ چونک پڑتی نظریں یونہی پلٹ پلٹ کر دہلیز کو چھو آتیں مگر بے سود کتنی بڑی خوشی رب نے دی تھی اس کی تپسیا کا خوبصورت انعام اس کا پیارا بیٹا جسے دیکھ دیکھ کر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتی نہ تھک رہی تھی۔ سرتاپیر آسودہ ہو جاتی مگر کہیں اک کسک کیا اس بے پروا کے دل کو خوشی نے نہیں چھوا اتنی اکڑ اتنا ظلم مجھے اتنے عرصے میں نہیں پوچھا تو کیا اپنی اولاد سے بھی بے خبر رہے گا کیا کوئی باپ ایسا بھی ہوتا ہو گا کیا اسے علم نہ ہوا ہو گا؟ وہ چھپ چھپ کر آنسو پونچھتی

— اپنا دکھ تو تھا ہی کلسانے کو اب اس کی نامکمل خوشیاں جان کا آزار لگ رہی تھیں۔

"یااللہ کب ختم ہو گی ہماری سزا۔ یا میرے مالک۔ رحم کردے۔ معاف کردے۔ بخش دے ہمیں۔" بے اختیار وہ دعا گو ہوئی۔

☼ ☼ ☼

مناسات دن کا ہو گیا اس کے سسرال میں سے کوئی آیا نہ سجاد نے خبرلی فکر تو سب کو ہی تھی اور خصوصاً گھر والوں سے زیادہ باہر والوں کو جن کی دلچسپی ایک اسی بات میں تھی ہر آنے والی مبارک باد دینے کے بعد سجاد کی بابت ضرور دریافت کرتی پھر اس کی بے حسی پر اظہار افسوس تاجور ہر ایک کو جواب دے دے کر تھک گئی۔

آج منے کا عقیقہ بھی تھا۔ تمام انتظامات ہو رہے تھے تقریباً سب ہی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھے۔ خوب گہما گہمی تھی وہ خوش بھی تھی تو دل اندر سے اداس بھی تھا۔ منے کو سلا کر وہ بھی کمر سیدھی کرنے کو کچھ دیر کے لیے لیٹی ہی تھی کہ دھاڑ سے دروازہ کھول کر شکیلہ افتاں و خیزاں اندر آئی۔

"تاج باجی۔ تاج باجی۔" اس کی سانس پھول رہی تھی۔ رٹو طوطے کی طرح اس کا نام لیے گئی۔ تاجور نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔ آرام سے نہیں آیا جاتا ابھی بڑی مشکل سے منے کو سلایا ہے میں نے۔" وہ جلدی جلدی بچے کو تھپکنے لگی جو اس اچانک شور سے پورا ہل گیا تھا۔

"اوہ۔ مینوں خیال نہیں رہا کیا کروں گل ہی ایسی ہے۔ مینوں تے لاج باجی نے بھیجا تھا ثمن باجی سے چاول صاف کرنے کے لیے چھج لانے جب میں ادھر گئی تو سجاد باؤ کی گڈی اگے کھڑی تھی وہ ادھر فرحان چاچا کی طرف آئے ہوئے ہیں رفو چاچی سے ان کی بڑی زور دار لڑائی ہو رہی ہے میں اپنے کانوں سے سن کر آرہی ہوں ہائے اللہ چچی اتنا بول رہے ہیں وہ کہ توبہ آج پہلی واری میں نے کسی لڑائی میں رفعت چاچی کی من من کرتی آواز سنی ہے سجاد باؤ ہی بولے جا رہے ہیں۔" خبر تھی کہ دھماکہ تاجور لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔

"کک کیا کہہ رہی ہو۔" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"جی۔ باجی میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں تے ثمن باجی تک وی نہیں گئی۔ انہوں ای واپس دوڑ آئی ہوں۔"

"کک کیا کہہ رہے تھے سجاد کیا بول رہے ہیں۔" اسے فکر پڑ گئی اتنے مہینوں بعد اس کے ادھر آنے کی خبر ملی بھی تو کس انداز سے۔

"پتا نہیں۔ میرے تو کچھ پلے نہیں پڑا۔ میں تے بس پچھے (الٹے) پیری آپ بتانے دوڑی ہوں۔ میں بی بی جی کو بتاتی ہوں۔" وہ باہر کو لپکی ابھی یہ گرما گرم خبر سب ہی کو سنانی تھی تاجور اپنی جگہ گم سم ہو گئی۔

"یااللہ یہ نئی افتاد، پتا نہیں کیا ہوا ہے۔" پریشانی ہاتھوں پیروں سے جان نکالنے لگی اب تک تو بڑی بہادری کا مظاہرہ کرتی آئی تھی جیسا رویہ سجاد نے اس کے ساتھ برتا تھا ویسا ہی جواب اس نے بھی دیا تھا مگر اب اس کے سامنے کا سوچ کر ہی روح کانپنے لگی تھی اور ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ شکیلہ پھر دوڑتی آئی۔

"تاج باجی۔ سجاد باؤ ادھر ہی آرہے ہیں آپ کے پاس۔ بی بی جی سے سلام لے رہے ہیں۔" بریکنگ نیوز دے کر وہ پھر چھپاک سے باہر تھی۔ تاجور ساکت سی منہ اٹھائے دروازے کی طرف دیکھے گئی۔

اور کتنے مہینوں بعد اسے دیکھا تھا وہی رعب و دبدبہ وہی اکڑ و انداز آنکھوں میں خشونت، چہرے پر رعونت اسے نظر انداز کرتا وہ سیدھا بچے کی جانب آیا —— ننھے منے معصوم وجود پر نظر پڑتے ہی تاجور نے پھر دیکھا کہ اس کے چہرے کے سخت تاثرات یکلخت نرمی میں تبدیل ہو گئے کرختگی کی جگہ شفقت نے لے لی انگشت شہادت سے بچے کے نرم نرم گالوں کو چھوا پھر بے اختیار وہ مسکراتے ہونٹوں سے بیٹے کے ماتھے کا بوسہ لے رہا تھا نہایت احتیاط سے اسے اٹھا کر سینے سے لپٹا لیا اس کی آنکھیں بچے کے اک اک نقش کو چوم رہی تھیں کبھی وہ اسے بازوؤں میں بھینچ لیتا کبھی اس کے چہرے پر مہر محبت ثبت کرتا حتیٰ کہ بچے نے کسمسانا شروع کر دیا۔

"اوئے۔ اوئے میرا بچہ میری جان اپنے بابا کے پاس روتے ہو نہ نہ میرا اتنا پیارا بیٹا کیوں روئے، چلو میرے ساتھ اب ہم یہاں ایک منٹ نہیں رہیں گے میں اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر جاؤں گا چلو گے نا میرے ساتھ۔" وہ بچے کو پچکار رہا تھا تاجور کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے اٹک گیا یہ کیا کہہ رہا تھا وہ اٹھ کر چیل کی طرح بچے کو اس سے لینے کے لیے جھپٹی سجاد نے ایک ہاتھ سے بچہ سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو دبوچ لیا۔

"الو کی پٹھی جاہل عورت اتنی بڑی بات تم نے مجھ سے چھپا کر رکھی اتنی بڑی بات، شرم نہ آئی تمہیں جانتی نہیں مجھے بچوں کا کتنا ارمان ہے کتنی خواہش ہے خود یہاں اکیلے اکیلے ساری خوشیاں منا رہی ہو اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔ دیکھ لوں گا میں تم سمیت سب کو۔ ایک وہ رفعت سارے جہان کی رپورٹیں دیتی ہے مجھے ایک یہ خبر نہ دی گئی اس کو تو نبیڑ کے آیا ہوں ساری عمر یاد رکھے گی ارے اب یہی اوقات رہ گئی ہے میری کہ میری اولاد کی خبر مجھے راہ چلتی دائیوں سے ملے میں تو پندرہ دن سے مری گیا ہوا تھا واپسی پر محمود کو اس کے پنڈ اتار کر آرہا تھا کہ راستے میں دائی رحمتے نے روک کر مٹھائی مانگی۔ میں تو حیران ہی رہ گیا ساری دنیا کو پتا ہے کہ میں باپ بن گیا ہوں اک مجھے ہی نہیں پتا اوئے سجاد حسین ورک کے ساتھ ایسا دھوکا اس دلیری اور اس جرات کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ تم اس بچے کی شکل کو ترسو۔" وہ انگارے چبا رہا تھا تاجور تڑپ اٹھی۔

"ادھر دیں مجھے یہ بچہ یہ میرا بیٹا ہے آپ تو مجھے یہاں چھوڑ گئے تھے تو پھر میں کیوں بتاتی آپ کو آپ نے پھر کون سا تعلق رکھا مجھ سے۔"

"چھوڑ گیا تھا کاغذ نہیں پکڑا گیا تھا کہ تم نے تعلق ختم سمجھا۔ تم تو چاہتی ہی یہی ہو کہ مجھ سے تمہاری

جان چھوٹے لیکن سن لو میں تمہیں مار تو سکتا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔"

"اف۔" بے دردی کی انتہا تھی تاجور نے زور سے آنکھیں میچ کر آنسوؤں کے ابلتے ریلے کو روکا یہ شخص نہیں سدھر سکتا جانے کس زعم میں مبتلا ہے پتا ہی نہ چلتا تھا کہ اس کے رویے و الفاظ کیسے دوسرے کی روح پر چرکے لگا گئے ہیں۔

"میں تو سمجھتا تھا سدھر جاؤگی پر اتنے مہینوں کی دوری نے دماغ اور خراب کردیا ہے۔ مجھ سے پنگا لیتی ہو جواب دیتی ہو مجھے۔" سجاد نے بازو کو جھٹکا دے کر اسے اپنے حصار میں کرلیا۔

خود کو چھڑانے کی کوشش میں ناکام ہو کر بلک اٹھی ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو ئے گئی۔

"بس کرو یہ رونا دھونا زندہ سلامت تمہارے سامنے کھڑا ہوں مرا نہیں کہ تم رونے ڈال لو۔" وہ بے زار ہوا۔ وہ ان مردوں میں سے ہی نہیں تھا جو آنسوؤں سے متاثر ہوجائیں اسے خود سے الگ کر کے سامنے کیا تاجور نے بڑی ہی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا کیسا عجیب انسان تھا وہ کوئی نرم جذبہ اس تک پہنچتا ہی نہ تھا وہ پل پل اس کی خیر مانگتی رہی تھی اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو میں کچھ غلط کہہ رہا ہوں کیا مجھے میری ہی اولاد سے بے خبر رکھ کر یہی ثبوت تو دیا ہے تم نے، مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی تاج بہت دکھی کیا ہے تم نے مجھے۔ میرا دل اب تک حیران ہے یقین ہی نہیں کر پا رہا یہ میرا بچہ ہے میرا بیٹا دیکھو اس کی ناک بالکل میرے جیسی ہے یہ دیکھ اس کے ہاتھ۔" وہ پھر سے بچے کو پیار کر رہا تھا وہ حیران ہوئی جتنے دکھ وہ اسے دے چکا تھا ان کا کوئی احساس نہیں تھا اسے اور اپنی کتنی پروا تھی اتنے مہینے اس نے اکیلے دکھ سہے درد کاٹے جن دنوں اس کی ضرورت تھی وہ پاس نہیں تھا اور اب آگیا تھا حق جتانے کو جس طرح وہ والہانہ بچے کو پیار کر رہا تھا اس پر دل خوشی سے معمور ہوا تو اس کی بے اعتنائیاں یاد کر کے غصہ بھی آیا اس نے جھپٹ کر بچے کو لیا جو کچی نیند سے بے داری پر اپنی ناگواری کا اظہار ہلکے سروں میں شروع کر چکا تھا۔

"آپ تو مجھے اپنی زندگی سے نکال چکے تھے اتنے دنوں میری کوئی خیر خبر نہیں لی مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ جیتی بھی ہوں یا مر گئی۔ مجھ سے تو آپ کو نفرت ہے اور میرے بچے سے اتنا پیار کر رہے ہیں۔" اس سے پہلے کبھی سجاد سے کوئی شکایت نہیں کر سکی تھی آج اتنی جرات اس چھوٹے سے وجود نے دی تھی جس نے اسے ماں بننے کا فخر عطا کیا تھا صرف ظاہرا "نہیں حقیقتاً" بھی وہ خود کو اندر سے مضبوط محسوس کر رہی تھی اس لیے بغیر جھجکے اس کے منہ پر کہہ گئی۔

سجاد بھی اک پل کو تو بحر حیرت میں ڈوب گیا وہ تو بالکل بدلی ہوئی لگ رہی تھی اس کی اک جھڑکی سے سہم جانے والی تاجور آج اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے شکوے پر شکوہ کر رہی تھی اگلے ہی پل وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ روک رہا تھا اور اس کے چہرے پر روشنی کی مانند پھیلتی مسکان تاجور کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

"اوہ تو اس کا مطلب ہے اس بچے کو پیار کرنے سے پہلے تمہیں پیار کرنا پڑے گا چلو خیر سودا کوئی اتنا مہنگا بھی نہیں مجھے منظور ہے۔ ادھر آؤ۔" وہ فوری عمل پر بھی تیار تھا تاجور گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"اب بھاگتی کیوں ہو۔ خود ہی تو کہا ہے۔" وہ آگے آیا۔

"مم میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اسے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ گود میں روتا ہوا بچہ اوپر سے موڈ بدلے شرارت پر آمادہ شوہر موصوف جس کے قریب آتے ہی اس نے روتا ہوا بچہ آگے کردیا۔

"یہ یہ رو رہا ہے۔"

"مجھے بھی پتا ہے تمہارا بیٹا ہے نا چپ کرواؤ اسے۔"

"آ۔۔۔ آپ کروائیں نا آپ تو اسے لینے آئے تھے۔" وہ مزید بہادر بنی۔

"ہاں وہ تو آیا ہوں اور لے کر جاؤں گا آج اور ابھی۔" اس کا وہی دھونس بھرا انداز تھا تاجور دھک سے رہ گئی۔

"بہت ظالم ہیں آپ ذرا ترس نہیں آتا مجھ پر اتنے مہینے مجھ بے قصور کو اذیت دی ابھی بھی دل نہیں بھرا اتنی ہی بری لگتی ہوں تو اپنے ہاتھوں سے کیوں نہیں ایک ہی بار مار دیتے بار بار کیوں مارتے ہیں مجھے اسے لے جائیں گے تو میں کیسے رہوں گی اس کے بغیر مر جاؤں گی میں۔"

"تو مر جاؤ۔ اس کے باپ پر تو مری نہیں ہو اب تک، چلو اس پر ہی مر جاؤ ویسے میرا بیٹا بہت خوبصورت ہے بالکل میرے جیسا۔" وہ اس کی طرف سے لاپروا تھا بچے کو بڑے پیار سے دیکھا تاجور اس کی بات پر زچ ہو اٹھی۔

"پتا نہیں۔ آپ کا دل کب صاف ہوگا، میں کیا کروں ایسا کہ آپ کو میری محبت پر اعتبار آجائے مجھے تو لگتا ہے میں مر کر بھی آپ کے دل میں جگہ نہیں پاسکوں گی۔"

"دل میں جگہ پانے کے لیے مرنے کی نہیں زندہ رہنے کی ضرورت ہے بار بار مجھ سے مرنے کی بات نہ کرو ابھی میرا بیٹا بہت چھوٹا ہے اسے تم نے ہی پالنا ہے فی الحال میرا دوسری شادی کا بھی کوئی ارادہ نہیں پہلے اسے چپ کرواؤ پھر بتاتا ہوں میرا اعتبار کیسے جیت سکتی ہو۔" اس کی توجہ بچے کی طرف دلا کر خود وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم میرے بیٹے کی ماں ہو بولو کیا انعام چاہیے۔" اس کا انداز عجب شاہانہ تھا اس کی ناکردہ خطائیں تو معاف کردی تھیں اپنی کوتاہیاں پھر بھی نہیں مانی تھیں اور جب وہ اتنی سخاوت کرنے ہی لگا تھا تو اس نے بھی دیرینہ کی فنت سے بولی۔

"آپ کا دل۔" اور اس کی فرمائش پر سجاد خوب محظوظ ہوا۔

"تم پہلے سے ہی اتنی چالاک تھیں یا اب ہوگئی ہو۔ میرا دل ہی مانگ لیا۔ چلو یوں کرتے ہیں ایک حصہ تمہارا باقی آتی جاتی حسیناؤں کا بھی تو حق ہے۔"

"جی نہیں۔ پورا دل۔" وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اچھا۔ اچھا ناراض مت ہو میرا دل تو پہلے سے ہی تمہارا ہے اس وقت سے جب تم دسترس سے دور لگتی تھیں پھر جب قسمت کی یاوری سے تم میری ہوئیں تو یہ دل تم پر اعتبار کرنے سے ہچکچاتا تھا اس لیے تو ہر وقت تم پر غصہ آیا رہتا تھا لیکن آج سے میرا سارا اعتبار بھی تمہارا ہوا۔ بس تم جو وقت گزر گیا ہے اسے کبھی دوہرانا مت اور نہ ہی میں یاد کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتے وہ یہ کیا کہہ رہا تھا تاجور محو حیرت سی اسے دیکھے گئی اور اس کی اتنی حیرانی پر سجاد مسکرا دیا اس کا اعتبار کرنے میں اتنا وقت لگ گیا تھا تو اسے بھی یقین کرنے میں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا مگر اتنا ایقان ضرور تھا کہ جھٹپٹے کی کیفیت ختم ہوچکی ہے اب ہر سو روشن اجالا ہے۔

"گھر چلیں۔ اب بالکل دل نہیں لگے گا تمہارے بنا۔"

"کچھ دن لگیں گے میں نے ابھی نہیں جانا۔" تھوڑے سے نخرے تو اس کا بھی حق تھے سو اٹھلا کر بولی۔

سجاد نے بھی اعتراض نہ کیا اسے بھی سمجھ آگئی تھی کہ اب اپنی آئندہ زندگی کو کیسے خوبصورت بنانا ہے۔

اس نے سوچ لیا تھا اتنے دنوں میں اپنا علیحدہ پورشن بنوانا ہے جو کہ تاجور کے لیے سرپرائزنگ گفٹ ہوگا اس لیے وہ از حد مصروف ہوچکا تھا ہاں ہر شام کچھ دیر کے لیے وہ بیوی اور بیٹے کو دیکھنے ضرور آتا تاجور کے چہرے پر گلاب کھل رہے تھے لاجور دا سے دیکھتی تو اس کی خوشیوں کے دائمی ہونے کی دعا کرتی۔

☼ ☼ ☼

منا سوا مہینے کا ہوگیا تھا کل سجاد نے تاجور کو لینے آنا تھا اس خوشی میں امی نے سب کی دعوت رکھ لی تھی رقیہ پھوپھو بھی آرہی تھیں اور انہوں نے کہا تھا وہ بھی اپنی تیاری کر رکھے۔ بہت دن رہ لیں اب اپنے گھر آؤ۔

اور اس نے سوچ لیا تھا میں کیوں وہاں جاؤں میرا وہاں کیا رکھا ہے میں کیوں اس سے جڑے رشتوں کی خاطر داریاں کرتی پھروں۔ میرا کیا لینا دینا مجھے کیا حاصل۔ اس نے پختہ ارادہ باندھا اور بھلا پہلے کب اس کی سوچیں پوری ہوئی تھیں پھوپھو کے ساتھ حمرہ اور زارا بھی آئی تھیں اور انہوں نے اس کی ایک نہ چلنے دی کوئی بہانہ کارگر نہ ہوا انہوں نے خود اس کی پیکنگ کر ڈالی انہوں نے ثمن کو بھی دعوت دی تھی ساتھ چلنے کی اور نہ چاہتے ہوئے اسے بھی آنا پڑا تھا واپس اسی گھر میں اسی کمرے میں جس سے جڑی یادیں اذیت ہی دیتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت تھک چکی تھی اک پرسکون نیند لینا چاہتی تھی مگر بھلا ہو ان تینوں کا جو پہلے ایکشن مووی دیکھتی رہی تھیں اور اب سیل پر ثمن کے منگیتر سے گپیں لڑائی جا رہی تھیں۔ وقفے وقفے سے اسے بھی شامل گفتگو کرنے کی کوشش ہو رہی تھی وہ بے زار ہو کر لحاف میں منہ چھپا گئی۔

"جیلس لوگ۔" ثمن کے جملہ نے اسے سرتاپیر سلگا دیا لحاف پرے کر کے اسے اک زوردار دھمو کا جڑا۔

"اف۔" ثمن نے دہائی دی اور اس کی آہ اگلی جانب بھی پہنچی تھی وہاں سے حال پوچھے جانے پر وہ اپنی مظلومیت کی داستان شروع کر چکی تھی لاجورد اس کی بے تکی بکواس سے اکتا کر کمرے سے ہی نکل آئی۔

"اوف۔" گرم کمرے کے باہر بلا کی ٹھنڈک تھی پہلے قدم پر ہی سارے جسم میں پھریری سی دوڑ گئی مگر دل کو اچھا لگا شال کو اپنے گرد لپیٹتے وہ کھلے صحن تک چلی آئی ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ دھند ہی دھند دور لمبے اونچے درخت کتنے پر ہیبت لگ رہے تھے جیسے جنوں کے سائے۔ آسمان سیاہ اور دور دھند کے مرغولوں کے پیچھے آدھا چاند جس کے گرد بنے اجالے کے دائرے اندھیرے کو منہ چڑاتے محسوس ہو رہے تھے ٹپ ٹپ

کی آوازیں جیسے کوئی ہلکے قدموں سے چل رہا ہو اک لحظ کو تو وہ ڈر ہی گئی مگر اگلے ہی پل سر جھٹک دیا یہ اوس کے گرنے کی مخصوص آواز تھی جوان راتوں میں یونہی ڈرا دیا کرتی۔

گہری رات 'برف زار ہوائیں آدھا چاند اور اک کپ کافی ہائے کتنا مزا آئے بے اختیار اس کا دل مچل اٹھا۔

ایسی راتیں تو اس کی پسندیدہ تھیں ایسی راتوں میں وہ اکثر سب سے چھپ کر اپنا چائے یا کافی کا مگ لے کر کھلے باغیچے میں پہنچ جایا کرتی۔ ٹھنڈے ٹھار بینچ پر بیٹھ کر پھر سردی اور گرمی سے لطف اندوز ہونا کیا ہی اچھا اور بے فکری کا زمانہ تھا وہ بھی اگر پھر کوئی دیکھ لیتا تو ڈانٹ بھی خوب ہی پڑا کرتی تھی اس کی نیند اڑنچھو ہو گئی دل پر چھائی بے کلی زائل ہونے لگی کئی یادوں نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی کچن کی جانب بڑھی ان تینوں پر بھی احسان کرنے کا ارادہ کیا دور کہیں گاڑی کی آواز آ رہی تھی ہائے اتنی ٹھنڈ میں رات گئے کون سفر پر نکلا ہے اللہ خیر کرے بے ساختہ ان دیکھے مسافر کے لیے دل سے دعا نکلی۔

بے دھیانی میں اس کے کان گاڑی کی آواز پر ہی لگے رہے جو لگتا تھا قریب آتی جا رہی ہے۔ کافی پھینٹنے ٹرے میں مگ پلیٹیں رکھنے تک اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا گاڑی اب گیٹ کے پاس سے گزر رہی تھی بلکہ نہیں وہ تو رک گئی ہے۔ وہ حیران ہوئی جلدی سے کچن سے نکلی لاؤنج کی گرل پر پڑا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا انجن کی بے ہنگم گھرر گھرر فضا میں گونج رہی تھی ہیڈ لائٹس کی چکاچوند روشنی سیدھی گیٹ کی درزوں سے اندر آتی دور تک اک روشن لکیر بناتی جا رہی تھی۔

"کوئی مہمان اور اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" قیاس کے گھوڑے دور تک دوڑتے چلے گئے گاڑی چل پڑی تھی۔ کچھ توقف سے بیل ہوئی۔

وہ کشمکش و پیچ میں پڑ گئی آیا گیٹ خود کھولنے جائے یا اندر سے ان تینوں کو بلا لے۔ رات کے اس پہر

لاشعوری طور پر اک خوف سا جاگا تھا۔ بیل پھر ہوئی تھی سناٹے کو چیرتی آواز دور تک گئی اور میکانکی انداز سے وہ آگے بڑھی۔

"کون۔" گیٹ تک پہنچ کر عادتاً" پوچھا چند لمحے تو خاموشی چھائی رہی پھر آواز آئی۔

"ارے بھئی اب گیٹ کھول بھی دو یا توڑ کر اندر آؤں۔"

"اوہ۔" یہ لہجہ یہ آواز یہ انداز دل کی دھڑکن گم ہوئی تھی جھٹ کر دروازہ کھول دیا سامنے ہی وہ کھڑا تھا جسے دیکھ کر وہ ساکت ہو گئی قطعی غیر متوقع انتہائی اچانک شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے اپنی بصارتوں پر اعتبار ہی نہ آیا ابھی تو دل نے اس کی چاہ کی تھی اور وہ تخیل سے نکل کر حقیقت میں چلا آیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی۔

"فف۔ فرفرجاد۔" بڑی دقتوں سے لب کھلے۔

"اب اندر بھی آنے دو گی یا یہیں سے واپس چلا جاؤں۔" وہ ہمیشہ کی طرح جھنجلایا ہوا تھا وہ ہوش میں آتی ایکدم پرے ہوئی۔

"لاج کون ہے گیٹ پر۔" وہ تینوں غالباً" بیل کی آواز پر باہر آئی تھیں وہ سوٹ کیس گھسیٹتا اندر آ رہا تھا اسے دیکھتے ہی تینوں کی تو چیخ ہی نکل گئی۔ اڑتی ہوئی اس تک پہنچیں۔

"فرجاد۔ فرجاد بھائی ہمیں یقین نہیں آ رہا۔ اف اللہ یہ آپ ہی ہیں نا۔" زارا نے اس کا بازو تھاما۔

"نہیں میں اس کا بھوت ہوں۔" فرجاد نے اسے ڈرایا وہ واقعی گھبرا کر ثمن سے لپٹ گئی وہ ہنس رہا تھا۔

"اف بھائی۔ آپ یوں اچانک بغیر بتائے کم از کم اطلاع ہی کر دیتے۔" حمرہ بھی حیران تھی۔

"اطلاع کر دیتا تو پھر اتنی مزے کی شکلیں کیسے دیکھتا۔" اس نے لاجورد کے چہرے پر نظر ڈالی جو لگتا تھا ابھی بھی شاک میں تھی۔

"اور چلو میرے ساتھ پہلے یہ سامان اندر کرواؤں بہت سردی ہے بھئی میرے تو دانت کٹکٹا گئے ہیں حشر

ہو گیا یہاں تک آتے آتے۔"

"ہاں۔ ہاں چلیں۔" وہ تینوں بڑھیں اس کا بھاری بھر کم سامان اندر کیا۔

"لگتا ہے بھاگ کر آ گئے ہو سب ہی سامان اٹھا لائے ہو۔" ثمن بولی۔

"بس کچھ ایسا ہی ہے' مزا نہیں آ رہا تھا کام کا چھوڑ کر آ گیا ہوں۔" وہ گیٹ بند کر رہا تھا۔

"مزا نہیں آ رہا تھا یا دل نہیں لگا اپنی سنز کے بغیر۔" وہ بھی ثمن تھی جو سچ بولتے کبھی نہ گھبراتی تھی۔ وہ مبہم سا مسکرا دیا تبصرے سے احتراز برتا۔

"میں امی اور ابو کو جگاتی ہوں ہائے کتنا خوش ہوں گے وہ بھائی کو دیکھ کر۔" زارا کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے اندر کو بھاگی حمرہ اور ثمن اس کا سوٹ کیس لے جا رہی تھیں۔ دوسرا اس نے اٹھایا پھر اسے دیکھا۔ وہ لب بستہ بڑی محویت سے اسے ہی تک رہی تھی نگاہ ملتے ہی گڑبڑا کر چہرہ جھکا گئی لگتا تھا اس کا دل ابھی بھی یقین نہیں کر پایا دھڑکن ابھی بھی نارمل نہ ہوئی تھی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھی تھیں وہ چہرہ جو کبھی گلاب کی مانند تھا فرجاد کو مرجھایا ہوا لگا آنکھوں کے گرد نمایاں حلقے اس کے رت جگوں کی کہانی سنا رہے تھے بے اختیار اسے خود پر افسوس ہوا کتنا پیارا تھا اسے یہ چہرہ اور وہ اسے کیا کیا سوغاتیں دے گیا تھا۔

"لاج۔" اس نے یوں پکارا کہ لاجورد کی روح کھنچ کر مٹھی میں آ گئی لرزیدہ پلکیں اٹھا کر دیکھا وہ ہاتھ بڑھائے ہوئے تھا۔

"ارے بھئی سردی کا شور مچا رہے تھے اب آ بھی جاؤ اندر۔" ثمن بلا رہی تھی۔

"آ جاؤ۔ سردی بہت ہے۔" وہ آگے بڑھ گیا ہتھیلی سے آنکھیں رگڑتی وہ بھی پیچھے ہو لی۔

اور ایکدم سے سارا گھر کتنا روشن ہو گیا تھا اس کے آنے سے کتنی رونق ہو گئی تھی پھوپھو اور پھوپھا بھی اسے دیکھ کر انتہائی خوش ہوئے تھے ماں کو اس نے کمرے سے نکلنے ہی نہیں دیا تھا بلکہ خود بھی ان کے

بستر میں جا گھسا۔

"ہائے کتنے ٹھنڈے ہاتھ ہو رہے ہیں میرے بچے کے، حمرہ جاؤ بھائی کے لیے گرما گرم کافی بنا کر لاؤ۔" پھوپھو کو اس کی فکر لاحق ہوئی۔

"بھابھی پہلے سے ہی بنا رہی ہیں بس ابھی لائیں۔" حمرہ اسے کچن میں جاتے دیکھ چکی تھی سو اطمینان سے بیٹھی رہی۔

"مجھے تو لگتا ہے فرجاد نے لاج کو اپنے آنے کا بتادیا تھا۔" ثمن کو بھی شک گزرا کچن میں بکھرے مگ پلیٹیں وہ بھی دیکھ کر آئی تھی۔

"نہیں بھئی میں نے بالکل نہیں بتایا۔ میری آمد اس کے لیے بھی سرپرائزنگ ہے۔"

"پھر آپ کے آنے کی اطلاع بھابھی کے دل نے انہیں دے دی ہوگی۔" زارا نے راز کی بات ڈھونڈی سب ہی ہنس دیے۔ وہ ٹرالی دھکیلتی لے آئی تھی یونہی خوش گپیوں کے دوران کافی پی گئی۔ وہ سر جھکائے بیٹھی رہی فرجاد سب کی شوخیوں شرارتوں کے جواب دے رہا تھا پھوپھو نے ہی انہیں اٹھایا۔

"چلو لڑکیوں باقی باتیں صبح کرلینا۔ بھائی اتنا سفر کر کے آیا ہے۔ آرام کرنے دو اسے بھی۔ فرجاد تھک گئے ہو گے بیٹا تم بھی۔" لاجورد سب برتن سمیٹ کر کچن میں لے آئی جو سنک میں ڈالے ارادہ دھونے کا تھا پیچھے ہی ثمن آئی۔

"بے وقوف لڑکی یہ برتن ابھی دھونا فرض نہیں ہیں صبح دھل جائیں گے۔ تم چلو اپنے کمرے میں اتنی دور سے آیا ہے وہ کچھ خیال کرلو اور یہ تم رو کیوں رہی ہو۔" بولتے بولتے اس کے چہرے پر نظر پڑی رخسار بھیگے ہوئے تھے۔

"چپ پاگل رو تو مت شکر کرو خدا کا وہ سب چھوڑ آیا ہے صرف تمہاری خاطر اور سنو ہم سے تو جھوٹ پر جھوٹ بولتی رہی ہو اس سے ہرگز نہ بولنا ایک ایک سچ بتانا اسے اپنے دل کا ہر راز کھول دینا کسی بھی غلط فہمی کو اپنے درمیان مت رہنے دینا سمجھیں اور چلو اب۔" اسے کھینچتی ہوئی وہ اس کے کمرے تک لے آئی تھی۔

دروازہ کھلا تھا۔

"اب صبح ملاقات ہوگی بیسٹ آف لک۔" اسے اندر دھکیل کر ثمن مسکراتی ہوئی پلٹ گئی وہ بوکھلا کر پھر نکلنے کو تھی کہ نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستا وہ واش روم سے نکلا اسے دیکھ کر مسکرایا وہ سر جھکا گئی۔ فرجاد نے دروازہ بند کیا پھر پلٹ کر اس تک آیا۔

"لاج۔" وہ پکار رہا تھا کتنی نرمی اور حلاوت تھی اس کی آواز میں۔ وہ چہرہ جھکائے آنسو پینے میں مشغول تھی نظر اٹھائی وہ بانہیں پھیلائے کھڑا تھا اور کتنے ہزاروں شکوے اور شکایتیں تھیں اس سے کیا کیا نہ سوچا تھا کہ جب وہ آئے گا تو اس سے لڑوں گی یہ کہوں گی وہ کروں گی مگر اس کی ایک پکار نے ہی سارے گلوں کی روح کھینچ لی۔ اگلے ہی پل وہ اس کے سینے پر سر رکھے دھواں دھار رو رہی تھی۔

"بس چپ کرو۔ مت رو۔ میں آگیا ہوں نا تمہارے پاس، صرف تمہاری خاطر سب چھوڑ چھاڑ کر۔ تم ایک بار کہتیں میں نہ جاتا اور دیکھو تم نے بلایا میں آگیا مجھ سا شریف مشرقی لڑکا بھی کہیں ہوگا نکاح ہوا میں نے تمہیں ہاتھ نہ لگایا رخصتی ہوئی تم نے چھونے نہ دیا تم نے بھیجا میں چلا گیا تم نے بلایا میں آگیا دیکھ لو کتنا تابعدار ہوں تمہارا تم پھر بھی رو رہی ہو۔" وہ اس کے گرم آنسو اپنی ٹھنڈی پوروں پر چن رہا تھا وہ رونا بھول کر محو حیرت ہوئی۔

"میں نے کہا تھا تم سے جانے کو اور میں نے کب بلایا؟"

"ہاں جی۔ آپ ہی کی وجہ سے ملک بدر ہوا تھا میں نہ تم سجاد کی دھمکی سے ڈر کر بزدلی دکھاتیں نہ میں مشتعل ہوتا مجھ پر ہی سارا الزام دھرنے کی بجائے غیر جانبداری سے سوچو تو اس میں برابر کی قصوروار تم بھی ہو میں مانتا ہوں اس وقت جوش جنون میں بے رحم ہوگیا تھا مگر تم نے بھی تو مجھے حقیقت نہ بتائی تھی۔"

"کیا۔ میں نے۔ میں تو چیختی رہی تھی منت کرتی رہی تھی تمہاری کہ میری بات سن لو صرف ایک بار مگر تم تو جیسے فرعون بن گئے تھے۔" وہ بری طرح چڑی فرجاد کو بھی یاد آیا اس کا بلکنا۔

"سوری یار۔ میں ایسا ہی جنونی ہوگیا تھا وحشی بنا دیا تھا تمہارے انکار نے۔ مجھے لگا تھا تم نے مجھے ریجیکٹ کیا ہے میری محبت کو ٹھوکر ماری ہے ــــ میرے والدین کی سارے خاندان میں بے عزتی کی ہے اور بس میرے سر پر جنون سوار ہوگیا تھا میرا تو ارادہ نکاح کے بعد ہمیشہ کے لیے ملک چھوڑ دینے کا تھا۔

تو واپسی میں نے تو یہاں تک سوچا تھا کہ میں نکاح سے ہی مکر جاؤں گا اس لیے تو ایک ــــ کاغذ کو نکاح نامہ کہہ کر جلا دیا تھا میں نے بہت اذیت ہوئی تھی مجھے اور میرا پلان تھا تمہیں اس سے دوگنی اذیت دوں۔ تم ساری زندگی میرے نام کو روؤ اپنا کیا خود بھگتو۔ میں نکاح سے مکر جاتا مگر تم کیسے مکرتیں۔ خود سے یا اللہ سے۔"

"مگر یہ بھی سچ ہے کہ تمہیں اذیت دے کر میں خود بھی بہت تکلیف میں رہا اور جب حقیقت کھلی تو اپنے جنون پر شرمندگی ہوئی اور تم پر تو زیادہ غصہ آیا یہ سب تمہاری بے وقوفی کی وجہ سے ہوا اگر تم پہلے ہی تمام صورت حال مجھے بتا دیتیں تو میں یقیناً "اس شخص کی اکڑ کا بھی حل نکال لیتا کیونکہ میں تم سے دستبردار ہو جاتا یہ تو کسی صورت ممکن نہیں تھا تم صرف امی کی خواہش ہی نہیں میری شدید آرزو بھی بن چکی تھیں پھر بھلا میں کیسے پیچھے ہٹ سکتا تھا۔" فرجاد نے اس کا بھیگا چہرہ اوپر اٹھایا لاجورد کا دل دھڑک اٹھا وہ اس کے حصار میں تھی سپٹا کر نکلنا چاہا اس نے گھیرا اور تنگ کردیا۔

"یہ تم کیا کرتی رہی ہو میرے ساتھ۔ ایک دن مجھے وہاں سکون سے ٹکنے نہیں دیا جان کو ہی آئی رہی ہو میری سب کے سامنے رو رو کر برا بنواتی ہو مجھے کیا ثابت کرتی رہی ہو تم کہ تم بہت مظلوم ہو اور میں بہت ظالم، کبھی ماں جی صلواتیں سناتی رہی ہیں کبھی اچھی خالہ ناصح بن بیٹھیں کبھی زارا حمرہ میری اماں جان بن گئیں تو کبھی تاج آپا نے کان مروڑ دیے سب سے جھاڑیں پڑوا کر بہت خوش ہوتی رہی ہو۔ اتنی دور بیٹھ کر سب کی لعن طعن ہی سنتا رہا ہوں میں اتنی ہی اداس تھیں اتنی ہی یاد آتی تھی میری تو صاف مجھ سے کیوں نہیں کہا دوسروں سے کہتے شرم نہ آئی تمہیں ـــ ہیں۔" وہ کڑے لہجے میں استفسار کر رہا تھا وہ تڑپ ہی تو گئی اس کا لہجہ اس کا انداز اس کی باتیں کیا اتنے مہینوں کی دوری کے بعد ملنے والوں کا یہ رویہ ہوتا ہوگا اس سے لڑنے کے ارادے تو وہ باندھتی رہی تھی یہ تو سوچا ہی نہ تھا کہ وہ آتے ہی دل پر پاؤں رکھ دے گا۔

"میں نے کب کسی سے کچھ کہا۔ میں تو کسی کے سامنے نہیں روئی۔" بے چارگی سے صفائی پیش کی۔

"ہاں اب تو یہی کہو گی چھپ چھپ کر میں روتا رہا ہوں نا ہر وقت اداسی کا لیبل چہرے پر چپکائے تو میں پھرتا تھا ادھر۔ فرجاد، فرجاد خوابوں میں، میں نے پکارا ہے، تمہاری تو راتوں کی نیندیں بھی نہیں اڑیں خوامخواہ خود کو مصروف رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تم نے۔ بولو اب جھوٹ میرے سامنے، مکر جاؤ ہر بات سے۔" جانے سب نے اس سے ہمدردی کن الفاظ میں اس تک پہنچائی تھی کہ وہ اتنا سیخ پا ہو رہا تھا اسے سب پر غصہ بھی آتا جنہوں نے اس سے محبت جتانے

کے چکر میں اسے برا بنوا دیا تھا۔

"تو کیا نہ روتی اپنی قسمت کو۔ تم تو جان بچا کر نکل گئے تھے بہت اچھا کر کے گئے تھے میرے ساتھ۔ خود تو وہاں موجیں اڑاتے رہے ہو جان تو میری پھنسی تھی یہاں۔ ہر کسی کے آگے جوابدہ تو میں ہی بنی تھی۔ ابا جی شدید ناراض رہے مجھ سے' نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے بات تک نہیں کرتے مجھ سے۔ اوپر سے تمہاری بے اعتنائی تم نے کون سا پوچھا مجھے۔" وہ ایک بار پھر رو پڑی۔

"مجھے تم نے خود ہی تو منع کیا تھا میں نے تو ڈر کر تم سے کوئی رابطہ نہ کیا کہ جانے تم کیا جواب دو۔ اگر تم کچھ الٹا سیدھا بول دیتیں تو میں تو اتنی دور اکیلا مر گیا تھا نا۔ تمہارے پاس یہاں سب اپنے تھے سوچو میں وہاں بالکل تنہا تھا کوئی اپنا نہیں' جس کے کندھے پر سر رکھ کر رو سکتا تمہارے پاس تو آنسو پونچھنے والے بھی تھے جو تم سے محبت کا اظہار بھی کرتے رہے تمہارا خیال رکھتے رہے۔ میرے ساتھ وہاں کون تھا جو میرے آنسو پونچھتا میرے درد سنتا تم سے بڑھ کر اذیت کے دن کاٹے ہیں میں نے وطن سے دور' اپنوں سے دور' تم سے دور اک کوہ گراں تھا جو پار کر کے آیا ہوں تم کیا جانو وہ دکھ جو میں نے بھوگے' جدائی' تنہائی' ملک بدری کتنے عذاب تھے کوئی پل تمہاری یاد سے خالی نہیں گزرا'

"خوش رہا کرو۔ اب میں آگیا ہوں نا۔ جب کہو گی ماما جی کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لوں گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ناراض نہیں رہ سکیں گے۔ باقی سب بھی ٹھیک ہو جائے گا بس تم اپنا موڈ ٹھیک کرو تم مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" وہ پیار بھری تاکید کر رہا تھا۔

"ہم صبح ہی گاؤں جائیں گے۔" سوں سوں کرتے اس نے فیصلہ سنایا۔

"جو حکم مادام۔" وہ راضی بہ رضا تھا۔

"بہت برے ہو تم تم نے مجھے بہت ستایا ہے اب میں بھی تمہیں اتنا ہی تنگ کروں'

دوپٹے سے چہرہ پونچھتے وہ اسے دھمکی دے رہی تھی۔

"اونہوں۔ پہلے ہی ہم دونوں زندگی کے خوبصورت اور قیمتی دن اپنی اپنی فضول اناؤں کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں مزید کس بیکار کی ضد میں ایک لمحہ نہیں گنواتا بے شک ہماری شادی انوکھی تھی اب کیا کوئی شب زفاف بھی نرالی ہی اترے گی ہمارے لیے؟ وہ رات تو لڑ بھڑ کر گزار دی تھی اگر آج بھی لڑائی کا ارادہ ہے تو میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ ادھر آؤ۔" وہ اسے یونہی حصار محبت میں لیے کھڑکی تک لے آیا پردہ ہٹا دیا۔

"وہ دیکھو۔ ذرا غور سے سنو' وہ چاند کیا کہہ رہا ہے ہر سو خوبصورت بکھری چاندنی کیا افسانے سنا رہی ہے کیسا ٹھنڈا اجالا ہے وہ گہری دھند سے چھپ دکھلاتے تارے کتنے سحر انگیز لگ رہے ہیں' میں نے ایسی کئی دلفریب راتیں تمہاری یاد میں بتائی ہیں ضرور تم نے بھی میرے فراق میں آنسو بہائے ہوں گے اور آج جبکہ قدرت مہربان ہے سب فاصلے مٹ گئے ہیں کوئی دوری درمیان نہیں مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں تو کیا پھر بھی تم دل میں کوئی شکوہ رکھو گی مجھ سے ناراض رہو گی۔" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے سراپا سوال تھا اور اب بھلا وہ کسی گزری بات کو دل سے لگا کر کیوں رکھتی اس کی قسمت کا جو لکھا تھا اسے مل کر رہا تھا کہیں کوئی ملال تھے تو وہ بھی دھل جانے تھے وہ اس کا تھا اور اس کے پاس آگیا تھا وہ بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اس کے دل میں اجالا ہی اجالا پھیل گیا تھا روح سے لپٹی تمام کثافت بہہ گئی تھی اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

بھیگے چہرے پر روشنی جیسی مسکان دیکھ کر فرجاد کی روح تک شانت ہو گئی۔

✻ ✻

نسرین خالد

نام تو اس کا بشیر احمد تھا۔ مگر سب اسے بھولا کہتے تھے۔ وہ ہو بہو اپنے نام کی طرح بھولا تھا۔ وہ اماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ تین ماہ کا تھا جب اس کا ابا مر گیا تھا۔ اماں اسے ہمیشہ اپنے ساتھ ساتھ لگائے رکھتی۔

استاد جی کی مار کی وجہ سے اسے کبھی اسکول بھی نہ بھیجا۔ اماں کو ہمیشہ یہ ڈر رہتا کہ کوئی شرارتی بچہ اس کو مارے نا' اس لیے اسے کبھی گھر سے باہر اکیلے نہ جانے دیتی۔ سکینہ کو ساتھ بھیجتی۔ بھولا ویسے بھی اپنے بھول پن کی وجہ سے محلے کے شرارتی ٹولے کے نشانے پر رہا تھا۔

آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔ اماں نے بڑی مشقت سے سکینہ اور بھولے کو پالا۔ پندرہ سال کی عمر میں سکینہ کی شادی اپنی خالہ زاد بہن کے بیٹے سے کردی اور بھولے کو بیٹھک میں دکان کھلوادی۔ گاؤں کے زیادہ تر لڑکے کمانے کی غرض سے شہر گئے تھے۔ آپا صغری کا فیضو بھی شہر کی کسی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ وہ بھولے کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتا تھا۔

"میں بھولے کو شہر نہیں بھیجوں گی۔ شہر کے لوگ بڑے تیز ہوتے ہیں۔ میرا بھولا بڑا معصوم ہے' وہ تو اپنی آنکھوں میں سرمہ بھی مجھ سے لگواتا ہے کہ کہیں سلائی آنکھ میں نہ لگ جائے' اسے تو بالوں میں مانگ بھی سیدھی نہیں نکالنی آتی۔" اماں نے فکر مندی سے کہا۔

"خالہ! تم بھولے کو کہیں جانے دو گی تو ہی وہ خود مختار ہو گا۔" فیضو نے اپنی دس جماعتوں کا رعب ڈالا۔ صغری نے فخر سے بیٹے کی بلائیں لیں۔

"ماشاء اللہ کتنی وڈی وڈی باتیں کرنے لگ گیا ہے میرا پتر۔"

"نہ پتر! اس کا اصلی نام مختیار نہیں' بلکہ بشیر احمد ہے۔ اللہ بخشے بھولے کے ابے کو بڑا پسند تھا یہ نام۔ بک ہاں۔ بھولا صرف تین مہینے کا تھا جب وہ ٹی بی کی وجہ سے مر گیا۔" اماں نے روتے ہوئے فیضو کو بتایا۔

فیضو دس دفعہ سنے قصے کو دوبارہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس لیے "ضروری کام" کا کہتا گھر کی طرف چل پڑا۔

☼ ☼ ☼

اماں نے بھولے کی شادی اپنی چچیری بہن زلیخا کی بیٹی پنو سے کردی۔ زلیخا بیوہ تھی۔ اس کے پاس کچھ دینے کو نہیں تھا' اس لیے بھولے کے رشتے پر جلدی سے رضامند ہو گئی۔

شادی کے بعد اماں پر پنو کی زبان کے جوہر کھلے۔ جسے وہ بہت معصوم اور بھولی سمجھ کر اپنے بھولے کے لیے لائی تھی۔

"مجھے نہیں پتا تھا کہ تو نگوڑ ماری ایسی نکلے گی۔" تخت پر بیٹھی اماں نے سالن بناتی پنو سے کہا۔

"کیا مطلب خالہ! تم خود تو جیسے گنگا نہائی ہوئی ہو۔ مجھے بھی نہیں پتا تھا کہ تم ایسی نکلو گی۔" پنو نے جوابی فائر کیا۔

"منحوس ماری' میرے سامنے زبان چلاتی ہے' آنے دے بھولے کو......" اماں نے اسے ڈرانا چاہا تو اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تو بھلا بھولا کیا کرے گا' یہ سامنے اس کی دکان ہے' آواز دے کر بلالو۔" پنو نے بیٹھک کی طرف اشارہ کیا۔

"دوزخ میں جلے گی' اپنے مرو سے نہیں ڈرتی۔" اماں تلملائی۔

"خالہ! سنا ہے کہ تم بھی بھولے کے ابے سے بالکل نہیں ڈرتی تھیں۔" پنو کی بات پر اماں گڑبڑائی۔

"منحوس ماری! زبان دراز! تیرا تو میں بندوبست کرتی ہوں ٹھہر ذرا۔" اماں نے دھمکی دی۔

"خالہ! میرا کوئی بندوبست نہیں ہونے والا' میں نے پیر ڈبے شاہ کے تعویذ پلائے ہوئے ہیں بھولے کو' وہ تمہیں چھوڑ دے گا' پر مجھے نہیں۔" پنو نے فخر سے کہا۔

تعویذوں کا نام سن کر اماں ہکا بکا رہ گئی۔

"چھا بھسے کٹنی! تعویذ الٹے بھی ہو جاتے ہیں۔ اگر میرے بھولے کو کچھ ہو گیا تو چوٹی پکڑ کر پورے گاؤں میں گھسیٹوں گی تجھے۔" اماں نے تعویذ الٹے ہونے کے بہت سے قصے سن رکھے تھے۔

"خالہ! اتنی پاگل نہیں ہوں۔" پنو نے مٹی میں کھیلتے گڈو کو اٹھایا اور صحن میں لگی ٹونٹی کی طرف بڑھ گئی۔ پنو کو پتا تھا کہ اب سارا دن خالہ اسی سوچ میں کڑھتی رہے گی۔ ساس کو پریشان دیکھ کر پنو دل ہی دل میں خوب خوش ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"بھولے! ہم شہر جائیں گے۔ میں نے تجھے بتا دیا ہے۔" پنو نے گڈو کی کمر پر زور' زور سے تھپڑ مار کر اسے سلانے کی کوشش کی۔

"پنو! اماں کا کیا ہو گا؟" بھولے نے سرمے سے بھری آنکھیں اٹھا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں ہو گا' بس میں بیٹھ کر بیس منٹ کا رستہ ہے' جب دل چاہے گا آجائے گی ہم سے ملنے اور یہاں سکینہ بھی پاس والے گاؤں میں ہے۔"

"پنو! اماں نہیں جانے دے گی۔" بھولے کی آنکھوں میں ڈر تھا۔

"اماں روکے گی تو روکتی رہے' پر ہم نہیں رکیں گے۔" پنو نے اسے بغاوت پر اکسایا۔

"پھر بھی پنو! اماں اکیلی رہ جائے گی۔"

"قبر میں بھی اماں اکیلی جائے گی' تو ساتھ نہیں جائے گا۔" پنو اس کی اماں اماں کی گردان سے چڑ گئی۔

"اللہ نہ کرے' اماں کو کچھ ہو۔ اگر اماں مر گئی تو میری دکان کے سودے کے پیسے کون وصولے گا لوگوں سے۔" بھولے کا دل ڈوبا۔

"بس بھولے! اگر تو شہر نہیں جا رہا تو پڑا رہ یہاں اپنی اماں کے قدموں میں' میں گڈو کو لے کر اپنی اماں کے گھر جا رہی ہوں' کبھی واپس نہیں آؤں گی پیر پکڑے گا تب بھی نہیں۔" پنو نے دھمکی دی اور باہر چلی گئی۔

"پنو۔ پنو!" بھولا پیچھے سے آوازیں دیتا رہا۔

پنو کے جانے کے خیال سے بھولے کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ اسے پتا تھا' پنو اپنی ضد کی بہت پکی ہے۔ اگر ایک بار چلی گئی تو واپس نہیں آئے گی۔ پھر آخرکار بھولے نے فیصلہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن چنگ چی دروازے کے پاس رکی۔ اماں نے حیرت سے بڑے بڑے بکسے لیے کمرے سے باہر آتے بھولے کو دیکھا۔

"بھولے! تو مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے۔" اماں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ سامنے پنو سرخ ریشمی جوڑا پہنے گڈو کو گود میں لیے تیار کھڑی تھی۔

"ہاں اماں!" بھولے نے نظریں چرائیں۔

"بھولے! تو کیوں جا رہا ہے؟" اماں نے بھولے کے چہرے پر اپنے جھریوں زدہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

اماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بھولے کا دل چاہا کہ نہ جائے' مگر اسے پنو کی بات یاد آئی۔

"اماں! میں نے فیضو سے بات کر لی ہے' وہ مجھے اپنی فیکٹری میں لگوا دے گا اور ایک گھر بھی کرائے پر لے دے گا۔ وہاں گڈو کو پڑھاؤں گا۔" بھولے نے ڈیڑھ سالہ گڈو کی طرف اشارہ کیا' جسے ٹھیک سے بولنا بھی نہیں آیا تھا۔

"سکول تو پتر یہاں بھی ہیں۔"

"اماں! شہر میں بڑے بڑے اسکول ہیں۔ وہاں انگریزی بھی پڑھاتے ہیں۔"

باہر سے آتی چنگ چی والے کی آواز سن کر بھولا بکسے اٹھا کر باہر چلا گیا۔ اماں نے دکھ سے پنو کو دیکھا۔ جس کی آنکھوں میں فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ پنو اماں کے پاس سے گزرتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اماں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ بھولے نے سامان چنگ چی میں رکھا۔

"سلام اماں!" ہاتھ ماتھے تک لے جاتے ہوئے سلام کیا اور چنگ چی میں بیٹھ گیا۔ اس کے بیٹھتے ہی چنگ چی چل پڑی۔

اماں دور جاتی چنگ چی کو دیکھ کر روتی رہی۔

"ہائے میرے پتر کو لے گئی۔" اماں نے سینہ پیٹتے ہوئے دہائی دی۔

آس پاس کے گھروں سے عورتیں باہر آگئیں۔

"کیا ہوا؟" صغریٰ نے باہر آتے ہوئے پوچھا۔

"پھاپھے کٹنی میرے بھولے کو لے گئی۔"

"ہائے ہائے، یہ تو پنو نے اچھا نہیں کیا۔ اکو اک پتر تھا، کچھ تو خیال کرتی۔" صغریٰ نے افسوس سے کہا۔

"میرے بھولے کو لے گئی۔" اماں روتے ہوئے گھر کی طرف پلٹی، شام تک سکینہ کو خبر مل گئی، وہ بھی دوڑتی ہوئی آئی۔

"ہائے اماں! یہ بھولے نے کیا، کیا؟" سکینہ نے آتے ہی بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"اس معصوم نے کیا کرنا ہے، وہ پھاپھے کٹنی اسے تعویذ پلاتی تھی۔" اماں نے روتے ہوئے سکینہ کو بتایا۔

"رہنے دے اماں تو بھی بھلا بھولے کو تعویذوں کی کیا ضرورت، وہ تو پہلے ہی اتنا بھولا ہے، جس طرف لگاؤ چل پڑتا ہے۔" سکینہ نے اماں کی بات سے اختلاف کیا۔

"میرا بھولا مجھے اکیلا چھوڑ گیا۔"

"اماں! تو فکر نہ کر، میں ہوں نا تیرے پاس، میں کچھ دن یہیں رہوں گی اور پھر تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

سکینہ نے اماں کو دلاسا دیا، مگر اسے تو ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ شہر کے لوگ بڑے تیز ہوتے ہیں اور اس کا بھولا بہت معصوم ہے۔

☼ ☼ ☼

بھولے کے جانے کے بعد اماں نے ہنسنا بولنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی دروازے کو دیکھے جاتی۔

"اماں! روٹی کھالے۔" سکینہ نے کھانا سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ اماں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"کیا ہوا اماں؟"

"تیری ساس کو کون روٹی پکا کر دیتا ہوگا؟" سکینہ اس سوال پر حیران رہ گئی۔

"پتا نہیں۔" سکینہ نے کندھے اچکائے۔ "کوئی نہ کوئی پکا دیتا ہوگا، دو سال ہوگئے ہیں تجھے الگ ہوئے۔ تب سے اب تک بھوکی مرجاتی۔ مطلب کوئی نہ کوئی پکا دیتا ہوگا۔ ویسے بھی پڑوس میں اس نے بڑے بہناپے گانٹھے ہوئے تھے۔"

اماں کو یاد آیا، دو سال پہلے اس نے شوکے کو الگ گھر بنانے کا کہا تھا۔ تو اس نے بے بسی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "خالہ! میری اماں!"

"دیکھ بھئی شوکے! تیری اماں سارا دن بربڑ کرتی رہتی ہے، اب میری بیٹی اس گھر میں نہیں جائے گی یا تو سکینہ کو رکھ لے یا پھر اپنی اماں کو رکھ لے۔" اماں نے بے رحمی سے کہا، اسے معلوم تھا کہ تین بیٹوں کی ماں سکینہ کا کھونٹا مضبوط ہے۔ شوکا اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ پھر آخر کار شوکے نے الگ گھر بنوا لیا۔

"سکینہ تو واپس چلی جا، اپنی ساس کے ساتھ رہ جا کے، وہ بیمار بوڑھی ہے، اس کی خدمت کر۔" سکینہ نے حیرت سے اماں کو دیکھا کہ ایک دم اسے کیا خیال آگیا اس کی ساس کا۔

"مگر اماں تو۔۔۔" سکینہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"اگر، مگر کو چھوڑ، تیرے تین بیٹے ہیں۔ تیرے پاس تو کوئی سکینہ بھی نہیں ہوگی جو تجھے روٹی پکا کر دے، تیری خدمت کرے۔" اماں کی بات سن کر سکینہ نے پُرسوچ نظروں سے صحن میں کھیلتے تینوں بیٹوں کو دیکھا۔ اماں کی بات سیدھا اس کے دل پر لگی۔ وہ اٹھی اور اپنا سامان باندھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

سکینہ کو گئے کافی دن ہوگئے تھے۔ ذوالحج کا چاند نظر آگیا تھا۔ دس دن بعد عید تھی۔ انہیں یقین تھا کہ بھولا عید پر ضرور آئے گا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ پنو کے پیر پکڑ کر اس سے معافی مانگ لے گی اور اس کی منت کرکے اسے دوبارہ جانے سے روک لے گی۔

دن گنتے گنتے آخر کار عید بھی آہی گئی۔ اماں نے خوب دل لگا کر کھیر بنائی۔ "میرے بھولے کو کھیر بہت پسند ہے۔" کھیر میں بادام ڈالتے ہوئے اس نے سوچا۔

"بھولا آنے والا ہوگا۔" وہ ہر تھوڑی دیر بعد دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے سوچتی۔

"خالہ! قربانی کی ہے؟" مولوی صاحب کی بیٹی نے دروازے سے منہ نکالتے ہوئے پوچھا۔ اس کے ہاتھ میں گوشت سے بھرا پرات تھا۔

"نہیں پتر! تجھے تو پتا ہے ہم غریب عید پر نویں (نئے) کپڑے بنالیں، وہی بڑی بات ہے۔" اماں نے دکھی دل سے کہا اور پلیٹ شاداں کی طرف بڑھائی۔

"کوئی بات نہیں خالہ! غم نہ کر، اچھا وقت بھی آئے گا۔" شاداں نے پلیٹ میں گوشت ڈالتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"خالہ! بھولا نہیں آیا؟" شاداں نے گھر میں نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں شام تک آجائے گا۔" اماں نے پلیٹ لیتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ شام تک ہر آنے جانے والے کو یہی کہتی رہی کہ شام تک آجائے گا۔ عصر کے بعد بھی اس کی نظر دروازے پر ہی تھی۔ "ہو سکتا ہے بس نہ ملی ہو، مغرب کے بعد والی کوچ میں آجائے۔" اس نے خود کو تسلی دی۔

مغرب کے بعد بھی وہ دیر تک بھولے کا انتظار کرتی رہی۔ پھر آخر کار اس نے تھک کر بیرونی دروازہ بند کردیا۔ وہ ساری رات روتی رہی۔

اگلے دن کا سورج نئی امید کے ساتھ طلوع ہوا۔ وہ ظہر تک تخت پر بیٹھی دروازے کو دیکھے گئی۔ ظہر کی اذان سن کر وہ اٹھی اور وضو کی غرض سے نلکے کی طرف بڑھ گئی۔ نماز کے بعد جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں تھے۔ وہ زاروقطار روئے گئی۔

دعا سے فارغ ہو کر وہ جیسے ہی جائے نماز تہہ کرنے لگی، باہر سے چنگ چی کی آواز آئی۔

"ہو سکتا ہے کسی کا مہمان ہو۔" اماں نے مایوسی سے سوچا، مگر اگلے ہی پل دروازہ کھلا، بکسے لیے بھولا اندر آیا۔ اماں پر نظر پڑتے ہی بھولے نے بکسے زمین پر رکھے اور روتا ہوا اماں کے گلے لگ گیا۔

"اماں! مجھے معاف کردے، اماں مجھے معاف کردے۔" بھولا روتے ہوئے بس یہ ہی بول رہا تھا۔ پیچھے کھڑی پنو بھی روئے جا رہی تھی۔

"اماں! مالک مکان نے مجھ پر چوری کا الزام لگا دیا تھا۔ حالانکہ چوری اس کے بیٹے نے کی تھی۔ اماں! اس نے مجھے پولیس میں پکڑوا دیا۔ اماں پولیس نے مجھے بہت مارا۔"

بھولا روتے ہوئے اماں کو بتانے لگا۔ اماں کا کلیجہ دہل گیا۔

"کیا تجھے مارا۔۔۔ اللہ ان ظالموں کو پوچھے گا۔ میرے معصوم، بے گناہ بھولے کو مارا۔" اماں نے بھولے کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"اماں! اب ہم کہیں نہیں جائیں گے، ہم تجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں گے، تو بس ہمیں معاف کردے۔" بھولے نے اماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے اور تو، تو میرا بھولا ہے۔" اماں نے پیار سے بھولے کو دیکھا۔

"اماں تو پنو کو بھی معاف کردے، یہ بھی اب تجھ سے کبھی نہیں لڑے گی۔" بھولے نے پنو کی سفارش کرنا چاہی۔ اماں نے شرمندہ سی کھڑی پنو کو گلے سے لگا کر سارے اختلافات بھلا دیے۔

"خالہ! عید مبارک۔" پنو نے روتے ہوئے اماں کو کہا۔

"تجھے بھی بہت مبارک ہو۔"

"خالہ! تو نے مجھے معاف کرکے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ اب میں ساری عمر تیری خدمت کروں گی۔" پنو نے پُرعزم انداز میں کہا۔

☼ ☼

ریحانہ امجد بخاری

امرت تری چاہت کا پے بن نہ رہا جائے
یہ جرم اگر ہے تو کیے بن نہ رہا جائے
جب ذکر ہو تسکین دل وجاں کا سر بزم
مجھ سے تو ترا نام لیے بن نہ رہا جائے

"ارے واہ اذان بھائی یہ تو بہت آسان ہے۔"
حسن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔
"کوئی بھی کام اس وقت تک ہرگز آسان نہیں ہوتا جب تک اس کام کے سلسلے میں کوئی آپ کی

آٹھویں قسط

ناولٹ

رہنمائی نہیں کرتا اگر سکھانے والا یا بتانے والا مخلص ہو تو یقیناً ہر کام آسان ہو جاتا ہے۔" اذان نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ اس وقت حسب معمول کمپیوٹر پر بیٹھا حسن کو ان پیج سکھا رہا تھا۔ حسن اپنا کام ختم کرکے واپس آچکا تھا اور برش وغیرہ دھونے کے بعد اب اذان کے ساتھ بیٹھا ان پیج کی کلاس اٹینڈ کر رہا تھا۔ کل کی نسبت آج وہ بہت جلدی آگیا تھا حالانکہ کل اس نے آٹھ دیواریں لکھی تھیں جبکہ آج کل کی نسبت ڈبل کام تھا لیکن ان پیج سیکھنے کے شوق میں وہ پندرہ دیواریں لکھنے کے بعد بھی ٹائم بچا کر پہنچ گیا تھا اور اب بیٹھا اذان کا سر کھا رہا تھا۔

"فونٹ ٹیک کی بورڈ اردو ان پیج سیکھنے کے لیے سب سے آسان ہے اردو حروف بھی الف ب کو اے بی سی کے حساب سے نہایت آسانی سے یوز کیا جاسکتا ہے۔" اذان نے حسن کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا تھا جس کے جواب میں حسن نے مختلف الفاظ ٹائپ کرتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا۔

"ارے واہ اذان بھائی یہ تو بہت آسان ہے۔"
اذان جو بغور حسن کی جانب دیکھ رہا تھا سنجیدگی سے بولا۔

"حسن! تمہیں اپنے صبح کے الفاظ یاد ہیں نا؟ تم نے کہا تھا "کبھی آپ کی محبتوں کا قرض چکانے کا وقت آیا تو آپ مجھے پیچھے نہیں پائیں گے۔" حسن نے کمپیوٹر اسکرین سے نظریں ہٹاتے ہوئے اذان کی طرف دیکھا اور پھر رازدارانہ انداز میں بولا۔

"تو کیا قرض چکانے کا وقت آن پہنچا ہے؟"
اذان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ جھجکتے ہوئے بولا۔

"نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں ...... قرض ورض کوئی نہیں بس کچھ پوچھنا چاہتا تھا تم سے لیکن ...... خیر چھوڑو رہنے دو......" حسن اس کے اس انداز پر تھوڑا سا پریشان ہوا پھر اذان سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔

"اذان بھائی میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو مجھ سے کوئی بات کرتے ہوئے جھجکنے کی ضرورت ہے آپ کھل کر پوچھیں کیا پوچھنا ہے؟" اذان نے درزیدہ نظروں سے حسن کے چہرے کی جانب دیکھا پھر دوبارہ گویا ہوا۔

"پوچھ تو لوں...... لیکن...... نہیں یار رہنے ہی دو...... تم برا مان جاؤ گے۔"

حسن کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات ابھر آئے وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر اذان ایسا کیا پوچھنا چاہ رہا ہے جسے پوچھتے ہوئے اسے اتنی ہچکچاہٹ کا سامنا ہے۔ اس نے پرخیال انداز میں اذان کے چہرے کا جائزہ لیا پھر خوشگوار انداز میں بولا۔

"ارے اذان بھائی! اب ایسی بھی کیا ہچکچاہٹ...... اب پوچھ بھی چکیں کیا پوچھنا ہے؟ اتنی زیادہ تمہید میری سمجھ سے تو باہر ہے کچھ بھی ہے، کیسی بھی بات ہے آپ بلا جھجک پوچھ لیں میں ہرگز برا نہیں مناؤں گا۔"

اذان چند لمحے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے جیسے دل ہی دل میں اس بات کا فیصلہ کرتا رہا کہ اسے اپنی بات کس انداز میں کرنی چاہیے پھر شاید وہ کسی نتیجے پر پہنچ گیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی بات کا آغاز کیا۔

ریشم زلفوں، نیلم آنکھوں والے اچھے لگتے ہیں
میں شاعر ہوں مجھ کو اجلے چہرے اچھے لگتے ہیں
آخر آخر سچے قول بھی چبھتے ہیں دل والوں کو
پہلے پہلے پیار کے جھوٹے وعدے اچھے لگتے ہیں

"یار بات کچھ عجیب سی ہے لیکن کیے بغیر چارہ بھی نہیں، سمجھ میں نہیں آرہا کہ...... بات کا آغاز کہاں سے کروں؟" حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بات جہاں سے مرضی شروع کرلیں البتہ آپ نے شعر مزے کا سنایا ہے۔" کچھ توقف کے بعد اذان سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔

"اصل میں بات کچھ یوں ہے کہ کچھ عرصہ قبل میں نے کچھ اسکول کے پروگرامز کیے ہیں جن میں ایک اسٹریٹ پلے بھی تھا۔" اذان ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا تو حسن جلدی سے بولا۔

"جی جی! بڑی دھوم سنی تھی میں نے بھی آپ کے ان اسٹریٹ پلیز کی...... کافی کامیاب رہے آپ ان میں۔" اذان نے سنجیدگی سے اس کی بات سنی اور پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"ہاں! ان اسٹیج ڈراموں میں ایک فی میل کیریکٹر بھی تھا۔ اس لڑکی نے آؤٹ اسٹینڈنگ کام کیا اور ایسا پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ کسی کے کام سے بذات خود میں متاثر ہوا ہوں، بڑی ہی بااعتماد اور باصلاحیت لڑکی تھی۔"

"گڈ! یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ آپ بھی کسی سے متاثر تو ہوئے، میرا مطلب ہے...... کسی کے کام سے!" حسن نے شوخی سے کہا، اس کے لہجے میں شرارت تھی۔

"ہاں کام تو اس نے بہت اچھا کیا لیکن جو بات مجھے بُری لگی وہ یہ تھی کہ...... اس نے ٹیم کے تمام لڑکوں کو اپنا نمبر یوں بانٹا جیسے ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی کام نہ تھا۔"

"ویری گڈ! یہ ہوئی نا بات...... پھر تو آپ نے بھی نمبر ضرور لیا ہوگا؟" حسن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار...... اگر میں بھی دوسرے لڑکوں کی طرح اس سے نمبر مانگتا تو پھر مجھ میں اور ان لڑکوں میں فرق کیا رہ جاتا ہم میری عادت کو اچھی طرح جانتے ہو میں ایسی اوچھی حرکات نہیں کرتا۔ لڑکی کا کام اچھا تھا، لڑکی بھی اچھی تھی، لیکن...... اس کی یہ حرکت اچھی نہیں تھی۔ اور دوسری بات یہ کہ میں دوسرے لڑکوں کی طرح فلرٹ کا قائل نہیں بعد میں مجھے یہ بھی پتا چلا کہ اس نے ٹیم کے تقریباً تمام ہی لڑکوں سے ٹیلی فونک رابطہ رکھا اور سب سے گپ شپ بھی کی۔ لیکن میں چاہتے ہوئے بھی اس سے رابطہ نہیں کر پایا۔"

حسن جو بڑے اشتیاق سے اس کی بات سن رہا تھا برا سا منہ بناتے ہوئے بولا۔

"دھت تیرے کی...... بھائی میرے اگر سب نے اس کا نمبر لے لیا تھا تو آپ کو کیا اعتراض تھا آپ بھی لے لیتے اور چلیں اگر آپ نے اس وقت نہیں لیا تو بعد میں ٹیم کے کسی لڑکے سے ہی لے لیتے اس بات کو اتنا دل پر لینے کی کیا ضرورت ہے؟" اذان نے سنجیدگی سے اس کی بات کو سنا پھر بے چارگی سے بولا۔

"نہیں...... یہ میرا مزاج نہیں......"

"ویری سیڈ! اس سلسلے میں، میں کسی کام آسکتا ہوں تو حکم کریں بندہ حاضر ہے۔" حسن نے سنجیدہ لہجے میں افسردگی سے کہا۔ اذان نے بہ نظر غائر حسن کے چہرے کی طرف دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں! اتنی طویل تمہید اسی لیے باندھی کیوں کہ اب میرے خیال میں تمہارے علاوہ اور کوئی یہ کام کر بھی نہیں سکتا۔" اور اس کی بات سن کر حسن بھونچکا رہ گیا اس نے تو ایسے ہی اخلاقاً کہہ دیا تھا اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اذان ایسی کوئی ذمہ داری اس کے سر لاد دے گا اس نے حیرت سے اذان کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اذان پوری طرح سنجیدہ تھا۔ پھر جب وہ بولا تو اس کے چہرے پر چھائی ہوئی ساری حیرت اس کے لہجے میں سمٹ آئی۔

"کیا...... کیا مطلب؟ میں کیا کرسکتا ہوں مجھے تو پتا بھی نہیں کہ وہ لڑکی تھی کون......؟ بھلا میں کیا کرسکتا ہوں؟" اذان اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اس لڑکی کا نام...... ماہم ہے!" اور حسن کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اذان صاحب! مطلب کیا ہے آپ کا؟ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں ایسی گھٹیا حرکت کرسکتا ہوں...... آپ جانتے ہیں کہ ماہم سے میرا رشتہ کیا ہے؟" حسن کے لہجے میں انتہا کی تلخی گھلی ہوئی تھی۔

"اس میں اتنا چراغ پا ہونے کی کیا بات ہے؟ میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ...... تم برا مان جاؤ گے...... اور نمبر ہی تو مانگ رہا ہوں کوئی نازیبا بات تو نہیں کی...... میں جانتا ہوں کہ ماہم رشتے میں تمہاری بہت "دور" کی بھتیجی لگتی ہے...... اور اگر وہ ٹیم کے تمام لڑکوں سے دل کھول کر باتیں کرسکتی ہے تو میں بات کرلوں گا تو اس میں حرج ہی کیا ہے کم سے کم میں ان لڑکوں کی طرح تو نہیں ہوں۔" حسن جو غصے میں ہونے کے باوجود پوری توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا رفتہ رفتہ اس کی حالت معمول پر آنے لگی اور پھر وہ ایک طویل سانس لیتے ہوئے دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

چند لمحے خاموشی سے اذان کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لیتے ہوئے گویا ہوا۔

"ٹھیک ہے اذان صاحب! اگر یہ بات ہے تو پھر ایسا ہی سہی...... میں ان لوگوں کے گھر زیادہ آتا جاتا تو نہیں لیکن...... اب آپ کی خاطر تو جانا ہی پڑے گا، آپ کو نمبر چاہیے نا؟ میں لاکر دوں گا...... اگر مناسب سمجھیں تو ابھی چلیں میرے ساتھ آپ باہر رکیے گا میں کسی بہانے سے ابھی نمبر لے آؤں گا۔"

اذان نے چونک کر حسن کے چہرے کی جانب دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

ازل سے بے سمت جستجو کا سفر ہے درپیش پانیوں کو
کسے خبر کس کو ڈھونڈتا ہے مری طرح رائیگاں سمندر؟
میں تشنہ لب دور سے جو دیکھوں تو ہر طرف سیلِ آب پاؤں
قریب جاؤں تو ریت شعلہ، غبار ساحل، دھواں سمندر

ہر طرف دکھ کا ایک گہرا سمندر، یادوں کا ایک غبار، سوچوں کے رقص کرتے ہوئے جھلسا دینے والے شعلے اور تنہائیوں کے اس گھنے جنگل کے مقابل اکیلی جان ذکیہ بیگم حسب معمول صوفے پر گردن ٹکائے نیم دراز حالت میں لیٹی گہری سوچوں میں گم تھیں اتنا بڑا گھر اور اس میں ہر طرف ناچتی ہوئی یہ ویرانی بلاشبہ جان لیوا تھی لیکن آفرین ہے ذکیہ بیگم کے حوصلے پر کہ وہ تن تنہا ان ساری بلاؤں کا سامنا کر رہی تھیں اور ان کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی تھی کیوں کہ وہ بڑی صابر وشاکر اور حوصلہ مند خاتون تھیں جو ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا جانتی تھیں، وہ ان تمام حالات سے پریشان تو ضرور تھیں لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ تقدیر کا لکھا انسان کو ہر حال میں قبول کرنا ہی پڑتا ہے۔

فیضی صاحب کی جدائی نے ان کی صحت پر کافی بُرا اثر ڈالا تھا۔ بلکہ اگر یہ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ اس سانحے نے انہیں توڑ کر رکھ دیا تھا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی حالت خاصی سنبھل گئی لیکن یادوں پر پہرے تو نہیں بٹھائے جاسکتے تھے اکیلے مکان میں گھومتے ہوئے قدم قدم پر انہیں فیضی صاحب یاد آتے تھے ہر دیوار، ہر کھڑکی، ہر دروازہ انہیں فیضی صاحب کی کسی نہ کسی بات کی یاد دلا دیتا اور ایسا کیوں نہ ہوتا سالوں پر محیط ان کی طویل رفاقت اور اس کے بعد یہ اچانک جُدائی ان کے لیے سوہانِ روح تھی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے فیضی صاحب ان کے ساتھ ہوتے تھے اور شاید یہ اس لیے بھی تھا کہ ان کی دل چسپی یا مصروفیت کا کوئی سامان موجود نہ تھا گھر میں اگر کوئی فرد موجود ہوتا تو شاید اس سے بات چیت کر کے وہ خود کو بہلا لینے میں کامیاب ہوجاتیں لیکن تنہائی میں تو بس فیضی صاحب ہوتے تھے یا وہ...... بقول شاعر!

میں اسے ڈھونڈنے یادوں کی کھلی سڑکوں پر
خشک پتوں کی طرح روز بکھر جاتا ہوں

ذکیہ بیگم کے ذہن میں ماضی کی بازگشت تھی، بہت سے عکس تھے جو آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے تمام مناظر کسی فلم کی طرح ان کی نظروں کے سامنے تھے اور وہ حسب معمول اس فلم کے کرداروں میں گم تھیں کہ اچانک دھڑ دھڑاہٹ کی تیز آواز سنائی دینے پر وہ خیالات کی بھول بھلیوں سے باہر نکل آئیں آواز ایک مرتبہ پھر سنائی دی اور وہ اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئیں کوئی دروازہ بجا رہا تھا انہوں نے دروازہ کھولا تو سامنے زارا کو موجود پایا۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے زارا تم؟ اس طرح اچانک...... لگتا ہے میری باتیں اثر کر گئیں؟" انہوں نے خوشگوار لہجے میں کہا اور زارا مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوگئی۔

"جی امی...... آپ اس دن شکوہ کر رہی تھیں تو میں نے سوچا کہ چکر لگا ہی لوں آپ کی خیریت بھی دریافت کرلوں گی اور وقت بھی اچھا گزر جائے گا۔" جملے کے اختتام تک زارا کا لہجہ یاسیت انگیز ہوگیا تھا۔

ذکیہ بیگم نے اس کے ساتھ چلتے چلتے چونک کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا جہاں گہری اداسی رقص کر رہی تھی۔ "ہاں بیٹا! بہت اچھا کیا جو آگئی۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا اس دوران وہ نشست گاہ تک پہنچ چکی تھیں۔ زارا بیٹھ گئی تو وہ کمرے سے باہر نکل گئیں پھر چند لمحوں بعد واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈش موجود تھی جس پر اورنج جوس کے دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔

"ارے امی یہ کیا؟ آپ تو خوامخواہ تکلف کرنے لگی ہیں...... میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں؟" زارا نے گلاس تھامتے ہوئے احتجاج کیا تو ذکیہ بیگم شفقت سے مسکراتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"تکلف کیسا بیٹی؟ اتنی گرمی میں پیدل چل کر آئی ہوگی پیاس تو لگ رہی ہوگی نا؟ تم سناؤ فرزان کی کوئی خبر ملی؟" ان کے لہجے میں گھلی محبت جملے کے اختتام تک تشویش میں بدل چکی تھی۔ زارا کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر اداسی کے سائے لہرا گئے پھر وہ مایوسی سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں امی! ابھی تک تو کچھ پتا نہیں چلا...... بہت پریشان ہوں، آپ یہاں اکیلی ہیں تو میں وہاں...... خالی گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے ابھی تک کوئی رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

اس کی بات سن کر ذکیہ بیگم کی آنکھوں سے بھی تشویش جھلکنے لگی لیکن انہوں نے لہجے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، ہوگا کہیں کام میں مصروف...... ہوسکتا ہے کہ اسے ذمہ داری کا احساس ہوگیا ہو...... مجھے لگتا ہے کہ وہ بھی رابطہ کرے گا جب اچھے خاصے پیسے جمع کرلے گا۔" انہوں نے زارا کے ساتھ ساتھ جیسے خود کو بھی تسلی دی۔

"امی! آپ کو بابا یاد آتے ہیں؟" زارا نے

عجیب سے انداز میں پوچھا تو ذکیہ بیگم اس کی طرف دیکھ کر رہ گئیں پھر اداس لہجے میں بولیں۔

"یاد تو انہیں کیا جاتا ہے جنہیں انسان بھول جاتا ہے...... تمہارے بابا تو ہر وقت میرے ساتھ ہوتے ہیں اس گھر کے کونے کونے سے ان کی یادیں وابستہ ہیں گھر کی ایک ایک چیز مجھے ہر ہر پل ان کی یاد دلاتی ہے میں بھلا انہیں بھول سکتی ہوں؟ لیکن...... تم نے یہ کیوں پوچھا؟"

زارا جو ان کے چہرے پر نظریں جمائے پوری توجہ سے ان کی بات سن رہی تھی اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں اور دو آنسو جیسے زبردستی نکل کر اس کے رخساروں پر بہہ نکلے پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"امی! بابا تو ہم میں نہیں رہے نا......؟ لیکن میں...... میں کیا کروں؟ وہ تو...... وہ تو ہوتے ہوئے بھی ہم میں نہیں ہیں...... وہ مجھ سے دور کیوں ہوگئے ہیں امی؟" جملے کے اختتام تک زارا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو ذکیہ بیگم گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں، پھر وہ زارا کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے دلاسا دینے والے انداز میں گویا ہوئیں۔

"نہیں بیٹی نہیں...... پگلی روتے نہیں، یہ زندگی ہم سے بہت سے امتحان لیتی ہے جو ہمیں ہر صورت میں پاس کرنے ہوتے ہیں...... اور ایسا تبھی ممکن ہے جب ہمارے قدم لڑکھڑاہٹ کا شکار نہ ہوں، ہمیں اس کی رضا پر راضی رہنا ہوتا ہے بیٹی...... ہم دنیا میں اس کا شکر ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، شکوہ کرنے کے لیے نہیں...... حوصلہ کرو...... صبر کرو...... میں تو ماں ہوں، میں بھی تو صبر کر رہی ہوں نا؟ میری ممتا گواہی دے رہی ہے کہ...... وہ ضرور آئے گا۔"

"آپ بہت بڑی ہیں امی، بہت عظیم...... آپ میں بہت حوصلہ ہے، مگر میں...... میں آپ جتنا بڑا کلیجہ کہاں سے لاؤں؟" زارا نے ذکیہ بیگم کے کندھے سے سر ٹکائے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا تو وہ اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا، پریشان مت ہو، تم یہاں میرے پاس آجاؤ، میں ہوں نا...... بس اب چپ ہوجاؤ، روتے نہیں ہیں، اللہ بہتر کرے گا۔" ذکیہ بیگم کے تسلی دینے پر زارا کو جیسے کچھ قرار سا آگیا یا شاید یہ ان کے ممتا بھری آغوش کا کمال تھا کہ اس کے آنسو رفتہ رفتہ تھم گئے پھر اس نے ان سے الگ ہوتے ہوئے سوالیہ انداز میں دریافت کیا۔

"امی! وہ آجائیں گے نا؟"

"ہاں! وہ ضرور آئے گا۔" ذکیہ بیگم کے لہجے میں ایک یقین تھا۔ زارا ان کی طرف دیکھ کر رہ گئی، اس کی نظروں میں آس کے بے شمار چراغ جل اٹھے تھے۔

اسے گنوا کے میں زندہ ہوں اس طرح محسن
کہ جیسے تیز ہوا میں چراغ جلتا ہے

☆☆☆

جب ہم کو اپنے ہاتھ سے تخلیق خود کیا
پھر کس لیے جزا و سزا سوچتے رہے؟

ہم سے ہماری ذات کا عقدہ نہ کھل سکا
ہم کون ہیں یہ بات سدا سوچتے رہے

اس کے چہرے پر تکدر کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے اور نظریں دیوار پر لگے سنہری فریم میں موجود تصویر پر ٹکی ہوئی تھیں۔ یہ اسٹائلش تصویر کسی اور کی نہیں خود اس کی اپنی ہی تھی لیکن پتا نہیں کیوں اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی بے گانگی، ایک عجیب سی اجنبیت تھی، اسے اپنی کنپٹیوں پر بوجھ اور دباؤ کا احساس ہوا تو اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور پھر کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے بے اختیارانہ انداز میں بڑبڑا اٹھا۔

ہر اک صورت، ہر اک تصویر مبہم ہوتی جاتی ہے!
الٰہی! کیا مری دیوانگی کم ہوتی جاتی ہے؟

کچھ لمحوں تک وہ اپنی کنپٹیاں مسلتا رہا مسلتا رہا پھر رفتہ رفتہ اس کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات اعتدال پر آنے لگے، کچھ دیر تک وہ اسی انداز میں بیٹھا رہا پھر اچانک اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کی داہنی دیوار

کی جانب بڑھنے لگا' پھر اس نے دیوار پر لگے ایک خوبصورت سنہری ہینڈل کو پکڑ کر دھکیلا تو سلائڈنگ ڈور اپنی جگہ سے ہٹتا چلا گیا۔ اب اس کے سامنے ایک وسیع و عریض وارڈ روب تھا جس میں بے شمار بیش قیمت لباس تھے جو مختلف ہینگرز میں ترتیب سے لٹکے ہوئے تھے۔ وہ چند لمحے پر سوچ انداز میں کھڑا ان کا جائزہ لیتا رہا پھر اس کی نگاہ انتخاب ایک سلیپنگ گاؤن پر ٹھہری' اس نے گاؤن نکالا اور اسے لے کر سیدھا واش روم سے نکلا تو سوٹ کی جگہ اس کے جسم پر وہی خوبصورت گاؤن نظر آرہا تھا وہ سیدھا کارنس کی جانب آیا اور وہاں رکھے سگار کیس میں سے ایک سگار نکال کر ہونٹوں میں دبایا پھر لائٹر سے اسے شعلہ دکھانے کے بعد ایک طویل کش لیتے ہوئے بیڈ پر آلیٹا' سگار کے خوشبودار دھوئیں نے کمرے کی فضا کو کچھ بوجھل سا کردیا تھا لیکن اس بات کی وہاں پروا کسے تھی؟ اس نے ایک اور کش لگایا اور پھر دھواں چھوڑنے کے بعد اس چکراتے ہوئے دھوئیں پر نظریں جمادیں' اس کی آنکھیں دھوئیں میں جیسے کچھ تلاش کررہی تھیں' کچھ کھوج رہی تھیں' وہ کش لگاتا دھواں چھوڑتا اور پھر آپس میں گڈمڈ ہوتے طرح طرح کی شکلیں بناتے دھوئیں کے ان مرغولوں میں گم ہوجاتا' اس کا یہ شغل مزید نہ جانے کتنی دیر تک جاری رہتا کہ اچانک اسے یہ سلسلہ ترک کرنا پڑا۔

ابھی اس نے بمشکل تین چار کش ہی لگائے تھے کہ کمرے میں دھیمی دھیمی مسحور کن سی موسیقی گونجنے لگی اس نے چونک کر سرخ رنگ کے اس خوب صورت ٹیلی فون سیٹ کی جانب دیکھا اور پھر بازو دراز کرتے ہوئے ریسیور کھینچ کر کانوں سے لگالیا اگلے ہی لمحے کمرے میں اس کی کرخت آواز گونجی۔

''پاور زمان اسپیکنگ!''

☆☆☆

جسم و جاں تک کو سپرد رہگذر کرنا پڑا
تجھ سے پہلے تیری خوشبو کا سفر کرنا پڑا

اذان نے دو انگلیوں کی مدد سے پکڑ کر رسٹ واچ کا زاویہ درست کیا اور پھر ٹائم دیکھنے کے بعد دوبارہ ٹہلنے لگا۔ وہ اس وقت ایک تنگ سی گلی میں موجود تھا جس کی ایک طرف متوسط طرز تعمیر کی رہائشی عمارتیں تھیں جبکہ ایک جانب تقریباً تین فٹ اونچی سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی طویل دیوار تھی جس کی دوسری جانب بے شمار بچے' بوڑھے اور جوان مرد و خواتین جو دنیا کے ان تمام ہنگاموں سے یکسر بے نیاز محو استراحت اپنی ابدی نیند پوری کررہے تھے۔

سرخ اینٹوں سے بنی ہوئی یہ طویل دیوار یقیناً اس قبرستان کی باؤنڈری وال تھی اذان کم و بیش پچھلے پندرہ منٹ سے وہاں ٹہل رہا تھا' وہ حسن کے ساتھ یہاں پہنچا تو اس کو سب سے حیرت انگیز بات یہ لگی کہ جس گھر میں حسن داخل ہوا تھا وہ گھر فیضی صاحب کے مزار کی بالکل سیدھ میں صرف چند گز کے فاصلے پر تھا اور یہاں نا صرف وہ اکثر آتا رہتا تھا بلکہ اس گلی میں سے بھی بے شمار مرتبہ گزرا تھا لیکن اسے اس بات کا ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ماہم یہاں رہتی ہوگی بالکل ''آنکھ اوجھل' پہاڑ اوجھل'' والی بات تھی۔ ظاہر ہے کہ پہلے اسے پتا ہی نہیں تھا' آج جب حسن اسے یہاں لے کر آیا تو وہ حیران رہ گیا حسن کو اندر گئے پندرہ سے بیس منٹ گزر چکے تھے تب سے لے کر اب تک بار بار گھڑی دیکھتے ہوئے وہ مسلسل گلی میں ٹہل رہا تھا وہ نظریں جھکائے اپنی ہی سوچوں میں گم چہل قدمی کے انداز میں چل رہا تھا جب اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر مڑا لیکن اگلے ہی لمحے اس کے حلق سے تسلی آمیز انداز میں ایک طویل سانس خارج ہوئی آنے والا حسن تھا جس کے چہرے پر گہرا اطمینان پھیلا ہوا تھا۔

''چلیے اذان بھائی! آپ کا کام ہوگیا ہے۔'' اور اس کی بات سن کر اذان خوشی سے جھوم اٹھا' اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا ایک طویل عرصے کے بعد اس کی دلی مراد بر آئی تھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا یہ الگ بات کہ اس مقام تک پہنچنے کے لیے اس نے شعوری یا لاشعوری طور پر طویل راستے کا انتخاب کیا

تھا۔ لیکن اسے اس انتظار کا پھل ملتا ہوا نظر آرہا تھا اس نے اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے حسن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر گویا ہوا۔

زیب بن جائیں گے جو پاؤں میں چھالے ہوں گے
ہم جو پہنچیں گے تو منزل پہ اجالے ہوں گے

چپ کے موسم میں جو اظہار کی تہمت لے لے!
اس نے جذبوں کے تقاضے تو نہ ٹالے ہوں گے

''واہ...... کیا کہنے ہیں آپ کے...... اب اظہار کریں یا اقرار یہ آپ کا کام ہے میں نے اپنا کام پورا کردیا ہے۔''

حسن نے اس کے شعر پر داد دینے کے بعد سنجیدگی سے کہا اور پھر جیب سے موبائل نکال لیا۔

''حسن! اسے شک تو نہیں ہوا؟ تم نے کیا کہہ کر نمبر حاصل کیا ہے؟'' اذان نے تشویش آمیز انداز میں پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں'' حسن نے اطمینان سے جواب دیا۔ ''کیا مطلب؟'' اذان کے لہجے میں حیرت تھی۔

''بس...... میں نے کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کیں اس دوران میری نظر موبائل پر پڑ گئی میں نے موبائل اٹھا کر موبائل سیٹ کی تعریف کی اور پھر اطمینان سے اپنا نمبر ملا کر مس بیل دی اور پھر موبائل واپس کردیا۔'' حسن نے بدستور مطمئن انداز میں جواب دیا۔

''ویری گڈ! یہ ہوئی نا بات...... بھئی تم نے تو کمال کردیا۔'' اذان نے خوش ہو کر کہا۔

اک شور ہے' ہلچل ہے' صداؤں میں گھرا ہے
اس جسم کے اندر بھی کوئی شہر بسا ہے

''نمبر نوٹ کریں۔'' حسن نے کال لاگ میں سے نمبر نکالتے ہوئے کہا تو اذان نے جلدی سے موبائل نکال کر نمبر سیو کرلیا۔

''ٹھیک ہے اذان صاحب! مجھے اجازت...... کل ملاقات ہوگی ان شاء اللہ!'' حسن نے اذان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور رخصت ہوگیا۔ اذان کی نظروں نے کچھ دور تک جاتے ہوئے حسن کا تعاقب کیا پھر موبائل کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑا اٹھا۔

حصار ذات کوئی راستہ تو دے مجھ کو
بڑے دنوں سے تمنا ہے خود کو پانے کی

☆☆☆

بس اک رستہ ہے' اک آواز ہے اور ایک سایہ ہے
یہ کس نے آکے گہری نیند سے مجھ کو جگایا ہے
اِدھر یہ دل ابھی تک ہے اسیر دشت صحرا
اُدھر اس آنکھ نے چاروں طرف پہرہ بٹھایا ہے

چھوٹے سے اس کمرے کی فضا میں ایک دھیمی دھیمی لیکن مسحور کن خوشبو بسی ہوئی تھی چھوٹی سی خوب صورت ٹیبل کے عقب میں اپنی مخصوص ریوالونگ چیئر پر نیلم موجود تھی اس نے کرسی کی پشت سے یوں سر ٹکا رکھا تھا کہ اس کے لمبے بال کرسی کی دوسری جانب لہرا رہے تھے۔ اس کی نظریں دور کہیں خلاؤں میں گم جیسے کچھ تلاش کررہی تھیں وہ کافی دیر سے اسی انداز میں بیٹھی گہری سوچ میں غرق تھی۔ چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے اور اس کا دماغ شاید کسی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھانے میں مصروف تھا لیکن پھر شاید اس کی ذہنی رو پلٹ گئی چہرے پر سے پریشانی کے تاثرات غائب ہوگئے اور اس کے صبیح چہرے پر جیسے ملاحت سی پھیل گئی پھر اس کے کانوں میں کسی آواز کی بازگشت سنائی دی۔

''اٹھانے کی سکت بھلے ہی موجود ہو' لیکن اپنا ہی بوجھ اچھا ہوتا ہے' دوسروں کا نہیں......'' ایک بار پھر اس کے تاثرات میں تبدیلی پیدا ہوئی اب اس کے چہرے پر قدرے ناگواری کے تاثرات تھے لیکن صرف ایک لمحے کے لیے...... اس کا چہرہ اس وقت کسی کھلی کتاب کی مانند تھا اگر اس وقت کمرے میں کوئی موجود ہوتا تو اس پر لکھی پل پل بدلتی تحریر با آسانی پڑھی جاسکتی تھی منظر ایک بار پھر تبدیل ہوچکا تھا۔

اب اس کے چہرے پر شفق کے بے شمار رنگ

تھے، آنکھوں میں چمک اور ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔ گہرے رنگ کے شلوار سوٹ میں اونچے قد خوب صورت چہرے اور ذہین آنکھوں والا ایک شخص بے نیازی سے اس کے سامنے کھڑا تھا سحر انگیز شخصیت کا مالک ایک مکمل شخص...... لیکن پھر اس کے ذہن کے پردہ اسکرین پر جھلملاتا وہ عکس یک لخت بجھ گیا۔

کمرے میں اچانک گونج اٹھنے والی ٹیلی فون بزر کی کریہہ آواز نے اس عکس کا خون کر ڈالا تھا! اس نے خشمگیں نظروں سے ٹیلی فون سیٹ کی جانب دیکھا اور پھر ریسیور اٹھا کر تلخ لہجے میں بولی۔

”ہیلو! کون......؟“ بالکل یوں جیسے ٹیلی فون کرنے والے کے سر پر لٹھ مار رہی ہو لیکن دوسری جانب سے سنائی دی جانے والی آواز شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی اسے یوں لگا تھا جیسے کسی نے اچانک اس کے سر پر بم پھوڑ دیا ہو اب اس کے چہرے پر انتہا درجے کی گھبراہٹ تھی جو اس کے لہجے سے بھی عیاں ہو رہی تھی۔

اس کے چہرے کے رنگ مسلسل بدل رہے تھے یوں لگتا تھا کہ جیسے یہ ٹیلی فون نہیں بلکہ جہنم کے داروغے کا بلاوا ہو...... اس نے سنبھلنے کی بہت کوشش کی لیکن بے سود وہ اپنی حالت پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی شاید فون بالکل ہی کسی غیر متوقع شخصیت کا تھا اس نے چند لمحے خاموش رہ کر دوسری جانب کی آواز سنی پھر!

جلدی سے ایک رائٹنگ پیڈ اٹھا کر پین ہولڈر میں سے ایک فاؤنٹین پین الگ کرتے ہوئے کاغذ پر کچھ لکھنے لگی۔

چھوڑ جاتا ہے حادثات کے ناگ
وقت کتنا بڑا سپیرا ہے

☆☆☆

درد و غم نغمہ سرا ہیں مری شریانوں میں
ایک اِک سانس مری محوِ عبادت ہے ابھی
بے خودی کیوں نہ کرے رقص مرے پیکر میں
زخم روشن ہیں مرے درد میں لذت ہے ابھی

اس کا پورا وجود کسی شاخ گل کی مانند لچکتے بل کھاتے ہوئے مغنیہ کے ایک ایک لفظ کی ترجمانی کر رہا تھا۔ سازندے ہمیشہ کی طرح اپنے فن کی گہرائیوں میں ڈوب کر موسیقی کی یہ مسحور کن تانیں ابھار رہے تھے تو کنول بھی ٹوٹ کر ناچ رہی تھی جیسے دل و جان سے کسی کے حضور محوِ رقص محوِ عبادت ہو اس کا انگ انگ بول رہا تھا، بالکل یوں جیسے وہ ناچ نہ رہی ہو بلکہ اپنے بھگوان کے سامنے اس کی پوجا کر رہی ہو۔

روح تیری جسم تیرا عقل و دانائی تری
بزم جاں میری ہے لیکن بزم آرائی تری

محفل اپنے پورے عروج پر تھی، تماشائی بے خود بیٹھے اس انوکھے رقص میں ڈوب کر رہ گئے تھے یہی وہ لمحہ تھا جب وہ دروازے سے اندر داخل ہوا لمبا قد، سڈول اور مضبوط جسم، سرخ و سفید رنگ، چہرے پر باریک باریک مونچھیں، کلف زدہ کپڑوں میں ملبوس اکڑی ہوئی گردن اور پیروں میں سلیم شاہی جوتی جوں ہی وہ ہال میں داخل ہوا سازندوں کے حرکت کرتے ہوئے ہاتھ لڑکھڑا گئے تماشائی چونک کر ادھر دیکھنے پر مجبور ہو گئے وہ اپنے مخصوص انداز میں اکڑ کر چلتا ہوا سیدھا کمرے کے وسط میں آن پہنچا دائیں بائیں چار پانچ مسلح باڈی گارڈ ہمیشہ کی طرح اس کے ہمراہ تھے لیکن آج اس کی بے وقت آمد اور بے تکے انداز نے تماشائیوں کے ساتھ ساتھ جہاں کنول کو بدمزا کیا تھا وہیں سازندے بھی ڈسٹرب ہو کر رہ گئے تھے۔ وہاں جتنے بھی ذی روح موجود تھے ان سب میں سے صرف ایک چہرہ ایسا تھا جو اسے دیکھ کر خوشی سے کھل اٹھا تھا اور وہ کوثر بائی کے علاوہ اور کسی کا نہ تھا وہ اپنے تھلتھلاتے ہوئے وجود کو سنبھالتے ہوئے بہ دقت تمام اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر جیسے لڑھکتی ہوئی سی اس کے سامنے جا پہنچی اور استقبالیہ انداز میں بولی۔

”تشریف رکھیں حضور! آج تو بہت دیر میں تشریف لائے...... خیر ہمارے لیے آپ کا آنا ہی کافی ہے محبت ہے حضور کی، دیر آید درست آید......“

پھر اس کی بلائیں لیتی ہوئی واپس اپنی جگہ پر جا بیٹھی اور پھر سازندوں کی طرف دیکھ کر اپنی پھٹے بانس جیسی کرخت آواز میں دھاڑی۔

”اے کم بختو تمہیں کیوں سانپ سونگھ گیا...... چلو شروع ہو جاؤ۔“ اور سازندوں کے ہاتھ ایک مرتبہ پھر حرکت میں آ گئے، مغنیہ بار دگر نغمہ سرا ہوئی اور کنول بھی برا سا منہ بناتے ہوئے دوبارہ رقص کناں ہو گئی انداز میں ناگواری تھی۔

تماشائی ایک مرتبہ پھر چند لمحے قبل کی بدمزگی کو یکسر بھلا کر دوبارہ کنول کے حشر انگیز رقص کے سحر کا شکار ہو گئے۔ پھر یہ سلسلہ رات دیر گئے تک جاری رہا معمول کے مطابق محفل اپنے اختتام تک پہنچی تماشائیوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی لیکن وہ اپنے باڈی گارڈز سمیت وہیں موجود رہا۔ کنول نے پیروں سے گھنگروؤں کی اسٹرپ کھولتے ہوئے ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی اور پھر گھنگھرو ہارمونیم بند کرتے ہوئے بنے میاں کی جانب اچھال کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی نظروں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

اس نے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اندر سے لاک کر لیا۔ ٹھیک اسی وقت کوثر بائی اپنے مخصوص انداز میں لڑھکتی ہوئی سی اس کے قریب پہنچ گئی اور پھر ہونٹوں پر بہہ نکلنے والی پان کی پیک کو داہنے ہاتھ کی انگشت شہادت سے صاف کرتے ہوئے بولی۔

”فرمائیے حضور! آپ ابھی تک تشریف فرما ہیں...... کیا کنیز سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی جو مزاجِ گرامی پر ناگوار گزری ہو؟ اگر ایسا ہے تو بندی معافی کی خواستگار ہے۔“ کوثر بائی نے فصاحت و بلاغت کے تمام ریکارڈ توڑتے ہوئے نستعلیق لہجے میں دریافت کیا اور ساتھ ہی معافی کی عرضی بھی داخلِ دفتر کر دی تو اس کی تیوریوں پر بل نمودار ہو گئے۔ پھر وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

”کوثر بائی زیادہ علمیت جھاڑنے اور زبان دانی بگھارنے کی ضرورت نہیں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا تعلق کس عظیم خاندان سے ہے؟ تمہارے اجداد کی روحیں ابھی تک شاہی خاندانوں کے سامنے مجرا کر رہی ہوں گی مجھ پہ لفظوں کے جادو مت جگاؤ، سمجھیں......“ اس کا انداز اور لہجہ دیکھتے ہوئے کوثر بائی بدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی اور پھر ہراساں لہجے میں گویا ہوئی۔

”ارے ارے حضور میں تو آپ کی کنیز ہوں آپ جیسے رئیسوں کے دم قدم سے ہی تو یہ کوٹھے آباد رہتے ہیں، آپ یہ انگارے کیوں چبا رہے ہیں اور میں اس عمر میں کیا لفظوں کے جادو جگاؤں گی لفظوں سے تو آپ کھیل رہے ہیں سیدھے سیدھے مدعا بیان فرمائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔“ کوثر بائی کی بات سن کر اس کی پیشانی کی سلوٹوں میں مزید اضافہ ہو گیا اور پھر وہ کاٹ کھانے والے انداز میں گویا ہوا۔

”فیڈر ابھی چھوڑا ہے کیا؟ تم نہیں جانتیں مدعا کیا ہے؟ ایک کروڑ روپے کی پیش کش کر چکا ہوں اور خلوت میں تمہاری اس چہیتی کنول کو پچاس لاکھ مزید آفر کر چکا ہوں کیا ڈیڑھ کروڑ کم ہوتے ہیں؟ ایک بات کان کھول کر سن لو کوثر بائی میں بچپن ہی سے ایسا ہوں کہ جس کھلونے سے میں کھیلنا چاہوں مجھے کوئی نہیں روک سکتا...... اور جو کھلونا میں حاصل نہ کر سکوں اسے میں توڑ دیا کرتا ہوں!“

”تو حضور اس میں میری کیا خطا ہے؟ وہ لڑکی ہی کچھ ”وکھری“ ٹائپ کی ہے میں نے تو پوری کوشش کی کہ وہ آپ کی بات مان لے لیکن وہ مانتی ہی نہیں اب بتائیں میں بھلا کیا کر سکتی ہوں اس بڑھاپے میں؟ میں تو خود اس کی محتاج ہوں......“ کوثر بائی نے مظلوم صورت بناتے ہوئے بے چارگی سے کہا تو وہ بھڑک کر بولا۔

”یہ گولی کسی اور کو دینا تم اس بازار کی جانی مانی نائیکہ ہو، کوٹھا تمہارا ہے اس میں بسنے والے لوگوں پر

حکمرانی تمہاری ہے...... میں تم لوگوں کے ہتھکنڈوں سے اچھی طرح واقف ہوں...... میں یہ کیسے مان لوں کہ وہ تمہارے کہے سے انکار کرسکتی ہے؟ مجھے تو لگتا ہے کہ تمہاری نیت میں ہی فتور ہے۔"

"توبہ توبہ! بدگمانی کی بھی حد ہوتی ہے حضور...... قسم خواجہ میاں کی...... میں نے پورا زور لگایا وہ نہیں مانتی اور میں اس سلسلے میں اس پر جبر نہیں کرسکتی، میں مجبور ہوں۔" کوثر بائی کے لہجے سے بے چارگی جھلک رہی تھی۔ کوثر بائی کی بات نے جلتی پر تیل کا کام کیا وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور پھر آگ برساتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کوثر بائی! میں اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں...... کوئی بھی دکان دار اپنے سامان کو بیچتے ہوئے دکان میں موجود سامان کی رائے نہیں لیتا کہ بھائی تم بکو گے کہ نہیں؟ کوٹھوں میں ناچنے والی لڑکیوں کی حیثیت نائیکاؤں کے سامنے محض کٹھ پتلیوں کی سی ہوتی ہے...... تم اتنی مجبور کیسے ہوگئیں؟ میرے غصے کو ہوا مت دو ورنہ سب کچھ جل کر راکھ ہوجائے گا میں سادہ اور عام فہم زبان میں کہہ رہا ہوں کہ اسے سمجھاؤ...... ورنہ میں وہ زبان استعمال کرنے پر مجبور ہوجاؤں گا جس کے سامنے پھر کسی کی بھی دم مارنے کی جرات نہیں ہوتی۔" کوثر بائی اس کے غصے اور اس کے آتشیں لہجے میں چھپی ہوئی دھمکی کو سمجھ کر بھی بے بس تھی اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس صورت حال کو کیسے کنٹرول کرے وہ ہڑبڑا کر بولی۔

"مم...... میں...... ایک مرتبہ پھر...... اپنی پوری کوشش کروں گی لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" وہ چند لمحے خاموش کھڑا بغور اس کی صورت دیکھتا رہا پھر دہکتی ہوئی آواز میں غرایا۔

"میں تمہیں تین دن کی مہلت دیتا ہوں اور تین دن بعد جب میں آؤں گا تو انکار کی گنجائش نہیں ہوگی ورنہ...... تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو......؟" پھر وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور اپنے گارڈز کے ساتھ چلتا ہوا بیرونی دروازے کی جانب بڑھا لیکن دروازے پر رکتے ہوئے پلٹ کر بولا۔

"فاروق ملک نام ہے میرا، سمجھیں!" اور پلٹ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

جانِ جاں حاصلِ حیات ہے تو
رونقِ بزمِ کائنات ہے تو
روشنی تونے دی ستاروں کو
سب نے مانا کہ چاندرات ہے تو

ماہم نے حیرت سے میسج پڑھا پھر سینڈر نمبر کی طرف بغور دیکھا لیکن نمبر اس کے لیے اجنبی تھا اس نے جلدی سے ایک جملہ ٹائپ کیا۔

"آپ کون؟" اور میسج سینڈ کردیا۔

"ایک چکن سینڈوچ دینا۔" سنائی دی جانے والی آواز پر اس نے چونک کر دیکھا تو سامنے ایک لڑکی کو موجود پایا۔ اس نے جلدی سے ایک چکن سینڈوچ نکالا پھر اوون میں رکھ کر اسے گرم کیا اور گتے کی پلیٹ میں رکھ کر کیچپ ڈالنے کے بعد لڑکی کے حوالے کردیا وہ کالج سے سیدھی اپنی امی کے پاس کینٹین آگئی تھی۔ یہ اسپیریئر سیکنڈری اسکول تھا جس میں ایوننگ کلاسز بھی ہوتی تھیں اور اس کی امی اس اسکول میں کینٹین چلاتی تھیں۔ کالج سے واپسی پر کینٹین آکر امی کی ہیلپ کروانا اس کا روزانہ کا معمول تھا آج بھی وہ سیدھی یہیں آئی تھی اور ٹیبلوں پر کپڑا مارنے کے بعد جونہی وہ کاؤنٹر کی جانب آئی کاؤنٹر پر رکھے موبائل کی اسکرین بلنک کرنے لگی اور ساتھ ہی گھر رگھر رکی آواز سنائی دی چونکہ اس کا موبائل سائیلنٹ پر تھا اور صرف وائبریشن آن تھی کاؤنٹر پر رکھا ہونے کی وجہ سے وائبریشن ہونے پر گھر رگھر رکی یہ عجیب آواز بلند ہوئی تھی اس نے چونک کر موبائل کی طرف دیکھا اور پھر موبائل اٹھانے کے بعد کسی نئے نمبر سے آنے والے یہ خوب صورت اشعار پڑھے تو اچنبھے کا شکار ہوگئی۔

شاعری اور پھر خوب صورت شاعری اس کی کمزوری تھی اور میسج کے ذریعے موصول ہونے والے یہ اشعار اسے پسند آئے تھے لیکن بھیجنے والے کا نمبر اس کے لیے شناسا نہیں تھا وہ سوچ رہی تھی کہ آخر کون ہوسکتا ہے جس نے یہ میسج سینڈ کیا ہوگا؟ لیکن کوئی اندازہ قائم نہ کرسکی اس نے کچھ دیر انتظار کیا لیکن بے سود...... اس کے میسج کا جواب نہیں آیا تھا سینڈوچ مانگنے والی لڑکی چلی گئی تو اس نے ایک بار پھر موبائل اٹھالیا اور پھر ایک اور میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا آپ کون؟" میسج سینڈ کرنے کے بعد وہ جواب کا انتظار کرنے لگی اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد اس کے دل کی مراد برآئی اس نے جلدی سے میسج پڑھا۔

ہم سے تسخیر مقدر کے ستارے نہ ہوئے
زندگی آپ تھے اور آپ ہمارے نہ ہوئے
سچ تو یہ ہے کہ بنا اس کے گزارا جیون
یہ بھی سچ ہے کہ بنا اس کے گزارے نہ ہوئے

اس کی خوب صورت پیشانی پر پُرسوچ انداز میں چند شکنیں نمودار ہوگئیں۔ میسج اسی نمبر سے آیا تھا لیکن اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کردیا گیا تھا اور جواباً دو اور اشعار سینڈ کردیئے گئے تھے جو پہلے کی طرح خوب صورت اور متاثر کن تھے۔ اس نے موبائل ایک جانب رکھا اور جلدی جلدی برتن سمیٹنے لگی روٹین کے مطابق اس نے تمام کام ختم کیا اور پھر خالی برتن اٹھائے امی کے ساتھ گھر کی جانب روانہ ہوگئی۔ گھر پہنچ کر اس نے تمام برتن دھو کر اپنی اپنی جگہ پر رکھے اور پھر اپنے کمرے میں آپہنچی۔

موبائل اٹھا کر دیکھا تو اس پر دو مزید میسجز موجود تھے جو اسی طرح خوب صورت اشعار پر مبنی تھے لیکن بھیجنے والے نے اپنا تعارف کروانا یا اپنا نام بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا اس نے بیلنس کی موجودگی کنفرم کی اور پھر اس نمبر پر کال کرنے لگی لیکن مسلسل بیل ہونے کے باوجود دوسری جانب سے کال اٹینڈ نہیں کی گئی کمپیوٹر کی آواز سنائی دینے پر اس نے کال منقطع کی اور ایک مرتبہ پھر وہی نمبر ڈائل کردیا لیکن صورت حال جوں کی توں رہی...... اس مرتبہ بھی حسب سابق بیل جاتی رہی لیکن کال اٹینڈ نہیں کی گئی وہ مایوسی سے چند لمحے موبائل سیٹ کو گھورتی رہی پھر ایک اور میسج ٹائپ کرنے لگی۔

"دیکھیں! آپ جو کوئی بھی ہیں اپنا نام بتادیں ورنہ میرے نمبر پر میسج مت کریں پلیز!" اور میسج سینڈ کرنے کے بعد موبائل تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

☆☆☆

زبان گنگ بدن داغ داغ ہوتا ہوا
میں مر رہا تھا کہیں پر چراغ ہوتا ہوا
مرے ہنر کو کوئی نام تو دیا جائے
میں ایک پھول سے نکلا ہوں باغ ہوتا ہوا
مری تلاش میں لشکر کے ساتھ نکلا تھا
وہ شخص لوٹ گیا خود سراغ ہوتا ہوا

اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر تکیے کے نیچے سے پسٹل نکالا اور اسے ایک انگلی میں گردش دیتے ہوئے بولا۔

"فضل دین! سارے بندوں کو تیار کرلو...... کل اس "کوٹھے والی" کو دی گئی مہلت ختم ہوجائے گی اور میں اسے یہاں دیکھنا چاہتا ہوں، یہاں......" اس نے ایک ہاتھ میں پسٹل کو مسلسل گھماتے ہوئے دوسرے ہاتھ کی انگلی سے فرش کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہٹا کٹا فضل دین جو سر جھکائے مؤدب کھڑا تھا ہنوز سر جھکائے ہوئے بولا۔

"جو حکم مائی باپ! گل ای کوئی نئیں...... سارے بندے آپ کے اشارے کے منتظر ہیں جب بھی آپ حکم کروگے اٹھا لائیں گے سالی کو......" فضل دین کا لہجہ دھیما مگر پرجوش تھا۔

"اوئے فضل دین! بات کرتے ہوئے تیری عقل کیا گھاس چرنے چلی جاتی ہے؟ تونے اس کی بہن سے نکاح پڑھوار کھا ہے؟ وہ تیری سالی کیسے ہوگئی بھلا؟" اس نے فضل دین کو ڈانٹتے ہوئے تند لہجے میں کہا۔ فضل دین نے ایک نظر اٹھا کر صرف ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کی جانب دیکھا پھر گھگیائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”غلطی ہوگئی مانی باپ! میں بھول گیا تھا کہ وہ پیشے والی ہیں......“

”نا! مطلب کیا ہے تمہارا اوئے......تم کیا سمجھتے ہو کہ میری ان کے ساتھ رشتہ داری ہے؟“ وہ ہتھے سے اکھڑ گیا‘ پھر غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

”فاروق ملک نام ہے میرا......جتنی ضرورت ہو اتنی بات کیا کرو......آئی سمجھ؟ جاؤ دفع ہو جاؤ اور سب سے کہہ دو کہ کل سب لوگ تیار رہیں۔“ اور فضل دین گھبرا کر ”جان بچی سو لاکھوں پائے“ کے مصداق جلدی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”ایکس کیوزمی باس! یو ہیوائے ٹیکسٹ میسج“ میسج ٹون سن کر اذان نے موبائل نکالا اور میسج پڑھنے لگا

”آپ کون؟ اپنا تعارف کروائیں ورنہ آئندہ میرے نمبر پر میسج مت کریں“ میسج پڑھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس وقت وہ اپنے بیڈروم میں موجود تھا نائٹ بلب کی دھیمی روشنی نے کمرے کے ماحول کو خاصا خواب ناک اور خوب صورت کر دیا تھا‘ گلاس ونڈوز اور دروازے پر لٹکے ہلکے گلابی رنگ کے ریشمی پردے اسی رنگت کا قالین اور بیڈ پر بچھی ہوئی ہم رنگ بیڈ شیٹ کمرے کے حسن میں اضافے کا باعث تھی۔ اذان نے پرخیال انداز میں چند لمحے کچھ سوچا پھر مسکراتے ہوئے میسج ٹائپ کرنے لگا۔

ہر سانس محبت پہ فدا کرتا رہوں گا
سائل ہوں ترے در پہ صدا کرتا رہوں گا
یہ درد‘ یہ آنسو‘ مری قسمت کی عطا ہیں
ہاں تیرے لیے دل سے دعا کرتا رہوں گا
تعزیر لگاؤ‘ مجھے سولی پہ چڑھا دو
مجرم ہوں اگر‘ جرم وفا کرتا رہوں گا
تسلیم کرے یا نہ کرے‘ اس کی رضا ہے
میں فرض محبت کا ادا کرتا رہوں گا
سچ ہے میں فرشتہ تو نہیں‘ اس کو خبر ہے
آدم ہوں بغاوت کی خطا کرتا رہوں گا

اس نے تنقیدی نظروں سے ٹائپ کیے ہوئے میسج کا جائزہ لیا اور پھر سینڈ کا بٹن پریس کر دیا۔ چند لمحے بیٹھا کچھ سوچتا رہا پھر دوبارہ میسج ٹائپ کرنے لگا۔

”آپ کے اس خادم کا نام اذان فیضی ہے“ پھر میسج سینڈ کرنے کے بعد وہ بیڈ پر ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ موبائل وہ داہنی جانب بیڈ پر رکھ چکا تھا۔ اب اس کی نظروں کے سامنے کسی کا آنچل لہرا رہا تھا وہ اور آگے بڑھا اب اس کی نظروں کے سامنے سانس لیتا ہوا نرم و نازک اور جیتا جاگتا وجود تھا ایک بھرپور سراپا......اس کی نظریں اس حسین سراپے سے الجھ کر رہ گئیں۔ دودھ اور شہد کی آمیزش سے بنا ہوا وہ وجود اس کے خرمنِ ہوش پر بجلیاں گرا رہا تھا۔ لمبے بال‘ صراحی دار گردن‘ گلابی رنگت اور ہونٹ ایسے جیسے قندھاری انار......حسن و خوب صورتی کا وہ مجموعہ اس کے ہوش و حواس پر چھاتا چلا گیا اور وہ بے خود ہو کر رہ گیا پھر اسی بے خودی کے عالم میں اس کی ہلکی سی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

”ماہم! تم اتنی خوب صورت کیوں ہو؟ تم......انسان ہو یا......یا کوئی پری......نہیں‘ نہیں......تم انسان ہو ہی نہیں سکتیں! انسان اتنے خوب صورت کہاں ہوتے ہیں۔“ ”تم سچ مچ کوئی پری ہو......“

ٹھیک اسی لمحے میسج ٹون کی آواز اسے خوابوں خیالوں کی دلکش وادیوں سے واپس کھینچ لائی۔

”آئی ایم ریئلی شاکڈ‘ مجھے یقین ہی نہیں ہو رہا کہ یہ آپ ہیں‘ آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟ مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے۔ کیا آپ مجھے صرف دو منٹ کی کال کر سکتے ہیں؟“ میسج پڑھ کر اذان کے ہونٹوں پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ رینگ گئی‘ اگلے ہی لمحے وہ بے تابی سے موبائل پر ماہم کا نمبر پریس کر رہا تھا۔

☆☆☆

وہ یقین جو مجھے خود ستائی کی محفلوں سے نکال دے
میری گمرہی کے مزاج داں مرے دل میں چپکے سے ڈال دے
وہی میں ہوں اور وہی گردِ تیرہ میں بے نشاں سی مسافتیں
کبھی منزلوں کی نوید سے مرے راستوں کو اجال دے

میں وہ بدنصیب جو خواہشوں کے بھنور میں خود سے بچھڑ گیا
کوئی لہر جو مجھے ڈھونڈ کر کہیں ساحلوں پہ اچھال دے
میں جو اپنے عہد کی سازشوں کا اسیر بھی ہوں‘ شکار بھی
مری خامشی کو سخن بنا‘ مری عاجزی کو کمال دے

یاور زمان کی آواز فضا میں چاروں طرف لہریں لیتی پھر رہی تھی ایک تو اس کی رعب دار آواز پھر شعر پڑھنے کا انداز ایسا خوب صورت تھا کہ سب اس میں ڈوب کر رہ گئے۔ سینکڑوں لوگوں کی موجودگی کے باوجود ہر طرف گہری خاموشی اور سکوت کا راج تھا صرف ایک آواز تھی جو ہوا سے‘ فضا سے‘ کھڑکیوں سے‘ دروازوں سے‘ دیواروں سے پھوٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ صرف ایک آواز تھی جو اس وقت اس بہت بڑے مقبرہ نما ہال میں زندگی کا اعلان کرتی سنائی دے رہی تھی باقی سب لوگ اپنی‘ اپنی نشستوں پر براجمان سنگی مجسموں کی طرح ساکت اور خاموش اسٹیج کی جانب متوجہ تھے۔

یاور زمان ٹھیک نو بجے طے شدہ وقت کے مطابق پورے کروفر کے ساتھ وہاں پہنچا تھا حسب معمول دو گاڑیاں آگے اور دو گاڑیاں اس کی لینڈ کروزر کے پیچھے موجود تھیں جن میں باوردی گن مین بھرے ہوئے تھے جب اس کا یہ عظیم الشان قافلہ پہنچا تو وہاں موجود ہر شخص اس کی آن بان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا باوردی ڈرائیور نے بھاگ کر عقبی دروازہ کھولا تو وہ پوری شان و شوکت کے ساتھ گاڑی سے باہر نکلا اس کی پرسنالٹی‘ لباس اور رکھ رکھاؤ بھی ایسا تھا کہ لوگوں پر اک سحر سا طاری ہو گیا۔ وہ عجب شانِ بے نیازی اور تمکنت سے چلتا ہوا آگے بڑھا تو لوگوں کو جیسے ہوش آیا اور وہ بھاگ کر استقبالیہ انداز میں آگے بڑھے یاور زمان اپنی تقریر ختم کر کے اسٹیج سے نیچے اترا تو استقبالیہ کمیٹی کے ممبران لپک کر آگے بڑھے اور بولے۔ ”سر آپ ہمیں ابھی کچھ ٹائم اور دیں گے نا؟“ لیکن یاور زمان نے سہولت سے انکار کر دیا اور اپنے باڈی گارڈ کے حلقے میں چلتا ہوا ہال کمرے کا دروازہ عبور کر گیا

وہی ہے حبس کا موسم گلشن بدلنے سے
فضا بدلتی نہیں پیرہن بدلنے سے
جو ہو سکے تو ہواؤں کا راستہ بدلو
چراغ جلتے نہیں انجمن بدلنے سے
یہ عہد وہ ہے کہ سرگوشیاں بھی ہیں محفوظ
بیاں بدلتا نہیں ہے سخن بدلنے سے

سمیرا گل عثمان

''نہیں میڈیسن نہیں کھاؤں گی۔'' ایمل نے تیسری بار ڈی کف کا چمچہ اس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی تھی جسے تیسری بار اس نے ہاتھ مار کر گرا دیا تھا سارا شربت اس کی فراک پر گرا تھا اور سفید پھولوں والی فراک داغ دار ہو گئی تھی۔ ایمل نے ڈپٹنا چاہا لیکن دروازے پر ہونے والی دستک اسے اپنی سمت متوجہ کر گئی۔

نگاہیں بے ساختہ ہی وال کلاک کی سمت اٹھیں جو رات آٹھ کا الٹی میٹم بجا رہا تھا۔ ماسی نوراں دو روز کی

ناولٹ

چھٹی کا لام کے گاؤں میں اپنی بیٹی سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ ان کے آنے کے آثار تو ناپید تھے۔

''کون ہو سکتا ہے۔'' وہ پریشان ہو گئی۔

جاڑے کی ایک سرد طوفانی رات تھی آسمان کے سینے پر چمکتی بجلیوں کی گرج چمک نے ویسے ہی دل دہلا رکھا تھا اس پر اک تواتر سے برستی بارش ایسے موسم میں کسی ہمسائے یا محلے دار وغیرہ کی آمد ہی عبث تھی ان کے گاؤں میں سر شام ہی لوگ نرم گرم لحافوں میں گھس جایا کرتے تھے۔ دروازہ ایک بار پھر پوری قوت سے دھڑ دھڑایا گیا۔ وہ اپنی سوچوں سے الجھی گیسٹ ہاؤس کے مرکزی دروازے تک آئی تو دروازہ ایک بار پھر سے بجایا گیا۔

''کون ہے۔'' اس نے قریب آ کر آواز پوچھا۔

''مسافر ہوں اور مصیبت میں ہوں۔'' ٹھٹھرتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اندازہ ہوا باہر کوئی پناہ کے لیے کھڑا ہے یا پھر ہو سکتا تھا وہ راستہ بھول گیا ہو کوئی ضرورت بھی ہو سکتی تھی۔ کچھ جھجکتے ہوئے اس نے دروازے کا ایک پٹ وا کر دیا۔

مقابل ایک اجنبی نوجوان کھڑا تھا جس نے بلیک لانگ کوٹ کے اوپر سیاہ ہیٹ پہن رکھی تھی مفلر میں لپٹا ہونے کے باعث وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی اس کا دایاں ہاتھ زخمی تھا اور اس سے ٹپکتا لہو بارش کے قطروں میں گھل کر سیڑھیوں سے نیچے تک بہہ رہا تھا۔

''ایمل۔'' مقابل کھڑے اجنبی کے لبوں سے اپنا نام سن کر اس نے تحیر کے عالم میں سر اٹھایا نگاہوں کا تصادم ہوا اور مقابل کی آنکھیں جھک گئیں وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی حیات کا گم گشتہ حصہ یہاں ناران کے اس پسماندہ سے گاؤں میں مل جائے گا۔

''تم یہاں۔'' اس کے لہجے میں تلخی در آئی وہ یوں مخاطب تھی جیسے اس کے سامنے اس کے شوہر کی جگہ کوئی شناسا اجنبی کھڑا ہو جسے آپ پہچان کر بھی یاد رکھنا نہیں چاہتے اور وہ اس کے لیے اجنبی ہی تو تھا ایک رات کے شوہر کو بھی بھلا کوئی یاد رکھتا ہے۔

''میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو چکا ہے اور اب طوفانی رات میں ...''

''اندر آجاؤ۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر راستے سے ہٹ گئی تھی۔ وہ اس کی ہمراہی میں لابی عبور کرتے ہوئے لاؤنج میں چلا آیا تھا جہاں ایک چار سالہ خوبصورت سی بچی منہ بسورے بیٹھی تھی۔

ایمل خود جانے کس کمرے میں غائب ہو گئی تھی وہ آتش دان میں سلگتی لکڑیوں کے قریب ہی بیٹھ گیا دو منٹ بعد اس کی واپسی فرسٹ ایڈ باکس کے ساتھ ہوئی تھی جس میں سے کاٹن لے کر وہ اپنا زخم صاف کرنے لگا مگر ایک ہاتھ سے بینڈیج کرنے میں کافی وقت کا سامنا تھا۔

وہ کچھ دیر لاتعلقی سے کھڑی دیکھتی رہی پھر اس کے ہاتھ سے کاٹن لے لیا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی بینڈیج کرنے پر مجبور تھی اور ایسا محض اس نے ہمدردی کے پیش نظر کیا تھا۔

''مما یہ انکل کون ہیں۔'' زینی صوفے سے اتر کر

دونوں کے قریب چلی آئی۔ فرحان نے اپنے قریب جھکی ایمل کے چہرے سے نظریں ہٹا کر اس بچی کو دیکھا جو آنکھوں میں تجسس کے رنگ بھرے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے پاپا ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی اور فرحان کی آنکھوں میں الجھن آمیز تاثر اٹھ آیا۔

"کیوں شک ہے کوئی۔" وہ اس کی آنکھوں کا تاثر دیکھ چکی تھی سو طنز کرنے سے خود کو روک نہ پائی۔ ندامت کے باعث فرحان کا سر جھک گیا۔

"پاپا۔" زینی نے اس کے گلے میں بازو ڈال دیا فرحان کے سپاٹ جذبوں کو جیسے کوئی شعلہ چھو کر گزر اٹھا۔ اس نے والہانہ انداز میں اپنی بیٹی کو ساتھ لپٹا لیا تھا جو ہو بہو اس کا ہر نقش چرالائی تھی۔

"پاپا آپ کو چوٹ کیسے لگی۔" اس کا شاید گلا خراب تھا وہ بار بار کھانس رہی تھی فرحان نے اس کی پیشانی کو چھوا جو پر حدت تھی مگر وہ سب بھلائے اس کے زخم کا جائزہ لیتے ہوئے استفسار کر رہی تھی۔

"بس چھوٹا سا کٹ لگ گیا تھا۔" تکلیف کے شدید احساس کے باوجود وہ محض اسے مطمئن کرنے کو مسکرایا تھا۔

"اب پین تو نہیں ہو رہا۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا تو اس نے ایک بار پھر سے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"زینی چلو اب سو جاؤ۔" وہ اس کے لیے دودھ بنا کر لائی تھی جسے دیکھتے ہی وہ فرحان کے پیچھے چھپ گئی۔

"میں آج پاپا کے ساتھ سوؤں گی۔"

"پہلے ہماری گڑیا دودھ پیے گی پھر میں اسے چاکلیٹ بھی دوں گا اور اسٹوری بھی سناؤں گا۔" فرحان نے محبت سے اس کے بال سنوارتے ہوئے پچکارا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"آپ کو پریوں والی اسٹوری آتی ہے۔"

"پریوں والی۔" اس نے دماغ پر زور ڈالتے ہوئے سوچنے کی ایکٹنگ کی پھر اثبات میں سر ہلا دیا جس پر اس نے کچھ مطمئن سا ہو کر دودھ لے لیا تھا۔ مگر اس کی گود سے نہیں اتری تھی۔

"پاپا اب آپ ہمارے ساتھ رہو گے نا۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے اپنے ننھے منے ہاتھوں سے فرحان کا چہرہ چھو کر یقین دہانی چاہی تو فرحان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر لبوں سے لگا لیے۔ کچن کی دہلیز پر کھڑی ایمل بھی رک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ہاں اب میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔" کہا اس نے زینی سے تھا مگر اس کی نظریں ایمل پر جمی تھیں جس پر اس نے عجیب سی نظروں سے اسے گھورا تو فرحان کے لیے اس سے نظریں ملانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی توجہ زینی کی جانب مبذول کر لی۔

"پاپا کل ہم دونوں گھومنے جائیں گے میں آپ کو ساری فرینڈز سے ملواؤں گی ہم وہاں آئس کریم کھائیں گے جھولا لیں گے اور ڈول ہاؤس بھی۔" وہ کتنی باتونی تھی اور فرحان کو اس کی فرمائش اور باتیں سننے میں مزا آ رہا تھا جبکہ ایمل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے وہ زینی کی فراٹے بھرتی زبان کو روک دے۔

مگر لب بھینچتے ہوئے وہ اپنے کام میں مگن رہی پہلے برتن دھوئے پھر کچن صاف کیا اور جب اپنا سب کام ختم کرنے کے بعد لاؤنج میں آئی تو وہ ابھی تک وہیں بیٹھا تھا زینی اس کی گود میں سو چکی تھی۔

"کھانا کھاؤ گے۔"

"نہیں۔" وہ ہنوز نظریں جھکائے بیٹھا رہا لیکن آخر مروت بھی کوئی چیز تھی اور کچھ اپنی رحم دل فطرت سے مغلوب ہو کر وہ اس کے لیے ہلدی والا نیم گرم دودھ لے آئی تھی گلاس اس کے قریب میز پر رکھنے کے بعد اس کے لیے گیسٹ روم کا دروازہ کھولا اور زینی کو اس کی گود سے اٹھا کر اوپر چلی گئی۔

وہ وہیں بیٹھا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا کبھی وہ سوچتا تھا کہ بس ایک بار وہ مل جائے وہ اسے منا لے گا اور اب جب وہ سامنے تھی تو نظریں نہیں اٹھا پایا تھا۔ یونیورسٹی کا وہ دن شاید اس کی زندگی کا منحوس ترین دن تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا رنگین نظارے ہیں ہر سو رنگ برنگی حسین نازک دلنشین اڑتی بل کھاتی ہنستی گنگناتی تتلیاں ہی تتلیاں اور دیدار شوق پر بھی کوئی پابندی نہیں مجھے سنبھالو یارو یہ میں کس نگر میں تشریف لا چکا ہوں۔" عادل کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہو چکی تھیں گاؤں کے پرائمری مڈل اور شہر کے ڈگری کالج میں تعلیم حاصل کرنے والا وہ دیہاتی پہلی بار یونیورسٹی آیا تھا اور اب آگے پیچھے ڈولتا عمیر اور فیضان کے اوپر گرنے کے قریب تھا جب خرم نے اس کا شانہ تھامتے ہوئے سیدھا کیا۔

"زیادہ چھکو مت، یہ شبنم نہیں شعلہ ہیں پاس جانے سے۔"

"ایک جھانپڑ رسید کریں گی۔" عمیر نے فیضان کی بات کاٹ کر ٹکڑا لگایا اور سب ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

"کیا بات کر رہے ہو۔" عادل کو گویا اعتبار نہیں آیا تھا۔

"یہ اپنا خرم کل اس سعادت سے فیض یاب ہو چکا ہے۔" اب کی بار فرحان نے خرم کا شانہ تھپکتے ہوئے بھانڈا پھوڑا اور خرم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فرحان کی گردن دبوچ لے۔

"چہ چہ ایک لڑکی سے پٹ کر آ گئے۔" فرحان نے سگریٹ کا کش لگا کر آگے عمیر کو دیا اور تاسف بھری نظروں سے خرم کو دیکھا باقی سب نے بھی مل کر خوب ریکارڈ لگایا تھا۔

"میری جگہ اگر تم ہوتے تو وہ تمہارے ساتھ بھی یہی سلوک کرتی۔" وہ تلملا کر بولا۔

"ارے یہ اپنا شہزادہ جس کی جانب ایک نظر دیکھ لے وہ دل نکال کر ہتھیلی پر رکھ دیتی ہے۔" عمیر نے ستائشی نظروں سے فرحان کو دیکھ کر خرم کو مزید جلایا۔

"ہر لڑکی ایسی نہیں ہوتی۔" وہ اپنی بات پر مصر تھا۔

"ہر لڑکی کے پاس ایک دل ہوتا ہے جس کو محبت کی گرمائش یوں چٹکیوں میں پگھلا دیتی ہے پھر آپ اسے جس سانچے میں چاہو ڈھال لو۔"

"ٹھیک ہے تو پھر اس لڑکی کو اپنا اسیر کر کے دکھاؤ اگر تمہیں بڑا مان ہے اپنی شاندار مردانہ وجاہت پر تو۔" خرم نے سامنے سے آتی لڑکی کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کھلا چیلنج دیا تھا۔

فرحان نے گردن موڑ کر اس بلیک عبایا میں ملبوس لڑکی کو دیکھا جس نے حجاب اوڑھ رکھا تھا گندمی رنگت بڑی بڑی آنکھیں، سرو قد، فرحان کو وہ پہلی نظر میں ہی بہت عام سی لگی تھی۔

"یار تم پہیں وہ بتاؤ جس میں کوئی بات بھی ہو۔" وہ ناگواری سے بولا مگر خرم نے بہت سوچ سمجھ کر اس لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

وہ ان کے محلے میں رہتی تھی امام مسجد کی بیٹی تھی جس کا لہجہ مردوں سے بات کرتے ہوئے سخت اور انداز بے حد سپاٹ ہوا کرتا تھا جس کا اس یونیورسٹی میں ایک بھی بوائے فرینڈ نہیں تھا جو اتنی پاکیزہ اور شفاف تھی کہ اسے دیکھتے ہی نظریں اس کے احترام میں جھک جاتی تھیں۔ فرحان ان سب کو وہیں چھوڑ کر سیڑھیوں کے قریب جا کھڑا ہوا ابھی اسے وہاں سے گزر کر اوپر جانا تھا وہ آئی اور چلی بھی گئی اس پر ایک نگاہ غلط ڈالے بغیر۔

"انٹرسٹنگ۔" پہلی بار اسے اس لڑکی میں دلچسپی محسوس ہوئی تھی یہ یقیناً "کافی مشکل ٹارگٹ تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی صحن میں بکھرے میلے کپڑوں کا ڈھیر اسے دکھائی دے گیا تھا۔ عبایا اتار کر وہ اندر آئی تو حرا اور گوشی ایک ہی چارپائی پر بے سدھ پڑی سو رہی تھیں کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کچن کا جائزہ لیا کٹوری میں گوبھی کا سالن رکھا ہوا تھا لیکن ہاٹ پاٹ بالکل خالی تھا دو پھلکے بنا کر اس نے بابا جان کے کمرے میں جھانکا جو نماز ظہر کے بعد اب معمول کے وظائف پڑھنے میں مشغول تھے۔

"بابا کھانا کھا لیں۔" دسترخوان پر کھانا چننے کے بعد وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی تھی ایمل کی آواز پر انہوں نے آنکھیں کھولیں اور شفقت سے مسکرائے۔

"آتے ہی کاموں میں لگ جاتی ہو کبھی آرام بھی

کرلیا کرو۔"

"آپ تو جانتے ہیں مجھے دوپہر میں سونے کی عادت نہیں پھر سردیوں کا دن بھی تو چھوٹا سا ہوتا ہے آرام کے لیے اتنی لمبی رات کافی ہے۔"

"اچھا تو یونیورسٹی میں کیسا گزرا دن۔" کھانے کے دوران معمول کی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔

"ٹھیک تھا بس اس لیے کہ آج ندا نہیں آئی اور ایک لڑکی ہے رخسار اس نے مجھے سارا دن اچھی کمپنی دی اور آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"اب کچھ بہتر محسوس کررہا ہوں۔" وہ دو دن سے شدید بخار کی زد میں تھے۔ ایمل کو آج بھی ان کی طبیعت میں کچھ فرق نظر آرہا تھا۔ وہ انہیں آرام کی ہدایت کرتی برتن اٹھا کر باہر نکل گئی۔ تائی اماں مشین میں پانی اور صرف ڈالنے کے ساتھ ساتھ خوب بڑبڑا رہی تھیں۔

"آتے ہی مہارانیاں لمبی تان کر پڑجاتی ہیں اتنا نہیں ہوتا کہ ماں کا ذرا ہاتھ ہی بٹادیں۔" اس نے برتن کچن میں رکھے اور باہر آکر مشترک رنگوں کے کپڑے الگ الگ کرنے لگی تاکہ رنگ ایک دوسرے میں مدغم نہ ہوجائے۔

"رہنے دو بی بی تم بھی جاکر آرام کرو آنکھوں سے تو کسی کو کوئی کام دکھائی دیتا ہی نہیں ہے۔" ان کا موڈ خاصا خراب تھا جو کہ اکثر ناخوشگوار ہی رہتا تھا لیکن ایمل نے پروا نہیں کی۔ وہ ہنوز اپنے کام میں مگن رہی۔ تائی اماں نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا اور اسے کپڑوں کے ساتھ نبرد آزما دیکھ کر خود بھی جاکر لحاف میں گھس گئیں کپڑوں سے فارغ ہوکر اس نے رات کے لیے سالن چڑھایا ساتھ ساتھ برتن دھوئے اور رات نو بجے فارغ ہوکر جب کمرے میں آئی تو وہ دونوں سر جوڑے ٹی وی کے پاس بیٹھی انڈین فلم دیکھنے میں مگن تھیں اور ان کی اس سرگرمی سے ایمل کے سوا کوئی بھی واقف نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"کیا تم گھنٹہ بھر سے ایک ہی راگ الاپے جارہی ہو وہ بہت منفرد ہے عام لڑکیوں جیسی نہیں ہے اب وہ جو ہے جیسی ہے اس دنیا کی ہی مخلوق ہے کوئی مریخ سے تو اتری نہیں۔" فرحان کو رخسار پہ بے انتہا غصہ آگیا تھا جو عمیر کی کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی منگیتر بھی تھی۔

"مجھے نہیں لگتا کہ تم اس لڑکی کے دل میں جگہ بناپاؤ گے۔" رخسار نے اس کی جھلاہٹ کو خاطر میں لائے بغیر اپنی پیش گوئی کا اظہار کیا تو فرحان کو جلال آگیا۔

"محترمہ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس کے دل میں جگہ۔۔۔"

"ایکسکیوزمی مسٹر فرحان تمہیں اس لڑکی کو اپنا دیوانہ بنانا ہے جس کے لیے اس کے دل میں جگہ بنانا بے حد ضروری ہے۔" خرم نے ٹوکتے ہوئے یاد دہانی کروائی۔

"تم نے پوچھا نہیں اس کا کوئی آئیڈیل۔" اب کی بار فرحان نے اسے گھورا تو وہ سوچتے ہوئے بولی۔

"پوچھا تھا مگر اس نے کہا کہ اس کے بابا جان ہی اس کے آئیڈیل ہیں۔"

"اور اس کے بابا جان ہماری مسجد کے امام صاحب ہیں۔" خرم کے خاصے ڈرامائی انکشاف پر پورے گروپ میں ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔

"چلو نا عمیر کیفے ٹیریا۔ بہت بھوک لگی ہے۔" رخسار اسے کھینچ کرلے گئی پیچھے وہ تینوں رہ گئے تھے۔

"ایمل آپا میرے لیے کیا لائی ہو۔" کھانا کھانے کے بعد وہ ابھی اپنے نوٹس بنانے بیٹھی ہی تھی جب اچھلتا کودتا عمر اندر چلا آیا وہ گوشی اور حرا سے پندرہ سال چھوٹا تھا اور ابھی ففتھ اسٹینڈرڈ میں تھا۔ ایمل نے بیگ سے چاکلیٹ نکال کر اسے دے دی۔

"مجھے آپ سے ایک پیراگراف بھی لکھوانا تھا۔" وہ چاکلیٹ کھانے کے بعد کاپی پنسل اٹھا لایا۔

"تمہارا کام ہے خود کرو۔" اس نے صاف انکار کردیا۔

"آپ لکھ دیں نا میں پھر یاد کرلوں گا۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"تم کوشش تو کرو اگر ناکام ہوئے تو میں ہیلپ کروا دوں گی۔" ایک گھنٹہ لکھنے کے بعد وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی آج کھانا بنانے کی ذمہ داری حرا کی تھی سو اس کا موڈ خوب بگڑا ہوا تھا اور اپنا غصہ برتن پٹخ پٹخ کر نکال رہی تھی۔

"کیا پکا رہی ہو۔" گوشی بھی اس کے پیچھے ہی کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"سر قیمہ۔" لٹھ مار انداز میں جواب آیا پھر اسے چادر میں پیک دیکھ کر ٹھٹکی۔

"تم کہیں جارہی ہو۔"

"ہاں اماں اور میں بازار جارہے ہیں اسکول میں فن فیئر ہے تو اس کے لیے نیا سوٹ تو ہونا چاہیے۔" گوشی نے اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تو حرا کی جان پر بن آئی۔ وہ دونوں انٹر کے بعد ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کرتی تھیں اور نیا سوٹ تو حرا کو بھی لینا تھا۔

"ایمل میری اچھی بہن پلیز آج کھانا بنادو۔"

"ہرگز نہیں کھانا تم ہی بناؤ گی۔" اس کے ملتجی لہجے پر ایمل اثبات میں سرہلانے ہی والی تھی جب تائی اماں نے مداخلت کردی۔

"تائی اماں میں بنادوں گی آپ لے جائیں حرا کو ساتھ۔" اس نے تو اپنی جانب سے بھرپور سفارش کی تھی مگر تائی اماں کو تو گویا موقع مل گیا تھا۔

"ایمل تم خوامخواہ ان کی طرف داری نہ کیا کرو کوئی سلیقہ ہے نہ گن ایک کام کرنے کو کہتی ہوں تو دس کام خراب ہوئے ملتے ہیں۔" ان کے دروازہ عبور کرنے کی دیر تھی وہ بھی ہاتھ جھاڑ کر محلے کے ٹور پر نکل گئی۔

"حرا تائی اماں کو پتا چلا تو خفا ہوں گی بابا بھی آنے والے ہیں جلدی آجانا۔" ایمل کی آواز نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے نکل گئی۔ کھانا بنانے کے بعد اس نے عمر کو دیکھا جو بیگ کھلا چھوڑ کر خود منڈیر پہ لٹکا پتنگ اڑا رہا تھا۔

"عمر جلدی نیچے آؤ۔" وہ اسے لینے اوپر آئی تو حرا سامنے والوں کی چھت کے عقبی سائیڈ پر کھڑی سڑک کے اس پار جھانک رہی تھی اور پھر اسے یوں محسوس ہوا تھا جیسے اس نے کسی کو اشارہ کیا ہو سڑک کے اس پار کا منظر اس کی نظروں سے اوجھل تھا مگر وہ دل میں کھٹک ضرور گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایمل تم آج کس لڑکے کی گاڑی میں گھر آئی ہو۔" عبایا اتارنے کے بعد وہ الماری کے سامنے کھڑی کپڑے تلاش رہی تھی جب تائی اماں افتاں و خیزاں اس کے سر پر آن کھڑی ہوئیں انداز خوب تفتیش کرنے والا تھا اور ایمل کے لیے یہ سچویشن خاصی پریشان کن ہوچکی تھی وہ کس لڑکے کے ساتھ آئی ہے۔ یہ تو اسے بھی نہیں معلوم تھا وہ بس اسٹاپ پر اتر کر گھر کی سمت آرہی تھی جب اس نے بڑی اماں کو کپڑوں کی گٹھڑی اٹھائے اسٹاپ کی جانب جاتے دیکھا وہ فٹ پاتھ سے اتر کر سڑک کے عین وسط میں چلنے لگیں جب ایک موٹر سائیکل انہیں ہٹ کرتی گزر گئی اماں بی دیکھتے ہی دیکھتے گٹھڑی سمیت زمین بوس ہوچکی تھیں۔

اس سے پہلے کہ ایمل لپک کر ان کی جانب بڑھتی ریڈ لینڈ کروزر کے ٹائر اس کے پیروں کے قریب چرچرائے نوجوان نے باہر نکل کر بڑی اماں کو اٹھایا پھر ان کی گٹھڑی اٹھا کردی۔ بڑی اماں اپنی ٹانگ سہلاتی مسلسل اس موٹر سائیکل سوار کو صلواتوں سے نواز رہی تھیں جو کب کا فرار ہوچکا تھا۔

"آپ انہیں جانتی ہیں۔" اس شخص نے شائستگی سے دریافت کیا تھا۔ بڑی اماں ان کے پڑوس میں رہتی تھیں بہت جھگڑالو قسم کی خاتون تھیں آئے روز دونوں بہوؤں سے لڑ جھگڑ کر اپنی گٹھڑی سنبھالتیں اور بیٹی کے ہاں رہنے چلی جاتیں ہفتہ بھر کے بعد پھر دونوں بیٹے منا کر لاتے تھے۔ ایمل اثبات میں سرہلاتے ہوئے بڑی اماں سے مخاطب ہوئی۔

"آئیں میں آپ کو گھر چھوڑ دوں گی۔"

"اب کیا مجھ سے چلا جائے گا کم بخت مارا ٹانگ توڑ

گیا میری۔" ان کا غصہ ہنوز تھا۔
"میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ بڑی اماں سے بولا تو وہ ناسمجھی سے ایمل کو دیکھنے لگیں۔
"یہ کہہ رہے ہیں آپ کو گاڑی میں گھر چھوڑ آتے ہیں۔" ایمل نے فوراً "ڈراپ" کی وضاحت کی تھی۔
"میں تو کبھی نہ جاؤں اکیلی اس چھڑے چھانٹ کے ساتھ تمہیں نہیں پتا حالات کتنے خراب ہیں دن دہاڑے لوگ لوٹ کر چلتے بنتے ہیں۔" وہ کسی نوخیز دوشیزہ کی مانند بدک کر پیچھے ہٹیں اور پھر بلا تامل اپنے خدشات کا اظہار بھی کر ڈالا۔ اس شخص کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔
ایمل نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی اسے یوں سڑک پر ایک اجنبی کے ساتھ کھڑے ہونا اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا مگر بڑی اماں معمولی سی بات کو مسئلہ کشمیر بنائے کھڑی تھیں۔
"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے، جو سچ ہے وہ بتا رہی ہوں۔" اپنی کہی بات کا مذاق انہیں سخت ناگوار گزرا تھا پل میں اسے ڈپٹ کر رکھ دیا پھر ایمل سے بولیں۔
"تم بھی چلو میرے ساتھ۔"
"بڑی اماں میں..." وہ ہکلا کر رہ گئی ایسی صورت حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔
"ہاں تم اور گھبرانے کی ضرورت نہیں میں ہوں تمہارے ساتھ۔" کیا بھرپور تسلی بھرا انداز تھا وہ اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر گاڑی میں سوار ہو چکی تھیں اور پھر راستہ بھر دونوں بہوؤں کی تمام تر شکایات اس کے گوش گزار کرتی رہی تھیں۔
اترنے سے قبل ایمل کو ماننا پڑا تھا کہ وہ اچھا خاصا مہذب نوجوان تھا جس نے بیک سیٹ پر بیٹھی لڑکی کو راستہ بھر نہ تو بیک ویو مرر سے چھپ چھپ کر دیکھا تھا اور نہ ہی خواہ مخواہ راہ رسم بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ شروع سے آخر تک اس نے سارا قصہ تائی اماں کو سنا دیا تھا اب پتا نہیں انہیں اعتبار آیا تھا یا نہیں مگر وہ خاموش ضرور ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج وہ بہت مسرور تھا اتنے دنوں کی محنت کے بعد آج اسے اپنی جانب متوجہ کرنے میں ناصرف کامیاب ہوا تھا بلکہ اس کے دل پر ایک اچھا تاثر بھی قائم کر چکا تھا اور اس وقت وہ اسی خوشی کو سلیبریٹ کرتا بیڈ پہ نیم دراز اسموکنگ کے ساتھ ساتھ تیز میوزک سے بھی لطف اندوز ہو رہا تھا۔
جب اچانک بیڈ روم کا دروازہ کھول کر کوئی عین اس کے سر پہ آن کھڑا ہوا تھا۔ نیم وا آنکھوں سے سامنے دیکھا تو شازمین کھڑی تھی۔
"تم کب آئیں؟"
"کل رات سے آئی ہوئی ہوں اور تم سے اتنی زحمت نہ ہوئی کہ میرا حال احوال ہی دریافت کر لیتے۔" پردے ہٹانے کے بعد اب وہ کھڑکیاں کھول رہی تھی تاکہ سگریٹ کا دھواں باہر نکل جائے پھر اس نے آگے بڑھ کر بے ہنگم سا میوزک بھی بند کر دیا تھا۔
"اچھا میں ذرا شاور لے لوں پھر ڈنر باہر کرتے ہیں۔" وہ اسے منانے کو فوراً" اٹھ کر واش روم میں جا گھسا تو شازمین ریک میں رکھے فیشن میگزین کی ورق گردانی کرنے میں مشغول ہو گئی۔
وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا اس کی مما مشہور فیشن ڈیزائنر تھیں اور باپ ٹیکسٹائل مل کا مالک، شازمین اس کی خالہ زاد کزن تھی اور لندن سے یہاں سیر و تفریح کی غرض سے آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ ندا کے ساتھ فرسٹ فلور کی سیڑھیاں اترتی کیفے ٹیریا کی جانب جا رہی تھی جب اس نے اسی نوجوان کو یونیورسٹی کی مسجد سے ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد باہر نکلتے دیکھا سفید کڑھائی کے کلف لگے شلوار سوٹ میں ملبوس سر پہ ٹوپی پہنے وہ کتنا پرنور سا لگ رہا تھا لاشعوری طور پر وہ جانے کب سے اس پہ نظریں جمائے چل رہی تھی۔
"السلام علیکم!" قریب سے گزرتے ہوئے وہ

ناصرف رک گیا بلکہ سلام میں پہل بھی کر ڈالی وہ بھی جواب دے کر ٹھہر سی گئی تھی۔
"بڑی اماں کی طبیعت اب کیسی ہے۔"
"آپ یہاں کیسے۔" دونوں نے ایک ساتھ ہی دو مختلف سوال پوچھ لیے تھے۔
"ٹھیک ہیں وہ۔" ایمل نے پہلے جواب دیا۔
"میرا ایم ایس آئی ٹی کا لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے۔"
"اوہ۔" اسے جیسے اطمینان ہوا ورنہ اسے تو لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک چلا آیا ہے پھر اسے اپنے وہم پر افسوس سا ہوا وہ ایسا تو ہرگز نہیں لگتا تھا۔
"ہم کیفے ٹیریا جا رہے تھے۔" کچھ نہ سوجھا تو وہ اسے جیسے اطلاع دیتی آگے بڑھ گئی۔
"کون تھا یہ گلفام۔" ندا نے کچھ دور جا کر شرارت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ جھینپ کر رہ گئی اور پھر کل کا تمام تر واقعہ اس کے گوش گزار کر دیا ندا اسے اس کی دوستی کالج کے زمانے سے تھی جبکہ رخسار نے ایک ہفتے کے بعد اسے چھوڑ کر دوسرا گروپ جوائن کر لیا تھا۔
"سفید رنگ کے لباس میں اس کی رنگت کیسے کندن کی مانند دمک رہی تھی۔ اور آنکھیں کتنی روشن اور شفاف آئینے جیسی تھیں بات کرنے کا دھیما سلجھا ہوا انداز۔" لنچ کے دوران بھی وہ مسلسل اس کی شخصیت کا پوسٹ مارٹم کر رہی تھی ایمل خاموشی سے سر جھکائے سنتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"میں لندن سے یہاں تمہارے ساتھ اپنی چھٹیاں انجوائے کرنے آئی ہوں اور تم روز مجھے اکیلا چھوڑ کر یونیورسٹی کے لیے نکل جاتے ہو۔" وہ منہ پھلا کر اس کے راستے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔
"اچھا تم بتا دو کہ مجھے اب تمہاری خاطر کیا کرنا چاہیے۔" اس نے ذرا سا آگے کو جھکتے ہوئے اپنا سر اس کے ماتھے سے ٹکرایا سن لائٹ کی خوشبو کسی معطر جھونکے کی مانند اس کے وجود سے لپٹ گئی تھی اک گہرا سانس بھرتے ہوئے وہ قدرے شوخی سے بولی۔
"اتنی حسین لڑکی تمہارے پہلو میں کھڑی ہے اسے کہیں گھمانے لے کر جاؤ فائیو اسٹار میں ڈنر کے لیے انوائٹ کرو گلابوں کا مہکتا بوکے گفٹ کرو شاپنگ کرواؤ اور..."
"اور وہ لڑکی تو پہلے سے ہی مجھ سے متاثر ہے سو میں اس کی ناز برداریاں کیونکر اٹھاؤں۔" وہ اس کا جملہ مکمل کرتا جانے کو مڑا تو شازمین اسے گھورتے ہوئے اندر چلی گئی۔
"میں آج جلدی واپس آنے والا ہوں۔" اس نے باآواز بلند انفارم کیا مگر وہ خفا ہو چکی تھی اس نے سوچا واپس آ کر منا لے گا بیگ گاڑی میں رکھنے کے بعد وہ خود ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا اور سی ڈی پلیئر آن کر دیا گاڑی میں "نصیبو لال" کا واہیات اور گھٹیا سا گیت گونجنے لگا تھا جس کے لفظ لفظ کو انجوائے کرتا وہ بے حد ریش ڈرائیو کر رہا تھا جب اچانک وہ اسے اسٹاپ پر وین کا انتظار کرتی دکھائی دے گئی۔
وہ آج بھی سیاہ برقعے اور حجاب میں ملبوس تھی اس نے کبھی اسے کلر ڈریس میں نہیں دیکھا تھا اس کے دل میں آیا کہ وہ اسے یونیورسٹی ڈراپ کرنے کی آفر کرے مگر پھر خود کو ملامت کرتا اس کے سامنے سے بغیر اس کی جانب دیکھے گزرتا چلا گیا۔
ایمل دور سے اسے آتا دیکھ چکی تھی اور یہی گمان کر رہی تھی کہ وہ ضرور اسے لفٹ دے گا اور اس لمحے کے آنے سے قبل وہ دل میں دعا گو تھی کہ کاش کوئی وین آ جائے مگر دور تک اس کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے لیکن وہ جس لمحے سے خوف زدہ تھی وہ ان کے مابین آیا ہی نہیں تھا۔
وہ اپنی جگہ حیرت زدہ سی ریڈ لینڈ کروزر کو نظروں سے دور ہوتا دیکھتی رہی اور نجانے کیوں لیکن اس لمحے اس کا دل انجانی سی مسرت سے بھر گیا تھا۔

"حرا کھانے کے بعد کمرے میں آؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ابعل نے کچن میں جھانکا تو وہ اسے کھانا کھاتے ہوئے نظر آئی تائی اماں پاس ہی بیٹھی چائے بنا رہی تھیں اور ان کے سامنے تو یہ بات کرنا انتہائی نامناسب تھا۔

"ابعل کا انداز مجھے بے حد مشکوک لگ رہا تھا جانے کیا بات ہے۔" امی کے باہر جانے کے بعد وہ سرگوشی سے بولی دل میں چور تھا شاید اسی وجہ سے وہ گھبرا رہی تھی۔

"سرعام اس سے ملتے ہوئے تو تمہیں ڈر نہیں لگتا جس روز کسی نے دیکھ لیا نا اس دن سمجھ لینا تمہاری زندگی کا آخری دن ہوگا۔" وہ جل کر بولی اسے بالکل اچھا نہیں لگتا تھا نرگس کا بھائی جو ہاتھ دھو کر حرا کے پیچھے پڑ گیا تھا اور حرا وہ کون سا کم تھی۔

ابعل جب سے یونیورسٹی سے آئی تھی اس کا رواں رواں سلگ رہا تھا حرا کو آتے دیکھ کر اس نے بمشکل اپنے اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کی اور انتہائی تحمل سے دریافت کیا۔

"کون تھا وہ لڑکا۔"

"کون سا لڑکا۔" اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا وہم حقیقت میں بدل جائے گا اس اچانک استفسار پر وہ بوکھلا گئی۔

"میں نے خود اس لڑکے کو گلی کے کارنر پر تم سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"وہ تو نرگس کا بھائی تھا۔" نرگس اس کی کولیگ تھی۔

"دراصل میں آج گھر آتے ہوئے ہمارے پیچھے دو آوارہ لڑکے لگ گئے تھے تو نرگس کا بھائی ہمیں گھر تک چھوڑنے آیا تھا میں تو محض اس کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔"

"مجھے تو وہ لڑکا بھی کم آوارہ نہیں لگ رہا تھا بہرحال تم آئندہ احتیاط کرنا اس محلے میں بابا جان کی جو عزت ہے ہمارے حوالے سے اس پر کوئی آنچ آئے یہ میں برداشت نہیں کروں گی۔" ابعل کو اس کی کہانی پر یقین تو نہیں آیا تھا مگر اس نے مزید سمجھانا اپنا فرض سمجھا۔

☆ ☆ ☆

"کتنا رومانٹک موسم ہے۔" بارش اک تواتر سے برس رہی تھی اور شازمین کا دل انجوائے کو مچل رہا تھا۔

"رومانٹک اس لیے ہے کہ میں ساتھ ہوں ورنہ موسم میں تو کوئی چارم نہیں ہے۔" اس نے پینٹ کی جیبوں میں دونوں ہاتھ ڈال کر نظریں شازمین کے چہرے پر جما دیں۔

"آؤ انجوائے کریں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

"پاگل ہوئی ہو یہ سردیوں کی بارش ہے بیمار پڑ جاؤ گی۔" اس نے ڈپٹا۔

"ہاں مگر میں وہی کرتی ہوں جو میرا دل چاہتا ہے۔" وہ اسے کھینچ کر لان میں لے آئی تھی۔

سرخ گلاب توڑتے ہوئے اس نے بے نیازی سے وہ پھول فرحان کی سمت بڑھا دیا۔

"دس از فار یو۔"

"تو تم مجھے پرپوز کر رہی ہو۔" وہ غیر سنجیدگی سے بولا۔

"تم سمجھ سکتے ہو۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

فرحان نے سراپا اسے بغور جانچا تھا۔ لیمن گرین شرٹ اس کے وجود سے چپک کر ہر انگ کی وضاحت کر رہی تھی گوری رنگت اور شانوں پر بکھری سنہری زلفیں وہ اتنی حسین تھی یا اسے لگ رہی تھی۔

"شازمین۔" اس کی کمر کے گرد بازو حمائل کرتا وہ اس کے بے حد قریب آ چکا تھا اور شازمین نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی شاید ان پرفسوں لمحوں میں وہ ایسا کچھ کہنے والا تھا جو ان لمحوں کو امر کرتے ہوئے سماعتوں کو خوش کن احساس سے دوچار کر جاتا۔

"ڈو یو اسپنڈ ود می ان نائٹ۔" وہ اس کے لبوں کو اپنی پوروں سے چھو کر والہانہ انداز میں بولا تو وہ ایک جھٹکے سے اس سے دور ہٹی۔ لفظ تھے یا کوئی پگھلا ہوا سیسہ جو اس کی سماعتوں میں انڈیل گیا تھا کرب کی شدت سے آنکھیں بھر آئیں اس نے بے یقین نظروں سے اسے دیکھا اور پلٹ کر بھاگتے ہوئے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"جسٹ جوکنگ یار۔" وہ چلایا مگر اس نے پھر پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

سرما کی دھوپ سارے آنگن میں پھیلی ہوئی تھی۔ گھر میں اس وقت اس کے اور تائی اماں کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی اور اب دھوپ میں کھڑی تولیے سے بال رگڑتے ہوئے انہیں خشک کرنے کی کوشش کر رہی تھی جب اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ بڑے ابا کا دبئی سے فون آیا ہوا تھا اس نے تائی اماں کو مصروف دیکھا تو خود دوپٹہ اوڑھے گیٹ پر چلی آئی۔

"کون ہے۔" دروازہ کھولنے سے قبل اس نے پوچھنا ضروری خیال کیا تھا۔

"جی میں ہوں فرحان۔" مقابل کھڑے شخص کے تعارف نے دھڑکنوں میں عجیب ہلچل سی مچا دی تھی اس نے غیر ارادی طور پر دونوں پٹ وا کر دیے سامنے وہ مجسم کھڑا تھا۔

"السلام علیکم۔" حسب معمول اس نے شائستگی سے سلام کیا تھا۔

"آپ۔" وہ جواب دینا بھی بھول گئی اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے دنوں سے جس کی منتظر تھی وہ آج اس کے سامنے انہی کے گیٹ پر کھڑا ہے۔

"وہ مجھے مولانا فاروق احمد قادری صاحب سے ملنا ہے۔"

"کس سلسلے میں۔" وہ اس کے بابا جان کا نام لے رہا تھا۔ ابعل کا چونکنا لازم تھا۔

"اگر وہ گھر میں موجود نہیں ہیں تو میں بعد میں آ جاؤں گا۔" اس کا سوال خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو وہ جلدی سے بول اٹھی۔

"نہیں وہ اس وقت مسجد میں ہیں آپ چاہیں تو ان سے مل سکتے ہیں۔" دروازہ بند کرنے کے بعد وہ اندر آئی تو دل خوب زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"کون تھا۔" تائی اماں فون رکھ چکی تھیں۔

"کوئی ابا کے ملنے والے تھے۔" رخ موڑ کر کہتی وہ فورا" کچن میں چلی آئی کہ کہیں تائی اماں اس کے چہرے کے تاثرات نہ جان جائیں۔

☆ ☆ ☆

فرحان کو اپنے گریز پر اس کا بے ساختگی بھرا انداز اچھا لگا تھا وہ مولانا فاروق احمد صاحب سے ملاقات کے بعد گھر چلا آیا تھا جہاں مما کافی خطرناک موڈ کے ساتھ اس کی منتظر تھیں۔

"تم نے شازمین سے کیا کہا ہے۔"

"مم... میں نے۔" وہ گھبرا گیا شازمین نے اس کی شکایت مما سے کر دی تھی یہ خیال ہی سوہان روح تھا۔

"دو دن سے روٹھ کر کمرے میں بند پڑی ہے بوا بتا رہی تھیں کھانا بھی واپس بھیج دیا ہے تمہارا کوئی جھگڑا تو نہیں ہو گیا اس سے۔" وہ فکرمندی سے بولیں فرحان نے بے ساختہ طمانیت بھرا سانس لیا۔

"آپ فکر نہ کریں میں دیکھتا ہوں۔" دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلا آیا تھا اس سے پہلے کہ معاملہ اوپر تک جائے اس کو نچلی سطح پر ہی حل کرنا ضروری تھا۔

پہلی بار اس نے شازمین کے متعلق سنجیدگی سے سوچا تو اس میں اسے بے شمار پلس پوائنٹ نظر آئے تھے وہ خوبصورت تھی ویل ایجوکیٹڈ اور لبرل تھی دونوں میں اچھی انڈراسٹینڈنگ تھی۔

"تو اب شازمین کو منانا پڑے گا۔" وہ اٹھ کر اس کے بیڈ روم میں چلا آیا دروازہ اندر سے لاکڈ تھا اس نے ناک کرنے کے ساتھ ساتھ اسے کتنی ہی آوازیں دے ڈالی تھیں مگر وہاں بے نیازی کا وہی عالم تھا۔

اس کے بیڈ کی دراز میں ہر وقت ڈھیروں کارڈز پڑے ہوتے تھے جنہیں فارغ وقت میں وہ خود ہی ڈیزائن کیا کرتا تھا وہاں سے اس نے پنک پھولوں والا ایک کارڈ نکالا اس پر چند لائنیں لکھیں اور شازمین کے بیڈ روم میں

پھینک کر لان میں چلا آیا فری ہوم ڈلیوری والوں کو وہ کیک آرڈر کروا چکا تھا۔ گلاب کی پتیوں سے میز پر دل بنا کر اس میں کیک رکھا اور کینڈل جلانے کے بعد منتظر نظروں سے فرسٹ فلور کے سیکنڈ روم کی ونڈو کو دیکھنے لگا جو ابھی تک بند تھیں۔

☼ ☼ ☼

"تم فرحان کو جانتی ہو۔" وہ بابا جان کے لیے کھانا لے کر ان کے کمرے میں آئی تو کھانے کے دوران انہوں نے اچانک استفسار کر ڈالا۔

"آج آپ سے ملنے آیا تو مجھے پتا چلا میں نے اسے یونیورسٹی میں دیکھ رکھا ہے اس سے زیادہ تو نہیں جانتی وہ آپ سے کیوں ملنے آیا تھا۔" دھک دھک کرتے دل کے ساتھ اس نے تمام تر تفصیل ان کے گوش گزار کر دی تھی اور پھر ہمت کر کے اس کی آمد کا مقصد بھی دریافت کر لیا تھا۔

"کہہ رہا تھا ملکی سطح پر ہونے والے مقابلہ نعت خوانی میں حصہ لے رہا ہے تو میں تلفظ اور نعت خوانی کے متعلق اس کی رہنمائی فرما دوں بڑا ہی نیک لڑکا ہے آواز بھی بے حد پرسوز اور گداز تھی مجھے یقین ہے وہ ضرور جیت جائے گا۔"

"تو پھر آپ اسے تیاری کروا رہے ہیں۔" اس نے سرسری سا پوچھا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ایمل کو وہ بہت خاموش اور پریشان سے لگ رہے تھے کل رات اس نے تائی اماں کو بھی اکیلے میں ان سے بات کرتے دیکھا تھا اب جانے وہ کیا بات تھی جو ان کے لیے فکر مندی کا باعث بن رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ڈیئر شازمین ایک رات تو کیا زندگی کی ہر رات (افوہ اب گھورو مت) ہر صبح ہر شام دوپہر کو چھوڑ کر کیونکہ اس وقت میں آفس ہوا کروں گا نا مگر اس کے سوا ہر لمحہ ہر پل تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں اگر محترمہ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو باہر تشریف لے آئیں میں منتظر کھڑا ہوں۔" کارڈ پر درج عبارت پڑھنے کے بعد اس نے کھڑکی کا پردہ ہٹایا وہ لان میں کھڑا اس کی جانب دیکھ رہا تھا اس کی جھلک پاتے ہی اس نے دونوں کانوں کو چھوتے ہوئے "سوری" کہا تو شازمین کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر شازمین۔" گنگناتے ہوئے اس نے وش کیا وہ کیک کاٹ رہی تھی اور فرحان محبت پاش نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے لندن میں ایسے پرپوز کیا جاتا ہے نا۔" کہنے کے ساتھ وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گیا تھا۔

"فرحان یہ کیا کر رہے ہو۔" اس نے بے ساختہ ہنستے ہوئے روکنے کی کوشش کی مگر وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر بولا۔

"ول یو میری می۔"

"پرپوز کرنے سے قبل اظہار محبت تو کرو۔" وہ اٹھلائی۔

"یہ دل دیکھ رہی ہو۔" اس نے میز کی سمت اشارہ کیا اور پھر بولا۔

"سمجھ لو یہ میرا تھا اب تمہارا ہوا۔"

"یہ تو پھولوں کا ہے۔" اس نے منہ بسورا۔

"تو کیا اصل والا نکال کر دوں۔" فرحان نے آنکھیں دکھائیں۔

☼ ☼ ☼

وہ گہری نیند میں گم تھی لیکن یوں لگ رہا تھا جیسے کہیں بہت دور سے باتوں کی آواز آ رہی ہو کروٹ بدلتے ہوئے سینے پر رکھی کتاب دھڑام سے گری اور اچانک اس کی آنکھ کھل گئی کمرے میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی نائٹ بلب کے علاوہ حسب معمول ٹی وی بھی چل رہا تھا اور وہ دونوں اس کے سامنے براجمان سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں ایمل کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک دوسرے کے علاوہ بھی کسی سے بات کر رہی ہیں وہ بستر سے اتر کر ان کے قریب چلی آئی حرا نے اسے دیکھتے ہی سیل فون چھپا دیا تھا مگر ایمل

اس کے چھپانے سے قبل دیکھ چکی تھی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں۔" وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"پلیز ایمل اسے کچھ مت کہنا پہلے ہی بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔" گوشی نے اس کے کڑے تیور دیکھ کر پہلے ہی ٹوک دیا تھا۔ ایمل کے مزاج سے دونوں اچھی طرح واقف تھیں اس لیے تو اسے کبھی ان اوٹ پٹانگ حرکتوں میں رازدار نہیں بنایا تھا۔

"ہاں لیکن مسئلہ کیا ہے۔" اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے جو متامل نظر آ رہے تھے۔

"حرا کیا مسئلہ ہے۔" اس نے حرا کا بازو ہلایا جس پر وہ رونے لگی۔

"گوشی تم بتاؤ۔" اس نے پلٹ کر گوشی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ لڑکا نرگس کا بھائی نہیں حرا کا بوائے فرینڈ تھا فن فیئر کے روز یہ اسکول کی بجائے اس کے ساتھ ڈیٹ پر گئی تھی وہاں اس کے دوست نے سیل فون پر ان دونوں کی موی بنالی اب وہ اس سے مطالبہ کر رہا ہے کہ یہ اسے اور اس کے دوست سے ہوٹل میں ملنے آئے ورنہ وہ اس کی موی فیس بک پر اپ لوڈ کرنے کے ساتھ ساتھ چچا جان کو دکھا دے گا۔" گوشی کے انکشاف پر ایمل کا سر گھومنے لگا تھا اس نے ایک سلگتی ہوئی نگاہ حرا پر ڈالی تو وہ نظریں چرا گئی۔

"وہ سیل فون دو مجھے۔" اس نے ہاتھ بڑھایا اور حرا نے دائیں ہاتھ میں دبا سیل فون اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"آئندہ ایسی حرکت کی تو میں تائی اماں کو بتا دوں گی۔" دھمکی آمیز لہجے میں وارننگ دینے کے بعد وہ اٹھ کر واپس اپنے بستر پر چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ لائبریری میں بیٹھی مطالعے میں مشغول تھی جب کسی نے قریب آ کر ٹیبل بجائی بک اس کے ہاتھوں سے پھسلتے ہوئے بچی تھی فرحان کو سامنے دیکھ کر دل پہ بوکھلاہٹیں سوار ہونے لگی تھیں اس نے کھڑے ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے آپ سے اس مسئلے پر بات کرنا تھی۔ جو آپ نے مجھ سے ڈسکس کیا تھا۔ اگر ہم باہر چلیں تو۔" وہ ہنوز کھڑا اس کی رائے کا منتظر تھا۔ ایمل اپنی بکس سمیٹ کر اس کے ساتھ چلی آئی۔

"وہ لڑکے اب آپ کی سسٹر کو تنگ نہیں کریں گے، میں نے ان کا انتظام کروا دیا ہے۔" لائبریری کی سیڑھیاں اتر کر اب وہ لان میں آ چکے تھے جب فرحان نے اسے بتایا تو وہ ممنونیت سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔"

"وہ دیکھو تمہاری جل پری اپنے شہزادے کے ساتھ کھڑی گپیں لگا رہی ہے۔" عمیر نے خرم کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے ایمل اور فرحان کی سمت اشارہ کیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت سا رہ گیا۔

"اٹس اوکے اس کی ضرورت نہیں۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے کہا تھا کچھ پل کے لیے دونوں کے مابین خاموشی حائل ہو گئی تو اس نے جانے کی اجازت چاہی مگر فرحان نے روک لیا اب وہ پلٹ کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"دراصل مجھے آپ سے کچھ اور بھی کہنا تھا سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیسے کہوں بہت عجیب سا بھی لگ رہا ہے مگر۔۔۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ کو جو بھی کہنا ہے آپ بلاجھجک کہہ سکتے ہیں پلیز۔"

"میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اگلے ہی پل اس نے بنا کسی جھجک کے کہہ ڈالا تھا اور ایمل کی نظروں میں آسمان گھومنے لگا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اسے پرپوز کرنے والا ہے۔

"آپ کو برا لگا۔" وہ اس کی خاموشی پر بے چین ہو

اٹھا، وہ جانے کیا کہنے والی تھی کہیں ساری محنت اکارت نہ چلی جائے۔

"بہتر ہوتا اگر آپ یہ بات میرے بابا جان سے کرتے۔" وہ رسانیت سے بولی۔

"ہاں لیکن میں نے اس سے قبل آپ کی مرضی دریافت کرنا ضروری سمجھا ۔" طمانیت بھرا سانس بھرتے ہوئے وہ قدرے سنبھل کر گویا ہوا۔

"میری مرضی بھی بابا جان کی مرضی کے ساتھ مشروط ہے، میں خود سے زیادہ اس معاملے میں ان پر اعتماد کرتی ہوں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں۔ کیفے ٹیریا آنے تک اس کا سانس پھول چکا تھا اس پر دھڑکنوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

"تم مجھے پندرہ منٹ کا کہہ کر گئی تھیں اور اب گھنٹے بعد آ رہی ہو۔" ندا اسے دیکھتے ہی بگڑی تھی۔

"بس راستے میں خوشگوار حادثہ رونما ہو گیا۔" وہ شرارت سے ہنسی۔

"کیا مطلب۔" وہ کچھ سمجھی نہیں تھی۔

"فرحان نے مجھے پرپوز کیا ہے۔" اس نے سچ بتا دیا ویسے بھی وہ ندا سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی۔

"آئی ایم رئیلی شاکڈ۔" اس نے گرنے کی ایکٹنگ کی۔

"فرحان کے پرپوزل پر۔" وہ سموسوں سے انصاف کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں تمہارے رد عمل پر۔" اس کی حیرت قابل دید تھی۔

"آج کی حیرت انگیز نیوز ایک لڑکے نے تمہیں پرپوز کیا اور تم جواب میں مسکرا رہی ہو حالانکہ تمہیں پیار محبت، بوائے فرینڈ اور اس جیسی ساری باتیں کتنی آکورڈ لگتی تھیں۔"

"مجھے اب بھی یہ باتیں آکورڈ ہی لگتی ہیں مگر اس نے کوئی اظہار محبت نہیں کیا نہ دوستی کی آفر نہ کسی ڈیٹ ویٹ کا ذکر اس نے تو مہذب طریقے سے مجھے پرپوز کیا ہے اور کچھ نہیں۔"

"اور تم نے کیا کیا۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"میں نے کہا ان معاملات کا مکمل اختیار میرے بابا جان کے پاس ہے لہٰذا وہ ان سے رجوع کرے۔"

"دھت تیرے کی۔" ندا اس جواب پر اچھا خاصا بدمزا ہوئی۔

"یار مجھے تو وہ بالکل تمہارا ہم مزاج در حقیقت میں خشک مزاج لگتا ہے سو پلیز تم یہ چانس مس مت کرنا ویسے میری شدید خواہش ہو گی کہ میں تم دونوں کو رومانس کرتا ہوا دیکھوں اپنی شادی میں مجھے ضرور انوائٹ کرنا۔" وہ اس سے زیادہ پرجوش ہو رہی تھی ایمل نے ہنستے ہوئے سر جھٹک دیا۔

☼ ☼ ☼

"کیا کیا باتیں ہوئیں۔" اپنے گروپ میں جاتے ہی تینوں نے اسے گھیر لیا تھا۔

"میں نے اسے پرپوز کیا ہے۔" وہ کولڈ ڈرنک کا ٹن کھولتے ہوئے مزے سے بولا۔

"تب تو اس نے انکار کیا ہو گا۔" خرم کو جانے کیوں لیکن اب بھی اپنے اندازوں کی درستگی پر مکمل اعتبار تھا یا پھر کم از کم وہ ایمل جیسی لڑکی سے یہ سب ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا مگر فرحان نے جال بھی تو ایسا پھینکا تھا جو دکھائی نہیں دیتا مگر اپنے دام میں الجھا لیتا ہے۔

"مجھے کوئی لڑکی ریجیکٹ نہیں کر سکتی۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

"تو کیا اس نے ہاں کر دی۔" وہ اب بھی بے یقین سا تھا۔

"مگر نہ بھی نہیں کی۔" اس نے خرم کے بال بکھیرے۔

"مان لیا تمہیں اب پلیز اس لڑکی کا پیچھا چھوڑ دو وہ ایک اچھی لڑکی ہے اس کے ساتھ کچھ برا مت کرنا۔" خرم کو اپنے کیے دعوے پر افسوس ہو رہا تھا اور ساتھ اسے ایمل کی فکر بھی ہو رہی تھی۔

"سنبھالو اسے یہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو رہا ہے۔" عمیر کو اشارہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور چلا گیا۔

"اتنی محنت کی ہے اس لڑکی پر اب تو حق بنتا ہے میرا۔" وہ مسرور سا کچھ سوچتے ہوئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات بھر وہ ٹھیک سے سو نہیں پائی تھی۔ فجر سے کچھ دیر قبل تھک ہار کر چارپائی چھوڑ کر باہر نکل آئی باہر تاروں بھرا آسمان بے حد روشن اور پرنور سا لگ رہا تھا موسم بدل چکا تھا ٹھنڈی خوشگوار ہوا کے سبک جھونکے وجود کو تراوٹ بخش رہے تھے اور ساری فضا "اللہ اکبر" کی صدا سے گونج رہی تھی۔

"ایمل نماز ادا کر لو۔" مسجد جانے سے قبل بابا جان نے حسب معمول آواز دی لیکن وہ پلر سے ٹیک لگائے اجلی، شفاف اور معطر سی طلوع سحر کو دیکھ رہی تھی فرحان کو دیکھ کر بھی اسے ایسی ہی دلکش صبح کا گمان ہوتا تھا۔

اس نے کبھی آئیڈیل نہیں تراشے تھے لیکن فرحان کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اگر اس نے اس پہلو پر کبھی سوچا ہوتا تو وہ ضرور ایسا ہی خاکہ تراشتی۔

"تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو۔" وہ جانے کب واپس لوٹے تھے ایمل نے ان کے حیرت بھرے استفسار پر پہلے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر صحن میں پھیلے ملگجے سے اجالے کو نماز کا وقت ابھی باقی تھا۔

"او سوری مجھے خیال نہیں رہا۔" وہ معذرت کرتی واش روم کی جانب دوڑی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کا چہرہ تصور میں ابھر آیا تھا۔

گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ لبوں کو چھو گئی۔ آج یونیورسٹی کی چونکہ چھٹی تھی سو ناشتے اور گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر اس نے بابا جان کے کمرے میں جھانکا وہ کوئی اسلامی کتاب کا مطالعہ کرنے میں مشغول تھے۔ وہ دیکھ کر واپس چلی آئی بات کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی آج اسے اپنی ماں کی یاد بہت آ رہی تھی اگر وہ ہوتیں تو ان کی گود میں سر رکھ کر مزے سے دل کی بات بتا دیتی۔

"ایمل تم بھی چلو نا ہمارے ساتھ اتنا مزا آئے گا۔" گوشی بارہا اصرار کر چکی تھی اب بھی پیکنگ چھوڑ کر اس کے پاس چلی آئی اس کی خالہ زاد ثوبیہ کی شادی تھی اور تین روز کے لیے سب جہلم جا رہے تھے۔

"بابا جان کو گھر اکیلے تو نہیں چھوڑ سکتے۔" وہ کیاری سے املتاس کے پتے نوچتے ہوئے بولی ویسے بھی بابا جان نے پہلے ہی اسے جانے سے منع کر دیا تھا۔

ان کے گھر میں گوشی کے ماموں بھی رہتے تھے عمر بتیس کے قریب ہو گی واجبی سی شکل و صورت تھی آج کل کسی فیکٹری میں رنگ و روغن کا کام کر رہے تھے اپنا گھر نہیں تھا اس لیے ابھی تک شادی نہیں ہو پا رہی تھی اور انہوں نے جیسے ہر لڑکی کو گھورنا اپنا فرض خیال کر لیا تھا پھر ان کے گھر کا کھلا ڈھلا ماحول وہ خود بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ بابا جان کس وجہ سے منع کر رہے ہیں۔ گوشی منہ پھلا کر اٹھ گئی ایمل نے تائی اماں کے سارے سوٹ استری کر کے سلیقے سے بیگ میں رکھے اور سب کو رخصت کرنے کے بعد دروازہ لاک کر کے واپس آئی تو ایک بار پھر قدم بابا جان کے کمرے کی سمت اٹھ گئے۔

ماں تو اس کے بچپن میں ہی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں فوت ہو گئی تھی تب سے بابا جان ہی اس کے لیے سب کچھ تھے وہ اپنی ساری باتیں ان کے ساتھ شیئر کیا کرتی تھی اور اب اتنی بڑی بات بھلا کیسے چھپا سکتی تھی۔

"ایمل اندر آؤ۔" دروازے میں لہراتا آنچل انہوں نے پہلے بھی دیکھا تھا کتاب سائیڈ پر رکھنے کے بعد وہ سیدھے ہو بیٹھے ایمل کشمکش کا شکار چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ان کے قریب پلنگ کے کونے پر آ کر ٹک گئی تھی۔

"کیا بات ہے۔" انہوں نے نرمی سے پوچھا۔

"مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے بات کا آغاز کیا اور پھر تمام تر تفصیل ان کے گوش گزار کر دی پوری بات سننے کے بعد وہ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

فرحان انہیں بھی بہت پسند تھا اور اپنی فیملی کے متعلق اس نے یہی بتایا تھا کہ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے اور وہ بیرون ملک مقیم ہیں اور وہ اپنا بھی بزنس پاکستان میں کرنے کا ارادہ رکھتا تھا انہیں اپنی بیٹی کے لیے ایسے ہی نوجوان کی تلاش تھی۔

☼ ☼ ☼

آج اس نے لنچ میں بریانی اور گاجر کا حلوہ بنایا تھا۔ بابا جان صبح خصوصی طور پر فرمائش کر کے گئے تھے۔

لہ کر گئے تھے کہ کھانا واپس آکر اس کے ساتھ ہی کھائیں گے وہ کب سے منتظر بیٹھی تھی لیکن ان کی آمد کے آثار ہی نظر نہیں آرہے تھے وہ دو بار دروازے میں جا کر گلی میں جھانک چکی تھی اب بھی تھک ہار کر اٹھی تو دروازہ بجنے لگا دستک کا انداز بتا رہا تھا کہ بابا جان ہی ہیں اس نے بھاگ کر ایک پٹ وا کیا لیکن سامنے جو چہرہ نمودار ہوا وہ بابا جان کا نہیں فرحان کا تھا ایمل کو وہ بے حد بوکھلایا ہوا سا لگا۔

"خیریت۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"آپ کے بابا جان کی طبیعت اچھی نہیں ہے وہ اس وقت اسپتال میں ایڈمٹ ہیں آپ فوراً" میرے ساتھ چلیں۔" اس کے انداز میں عجلت تھی ایمل کے لب کچھ کہنے کی کوشش میں محض کانپ کر رہ گئے وہ بھاگ کر بڑی چادر اٹھا لائی تھی جلدی سے گھر لاکڈ کیا اور اس کے ساتھ گاڑی میں آن بیٹھی۔

"کیا ہوا بابا کو صبح تو بالکل ٹھیک گھر سے نکلے تھے۔"

"بس سے اترتے ہوئے اچانک ہارٹ اٹیک ہوا ہے وہ تو میں اچانک وہاں سے گزر رہا تھا تو۔۔۔" اس کی ہچکیوں میں مزید اضافہ ہوا تھا فرحان نے بات ادھوری چھوڑ کر ٹشو باکس اس کی سمت بڑھایا۔

ایمرجنسی وارڈ کے باہر وہ پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل ٹہلتے ہوئے دعائیں مانگ رہی تھی مشینوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے فرحان کا سہارا غنیمت تھا ورنہ وہ تو کب کی ہمت ہار چکی تھی۔

مزید ایک گھنٹے کے جان گسل انتظار کے بعد جب ان کی حالت کچھ سنبھلی تو انہوں نے فرحان سے ملنے کی خواہش کی تھی وہ اٹھ کر چلا گیا بند کمرے میں کیا باتیں ہوئیں وہ یکسر لاعلم تھی۔

"ایمل آپ مل لیں اب سر سے۔" پندرہ منٹ بعد وہ باہر آیا اور اسے سرعت سے کہتے ہوئے خود فون پر مصروف ہو چکا تھا۔ ایمل اپنی آنسوؤں بھری آنکھیں صاف کرتے ہوئے اندر آگئی تھی۔

"خیال رکھیے گا یہ زیادہ بات نہ کریں۔" قریب کھڑی نرس ریٹنگ اسکیل سے کچھ درج کرنے کے بعد اسے ہدایت کرتی باہر نکل گئی اور بابا جان نے اس سے جو کہا وہ سننے کے بعد وہ بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔

"بابا جان آپ کا حکم سر آنکھوں پہ لیکن اتنی جلدی بھی کیا ہے آپ۔۔۔"

"بس میری یہی خواہش ہے تم زیادہ سوال نہ کرو۔ فرحان جلد اپنے والدین کو یہاں بلا لے گا۔" وہ ضدی پن سے بولے تو ایمل بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی ان کی نظریں دروازے پر جمی تھیں جہاں سے کچھ دیر بعد فرحان اپنے دو دوستوں اور مولوی صاحب کے ساتھ اندر آیا تھا۔ چند لمحوں کی بات تھی اور اس کا حوالہ بدل گیا وہ ایمل فاروق احمد سے ایمل فرحان علی بن چکی تھی۔

"فرحان، ایمل کو گھر چھوڑ آؤ صبح سے کچھ کھایا نہیں ہوگا۔" وہ مولوی صاحب اور اپنے دوستوں کو رخصت کر کے اندر آیا تو بابا جان نے نیا کام سونپا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ مزید ان سے لپٹ گئی۔

"میں ٹھیک ہوں بیٹا اور تم ساری رات یہاں بیٹھ کر کیا کرو گی فرحان ہے میرے پاس تم صبح آجانا۔" وہ پیار سے چمکارتے ہوئے بولے تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"

"ایمل ضد نہ کرو۔" اتنا سا بولنے پر ہی ان کا سانس پھول گیا تھا ان کی طبیعت کے پیش نظر وہ فوراً" اٹھ گئی تھی اسے پتا تھا اب وہ اسے گھر بھجوا کر ہی دم لیں گے دروازے کے قریب جا کر اس نے پلٹ کر دیکھا چند گھنٹوں میں ہی کس قدر کمزور اور نڈھال دکھنے لگے تھے۔ وہ ایک بار پھر واپس پلٹ آئی۔

"بابا اب درد تو نہیں ہو رہا۔" اسے جانے کیا وہم ہو گیا تھا انہوں نے نفی میں سر ہلا کر آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

راستہ بھر دونوں کے مابین خاموشی کا طویل وقفہ حائل رہا تھا جس وقت وہ گھر پہنچے رات کے دس بج چکے تھے دکانیں بند ہو چکی تھیں اور پوری گلی میں جیسے ہو کا عالم تھا اس نے گھر آکر لائٹس جلائیں فرحان بھی اس کے ساتھ تھا۔

"آپ بیٹھ جائیں۔" اسے کھڑا دیکھ کر ایمل نے کرسی فراہم کی وہ از حد ممنون ہو کر بیٹھ گیا۔

"کھانا کھائیں گے۔"

"نہیں بس چائے۔" وہ کہہ کر اپنی کنپٹیاں دبانے لگا۔ ایمل نے تھوڑے سے چاول کھائے تھے پھر دو کپ چائے بنا کر برآمدے میں چلی آئی۔ فرحان کی نظریں اس کی جانب اٹھیں اور پھر گویا پلٹنا بھول گئیں۔ چادر میں چھپے وجود کی کشش اسے اپنی سمت متوجہ کرنے کو کافی تھی کچھ موسم کی رعنائیوں کا اثر تھا اور کچھ قربت بھرے لمحوں کا سحر اس کے جذبات پل میں بہک اٹھے تھے وہ جانتا تھا گھر میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں۔" وہ اس کی نظروں سے گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی اپنے اور گوشی کے مشترکہ کمرے میں آنے کے بعد اس نے بے ساختہ زور زور سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا اور الماری کے دونوں پٹ وا کیے گم صم کھڑی یہی سوچنے میں مگن تھی کہ ان موصوف سے کیسے کہے کہ اب تم جاؤ۔

"بڑی اماں کو بلا لیتی ہوں۔" سادہ سا جامنی رنگ کا سوٹ نکالنے کے بعد وہ جونہی پلٹی تو بے ساختہ فرحان سے ٹکرا گئی وہ جانے کب اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا تھا۔

"آپ۔" اس پر بوکھلاہٹیں سوار ہونے لگی تھیں۔ فرحان نے دو قدم کا فاصلہ عبور کرتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"میں اس وقت خود کو بہت خوش قسمت انسان تصور کر رہا ہوں کہ جیسا میں نے چاہا ویسا ہی ہو گیا حالات میرے لیے اتنے سازگار ہو جائیں گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" مدھم سرگوشیوں میں بولتا وہ جونہی اس کے قریب ہوا لائٹ چلی گئی ہر سو اندھیرا چھا گیا اور وہ اس کے مضبوط حصار میں کسی زخمی پرندے کی مانند محض پھڑپھڑا کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یخنی تیار کرنے کے بعد وہ بابا جان کے لیے ساگودانہ بنا رہی تھی جب ایمبولینس کے مخصوص ہارن کی آواز پر اس کا پورا وجود لرزنے لگا وہ سب وہیں چھوڑ کر ننگے پاؤں سرپٹ دوڑی آواز گلی کے کارنر پر آکے رک گئی تھی۔

"امام صاحب کا انتقال ہو گیا ہے۔" کسی محلے دار نے افسردگی سے کہا وہ بمشکل اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ پائی ایمبولینس کا دروازہ کھلا اور چار آدمی ان کا جسد خاکی لا کر صحن میں چھوڑ گئے تھے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ساری کارروائیاں دیکھتی رہی تھی ان کا پرنور ساکت چہرہ نظروں کے سامنے تھا اور وہ خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ جھوٹ ہے نظروں کا دھوکہ شاید وہ عالم خواب میں تھی اور کوشش کر رہی تھی کہ کاش نیند سے جاگ جائے ایسا بھیانک خواب جو دل کی رگیں کاٹ رہا تھا وہ آنکھ کھلنے کے انتظار میں تھی تائی اماں کے بین حرا اور گوشی کی چیخ و پکار اسے خود فریبی میں مبتلا ہونے نہیں دیتے تھے۔ کتنے روز گزر چکے تھے مگر دل ابھی بھی نہیں بہلتا تھا ہر روز صبح اٹھ کر وہ

ان کی آواز کا انتظار کرتی تھی لیکن اب مسجد جانے سے قبل کوئی اسے جگانے نہیں آتا تھا روز دو کپ چائے بنا کر بے خیالی میں ان کے کمرے میں چلی آتی پھر احساس ہوتا ان کا کمرہ تو خالی ہو چکا ہے یونیورسٹی سے واپسی پر کوئی اس کا دروازے میں کھڑے ہو کر انتظار نہیں کرتا تھا چند ہی دنوں میں دنیا کتنی بے رنگ اور خالی سی ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

لایعنی سوچوں نے تھکا ڈالا تو وہ اٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی آج بہت دنوں بعد یونیورسٹی گئی تھی ندا کو سب جان کر بے حد افسوس ہوا تھا فرحان کے ایگزیم ہو چکے تھے سو وہ یونیورسٹی نہیں آ رہا تھا اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ اسے بتائے بغیر بیرون ملک چلا گیا تھا اس رات کے بعد سے پھر اس نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا وہ مختلف وہم اور خدشات کا شکار ہو رہی تھی۔

"بابا جان کو کیا پریشانی تھی جو یوں اچانک انہوں نے میرا نکاح کروا دیا شاید انہیں یقین ہو چکا تھا کہ زندگی کی نقدی ختم ہو چکی ہے اور فرحان تو جیسے پہلے سے ہی تیار بیٹھا تھا اور اب اس کی غیر موجودگی....." وہ خود ہی سارے حالات کا تجزیہ کیے جا رہی تھی جب اس رات کا منظر آنکھوں میں لہرایا تو لبوں پر قفل لگ گئے۔ باہر تائی اماں حرا کے بالوں میں تیل کی مالش کر رہی تھیں۔

"ایمل کے بال دیکھو کتنے گھنے اور ریشمی ہیں اور تم نے کیا حشر بنا رکھا ہے۔"

"اماں تمہیں تو بس ایمل بڑی اچھی لگتی ہے ہم سے زیادہ تو اس سے پیار کرتی ہو ہر بات میں اس کی طرف داری۔" ایمل کی تعریف پر وہ سرتاپا سلگ اٹھی تھی۔

"میں اس کی طرف داری نہیں کر رہی بس یہ چاہتی ہوں کہ جتنی وہ سگھڑ، سلیقہ شعار اور فرماں بردار ہے تم دونوں بھی ویسی بن جاؤ۔" تائی اماں کے ڈپٹنے پر گوشی خوب تمسخرانہ ہنسی تھی۔

"ہونہہ فرماں بردار۔"

"جس روز آپ کے بھائی سے شادی پر رضامند ہو گی اس دن گنوائیے گا مجھے اس کی ساری خصوصیات۔" دور کھڑی ایمل کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

"چپ کر تو کم بخت ابھی بھائی صاحب کو گئے ڈیڑھ مہینہ بھی نہیں ہوا اور میں گھر میں شہنائیاں بجوانے بیٹھ جاؤں۔" وہ غصے سے بولیں۔

"لیکن امی ایمل کا اور ماموں کا کیا جوڑ بنتا ہے۔" حرا نے نیا اعتراض اٹھایا۔

"جوڑ کیسے نہیں بنتا وہ بے گھر یہ بے سائبان دونوں ایک دوسرے کا سہارا بن جائیں گے اور پھر کیا کمی ہے میرے بھائی میں۔" آخری جملہ شاید انہوں نے اپنے دل کی تسلی کے لیے بولا تھا۔

بابا کا آبائی گھر جو کہ گاؤں میں تھا وہ ایمل کے نام کر چکے تھے اور وہ چاہ رہی تھیں ایمل سے شادی کے بعد وہ گھر ان کے بھائی کو مل جائے اس رشتے کا ذکر وہ فاروق احمد صاحب سے بھی کر چکی تھیں یہی بات ان کے لیے پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی دبے لفظوں میں انہوں نے انکار تو کر دیا تھا لیکن وہ چاہ رہے تھے کہ ایمل کی جلد ہی کسی اچھی جگہ پر شادی کر دیں اپنے آخری وقت میں بھی انہیں ایمل کی فکر تھی اور اپنی جانب سے وہ اسے محفوظ ہاتھوں میں سونپ کر گئے تھے انہیں یقین تھا کہ اگر ایمل کا نکاح نہ ہوا تو ان کی بھاوج فرحان کے رشتے سے انکار کر کے اس کی شادی اپنے بھائی سے کر دیں گی۔ ایمل کو تائی اماں کا بدلتا ہوا رویہ اور بابا جان کی پریشانی سب کچھ یاد آ رہا تھا۔

"تو یہ تھی اصل وجہ مجھے انہیں بتانا ہو گا کہ بابا جان میرا نکاح کر چکے ہیں۔" کھڑکی سے ہٹتے ہی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سے چھاتا محسوس ہوا تھا دیوار کا سہارا لے کر وہ بے ساختہ فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ دس منٹ بعد کہیں جا کر حواس سنبھلے تو ابکائی آنے لگی وہ اٹھ کر واش بیسن کی سمت لپکی تھی تائی اماں نے ٹھٹکتے ہوئے اسے دیکھا وہ جہاندیدہ خاتون تھیں لاکھ

ذہن کو جھٹلا رہی تھیں لیکن ایک وہم اندر کہیں جڑ پکڑتا جا رہا تھا وہ چند دنوں سے ایمل کی یہی حالت دیکھ رہی تھیں۔

"ایمل چلو میں تمہیں ڈاکٹر کو دکھا لاؤں۔"

"جی میں عبایا پہن کر آتی ہوں۔" اسے خود بھی اپنی طبیعت عجیب سی محسوس ہو رہی تھی چکر، کمزوری، کچاپن روز بروز بدلتی کیفیات کا شکار تھی۔ سڑک سے آ کر انہوں نے رکشہ لیا محلے کے ڈاکٹر کے بجائے وہ اسے شہر والے کلینک لے کر آئی تھیں اور رپورٹس آنے پر ان کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی ایمل کے لیے ان سے نظریں ملانا مشکل ہو گیا تھا۔

"ایمل یہ سب کیا ہے میں اپنی بیٹیوں کو ہر بات میں تمہاری مثالیں دیا کرتی تھی اور تم نے باپ کے قبر میں اترتے ہی اس کے اونچے شملے کو مٹی میں رول دیا دو کوڑی کی نہیں چھوڑی ہماری عزت جانتی ہو یہ بات ان دیواروں سے باہر نکلے گی تو کیا ہو گا۔" آنکھوں میں خوف اور وحشت لیے وہ اس سے پوچھ رہی تھیں گوشی اور حرا بھی حیرت زدہ سی دروازے میں آن کھڑی ہوئیں۔

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا بابا جان نے خود میرا نکاح کیا تھا۔" وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے دلگرفتی سے بولی۔ پہلے بابا جان کی دائمی جدائی کا غم پھر فرحان کی یوں اچانک گمشدگی نے اسے نڈھال کر رکھا تھا وہ تو یہی طے کیے بیٹھی تھی کہ فرحان سے بات کرنے کے بعد وہ اس سے کہے گی کہ اپنے پیرنٹس کو بھجواؤ مگر اس کا تو کچھ پتا نہیں چل رہا تھا اور اب اسے کیسی کیسی الزام تراشیاں برداشت کرنی پڑ رہی تھیں۔

"تم ہوش میں تو ہو۔" تائی اماں نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں بابا جان نے اس آخری رات میں میرا نکاح فرحان سے پڑھوایا تھا۔"

"فرحان کون ہے۔"

"میرے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔"

"بھائی صاحب کیسے جانتے تھے اسے۔" وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں ایمل نے تمام تفصیل بتا دی اور سب سننے کے بعد وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ پھر کچھ دیر بعد بولیں۔

"اس لڑکے کو ابھی اور اسی وقت یہاں بلواؤ۔"

"میرے پاس اس کا کوئی کانٹیکٹ نمبر نہیں ہے وہ ملک سے باہر چلا گیا ہے۔"

"کوئی ثبوت کوئی گواہ، نکاح نامہ کچھ تو ہو گا تمہارے پاس۔"

"میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ مایوسی سے بولی تو اب کی بار انہیں پہلی بار ایمل پر اس قدر طیش آیا کہ انہوں نے بنا کسی لحاظ کے اس کے منہ پر دو تین تھپڑ کھینچ مارے۔

"تم نے کیا بے وقوف سمجھ رکھا ہے نکل جاؤ یہاں سے اور اپنے اس یار کو لیے بغیر اس گھر میں دوبارہ قدم نہ رکھنا۔" دھکے دے دے کر وہ اسے کمرے سے نکال رہی تھیں۔

"امی پلیز یہ کیا کر رہی ہیں۔" گوشی اور حرا نے بمشکل ایمل کو ان کی گرفت سے چھڑوایا تھا۔

☼ ☼ ☼

تمام رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی اپنے ہی پیاروں کی آنکھوں میں اپنے لیے بے اعتباری ..... دیکھنا کس قدر اذیت ناک تھا اس نے جھٹکے سے اپنے آنسو صاف کیے اور اٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی باہر تاروں بھرا آسمان جھلمل جھلمل کر رہا تھا چاندنی یوں پھیل رہی تھی جیسے کسی نے زمین سے لے کر آسمان تک نور کی چادر تان دی ہو پھر اس کے نصیب میں سیاہ راتیں کیوں لکھ دی گئی تھیں۔ وہ تھک کر فرحان کو سوچنے لگی اسے اب اس کی فکر ہونے لگی تھی وہ جانے کہاں تھا کس حال میں تھا جو پلٹ کر اس سے کوئی رابطہ نہیں کر پایا تھا۔

" اسے ڈھونڈنا چاہیے وہی ہے جو مجھے زمانے کے سامنے رسوا ہونے سے بچا سکتا ہے جو میری جانب اٹھی ان ملامت بھری نظروں کو جھکا سکتا ہے۔ جو میرا

کھویا ہوا غرور میرا مان مجھے لوٹا سکتا ہے۔" نماز کے بعد بڑے دل سے اس نے دعا مانگی تھی کہ فرحان اسے مل جائے۔

وہ تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو حرا اور گوشی کچن میں مصروف تھیں تائی اماں کی رات سے طبیعت خراب تھی آخر ان کی بھی دو بیٹیاں تھیں اگر یہ بدنامی ان کے گلے پڑ جاتی تو ان کی بچیوں کا مستقبل بھی داؤ پر لگ جاتا۔

"ایمل ناشتا کر لو۔" گوشی نے پیچھے سے آواز دی مگر وہ ان سنی کرتے ہوئے مرکزی دروازہ عبور کر گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ایمل تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ندا نے اس کے پژمردہ سے چہرے کی جانب تشویش بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تو وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔

"تمہارے پاس فرحان کا ایڈریس یا پھر کوئی کانٹیکٹ نمبر وغیرہ ہے۔"

"اس نے تم سے رابطہ نہیں کیا۔" ندا نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں ایمل نے خاموشی سے نفی میں سر ہلا دیا اور پھر تمام تر حالات اس کے سامنے رکھ دیے۔

"او مائی گاڈ۔" اس نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"اچھا تم یہاں بیٹھو میں رخسار سے معلوم کر کے آتی ہوں اسے تو پتا ہو گا ورنہ یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس ریکارڈ سے نکلوالیں گے یہ بڑا مسئلہ نہیں ہے۔" وہ تسلی آمیز انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اٹھی اور سیڑھیاں اتر کر دائیں سمت راہداری میں مڑ گئی ایمل باغیچے میں لگے پھولوں کو دیکھنے لگی پت جھڑ نے ان کا سارا حسن چھین لیا تھا۔

"ایڈریس مل گیا ہے۔" ندا نے وہ پرچی اس کی سمت بڑھائی جو وہ رخسار سے لے کر آئی تھی ایمل نے ہاتھ بڑھا کر دیکھے بغیر اسے مٹھی میں بھینچ لیا تھا۔

"چلو پہلے کچھ کھالیں پھر ڈرائیور آجائے تو اس کے ساتھ چلیں گے۔" ایمل نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ گئی کل رات سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا اور اب تو بھوک سے چکر آنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

گاڑی سے اتر کر وہ ایک بنگلے کے باہر کھڑی تھیں نیم پلیٹ پر "فاروق ہاؤس" جلی حروف میں لکھا جگمگا رہا تھا۔

"ہم کہیں غلط ایڈریس پر تو نہیں آگئے۔" ایمل نے توصیفی نظروں سے اس شیش محل کو دیکھتے ہوئے ندا سے سرگوشی میں پوچھا فرحان معاشی لحاظ سے اتنا اسٹرونگ ہو گا اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"نہیں یار۔" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھی تو گیٹ کیپر اٹھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"بی بی آپ کو کس سے ملنا ہے۔"

"فرحان نہیں رہتا ہے۔" ایمل کو گویا تصدیق کی حاجت اب بھی تھی۔

"فرحان بابا جی وہ ادھر ہی رہتا ہے مگر اس وقت گھر میں نہیں ہے۔"

"دراصل آج بابا کی منگنی ہے نا تو سب ہوٹل میں گئے ہیں۔" پان سے رنگے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے اس نے اتنے پرجوش انداز میں بتایا تھا جیسے صاحب کی بجائے خود اس کا ولیمہ ہو۔

"منگنی۔" ایمل کو لگا جیسے گلبرگ کی ساری عمارتیں اس کے سر پر آن گری ہوں اس کی سانسوں میں گھٹن اتر آئی وجود جیسے آندھیوں کی زد میں تھا اور دل میں جو قیامت برپا تھی اس کا کوئی شمار نہیں تھا۔

"چلو یہاں سے۔" ساکت کھڑی ندا نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"نہیں میں اس سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر گیٹ کے باہر بائیں جانب رکھے سنگی بنچ پر جا بیٹھی۔

"اب یہاں رک کر کیا کرو گی۔" ندا نے نرمی سے

سمجھایا۔

"کچھ حادثے ایسے ہوتے ہیں جو اگر ہماری آنکھوں کے سامنے رونما نہ ہوں تو ہمیں ان کی حقیقت کا انکار رہتا ہے ہم خود فریبی کا شکار ہو جاتے ہیں اور میں بے یقین رہنا نہیں چاہتی۔"

"پھر یہاں ویٹ کرنے کا کیا فائدہ چلو ہوٹل چلتے ہیں۔" تقریباً" آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ آواری کے باہر کھڑی تھیں۔

تقریب کا اہتمام گراؤنڈ فلور میں تھا رنگ برنگے آنچل نقرئی قہقہے مہمانوں کی چہل پہل اور ان سب کے بیچ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس پہلو میں ایک پرکشش حسینہ کو لیے کھڑا وہ کوئی اور نہیں فرحان ہی تھا۔

"میں اس وقت خود کو بہت خوش قسمت انسان تصور کر رہا ہوں کہ جیسا میں نے چاہا ویسا ہی ہو گیا حالات میرے لیے اتنے سازگار ہو جائیں گے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اس کے دماغ میں سائیں سائیں ہونے لگی اس نے کس خوش قسمتی کی بات کی تھی اور وہ کون سے حالات تھے جو اس رات اس کے لیے سازگار ہو چکے تھے اس کا اندازہ اسے اگلے چند لمحوں میں ہو چکا تھا۔

"تم یہاں۔" وہ اسے دیکھ کر ذرا بھی نہ چونکا تھا۔

"ہو از شی؟" اس کے ساتھ کھڑی لڑکی نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے قدرے ناگواری سے استفسار کیا جواب میں فرحان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"یہ وہی ہے جس سے کبھی کبھار تم جیلس ہو جاتی ہو۔"

"اگر اسے دیکھ چکی ہوتی تو کبھی اتنا ہنگامہ برپا نہ کرتی بٹ آئی ایم رئیلی سرپرائز کہ تمہارا ٹیسٹ اتنا معمولی بھی ہو سکتا ہے۔" اسے سرتاپا گھورتے ہوئے اس لڑکی نے جس انداز میں کہا تھا ایمل کے پورے وجود میں چیونٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔

"او نہہ میرا ٹیسٹ نہیں تھی یہ تو ایک چیلنج تھا۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"فیضان عمیر خرم یہاں آؤ۔" اس نے پلٹ کر اپنے دوستوں کو آواز دی تو تینوں ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نظروں سے دیکھتے اس کے قریب چلے آئے۔

"دیکھو یہ آج میرے پیچھے مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں تک چلی آئی ہے بنا ڈالا میں نے اس نام نہاد شریف لڑکی کو اپنا دیوانہ اب یہ میرے سامنے گڑگڑائے گی ہاتھ جوڑ کر مجھ سے میری محبت کی بھیک۔" گال پر پڑنے والے زناٹے دار تھپڑ کی بدولت اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی آس پاس کھڑے لوگ بھی اس جانب متوجہ ہو چکے تھے ہر کوئی دم بخود سا تھا۔

"یہ تھپڑ تمہیں ہمیشہ میری نظروں میں تمہاری اوقات یاد دلاتا رہے گا۔" لفظوں کو چبا چبا کر کہتی وہ ندا کا ہاتھ تھام کر باہر نکل آئی تھی پیچھے ہر سو جیسے سناٹا چھا گیا تھا بس ایک تھپڑ کی گونج تھی جو پورے ہال میں چکراتی پھر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کتنا شرمندہ کروایا ہے تم نے ہمیں سب کے سامنے میری تو نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں لوگوں کے سوالوں کا جواب دیتے دیتے تھک چکی ہوں۔" آئمہ بیگم غصے سے بل کھاتی اس پر برس رہی تھیں جو خود تو واپس چلا آیا تھا اور انہیں سب کو فیس کرنے کے لیے وہاں چھوڑ دیا تھا۔

"کون تھی وہ لڑکی۔" فاروق صاحب نے کافی تحمل سے دریافت کیا۔

"آپ لوگ پلیز مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں۔" وہ بے زاری سے بولا۔

"تمہارے بابا تم سے کچھ پوچھ رہے ہیں۔" اس کا انداز انہیں مزید سلگا گیا تھا۔

"مما پلیز مجھے نہیں پتہ کہ کون تھی وہ۔" اس کا دماغ اس قدر ماؤف ہو رہا تھا کہ بروقت کوئی بہانہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا اور مما اب باقاعدہ جرح پر اتر آئی

تھیں تنگ آکر اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے پاس اب ایک ہی راستہ ہے ایمل کہ تم ابارشن کروالو پھر ہم تمہارا نکاح زاہد سے کردیں گے۔" کمرے میں موت کا سا سناٹا طاری تھا جسے نانی اماں کی آواز نے جب توڑا تو گویا قیامت ہی آگئی۔

"میں نکاح پر نکاح کیسے کرسکتی ہوں۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"تو پھر ایک احسان کرو ہم پر یہ گھر یہ محلہ چھوڑ کر یہاں سے کہیں دور چلی جاؤ ورنہ تمہارے گناہوں کی کالک ہم سب کی زندگیاں سیاہ کردے گی۔" انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کچھ اتنی نفرت سے کہا تھا کہ ایمل کے پورے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"ہم کہہ دیں گے محلے والوں سے کہ تم اپنے ننھیال چلی گئی ہو چند روز لوگ باتیں بنائیں گے لیکن کچھ تو پردہ رہ جائے گا۔" وہ تو گویا سب طے کیے بیٹھی تھیں ایمل کی ٹانگوں نے اس کا وزن سہارنے سے انکار کردیا تھا مگر وہ پھر بھی اٹھی تھی اور اپنی زندہ لاش کو گھسیٹتے ہوئے مرکزی دروازہ پار کر گئی تھی۔ اپنے بابا کی عزت و ناموس کی حفاظت اسے بھی بہت عزیز تھی اتنی عزیز کہ اس نے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ جیت کر بھی ہار چکا تھا اور یہی ہار اسے تلملا رہی تھی اسے تو عمیر' فیضان اور خرم کا سامنا کرنا بھی دشوار لگ رہا تھا جانے اب سب نے مل کر اس کا کتنا ریکارڈ لگانا تھا اس خوف سے اس نے سب سے ملنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

وہ اپنی ساری بیرونی سرگرمیاں ترک کرتے ہوئے باقاعدگی سے آفس جانے لگا تھا فاروق صاحب اس کی روٹین لائف سے مطمئن اور آئمہ بیگم سرشار سی تھیں اس پر جو غصہ تھا وہ اس کے مثبت رویے پر رفتہ رفتہ خود ہی زائل ہوچکا تھا۔ مگر اس کے اندر جو خلش تھی وہ روز بروز بڑھتی جارہی تھی جانے کیسا احساس تھا جو مکمل طور پر اپنے حصار میں جکڑ چکا تھا وہ پلکیں موندتا تو وہ وحشت بھری آنکھیں اس کے تصور میں ابھر آتیں تو وہ بے چین سا ہو کر رات بھر جاگا کرتا تھا ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد اس کی آنکھیں مختلف مناظر میں اسے کھوجنے لگتی تھیں شاید یہ دن رات اسے سوچنے کا کمال تھا کہ اب وہ اس کے تصور میں بس چکی تھی اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کیا کہ اب جو عادت ہوچکی ہے وہ آہستہ آہستہ ہی ختم ہوگی۔

لاؤنج کی سیڑھیاں اتر کر لان میں آیا تو شازمین گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتے ہوئے دکھائی دی - ریشمی بال شانوں پر بکھرے دیکھ کر ایک بھولا ہوا منظر نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت اس کے تصور میں ابھر آیا اس کی کمر سے نیچے تک بکھرے گھنے ریشمی بال کتنے خوبصورت تھے جیسے سمندر میں چلتی مدھم مدھم لہریں جیسے افق پر چھائی کالی گھٹا یا پھر دھیرے دھیرے بہتی آبشار۔۔۔۔

"کہاں کھو گئے۔" شازمین نے اسے گم سم دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"تمہارے بال بہت خوبصورت ہیں لیکن اگر لمبے ہوتے تو اور اچھے لگتے۔" بے ساختہ ہی جانے کیوں اور کیسے اس کے لبوں سے پھسل گیا تھا۔

"اچھا آج مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے اور تم ابھی چلو میرے ساتھ۔" گیلے بالوں کو جھٹکتے ہوئے وہ اس کا ہاتھ تھام کر پورچ کی جانب بڑھی تو فرحان رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہارا لباس روز بروز کچھ زیادہ ہی ویسٹرن ہوتا جارہا ہے۔" اس کا اشارہ شازمین کی جینز اور کھلے گریبان والی سلیو لیس شرٹ کی جانب تھا پہلے وہ کبھی اسکارف اوڑھ لیتی تھی لیکن آج لمبا سا مفلر گردن سے گھما کر لٹکا رکھا تھا جو اس کی زینت چھپانے کو ناکافی تھا اور فرحان کو بہت ناگوار بھی گزر رہا تھا۔

"ہاں تو میں ہوں تو ویسٹرن ہی۔" اس نے ہنستے ہوئے شانے اچکائے اور اسے اپنی سوچ پر حیرت ہوئی وہ اتنا کنزرویٹو تو نہیں تھا پھر کیوں اس کا دل چاہنے لگا تھا کہ شازمین کو اس کے سوا کوئی اور نہ دیکھے۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو شازمین۔" شاپنگ کے دوران ایک مانوس سی آواز پر وہ پلٹی تو سامنے ہیری کھڑا تھا فرحان کو نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والا وہ شخص بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا جبکہ شازمین کافی پرجوش انداز میں اس کی جانب بڑھی تھی۔

"تم یہاں کیسے۔" اب دونوں باتوں میں مشغول ہوچکے تھے پھر اچانک اسے فرحان کا خیال آیا تو وہ ہیری کا ہاتھ تھام کر پلٹی لیکن فرحان تو وہاں کہیں بھی نہیں تھا ہیری سے معذرت کرنے کے بعد وہ جب اسے ہر جگہ ڈھونڈ چکی تو اس کا فون آگیا۔

"میں گاڑی میں ہوں تم اپنی شاپنگ کرکے آجانا۔" اور وہ اپنی شاپنگ ادھوری چھوڑ کر چلی آئی تھی اس کے گاڑی میں بیٹھنے کے ساتھ ہی فرحان نے گاڑی اسٹارٹ کردی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تمہارا کوئی بوائے فرینڈ بھی ہے۔" وہ بولا تو لہجہ خاصا خشک اور درشت تھا شازمین حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہی از جسٹ مائی فرینڈ۔"

"مجھے تمہاری لڑکوں سے دوستیاں قطعی پسند نہیں تم دوبارہ اس سے نہیں ملوگی۔" انتہائی سلگتے لہجے میں اس نے اپنی پسند کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے حکم سنایا تو شازمین کا ضبط جواب دے گیا وہ بہت دنوں سے اس کا رویہ برداشت کررہی تھی۔

"تم جانتے ہو کہ تم آج کل کیا کرتے پھر رہے ہو کل ایک لڑکا اپنے سیل فون سے مووی بنا رہا تھا تم خوامخواہ اس سے الجھنے لگے آج تمہیں میرا اپنے دوست سے ملنا اچھا نہیں لگا ہر وقت الجھے بکھرے رہتے ہو صبح تمہیں کافی چاہیے تھی میں بنا کر لائی تو تم نے کہا تمہارا موڈ نہیں ہے میں گھنٹوں تمہارے پاس بیٹھ کر اکیلے ہی بکتی رہتی ہوں اور تم کسی بات کا جواب نہیں دیتے اگر میں کچھ استفسار کروں تو یوں تعجب سے دیکھتے ہو جیسے میں نے فارسی جھاڑ دی ہو۔" وہ بولے جارہی تھی اور فرحان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ سب کرتا پھر رہا ہے کیوں؟

☼ ☼ ☼

"مجھے لگتا ہے میں کسی خبطی' پاگل شخص کے ساتھ گھومنے آئی ہوں جو پہلو میں اتنی حسین نوجوان فیانسی کے ہوتے ہوئے سگریٹ پھونکنے میں مگن ہے۔"

"تو کیا کروں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"مجھ سے باتیں کرو۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی فرحان نے ادھ جلی سگریٹ سنگی بنچ پر مسل ڈالی اب وہ مکمل طور پر اس کی سمت متوجہ تھا مگر بالکل خاموش وہ جو لفظوں کی جادوگری سے ہزاروں دل لوٹ لیا کرتا تھا اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سے کیا بات کرے یوں لگتا تھا جیسے گفتگو کے تمام تر موضوعات ختم ہوچکے ہوں۔

سیاہ آنکھوں کی نمی نے اسے بے چین سا کردیا تھا کتنی گہری تھیں وہ آنکھیں ان پر سایہ فگن دراز پلکوں کی جھالر کیسا دلفریب سحر انگیز اور من بھاتا منظر تھا وہ۔ جو وہ ماضی میں پیچھے بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

"شازمین۔" اس نے گمبھیر لہجے میں پکارا۔

"تم مجھے اپنی آنکھوں میں سیاہ لینسز لگا کر دکھاؤ گی۔" وہ کتنی حسرت سے بولا تھا۔ شازمین نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے اور رخ موڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی یہ وہ فرحان نہیں تھا جس سے کبھی اس نے محبت کی تھی جس کی وہ تمنائی تھی جو جہاں نگاہ اٹھاتا تھا تو تسخیر کرلیتا تھا جس کی باتوں میں جادو ــــــ تھا جو زندگی سے بھرپور ایک زندہ دل انسان تھا جبکہ یہ شخص یہ تو کوئی اجنبی تھا۔ جس کا ہر روپ اس کے لیے ناآشنا

تھا۔

"تم اب مجھ سے بالکل پیار نہیں کرتے۔" وہ روتے ہوئے بولی اور فرحان کو لگا وہ واقعی میں اس سے پیار نہیں کرتا۔ آج اس کا برتھ ڈے تھا وہ صبح سے تیار ہو کر بیٹھی تھی اور وہ اسے وش کیے بغیر ہی دفتر چلا گیا تھا اور اب جب وہ واپس آیا تھا تو وہ زبردستی اسے اپنے ساتھ شالامار باغ میں لے آئی تھی لیکن وہ گھنٹہ بھر سے خاموش بیٹھا سگریٹ پھونکے جا رہا تھا اور اب کہا بھی تو کیا سیاہ لینسز کی ڈیمانڈ یہ کوئی معمولی فرمائش تو نہیں تھی کچھ تو تھا ان کالی آنکھوں میں جو وہ اب تک بھول نہیں پا رہا تھا۔

"سارا دن گزر گیا اور تم نے مجھے وش نہیں کیا۔"

"شازمین ایم سوری۔" فرحان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ وہ ہنوز آنسو بہاتی رہی۔

"اچھا دیکھو دن گزر گیا تو کیا ہوا ابھی رات تو باقی ہے تاہم کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں جا کر سلیبریٹ کریں گے۔"

"بات دن کی نہیں ہے فرحان، امپورٹنس کی ہے۔" وہ ایک جتاتی ہوئی سی نگاہ اس پر ڈال کر پلٹنے والی تھی جب فرحان نے اس کی کلائی تھام کر واپس کھینچا۔

"میں بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔" اسے لگا یہ کہنا ضروری ہے۔

"جھوٹ۔" وہ بے یقین رہی۔

"مجھے تمہاری آنکھوں میں کسی اور کا عکس نظر آیا ہے تمہارے دل پر اتنے پہرے ہیں کہ میری محبت ہر بار تھک کر واپس لوٹ آتی ہے۔" تھکن زدہ سے لہجے میں وہ بے حد دلگرفتی سے بولی تھی۔

"میرا دل ہے کہ شاہی محل جس کے دروازے پر دربان کھڑے ہیں۔" وہ بے ساختہ ہنسا تو شازمین بات کو غیر سنجیدگی میں بدلتے دیکھ کر اسے گھورنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"شازمین۔" وہ باہر سے پکارتا ہوا اندر آیا تھا مگر وہ لاؤنج میں کہیں بھی نہیں تھی۔

"وہ تو شام سے کچھ پہلے باہر نکلی تھی۔" آئمہ بیگم نے ٹی وی کا والیم کم کرتے ہوئے اطلاع دی تو وہ ان کے برابر ہی بیٹھ گیا۔

"کھانا لگوا دوں۔" وہ اس کے تھکن زدہ چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہیں۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔" وہ مدھم سا مسکرایا۔

"تم بہت بدل گئے ہو۔" کچھ مثبت تبدیلیاں تو اس میں آئی ہی تھیں مگر اس کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھا پر اسرار سا جو ہر بار انہیں سوچنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

"بدلا نہیں ہوں ذمہ دار ہو گیا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے تصحیح کی۔

"ایسی بھی کیا ذمہ داریاں کہ جن میں الجھ کر تم خود کو ہی بھول جاؤ مجھے لگتا ہے کچھ ہے ایسا جو تمہیں اندر سے ڈپریسڈ رکھتا ہے جسے تم خود سے بھی شیئر نہیں کرتے۔"

"لگتا ہے آج کل کسی پامسٹ کی محبت میں بیٹھنے لگی ہیں۔" وہ ان کی بات کاٹ کر ہنستے ہوئے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں چلا آیا۔

"کیوں میں اتنا ڈپریسڈ رہنے لگا ہوں خوش ہونا بھی چاہوں تو خوشی کا کوئی احساس من میں نہیں جاگتا وہ لڑکی جا چکی ہے میری زندگی سے میں یہ حادثہ بھول کیوں نہیں جاتا۔" پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز پر اس کے خیالوں کا تسلسل ٹوٹا تھا اس نے کھڑکی سے نیچے جھانکا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہیری کو شاید وہ اندر آنے کی دعوت دے رہی تھی مگر وہ مسلسل انکار کیے جا رہا تھا مگر اس کی والہانہ نگاہیں کس قدر بے باکی سے شازمین کے سلیولیس بازوؤں اور گہرے گریبان سے ہوتی دلکش سحر طراز سراپے میں الجھتی جا رہی تھیں۔ فرحان کو اپنے وجود کا سارا لہو دماغ کی جانب گردش کرتا محسوس ہوا تھا اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔ وہ تن فن کرتا شازمین کے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔

"کس کے ساتھ آئی ہو۔" درشت لہجے میں سوال کیا گیا۔

"ہیری مل گیا تھا راستے میں۔" یا تو وہ انجان بن رہی تھی یا پھر فرحان کے بگڑے تیور اس نے ملاحظہ نہیں کیے تھے اس لیے خاصے پر سکون انداز میں سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنی ایئر رنگز اتار رہی تھی۔

"یوں نیم برہنہ وجود کے ساتھ باہر نکلتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی بچی نہیں ہو تم دوبارہ میں تمہیں اس حلیے میں نہ دیکھوں۔"

"اچھا تو کیا میں اب حجاب پہننا شروع کر دوں۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"اس — میں کوئی حرج بھی نہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بولا تو وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"تم مجھے واضح الفاظ میں یوں کیوں نہیں کہتے کہ شازمین تم ایمل بن جاؤ۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" وہ اس سے بھی زیادہ بلند آواز میں دھاڑا جیسے کسی نے دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"تم ہر وقت ہر لمحہ مجھ میں اس کو تلاشتے ہو کبھی لمبے بالوں کی ڈیمانڈ تو کبھی سیاہ آنکھوں کی فرمائش اور اب حجاب، تمہاری سوچیں تمہارے خیالات ہر لمحہ بس اس کے گرد بھٹکتے رہتے ہیں تم میرے ساتھ ہو کر بھی اس کے تصور میں کھوئے رہتے ہو تم مجھے نہیں اسے چاہتے ہو۔" فرحان کا گریبان جھنجوڑتے ہوئے وہ بول رہی تھی اور وہ اپنی جگہ سن سا کھڑا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے میں صرف گلٹی فیل کرتا ہوں وہ ایک اچھی لڑکی تھی میں نے کسی کا انتقام اس سے لے لیا اور زیادتی کا یہ احساس میرے ضمیر پہ بوجھ کی مانند دھرا ہوا ہے جو مجھے سکون سے جینے نہیں دیتا۔" شازمین کمرے سے جا چکی تھی اور وہ اکیلا کھڑا بڑبڑا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
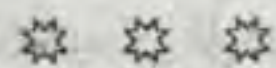
وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھا سو گھر بھر کا لاڈلا بھی تھا اس کی کوئی فرمائش کوئی خواہش ایسی نہیں تھی جو اس کے پیرنٹس نے پوری نہ کی ہو آئمہ بیگم اور فاروق احمد کو بھی کبھی اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی وہ پڑھنے میں ہمیشہ فرسٹ کلاس رہا تھا۔ اسپورٹس میں اسے محض کرکٹ کھیلنے کی حد تک دلچسپی تھی۔

صبح فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد جاگنگ، ناشتا اور پھر اسکول سے واپس آ کر ٹھیک تین بجے اس کا لنچ ہوا کرتا تھا ظہر کی نماز چونکہ اسکول کی مسجد میں ادا کر کے آتا تھا اس لیے لنچ سے فارغ ہونے کے بعد اس کا ٹیوٹر اسٹڈی روم میں اس کا منتظر ہوا کرتا تھا شام کی چائے ہمیشہ لان میں پی جاتی تھی اس کے بعد اگر کہیں آؤٹنگ کا پروگرام ہوتا بھی تو وہ اپنے ممی ڈیڈی کے ساتھ ہی باہر جاتا تھا۔ رات نو بجے سونا اور صبح چار بجے اٹھنا اس کی روٹین لائف میں شامل تھا اس کے دادا ابا چونکہ ریٹائرڈ میجر تھے اس لیے بھی وہ ہر کام وقت پر کرنے کا عادی تھا۔ زندگی کے سترہ برس اسی روزمرہ معمول کو فالو کرتے ہوئے گزر گئے تھے۔ جب اچانک ایک خوشگوار تبدیلی نے زندگی میں حائل ہو کر برسوں کے اصول و ضوابط میں ہلچل مچا دی ایک رات جب وہ سونے کے لیے بستر پر گیا تو سیل فون بج اٹھا یہ سیل فون ابھی کچھ روز قبل ہی ڈیڈی نے اس کے برتھ ڈے پر گفٹ کیا تھا بستر سے اٹھ کر کمپیوٹر ٹیبل تک جانے میں اسے اچھی خاصی کوفت ہوئی تھی لیکن جب یس کا بٹن پریس کر کے کان سے لگایا تو شوخ کھلکھلاتی ہوئی مترنم آواز نے ساری کوفت بے زاری اڑنچھو کر دی۔

"ہیلو کیا میں آپ سے بات کر سکتی ہوں۔"

"جی آپ کون۔" وہ پریشان ہو گیا۔

"میرا نام عینا ہے میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہوں اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں ممی پاپا کسی ریلٹو کی شادی میں گئے ہیں میں گھر میں اکیلی ہوں اور بہت بور ہو رہی ہوں اس لیے آپ کو مجھ سے ایک گھنٹہ بات کرنا پڑے گی۔" شوخ، بے جھجک لہجے میں اپنا تعارف کروانے کے بعد ایک گھنٹے کی شرط اتنے دھونس بھرے انداز میں عائد کی گئی تھی جیسے وہ اس کا کوئی

دیرینہ رشتے دار ہو اس کی نظریں بھٹکتے ہوئے وال کلاک سے ٹکرائیں نو بج کر دس منٹ ہو چکے تھے اور وہ رات اس کی زندگی کی پہلی رات تھی جب وہ رات گیارہ بجے سویا تھا ایک گھنٹہ اس سے بات کی تھی اور دوسرا گھنٹہ اس عجیب و غریب لیکن دلچسپ لڑکی کے متعلق سوچتا رہا تھا اگلی صبح وہ بے دار ہوا تو اس کا مارننگ وش کا مسیج آیا ہوا تھا جسے پڑھنے کے بعد اس کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھر آئی اور پھر سارا دن وقفے وقفے سے اس نے وہ مسیج کوئی سو بار پڑھا تھا اسے آج سے قبل صبح کبھی بھی اتنی حسین خوشگوار اور متبسم نہیں لگی تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال بیک کی تو اس کی نیند میں ڈوبی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔

"اوہو صبح سویرے جگا دیا ابھی سونے دو شام میں بات کروں گی۔" اور ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا گیا تھا سارا دن اس کا شام ہونے کے انتظار میں گزر رہا تھا دوپہر پر کھڑی شام اسے آج سے قبل اتنی مسافتوں پر ——— کبھی نظر نہیں آئی تھی آخر سورج ڈھلا مغرب کی اذان ہوئی وہ وضو کر رہا تھا جب اچانک سیل فون بج اٹھا۔ سر کا مسح کرنا اور پاؤں دھونے ابھی باقی تھے مگر وہ سب ادھورا چھوڑ کر فون کی سمت لپکا پکڑتے ہاتھوں سے کال ریسیو کی دوسری جانب عینا تھی اور اس سے باتوں میں مشغول ہو کر آج اس کی پہلی نماز قضاء ہوئی تھی اگلی صبح بھی وہ صبح چار بجے کی بجائے آٹھ بجے تک سوتا رہا تھا اور پھر ناشتا کیے بغیر کالج چلا آیا آج کل تو ویسے بھی اس کی بھوک اڑی ہوئی تھی۔ سارا دن بس سیل فون چیک کرتے ہوئے گزر جاتا تھا۔

شام میں عمیر کا برتھ ڈے تھا تمام فرینڈ اس کے گھر انوائیٹڈ تھے وہ ابھی ان کے لاؤنج میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ پھر رنگ ٹیون بجنے لگی وہ بضد تھی کہ بات کرو سب انجوائے کر رہے تھے اور وہ ایک کونے میں بیٹھا اس سے باتیں کرنے میں مشغول تھا۔ راتوں رات وہ تمام دوستوں میں بے حد مقبول ہو چکا تھا آخر ان کے گروپ میں وہ واحد لڑکا تھا جس کی گرل فرینڈ تھی اور سب اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ ہماری بھی بات کرواؤ وہ بھی بلا جھجک سب سے بات کرتی تھی۔ جب دونوں کو بات کرتے دو مہینے گزر چکے تو عمیر اور فیضان کے کہنے پر اس نے عینا سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی وہ خود بھی اب اسے دیکھنے کو بے تاب ہو چکا تھا تھوڑی سی پس و پیش کے بعد اس نے آنے کی ہامی بھر لی تھی۔

سلور سیون میں آج اس کی پہلی ڈیٹ تھی اور اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون سا ڈریس زیب تن کرے الماری سے سارے کپڑے نکال کر اس نے بیڈ میں ڈھیر کر دیے تھے اور صبح سات بجے سے خود کو مختلف رنگوں میں دیکھ رہا تھا دس بجے کے قریب آخر نظر انتخاب بلیک ٹو پیس پر ٹھہری تھی۔ خوبصورت تو وہ تھا ہی لیکن سوٹ میں آج کچھ زیادہ ہی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ سلکی بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ راستے سے اس نے عینا کے لیے سفید للی کا بکے اور چاکلیٹ لی تھیں ٹیبل پہلے سے ریزرو تھا اور ہال میں زیادہ لوگ بھی نہیں تھے کیونکہ نہ تو یہ لنچ ٹائم تھا نہ ہی آف ٹائم سورش تقریباً "نہ ہونے کے برابر تھا اکا دکا لوگ ہی دور دراز کے ٹیبلز پر بیٹھے نظر آرہے تھے۔

ٹین ایجرز والی ساری حرکتیں اس نے کی تھیں رات بھر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مختلف انداز میں بات کرتا رہا اور اتنا بولنے کی وجہ سے اب گلے میں خراشیں پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کانفیڈینس کی اس میں کمی نہیں تھی لیکن اس پل اتنا نروس ہو رہا تھا تین بار پانی منگوا کر پی چکا تھا۔ وہ اٹھارہ منٹ لیٹ آئی تھی۔

اس نے عبایا پہنا ہوا تھا اور سر پر حجاب لپیٹ رکھا تھا کاندھے پر بیگ اور ہاتھ میں فائل تھام رکھی تھی یقیناً" وہ کالج سے آرہی تھی۔ اپنی شوخ طبیعت کے برعکس وہ اس گیٹ اپ میں کافی سوبر اور باوقار نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر باتوں کے بعد اس نے لنچ کا آرڈر دیا تھا اور ایک گھنٹہ اس کے ساتھ گزار کر جب واپس آیا تو یوں لگ رہا تھا جیسے ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔

وہ عام سی شکل و صورت کی لڑکی اسے دنیا کی حسین ترین مخلوق لگ رہی تھی اس کے بعد دو چار مزید ملاقاتیں ہوئیں شاپنگ، ہوٹلنگ، لانگ ڈرائیو، اس نے ایک پورا دن اس کے ساتھ لاہور گھومتے ہوئے گزارا تھا۔ اگر کبھی وہ اپنا سیل فون آف کر دیتی تھی تو اس کی جان پر بن آتی تھی، صبح کی واک، نماز، اسٹڈی، کرکٹ اور دوست آج کل اسے سب کچھ بھول چکا تھا۔ یاد تھی تو بس وہ ایک لڑکی جس کے وجود میں آج کل اس کی کل کائنات سمٹی ہوئی تھی۔ ان کا پہلا جھگڑا عینا کی ایک فضول فرمائش پر ہوا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ تم کسی اور لڑکی سے دوستی کر لو اور وہ اس عجیب بے تکی بات پر بھڑک اٹھا تھا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے تم جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو۔"

"ہاں میں جانتی ہوں اور مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں ہر وقت تم سے بات تو نہیں کر سکتی اگر کبھی تمہاری کال ریسیو نہ کروں تو تم ناراض ہو جاتے ہو عجیب مصیبت ہے اس لیے کہہ رہی ہوں کہ ایک اور لڑکی سے دوستی کر لو تاکہ جب میں نہ ہوں تو وہ تو ہو تمہارے ٹائم پاس کے لیے۔"

"تم میرے لیے ٹائم پاس نہیں ہو عینا میں محبت کرتا ہوں تم سے اور یہ کیوں کہا تم نے کہ کبھی تم نہ ہو تم کیوں نہ ہو۔" وہ باقاعدہ جرح پر اتر آیا عینا کی باتوں پر اسے دکھ بھی ہو رہا تھا۔

"اس لیے کہا ہے کہ کچھ دنوں میں میری شادی ہو رہی ہے اس لیے میری مانو تو تم پلیز کسی اور لڑکی سے دوستی کر لو۔" اس نے کتنی آسانی سے سب کہہ دیا تھا اور فرحان کو اپنی نظروں میں زمین و آسمان گھومتے محسوس ہو رہے تھے۔

اس روز اس نے سارا دن کھانا نہیں کھایا تھا رات بھر وہ یونہی کمرے میں ساکت لیٹا رہا تھا اور اگلی صبح تک بخار میں اسے اپنا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ اس نے عینا کی کتنی منتیں کی تھیں۔

"عینا پلیز تم یہ شادی مت کرو میں اپنے پیرنٹس کو منا لوں گا میری ممی بہت اچھی ہیں عینا۔ وہ تم سے بہت محبت کریں گی میں تمہیں بہت خوش رکھوں گا کبھی کوئی دکھ نہیں دوں گا کبھی تم سے جھگڑا نہیں کروں گا عینا پلیز یہ شادی مت کرو۔" لیکن اس نے کوئی بات نہیں مانی تھی الٹا اسے سمجھانا شروع کر دیا تھا۔

"دیکھو فرحان تم صرف میرے دوست تھے اور اپر کلاس میں یہ دوستی معمول کی بات ہے میں نے کبھی تمہارے لیے اپنے دل میں ایسی فیلنگ محسوس نہیں کیں کہ تم سے شادی کا سوچوں ویسے بھی مجھے لگتا ہے میرے ڈیڈ کا انتخاب مجھ سے اچھا ہی ہو گا۔ شیراز میرا کزن ہے انگلینڈ سے آیا ہے مجھے پسند بھی ہے میں اس شادی پر بہت خوش بھی ہوں تمہیں میری خوشی کا احساس کرنا چاہیے او کے بائے میں اپنا ویڈنگ ڈریس لینے جا رہی ہوں۔" وہ چلی گئی پھر کبھی نہ آنے کے لیے۔

یہ آخری گفتگو تھی جو اس نے فرحان سے کی تھی وہ ایک ہفتہ اس کی زندگی کے اذیت ناک دن تھے اور پھر اس کی زندگی میں نساء چلی آئی تھی۔

نساء سے اس کی دوستی انٹرنیٹ پر ہوئی تھی اس کا پھر وہی معمول بن گیا تھا رات بھر باتیں "ڈیٹ"، ہوٹلنگ، شاپنگ، زندگی بھر ساتھ نبھانے کے وعدے اور پھر بریک اپ۔ وہ غیر دانستہ طور پر ہر لڑکی کے ساتھ وہی کرتا تھا جو عینا نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن جب اس نے ایمل کو دیکھا تو وہ اسے بالکل عینا کا پرتو لگی۔ گندمی رنگت، بڑی بڑی آنکھیں عبایا میں ملبوس سر پہ حجاب اوڑھے، اس کی بھی آواز میں ترنم تھا اور انداز و اطوار میں وقار، شائستگی اور دلکشی اس نے عینا کا بدلہ اس سے لیا تھا۔

اور اب شازمین کہہ رہی تھی تم اسے چاہتے ہو۔ اور اسے لگ رہا تھا شازمین ٹھیک ہی کہتی ہے۔ وہ جسے دو سالوں تک گلٹ سمجھتا رہا تھا وہ گلٹ نہیں تھا محبت تھی اور یہی وہ سچ تھا جسے وہ خود سے بھی شیئر کرنے سے

ڈرتا تھا وہ۔ جس جذبے سے وہ سالوں تک نظریں چراتا رہا تھا خود کو فریب دیتا رہا تھا وہ اس کی قوت مدافعت سے زیادہ طاقتور تھا۔ وہ ہار گیا تھا خود سے' دل سے' دلیلوں سے۔ کہتے ہیں نا کہ پہلا پیار انسان کبھی نہیں بھولتا؛ وہ بھی نہیں بھولا تھا عینا اس کا پہلا پیار تھا اور اب ایمل میں اسے اپنا پہلا پیار نظر آتا تھا۔

وہ پیار جو ایک پاکیزہ رشتے میں بندھا ہوا تھا جو نکاح کے مقدس بندھن سے ہو کر اس کے دل میں اترا تھا ایمل اس کا کوئی افیئر نہیں تھی جسے وہ بھول جاتا وہ ایک رشتہ تھی وہ رشتہ جو اس نے اللہ کو گواہ بنا کر اس کے ساتھ جوڑا تھا۔ جس کی خاطر وہ بھٹکی ہوئی راہوں سے ایک ہموار اور متوسط شاہراہ پر واپس لوٹ آیا تھا جس کی طلب اسے مسجد تک لے گئی تھی۔

اس نے چپکے چپکے کئی بار اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی اس کے محلے والوں سے معلوم ہوا تھا کہ امام صاحب کے انتقال کے بعد وہ اپنے ننھیال چلی گئی تھی مگر وہ وہاں بھی نہیں تھی۔ تو پھر کہاں تھی؟ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ روئے زمین کا ذرہ ذرہ چھان کر کہیں سے اسے ڈھونڈ نکالے لیکن فی الحال تو بس ایک امید تھی جو دل کو مایوس ہونے نہیں دیتی تھی اور وہ امید اس کی دعا تھی جو وہ بڑے خشوع خضوع کے ساتھ دن رات صبح و شام کرتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"شازمین لندن واپس جا رہی ہے۔" ناشتے کی میز پر آئمہ بیگم نے اسے مخاطب کیے بغیر خاصے روکھے انداز میں اطلاع دی تھی وہ پچھلے تین روز سے اس سے خفا تھیں وجہ تنازعہ ان دونوں کا جھگڑا تھا جس کی اصل وجہ سے فی الحال وہ ناواقف تھیں اور جس نے دونوں کو انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا وجہ وہ دونوں سے پوچھ چکی تھیں مگر فرحان نے جیسے اس معاملے میں نہ بولنے کا عہد کر رکھا تھا رہی شازمین تو اس نے انتہائی غصے میں چلاتے ہوئے اتنا کہا تھا۔

"یہ رشتہ میرے لیے بوجھ بن چکا ہے اور میں اس بوجھ سے رہائی چاہتی ہوں' میں نے زندگی کو ہمیشہ اپنے انداز میں گزارا ہے' میں دوسروں کے بنائے ہوئے اصولوں پر نہیں چل سکتی' مجھے ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہنا جو مجھ سے محبت نہیں کرتا۔" وہ کچھ بھی کہے بغیر ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر کمرے میں چلا آیا تھا اس نے ایک بار بھی اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن وہ اس سے معافی ضرور مانگنا چاہتا تھا۔ شازمین نے اسے اس کا بھی موقع نہیں دیا تھا اس کی سیٹ ریزرو تھی اپنی پیکنگ کمپلیٹ کرنے کے بعد وہ آئمہ بیگم سے مل کر ڈرائیور کے ساتھ جا چکی تھی۔

وہ شام میں جب نیچے آیا تو سارا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا مما اپنی جگہ خاموش گم سم سی بیٹھی تھیں وہ اپنے بیٹے کو کیسے مجبور کرتیں جب دوسری جانب ہی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی چند روز کی بوجھل اور سوگواری خاموشی کے بعد رفتہ رفتہ سب معمول پر آ گیا تھا۔ اگر کچھ نہ آیا تو فرحان کا دل۔

تین برس بیت چکے تھے اور اب تو اس سے ملنے کی آس بھی دم توڑنے لگی تھی جب ایک روز اچانک اس نے لبرٹی میں عمیر کے ساتھ شاپنگ کرتے ہوئے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک لڑکی کو دیکھا اسے وہ چہرہ کچھ شناسا سا لگا تھا پھر اچانک جیسے اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا یہ تو ایمل کی بیسٹ فرینڈ تھی اس نے ہمیشہ ایمل کو یونیورسٹی میں اسی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا اور انگیجمنٹ کی شام جب وہ آخری بار اس سے بات کرنے آئی تھی تب بھی یہ لڑکی اس کے ساتھ تھی۔

"ایکسکیوزمی۔!" وہ لپک کر اس کے قریب آیا تھا۔ وہ لڑکی بھی اسے دیکھ چکی تھی فرحان نے حیرت و ناگواری کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے پر نمودار ہوتے دیکھے تھے مگر اسے ان سب سے کچھ غرض نہ تھی کہ وہ اس کے متعلق کیا سوچ رہی ہے۔

"مجھے ایمل کا ایڈریس چاہیے تھا۔" اس نے بغیر کسی تمہید کے اپنا مدعا بیان کیا۔

"ایم سوری میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی کیونکہ اس شام کے بعد میں اس سے

دوبارہ کبھی نہیں ملی اور نہ ہی اس نے مجھ سے کوئی رابطہ کیا تھا۔" وہ سپاٹ سے انداز میں معذرت کرتی چلی گئی اور وہ وہیں کھڑا لحہ بہ لحہ اسے نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھتا رہا تھا ہر طرف مایوسیوں کے گہرے بھنور تھے جن میں وہ روز ڈوبتا تھا لیکن امید کی وہ کرن جو دل میں دعا کی مانند روشن تھی یہ ایمان کہ اوپر جو بیٹھا ہے وہ دلوں کے بھید اور ان میں چھپی خواہش جانتا ہے یہ احساس کہ اس کا خلوص سچا ہے اسے کبھی شکوک میں مبتلا نہیں کرتا تھا اور پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اتنی لگن سے مانگتا اور وہ نہ ملتی کچھ روز قبل آئمہ بیگم پر اس کی شادی کا پھر سے جنون سوار ہو چکا تھا جو اکثر اوقات بیٹھے بٹھائے ان پر سوار ہوتا ہی تھا اور اس سلسلے میں اب کی بار انہوں نے ایک لڑکی بھی فائنل کر لی تھی۔ فرحان کے مسلسل انکار کے باوجود ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا وہ اس بار اپنی منوا کر ہی دم لینا چاہتی تھیں آخر تھک ہار کر اس نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔

پھر تو گویا گھر میں اک طوفان سا اٹھ آیا تھا حالات اتنے ناساز گار ہوئے کہ وہ گھر چھوڑ کر کچھ دنوں کے لیے شمالی علاقہ جات کی خاک چھاننے نکل آیا اور پھر قسمت اسے اس دروازے تک لے آئی جہاں سے اس کا ایک نیا سفر شروع ہونے والا تھا۔

"اللہ اکبر... اللہ اکبر۔" موذن کی پہلی صدا پر وہ اپنے خیالوں سے چونکا اور آنکھیں بند کرتے ہوئے بڑی عاجزی کے ساتھ اس ذات اعلا کی عظمت اور کبریائی کا اعتراف کرتے اس کے لب اذان کے ہر کلمات کے ساتھ ہل رہے تھے۔

ساری رات اس صوفے پر بیٹھے بیٹھے بیت گئی تھی۔ دودھ سے بھرا وہ نیم گرم گلاس اب برف میں تبدیل ہو چکا تھا اور اس کا وجود بھی۔ اسی گیسٹ ہاؤس کے اوپر والے پورشن میں کوئی اور بھی تھی جو ماضی کے اس سفر میں رات بھر اس کے ہمراہ رہی تھی۔ نیند تو آج اسے بھی نہیں آئی تھی یہ رت جگا اس نے بھی کاٹا تھا اور اس کے خیالوں کا تسلسل بھی موذن کی آواز پر ہی ٹوٹا تھا۔

وہ بال لپیٹ کر بستر سے باہر نکل آئی اس کا ارادہ نماز ادا کرنے کا تھا جب سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے ٹھٹک کر رک جانا پڑا۔ وہ واش بیسن کے قریب کھڑا وضو کر رہا تھا۔ وضو کرنے کے بعد اس کی نظر ایمل کی سمت اٹھی تو تاؤل سے چہرہ اور کہنیوں تک تو بازو خشک کرتے ہوئے اس نے ایمل سے جائے نماز مانگی تو وہ ترش لہجے میں بولی۔

"اب یہ ڈھونگ کس لیے۔" وہ مدھم سا مسکرایا جیسے بڑی بے بس سی ہنسی ہو۔

"ڈھونگ کرنا چھوڑ دیا ہے میں نے اور جب اس (اللہ) نے معاف کر دیا تو تم بھی کر دو۔" اس نے قریب آ کر ایمل کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے وہ محبت کی بھیک مانگ رہا تھا اس لڑکی سے جو اس کی بیوی تھی اس بیوی سے جسے وہ ایک رات کے بعد چھوڑ چکا تھا اس ٹھکرائی ہوئی عورت سے جو اس کے ساتھ اپنا تعلق نہ ثابت کر سکنے پر دربدر ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسے آج بھی یاد تھی وہ شام جب اسے گھر سے نکالا گیا تھا جب پیروں تلے زمین رہی تھی نہ سر پر آسمان' خالی ویران سڑک پر کھڑی وہ سوچ رہی تھی کہ کس سمت چلے اس کے لیے تو کسی بھی راہ کے اختتام پر اب ایسی کوئی چھت نہیں تھی جو اس کا سائبان بن جاتی جو اسے زمانے کی وحشت اور درندگی سے بچا لیتی۔ ایسا کوئی آنچل نہیں تھا جو اس کے وجود کو اپنی پناہوں میں سمٹ لیتا۔

اسے باباجان کی بہت یاد آ رہی تھی۔ آج وہ ہوتے تو کیا ان کی بیٹی یوں راہوں میں خوار ہو رہی ہوتی۔ چل چل کر جب پاؤں شل ہو گئے تو وہ سڑک کے کنارے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔

"کیا میں کسی دارالامان چلی جاؤں۔" وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی جب ندا اس کے لیے فرشتہ بن کر چلی آئی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو تمہیں تو میں نے تمہارے

گھر ڈراپ کیا تھا۔" وہ فکر مندی سے اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہی تھی اور ایمل کے پاس جواب میں سوائے آنسوؤں کے کچھ بھی نہیں تھا۔

"اچھا پلیز یار تم رو مت اور اٹھو یہاں سے۔" وہ اسے اٹھا کر گاڑی میں لے آئی تھی۔

"یہ لو پہلے پانی پیو اور پھر بتاؤ کیا ہوا ہے۔" اس نے منرل واٹر کی بائل کھول کر اسے تھمائی اور خود سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ دو تین گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے خود کو کافی پرسکون محسوس کیا تھا اور پھر ندا کو سب بتا دیا سب سننے کے بعد وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

"اچھا تم میرے گھر چلو اور پلیز ریلیکس ہو جاؤ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد تسلی آمیز لہجے میں کہتی اپنے گھر لے آئی تھی اس کی مما بظاہر تو کافی خوش اخلاقی سے پیش آئیں مگر بعد میں انہوں نے ندا کو خوب ڈانٹا تھا۔

"ندا ایک ہفتے تک تمہاری شادی ہونے والی ہے اور تم اپنی دوست کو اٹھا کر گھر لے آئی ہو میں سب رشتے داروں کو کیا جواب دوں گی اس کے ساتھ جو ہوا وہ اس کی پرابلم ہے تم اس میں خود کو انوالو مت کرو۔"

"مما پلیز اس طرح ری ایکٹ مت کریں وہ میری بہت اچھی اور اکلوتی دوست ہے اب مصیبت میں اسے تنہا تو نہیں چھوڑ سکتی نا۔ اور رہی رشتہ داروں کی بات تو آپ کہہ دیجیے گا کہ وہ میری شادی اٹینڈ کرنے آئی ہے۔" اس نے چٹکیوں میں حل بتا دیا تھا۔

"اور اس کے بعد۔" انہوں نے ابرو اچکا کر قدرے خشک لہجے میں پوچھا تو ایک لمحہ کو وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"مما اگر ہم ایمل کو ناران بھیج دیں یہ ویل ایجوکیٹڈ ہے آپ کا اسکول سنبھال لے گی اور رہائش کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہو گا پھر آپ کی بھی تسلی رہے گی اور یہ جو ہر مہینے آپ کو معائنے کے لیے وہاں کا وزٹ کرنا پڑتا ہے اس سے بھی نجات مل جائے گی۔" ندا نے فوراً "یو نیک اور کافی حد تک مصلحت آمیز آئیڈیا دے کر دونوں کی مشکل آسان کر دی تھی۔

آنٹی کو بھی اس کا مشورہ پسند آیا تھا اور ایمل کو بھی۔ سو ندا کی شادی کے بعد آنٹی نے اپنی خاندانی ملازمہ نوراں کے ساتھ اسے ناران بھجوا دیا۔ ماسی نوراں اسی گاؤں کی رہائشی تھیں۔ ندا نے بتایا تھا کہ اس کی مما کا تعلق بھی اسی گاؤں کے ایک مڈل کلاس گھرانے سے تھا انکل سے ان کی لو میرج تھی شادی کے بعد وہ انہیں اپنے ساتھ لاہور لے گئے تھے جس اسکول میں وہ پرنسپل کی پوسٹ پر جاب کر رہی تھی وہ انہوں نے ان بچوں کے لیے بنوایا تھا جو مالی وسائل کی کمی کی بدولت اچھی تعلیم حاصل کرنے سے قاصر تھے وہاں ان بچوں کو یونیفارم اور بکس فراہم کی جاتی تھیں اور معیار تعلیم بھی اس کے آنے سے اب بہتر ہو چکا تھا۔

لاہور کے پررونق اور ہنگامہ خیز ماحول کی نسبت یہاں کی فضا کافی پرسکون اور خوشگوار تھی زینی کے آنے کے بعد اس نے ماضی کو فراموش کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تھا جس میں اس کی تمام تر محبتوں اور مصروفیات کا محور زینی تھی اور اس کے شب و روز اب محض اسی کی ذات سے وابستہ ہو کر رہ گئے تھے لیکن ماضی کو جتنا بھی فراموش کرنے کی کوشش کرو اس کا تعلق بہرحال آپ کی زندگی سے نہیں ٹوٹ سکتا دنیا اتنی چھوٹی ہے بچھڑے ہوئے لوگ پھر کسی نہ کسی موڑ پر ٹکرا جاتے ہیں۔

"مجھے معاف کر دو ایمل۔" وہ کتنی آس بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں نمی تھی لبوں پر فریاد۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جڑے ہوئے تھے اس نے پہلی بار اپنے سامنے کسی مرد کو یوں جھک کر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا تھا اس مرد کو جو اسے اپنے سامنے جھکانے کا متمنی تھا۔

"تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ منہ پھیر کر درشتی سے بولی۔

"ایمل میں تمہارے۔۔۔"

"اگر تم نہیں جاؤ گے تو میں چلی جاؤں گی اور اگر تم نہیں چاہتے مجھے پھر سے دربدر کرنا تو جاؤ چلے جاؤ اور پھر کبھی لوٹ کر مت آنا۔" وہ اسی طرح منہ پھیرے کھڑی تھی وہ کتنے ہی پل کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر شکستہ قدموں سے چلتا اس گیسٹ ہاؤس کا مرکزی دروازہ عبور کر گیا۔

☼ ☼ ☼

نماز ادا کرنے کے بعد اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا مانگے ہر دعا تو مقبول ہو چکی تھی کچھ دیر یونہی بیٹھی سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی رات اس نے کھانا نہیں کھایا تھا اب سوچا پہلے ناشتا کر لیا جائے۔

کچن میں آ کر چائے بنائی تو زینی کا خیال آ گیا اس کے لیے دودھ اور کوکیز لے کر اوپر آئی تو وہ اٹھ چکی تھی اور اب گھٹنوں میں منہ چھپائے سسکیوں سے رو رہی تھی وہ تڑپ کر آگے بڑھی اور اسے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"زینی میری جان کیا ہوا ہے۔" اس نے اس کے بال سنوارتے ہوئے ماتھے پہ بوسہ دیا تو وہ روتے ہوئے خفگی سے بولی۔

"آپ نے کہا تھا بابا کچھ دنوں تک واپس آئیں گے، آج آٹھ روز تو ہو چکے ہیں، وہ پھر کب آئیں گے۔" وہ مشکوک نظروں سے ایمل کو دیکھتے ہوئے بولی تو وہ لب ہلانا بھول گئی۔ اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی امڈ آیا تھا اور اگلے ہی پل وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"زینی میری جان۔" ایمل اس کے یوں رونے پر بے چین ہو گئی۔

"آپ جھوٹ بولتی ہیں، آپ گندی ہیں، میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گی۔" وہ خفگی سے کہتی باہر بھاگ گئی تھی اور اس کے لیے جیسے زندگی کا ہر رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔ اب سامنے کے منظر میں بھی جیسے کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے جانے والی تھی، جب اس کی نظر دروازے کے قریب رکھے سرخ گلابوں کے گلدستے سے ٹکرائی۔

جب سے وہ گیا تھا تب سے یہ پھول آنا شروع ہوئے تھے۔ وہ اٹھا کر پھولوں کا جائزہ لینے لگی۔ اس میں ایک کارڈ بھی تھا جس پر خوب صورت سی نظم تحریر تھی۔

ہزاروں پل تمہارے بنا
نہ پوچھ کیسے کٹے ہیں
کبھی یادیں رلاتی ہیں
کبھی موسم ستاتے ہیں
اسے کہہ دو
ہم آتے ہیں
ہمارا مان رکھ لینا
ہمیں واپس نہیں جانا
ہمیں دل میں بسا لینا
ہمیں اپنا بنا لینا
بہت روٹھا نہیں کرتے
محبت تو عبادت ہے
اسے رسوا نہیں کرتے
جو تھک کر لوٹ آئے
اسے تنہا نہیں کرتے

ایسی ہی نظمیں پہلے آنے والے کارڈز پر بھی درج تھیں۔

"تو کیا وہ ابھی تک اس شہر میں ہے۔" اس کی سرگوشی نما بڑبڑاہٹ مدھم تھی۔ دھڑکنوں کی بے اختیاری پر اس نے سر جھٹک دیا، پچھلے پانچ برسوں سے وہ دل کو لفٹ کروانا چھوڑ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کارپٹ پر اوندھے منہ لیٹے روتے ہوئے ہی سو گئی تھی۔ ایمل نے اسے اٹھا کر بستر پر لٹایا تو اس کے وجود پر حرارت کا احساس ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کر بے ساختہ پیشانی پہ ہاتھ رکھا تو وہ بری طرح بخار میں تپ رہی تھی۔ اسے پہلے بھی ہلکا سا ٹمپریچر تھا، جواب شدت اختیار کر چکا تھا۔ دو روز تک وہ اسے میڈیسن کھلاتی

رہی تھی لیکن معمولی سا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔ دوسرا وہ کھانے پینے میں بھی بہت نخرے دکھا رہی تھی۔ دو دن میں ہی ابھل کو اس کی رنگت زرد پڑتی معلوم ہو رہی تھی۔ اس سے تو وہ بالکل بھی بات نہیں کر رہی تھی اگر کبھی منہ کھولتی بھی تو ایک ہی سوال ہوتا۔

"پاپا نہیں آئے۔" اور اس کے دل کو جیسے کوئی مٹھی میں بھینچ دیتا تھا۔ چپکے چپکے سے وہ کئی بار رو چکی تھی۔ ماسی نوراں ابھی تک نہیں آئی تھیں اور اس کی دن بہ دن بگڑتی حالت کے پیش نظر اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے۔

اب بھی وہ سوپ بناتے ہوئے رو رہی تھی۔ جب ڈور بیل چنگھاڑ اٹھی، آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تو سامنے کھڑی ندا کو دیکھ کر دل کو جیسے حوصلہ ملا تھا لیکن اس کی بھیگی پلکیں ندا کو تشویش میں مبتلا کر چکی تھیں۔

"تم رو رہی ہو۔" اس نے دیکھتے ہی استفسار کیا تھا۔

"تم اندر تو آؤ۔"

وہ مصنوعی بشاشت کا مظاہرہ کرتی اسے اندر لے آئی اور زینی کے متعلق بتاتے ہوئے اس کا لہجہ پھر سے بھیگ گیا تھا۔

"اچھا تم گھبراؤ مت، میں دیکھتی ہوں۔" وہ تسلی آمیز لہجے میں کہتی اوپر چلی گئی، زینی اسے دیکھ کر مسکرائی تھی۔ ندا نے اسے اپنی باتوں میں لگا کر سوپ بھی پلایا تھا اور میڈیسن بھی کھلائی تھیں اور پھر شہزادی کی کہانی سنتے ہوئے وہ سو گئی تو وہ دونوں اٹھ کر ٹیرس پہ چلی آئیں۔

"ابھل کچھ روز قبل میری ملاقات فرحان سے ہوئی تھی۔" اس کا سرسری لہجہ ابھل کو چونکا گیا تھا۔

"مگر میں نے اسے تمہارے متعلق کچھ نہیں بتایا۔" اگلے ہی پل ہاتھ اٹھا کر ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اس نے اپنی صفائی پیش کی تھی، جس پر ابھل نے گہرا سانس بھرتے ہوئے سب بتا دیا تو کچھ دیر تو جیسے وہ کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہی۔

"اور تم اس کے جرم کی سزا اپنی معصوم بیٹی کو دے رہی ہو کیوں ابھل۔" اگلے ہی پل اس نے ابھل کو جھنجوڑ ڈالا تھا۔

"یہ تم پوچھ رہی ہو۔" ابھل نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم اسے معاف نہیں کر سکتیں۔"

"تاکہ وہ مجھے پھر سے ٹریپ کرے۔"

"جب وہ تمہیں ٹریپ کر رہا تھا تب تم اس کے قریب آگئی تھیں۔ آج وہ تم سے محبت کرتا ہے تو تم اس کا اعتبار کیوں نہیں کر سکتیں۔"

"تم میرے سامنے اس کی حمایت نہ کرو۔" اس نے جھنجلا کر ٹوکا۔

"ابھل اپنے ساتھ ہوئی زیادتی کا بدلہ تم لے چکی ہو، اس نے اگر تمہارے ساتھ دھوکہ کیا تھا تو تم نے بھی تو بھری محفل میں اس کی انسلٹ کی تھی اور آج اگر تم اتنی پرسکون ہو تو صرف اس لیے کہ تمہارے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں ہے، تم نے کوئی گناہ نہیں کیا، مگر وہ اپنے کیے پر نادم ہے، تم سے معافی مانگ چکا ہے۔ تمہاری بیٹی کو اپنا نام دے رہا ہے اور تمہیں عزت، اب تم اور کیا چاہتی ہو۔"

"میں بس اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔" اس نے گویا بات ہی ختم کر دی تھی۔ دو دن وہ اس کے ساتھ رہی تھی اور اسے یہی سب کچھ سمجھاتی رہی تھی، مگر اس کا انکار اقرار میں نہیں بدلا تھا۔

☼ ☼ ☼

کلینک سے واپسی پر وہ روڈ پر کھڑی کیب کا ویٹ کر رہی تھی، جب نظر —— دوسری جانب کھڑے فرحان سے ٹکرا گئی وہ بھی اسے دیکھ چکا تھا۔

روڈ پر رش تقریباً "نہ ہونے کے برابر تھا۔ زینی دوڑ کر اس سے لپٹ چکی تھی۔ وہ اسے اٹھا کر پیار کرتے ہوئے ابھل کی جانب چلا آیا۔

"پاپا آپ کیوں چلے گئے تھے، میں نے آپ کو بہت مس کیا۔" زینی اس کے گالوں پر دونوں ہاتھ رکھے شکوہ کر رہی تھی۔

"آپ کی مما نے مجھے گھر سے نکال دیا تھا۔" اس کی معصومیت بھری مسکینیت عروج پر تھی۔ ابھل نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مما میری آپ سے کٹی۔" زینی فوراً "منہ پھلا کر خفگی سے بولی تھی۔

"چلو آؤ، گھر چلیں۔" اس نے تحمل سے اس کی جانب بازو پھیلائے، مگر وہ مزید فرحان سے لپٹ گئی۔

"میں پاپا کے ساتھ جاؤں گی۔" اس کے اعلان پر اس نے لب بھینچتے ہوئے فرحان کو دیکھا۔ جس کے لبوں پہ کھلا کھلا سا تبسم بتا رہا تھا کہ وہ اس کی حالت پر کس قدر محظوظ ہو رہا تھا۔

"پاپا بھی ہمارے ساتھ چلیں گے۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"زینی ——" فرحان نے بے یقینی سے دیکھا۔ جس پر وہ سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی کی سمت چلی آئی۔ مگر زینی نے یہاں بھی اس کی ایک نہیں چلنے دی تھی۔ اسے پیچھے بیٹھتے دیکھ کر فوراً "ٹوکا۔

"مما تو فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتی ہیں۔" فرحان نے اس کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بیٹھ گئی۔ زینی پہلے کھڑی خوب چہک رہی تھی اور وہ اس کو اتنا خوش دیکھ کر ایک آخری فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

گاڑی گیسٹ ہاؤس کے سامنے رکی تو زینی اتر کر اندر بھاگ گئی، ابھل نے گردن گھما کر اسے دیکھا، وہ بھی اسی کی سمت متوجہ تھا۔

"میں زینی کی خاطر تمہارے ساتھ رہنے پر مجبور ہوئی ہوں۔ میرے اس سمجھوتے کو محبت سمجھنے کی بھول کبھی مت کرنا، ہم دو شناسا لوگ ایک ہی گھر میں ہمیشہ اجنبی بن کر رہیں گے۔" اترنے سے قبل وہ اسے باور کروانا نہیں بھولی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔ ابھل کو اس وقت اس پر بے تحاشا ترس آیا تھا۔ مگر وہ کسی قسم کی فیاضی کے موڈ میں ہرگز نہیں تھی۔ سو اس کے تاثرات پر مزید غور فرمائے بغیر گاڑی سے اتر آئی۔ حالانکہ اس نے یہ فیصلہ زینی کی خاطر نہیں اپنے دل کی خاطر کیا تھا جو اس شخص کو بے انتہا چاہتا تھا اور جو اس کے لاکھ سمجھانے پر بھی اپنی چاہت سے دستبردار ہونے کو کبھی تیار نہیں ہوا تھا۔

تب بھی نہیں جب اس نے بھری محفل میں اس کی توہین کی تھی۔ تب بھی نہیں جب اس کی وجہ سے وہ بے اماں ہو کر خالی ہاتھ اور ننگے پاؤں سڑک پر کھڑی تھی۔ تب بھی نہیں جب اس نے پانچ سال بعد اسے ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھا تھا۔

تب وہ خالص اس کا ہو کر اس کے پاس آیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اسے اس کے ساتھ رہنے کے لیے کسی جواز کی ضرورت تھی اور آج اس نے اس پر جتا دیا تھا کہ وہ زینی کی خاطر اس کے ساتھ رہنے پر مجبور ہوئی ہے۔ کیونکہ اسے اپنی محبت کا اظہار زندگی میں کبھی نہیں کرنا تھا۔ وہ چاہتی تھی وہ زندگی بھر نارسائی کا عذاب سہے، جیسے اس نے پانچ سال اس کرب کو دن رات اپنے وجود پر جھیلا تھا۔

"میں اسے اپنا اسیر کرتے کرتے خود اس کا اسیر ہو گیا ہوں اور وہ کہتی ہے کہ اس نے میرے ساتھ کمپرومائز کیا ہے اور میں اس سمجھوتے کو محبت سمجھنے کی بھول کبھی نہ کروں، مگر آپ کو پتا ہے وہ جھوٹ بولتی ہے، میں جانتا ہوں وہ مجھ سے اور صرف مجھ سے ہی محبت کرتی ہے۔ ورنہ اس کی نظریں کیوں جھکتیں، لب کیوں لرزتے۔ اس کی محبت کا ثبوت ہے اس کے گلے میں جھولتا وہ لاکٹ جو میں نے اسے نکاح کی شام اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ اس کی الماری میں ترتیب سے رکھے وہ سارے پھول جو میں روز اسے بھیجتا تھا۔ وہ کارڈز جن پر میں نے اپنے دل کی کہانی لکھی تھی اور اس کے نام کے ساتھ جڑا میرا نام۔۔۔ اور وہ کہہ کر گئی ہے کہ ہم ہمیشہ دو شناسا اجنبیوں کی طرح رہیں گے اور مجھے اس کی بات پر ابھی تک ہنسی آ رہی ہے۔ شناسا بھی اور اجنبی بھی؟ میں ابھی اندر جا کر اسے بتانے والا ہوں کہ دو شناسا لوگ کبھی اجنبی نہیں ہوتے۔

==

شعاع عمیر

کرن کرن خوشبو

حدیث قدسی

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا آپؐ نے فرمایا اے لڑکے میں تجھے چند باتیں بتاتا ہوں۔ انہیں غور سے سن دیکھ تو خدا کو یاد رکھ وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تو اللہ کو یاد کر اللہ کو تو اپنے سامنے پائے گا جب مانگے تو اللہ سے مانگ جب تو کسی مشکل میں مدد کا طالب ہو تو خدا سے مدد طلب کر اللہ کو اپنا مددگار بنا اور اس بات پر یقین کر کہ لوگ متحدہ طور پر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے رکھ دیا ہے اور اگر یہی لوگ تجھے نقصان پہنچانا چاہیں بھی تو نہیں پہنچا سکتے سوائے اس کے جو اللہ نے تیرے لیے مقرر کر دیا ہے۔

سورٹھ۔۔۔ آروائی گاؤں

اک نظر ادھر بھی

☆ زیادہ ہوشیاری دراصل بدگمانی ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ ناراض ہونے کے خیال سے حق بات دوست کو نہ جتانا حق دوستی نہیں (حضرت مجدد الف ثانی)

☆ ذہن غلام ہو تو خیالات آزاد نہیں ہو سکتے (برٹرینڈ رسل)

☆ ہمارا اور خدا کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے جب ہم پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگتے ہیں تو وہ ہماری بڑی سے بڑی آرزو پوری کر دیتا ہے۔ (ولیم جیمز)

☆ انسانی زندگی دنیا میں اس شمع کی مانند ہے، جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔ (بطلیموس)

☆ گناہ نیکی کے لباس میں دھوکا دے سکتا ہے (جوئے نل)

سدرہ وزیر۔۔۔ خوشاب (چیل)

دنیا کی مثال

مولانا روم سے کسی نے دنیا کی حقیقت پوچھی تو آپ نے فرمایا۔ "دنیا کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جنگل میں چلا جاتا ہے، دیکھتا ہے کہ اس کے پیچھے شیر آ رہا ہے اور وہ بھاگتا چلا گیا۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ آگے ایک بڑا سا گڑھا ہے وہ چاہتا ہے کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے لیکن گڑھے میں اسے بڑا سا اژدھا نظر آیا۔ اب آگے اژدھے کا خوف اور پیچھے شیر کا ڈر۔ اتنے میں اسے درخت کی ٹہنی نظر آئی، وہ اسے پکڑ کر درخت پر چڑھ گیا مگر درخت پر چڑھنے کے بعد پتا چلا کہ اس کی جڑ کو دو سیاہ اور سفید چوہے کاٹ رہے ہیں۔ وہ شخص بڑا خائف ہوا کہ اگر درخت کی جڑ کٹ گئی تو پھر میں گر جاؤں گا اور پھر اژدھے یا شیر کا لقمہ بننے میں دیر نہیں لگے گی۔ اتفاقاً اس درخت کے اوپر اسے شہد کا چھتا نظر آگیا۔ وہ شہد پینے میں اتنا محو ہو گیا کہ اسے شیر اور اژدھے کا خیال نہ رہا۔ اتنے میں درخت کی جڑ کٹ گئی اور وہ نیچے گر پڑا۔ شیر نے اسے چیر پھاڑ کر گڑھے میں گرا دیا اور وہاں وہ اژدھے کے منہ میں چلا گیا۔"

جنگل سے مراد دنیا ہے۔ شیر موت ہے، جو انسان کے پیچھے ہر وقت لگی رہتی ہے۔ گڑھا قبر ہے، جو آگے ہے۔ اژدھا بد اعمال ہے جو قبر میں ڈالے جائیں گے اور سیاہ سفید چوہے دن، رات ہیں۔ درخت عمر ہے اور شہد کا چھتا دنیائے فانی سے غافل کر دینے والی لذت ہے کہ انسان دنیا کی فکر میں موت اور اعمال بد کی جواب دہی وغیرہ سب کچھ بھول جاتا ہے پھر اچانک موت آ جاتی ہے۔

اقرا۔۔۔ اوکاڑہ

ہمیں عادت ہے حرف بننے کی

★ بعض اوقات محسوسات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ الفاظ کو جگہ نہیں ملتی۔

★ شام ڈھلے گھر میں اتنی روشنی ضرور کر لیا کرو کہ تمہیں اپنا آپ دکھائی دیتا رہے۔

★ کبھی کبھی کتنا دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو گھٹنوں پر سر ٹکائے اور گہری تاریک خاموشیاں ہوں۔

★ خواب ہار جائیں تو آنکھوں میں تھکن اترنے لگتی ہے۔

★ ہر چیز تجربہ نہیں ہوتی، بعض پہلو محض مشاہدات ہوتے ہیں کبھی چشمی اور کبھی قلبی۔

★ لوگ جیت میں تو حصے دار بننے چلے ہی آتے ہیں مگر ہماری ہار بھی کب محض ہماری ہار ہے کہ ہم اسے دل سے مان کر کم از کم اس کا سوگ ہی منا سکیں۔

★ چڑیا گھونسلے سے گرا اپنا بچہ نہیں اٹھا سکتی اور آپ اپنے مضطرب وجود کو نہیں سنبھال سکتے۔

★ بات محبت کی ہو یا نفرت کی، موقع محل دیکھ کر کیجیے۔

★ مٹی کا ایک تودہ بصورت اولاد آپ کے ہاتھوں میں دے دیا جاتا ہے اس کا ایک ایک خدوخال آپ کا تراشیدہ ہے۔ (منیر نیازی)

فاکہہ فردوس۔۔۔ بہاولپور

راضی برضا

حضرت ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ کے دس صاحبزادے تھے اور سب صاحب مال تھے۔ ایک دفعہ یہ تمام بیٹے اپنے والدین کے ہمرکاب سفر کر رہے تھے کہ راہ میں رہزنوں نے حملہ کر دیا اور حضرت کے سامنے ہی نو صاحبزادوں کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت ہر صاحبزادے کی شہادت پر آسمان کی طرف نظر اٹھاتے اور تبسم فرماتے۔

جب ڈاکوؤں نے دسویں صاحبزادے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو ڈاکوؤں میں سے ایک ڈاکو نے حضرت ابن عطار رحمتہ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آپ کیسے نامہربان باپ ہیں۔ آپ کے نو بیٹوں کو قتل کر دیا گیا اور آپ ہنستے رہے اور ہم سے کچھ بھی نہ کہا۔"

آپ نے فرمایا۔ "جس کی مشیت سے یہ سب ہو رہا ہے وہ سب دیکھ رہا ہے اور سب کچھ کر سکتا ہے اگر وہ اب بھی چاہے تو لڑکے کو بچا سکتا ہے۔" ڈاکوؤں نے یہ الفاظ سنے تو ان پر ایک عجیب حالت طاری ہو گئی۔ وہ اپنے ارادے سے رک گئے اور حضرت سے عرض کیا۔

"اے بزرگ! آپ نے یہ الفاظ پہلے کیوں نہ کہے تاکہ آپ کے تمام بیٹے محفوظ رہتے۔"

حضرت نے فرمایا۔ "مالک کو یہی منظور تھا اور میں اس کی مشیت سے خوش ہوں۔"

انمول موتی

○ جب حسن تقریر کرنے لگتا ہے تو بڑے زبردست فصیح مقرر گونگے ہو جاتے ہیں۔

○ خوش قسمت ہے وہ شخص جو خوشی کو چھاؤں اور غم کو دھوپ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔

○ فتح خرگوش کے پیروں، مرد کے دماغ اور عورت کی زبان میں ہوتی ہے۔

○ اگر تمہاری کوئی چیز تمہارے دوست کو مل جائے تو اسے کھویا ہوا محسوس نہ کرو۔

○ گھوڑا اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے بھی مہمیز کی ضرورت ہے۔

○ فتح کس قدر مسرت بخش لیکن کتنی مہنگی ہوتی ہے۔

○ بعض عورتیں شکست کو مان لیتی ہیں۔ فتح حاصل کرنے کے لیے۔

○ اچھے الفاظ کہنے والے کے الفاظ پر غور کرو نہ کہ اس کی ذات پر۔
○ زندگی ایک متحرک سایہ ہے۔
○ حقیقی خوب صورتی کا سرچشمہ دل ہے اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں دیتیں۔

سیدہ نسبت زہرا۔۔۔ کہروڑ پکا

مقام مرادیت

دعا کے بارے میں مجھے کامل یقین ہے کہ خلوص دل سے نکلی ہوئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی مرضی کے مطابق۔ جو خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں۔ اگر ان کی دعا ان کی اپنی خواہش کے مطابق پوری ہو جائے تو وہ اس نعمت پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور اگر ان کی خواہش کے مطابق پوری نہ ہو تو وہ اسے بھی اللہ کی رضا کے مطابق قبولیت ہی سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے بصد خوشی سر تسلیم خم کرتے ہیں عبدیت کی شان اگر مستحکم ہو کر ترقی پاتی رہے تو رفتہ رفتہ انسان کی رسائی کسی قدر مقام مرادیت تک بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

(قدرت اللہ شہاب کی کتاب 'شہاب نامہ سے اقتباس)

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

تاریخی نام

جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو ایک بار اکبر الہ آبادی سے ملنے ان کی کوٹھی پر گئے۔ باہر انہوں نے "عشرت منزل" کی تختی لکھی دیکھی تو اکبر سے کہا۔ "بہت اچھا نام رکھا ہے آپ نے اپنے مکان کا' کوئی نام ہمارے مکان کے لیے بھی تجویز فرما دیجیے۔"

اکبر جوان سے بے تکلف تھے فوراً" بولے۔

"پنڈت جی! آپ یہی نام لے لیجیے 'بس اتنا کیجیے کہ اسے اپنی زبان دے دیجیے یعنی "عشرت منزل" کی جگہ "آنند بھون" کر لیجیے۔"

موتی لال نہرو نے اپنی کوٹھی کو بھی اسی نام سے منسوب کر لی۔ نہرو خاندان کی یہ کوٹھی جس سے جدوجہد آزادی کی کتنی ہی کہانیاں منسوب ہیں' آج اسی نام سے تاریخ کا حصہ بنی ہوئی ہے۔

قمر۔۔۔ کراچی

شاعر

کسی کو دیکھوں تو ماتھے پر ماہ سال ملیں
کہیں بکھرتی ہوئی دھوپ میں سوال ملیں
آؤ کچھ دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شاید نہ اگلے سال ملیں

سدرہ وزیر۔۔۔ خوشاب (پیل)

شاعر

کیسے کاریگر ہیں یہ
آس کے درختوں سے
لفظ کاٹتے ہیں اور سیڑھیاں بناتے ہیں
کیسے باہنر ہیں یہ۔
غم کے بیج بوتے ہیں
اور دلوں میں خوشیوں کی کھیتیاں اگاتے ہیں
کیسے چارہ گر ہیں یہ
وقت کے سمندر میں
کشتیاں بناتے ہیں آپ ڈوب جاتے ہیں

(امجد اسلام امجد)

ہانیہ عمران۔۔۔ گجرات

کوشش جاری رکھیں

آپ اڑ نہیں سکتے تو دوڑ لگائیے۔ دوڑ نہیں سکتے تو تیز قدموں سے چلیں۔ قدم اٹھا نہیں سکتے تو گھسٹتے چلے جائیے۔ مگر بھی رکیں نہیں ٹھہریں نہیں کہ جیون مسلسل تحریک کا نام ہے۔ جمود کا نہیں۔

(مارٹن لوتھر کنگ)

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

ایک قیمتی بات

حاکم وقت ایک دریا کی مانند ہے اور رعایا چھوٹی ندیاں اگر دریا کا پانی میٹھا ہو گا تو ندیاں بھی میٹھا پانی دیں گی اور اگر دریا کا پانی تلخ ہو گا۔ تو لازما" ندیوں کا پانی بھی تلخ ہو گا۔

رابعہ یاسین..... کراچی

شام ہو اگر

بچھڑنا ہی اگر لکھا ہے قسمت میں
تو اس میں دیر کاہے کی
چلو اس پل اسی لمحے بچھڑتے ہیں
ابھی تم آنکھ جھپکو گے
ابھی میں ہاتھ اپنے دل پہ رکھوں گی
ابھی تم مجھ سے کہہ دو گے
جدا ہیں راستے اپنے
مگر تم حوصلہ رکھنا
بچھڑنا ہی اگر لکھا ہے قسمت میں
تو اس میں دیر کاہے کی
چلو اس پل اسی لمحے بچھڑتے ہیں!
(فاخرہ بتول)

رباب علی..... کھلابٹ ٹاؤن شپ

سردیاں ' بارش ' ہوا ' چائے کا کپ
وہ مجھے یاد آ رہا ہو ' شام ہو

یا الٰہی ایسے لمحے سے بچا
وہ کبھی مجھ سے خفا ہو ' شام ہو
نوشابہ منظور بھریارروڈ

بڑوں لوگوں کی بڑی باتیں

☆ انسانیت نور کا دریا ہے۔ جو ازل کی وادیوں سے نکل کر ابد کی راہوں میں بہتا ہے۔

(خلیل جبران)

☆ دوسروں کے چراغ سے روشنی ڈھونڈنے والے ہمیشہ اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔

(عبدالقادر جیلانی)

☆ جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

(گوئٹے)

☆ محبت طویل قربتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وحی کی طرح کسی لمحے میں ہمارے دلوں میں اترتی ہے۔

(جبران)

☆ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو ہماری سوچ میں ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔

(حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

☆ جس طرح شبنم کے قطرے مرجھائے ہوئے پھول کو تازگی بخشتے ہیں' اسی طرح اچھے الفاظ مایوس دلوں کو روشنی بخشتے ہیں۔

☆ انسان کا لباس اور سوسائٹی اس کے اخلاق و کردار کا پہلا سرٹیفکیٹ ہے۔

راحیلہ۔ کراچی

ماہر نفسیات

ایک بڑے ہوٹل میں ماہر نفسیات کا کنونشن منعقد ہو رہا تھا کنونشن کے دوران ایک روز دو ماہرین نفسیات راہ داری میں ایک دوسرے کے پاس سے گزرے' دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ایک نے مسکرا کر دوسرے کو کہا۔ "ہیلو۔" دوسرے نے کوئی جواب نہ دیا اور کافی آگے جا کر ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر سر کھجاتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا۔

"آخر اس "ہیلو" کہنے کا مقصد کیا تھا؟" دو گھنٹے وہ وہیں کھڑا اس سوال پر غور کرتا رہا۔ تب جا کر اس کی سمجھ میں آیا کہ دوسرے نفسیات دان کے "ہیلو" کہنے کا مقصد "ہیلو" ہی تھا۔

گڑیا شاہ۔ کہروڑپکا

☆ ☆

بشریٰ محمود

اُمِّ رومان، کی ڈائری میں تحریر

اعتبار ساجد کی غزل

وہ جو دعوے دار تھا شہر میں کہ سبھی کا نبض شناس ہوں
کبھی آکر مجھ سے تو پوچھتا کہ میں کس کے غم میں اداس ہوں

یہ مری کتاب حیات ہے اسے دل کی آنکھ سے پڑھ ذرا
میں ورق ورق ترے سامنے' ترے روبرو ترے پاس ہوں

یہ تری امید کو کیا ہوا کبھی تُو نے غور نہیں کیا
کسی شام تُو نے کہا تو تھا، تری سانس ہوں، تری آس ہوں

یہ جو شہر فن میں قیام ہے سو تیرے طفیل ہی نام ہے
میرے شعر کیوں نہ گداز ہوں کہ ترے لبوں کی مٹھاس ہوں

یہ تیری جدائی کا غم نہیں کہ یہ سلسلے تو ہیں روز کے
تیری ذات اس کا سبب نہیں، کئی دن سے یونہی اداس ہوں

کسی اور کی آنکھ سے دیکھ کر مجھے ایسے ویسے لقب نہ دے
تیرا اعتبار ہوں جان من، نہ خیال ہوں نہ قیاس ہوں

حنا رئیس، کی ڈائری میں تحریر

ایک خوبصورت نظم

آئینہ،

آئینے کچھ تو بتا! اُن کا تو ہمراز ہے تو
تُو نے وہ زلف، وہ مکھڑا وہ دہن دیکھا ہے
اُن کے ہر حال کا بے ساختہ پن دیکھا ہے
وہ نہ خود دیکھ سکیں جس کو نظر بھر کے کبھی
تُو نے جی بھر کے وہ ہر خطِ بدن دیکھا ہے
اُن کی تنہائی کا دلدار ہے' دم ساز ہے تو
آئینے! کچھ تو بتا اُن کا تو ہمراز ہے تو
کیا وہ شاعر کی طرح خود کو کبھی دیکھتے ہیں
ٹکٹکی باندھ کے کیا اپنی چھبی دیکھتے ہیں
شوخ، معصوم، جواں مست سجل بے پروا
کیا وہ خود اپنے یہ انداز کبھی دیکھتے ہیں
اتنا گم سُم ہے کہ خود اُن کا اک انداز ہے تو
آئینے! کچھ تو بتا، اُن کا تو ہمراز ہے تو
رنگ رُخ کیا کبھی کچھ اور نکھر جاتا ہے
آنکھیں جھکتی ہیں تو کیا روپ سنور جاتا ہے
کھوئے کھوئے سے وہ کچھ سوچ کے جب ہنستے ہیں
کیا کوئی نام بھی ہونٹوں پہ اُبھر آتا ہے
اُن کے جذبات کی سہمی ہوئی آواز ہے تو
آئینے کچھ تو بتا، اُن کا تو ہمراز ہے تو
سنیلیں زلف بنانے وہ جب آئیں گے نا
پہلے اُس چاند سے مکھڑے کی بلائیں لینا
پھر زباں تجھ کو جو مل جائے تو سرگوشی میں
حسن کو اور نکھرنے کی دعائیں دینا
خلوتِ حسن میں اک عشق کی آواز ہے تو
آئینے کچھ تو بتا، اُن کا تو ہمراز ہے تو

حبا خان، کی ڈائری میں تحریر

حسن رضوی کی غزل

نہ وہ اقرار کرتا ہے نہ وہ انکار کرتا ہے
ہمیں پھر بھی گماں ہے وہ ہم ہی سے پیار کرتا ہے

منڈیروں سے کوئی مانوس سی آواز آتی ہے
کوئی تو یاد ہم کو بھی پسِ دیوار کرتا ہے

یہ اُس کے پیار کی باتیں فقط قصے پرانے ہیں
بھلا کچے گھڑے پہ کوئی دریا پار کرتا ہے

ہمیں یہ دُکھ کہ وہ اکثر کئی موسم نہیں ملتا
مگر ملنے کا وعدہ وہ ہم سے ہر بار کرتا ہے

حسن راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند سوتے ہیں
تو اک خواب آشنا چہرہ ہمیں بیدار کرتا ہے

رفعت جبیں، کی ڈائری میں تحریر
فیض احمد فیض کی غزل

نصیب آزمانے کے دن آ رہے ہیں
قریب ان کے آنے کے دن آ رہے ہیں

جو دل سے کہا ہے، جو دل سے سُنا ہے
سب ان کو سُنانے کے دن آ رہے ہیں

ابھی سے دل و جاں سرِ راہ رکھ دو
کہ لٹنے لٹانے کے دن آ رہے ہیں

صبا پھر ہمیں پوچھتی پھر رہی ہے
چمن کو سجانے کے دن آ رہے ہیں

ان کی آنکھوں کی مستی کہہ رہی ہے
نگاہیں چرانے کے دن آ رہے ہیں

چلو فیض پھر سے کہیں دل لگا لیں
سنا ہے ٹھکانے کے دن آ رہے ہیں

سور ٹھ ساند، کی ڈائری میں تحریر
محسن نقوی کی نظم

دسمبر مجھے راس آتا نہیں،

کئی سال گزرے
کئی سال بیتے
شب و روز کی گردشوں کا تسلسل
دل و جان میں سانسوں کی پرتیں اُلٹتے ہوئے
زلزلوں کی طرح ہانپتا ہے
چٹختے ہوئے خواب
آنکھوں کی نازک رگیں چھیلتے ہیں
مگر میں ہر اک سال کی گود میں جاگتی صبح کو
بے کراں چاہتوں سے اٹی زندگی کی دُعا لے کر
اب ایک وہی جستجو کا سفر کر رہا ہوں
گزرتا ہوا سال جیسا بھی گزرا مگر سال کے آخری دن
نہایت کٹھن ہیں
میرے ملنے والو
نئے سال کی مسکراتی ہوئی صبح گر ہاتھ آئے تو
تو ملنا
کہ جاتے ہوئے سال کے ساعتوں میں
یہ بجھتا ہوا دل
دھڑکتا تو ہے مسکراتا نہیں
دسمبر مجھے راس آتا نہیں

شانی سیال، کی ڈائری میں تحریر
قتیل شفائی کی غزل

صدمہ تو ہے مجھے بھی کہ تجھ سے جُدا ہوں میں
لیکن یہ سوچتا ہوں کہ اب تیرا کیا ہوں میں

بکھرا پڑا ہے تیرے ہی گھر میں تیرا وجود
بے کار محفلوں میں تجھے ڈھونڈتا ہوں میں

میں خود کشی کے جُرم کا کرتا ہوں اعتراف
اپنے بدن کی قبر میں کب سے گڑا ہوں میں

کس کس کا نام لاؤں زباں پر کہ تیرے ساتھ
ہر روز ایک شخص نیا دیکھتا ہوں میں

کیا جانے کس ادا سے لیا تُو نے میرا نام
دُنیا سمجھ رہی ہے کہ سب کچھ تیرا ہوں میں

پہنچا جو تیرے در پہ تو محسوس یہ ہوا
لمبی سی اک قطار میں جیسے کھڑا ہوں میں

لے میرے تجربوں سے سبق اے میرے رقیب
دو چار سال عمر میں تجھ سے بڑا ہوں میں

جاگا ہوا ضمیر وہ آئینہ ہے قتیلؔ
سونے سے پہلے روز جسے دیکھتا ہوں میں

نائلہ قریشی، کی ڈائری میں تحریر
اعتبار ساجد کی نظم

یہ سال بھی آخر بیت گیا،

کچھ ٹیسیں، یادیں، خواب لیے
کچھ کلیاں، چند گلاب لیے
کچھ اکھڑیاں پُرآب لیے
کچھ اُجلے دن کالی راتیں
کچھ سچے دُکھ جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رُتیں، کچھ برساتیں
کسی یارِ عزیز کا دُکھ بھارا
کسی چھت پہ امیدوں کا تارا
جس پہ ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اُس میں تیری یاد کے سائے تھے
وہ لوگ سبھی آخر لوٹ گئے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دُکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی لمحے دفنائے تھے

جاسمہ مریم نوید، کی ڈائری میں تحریر
ایک نظم

دسمبر سو گیا ہے...!

اسے کہنا کتابوں میں رکھے سوکھے پھول
اس کے لوٹ آنے کا یقین اب تک دلاتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی جھیل سی آنکھیں کسی منظر پر چھا جائیں
تو سب منظر یونہی پھر بھیگ جاتے ہیں
اسے کہنا کہ ٹھنڈی برف پر کوئی کسی کے ساتھ چلتا ہے
تو قدموں کے نشاں پھر سے اسی کے لوٹ آنے کے ساتھ
نشاں دل پر بناتے ہیں
اسے کہنا کہ اس کی بھیگی آنکھوں کا وہ آنسو
ستارے کی طرح اب بھی ہمیں شب بھر جگاتا ہے
اسے کہنا...!
کہ بارش کھڑکیوں پر اس کے آنسو پینٹ کرتی ہے
اسی کا نام لکھتی ہے
اسے ہی گنگناتی ہے
اسے کہنا، کہ خوشبو، چاندنی، تارے، صبا، راستے، گھٹا
کا جل
محبت، چاندنی، شبنم، ہوائیں، رات، دن، بادل
سبھی ناراض ہیں ہم سے
اسے کہنا!
جُدائی کے درختوں پر جو سوکھی ٹہنیاں ہیں
وہ ساری برف کی چادر میں کب کی ڈھک چکی ہیں
اور ان شاخوں پر یادوں کے
جو پتے تھے سنہرے ہو گئے ہیں
اسے کہنا!
اسے کہنا!
دسمبر سو گیا ہے
اور یخ بستہ وہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے
اسے کہنا کہ لوٹ آئے

ایم۔آر۔کے ___ مظفر گڑھ

سمٹی ہوئی شرمائی ہوئی رات کی رانی
سوئی ہوئی کلیوں کی حیا تم تو نہیں ہو

شائستہ رشید ___ لاہور

اک روز اس طرح میرے بازوؤں میں آ
میرے ادب کو تیری حیا کی خبر نہ ہو

حنا کنول ___ حویلی لکھا

جو اس کے چہرے پہ رنگ حیا ٹھہر جائے
تو سانس وقت سمندر ہوا ٹھہر جائے
وہ مسکرائے تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم
وہ گنگنائے تو بادِ صبا ٹھہر جائے

شمع حیام ___ سلانوالی

گھومنے جب بھی ترے شہر میں جاتی ہے وفا
بین کرتی ہوئی واپس وہ سدا آتی ہے
ہے وہی بات ہر اک لب پہ بہت عام یہاں
ہم سے جو کہتے ہوئے ان کو حیا آتی ہے

ثمینہ، زبیدہ ___ کراچی

ملنا تمہارا مجھ سے محض حادثہ نہ تھا
یہ کارنامہ دل کا کرشمہ دعا کا تھا
ہم مبتلائے عشق تھے ہر گز نہ کہہ سکے
خاموش ہی رہے یہ تقاضا حیا کا تھا

عظمیٰ، نادیہ ___ کورنگی

حیا سمجھوں، ادا سمجھوں کہ اظہار وفا سمجھوں
تمہاری مسکراہٹ مجھ سے پہچانی نہیں جاتی

رضیہ طاہر ___ ڈیفنس

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیے
بیٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیے

نمرہ، اقرأ ___ کراچی

مجھ سے بچھڑ گیا جو گئے سال کی طرح
اس کا بھی حال ہوگا میرے حال کی طرح
آیا نہیں وہ رہ گئے رستے سجے ہوئے
یہ سال بھی گزر گیا ہر سال کی طرح

مریم شہناز ___ کراچی

گئے موسم میں جو کھلتے تھے گلابوں کی طرح
دل پہ اتریں گے وہی خواب عذابوں کی طرح
کون جانے کہ نئے سال میں تو کس کو پڑھے
تیرا معیار بدلتا ہے نصابوں کی طرح

فروا ___ ڈسکہ

دسمبر کی شب آخر نہ پوچھو کس طرح گزری
یہی لگتا تھا ہر دم وہ ہمیں کچھ پھول بھیجے گا

ندا، فضہ ___ کراچی

آج اک اور برس بیت گیا اس کے بغیر
جس کے ہوتے ہوئے ہوتے تھے زمانے میرے

نادیہ ___ گجرات

رخصت ہوا جو سال تو محسوس یہ ہوا
ہر لمحہ حسرتوں کا لہو چوستا رہا

کرن ___ فیصل آباد

مسئلے تو پچھلے سال کے اپنی جگہ رہے
سب سوچتے رہے کہ نیا سال آگیا
خوشیاں جو بانٹتا تو کوئی نئی بات تھی
گزرا ہوا یہ سال بھی عمر میں بڑھا گیا

مدیحہ ___ خانیوال

کچھ خوشیاں کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا اک اور سنہرا سال گیا

خدیجہ سلیم ___ کے ڈی اے

وہ مرا ہو جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو
ہر قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو
ناز اس کے نہ اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے
وہ مرے درد کو سہنے کی ادا رکھتا ہو

آصفہ ___ جھنگ صدر

شبنم کی ایک بوند تھی پھولوں کی کائنات
وہ بھی نہ بچ سکی ہوس آفتاب سے

آمنہ ناز محمد ___ میرپور ساکرو

اک خواب جو منجدھار میں برسوں سے گھرا ہے
اس خواب کو ساحل نہ ملا اب کے برس بھی
آنکھوں کی طرح تھک سے گئے پھیلے ہوئے بازو
وہ میرا پتا بھول گیا اب کے برس بھی

فوزیہ ___ گوجرہ

لوگوں نے جشن رات نئے سال کا کیا
ہم اپنے گھر میں تیرے لیے سوچتے رہے

عائشہ ___ گوجرہ

عجب قحط پڑا اب کے سال اشکوں کا
کہ آنکھ تر نہ ہوئی خون میں نہا کر بھی

صائمہ جیمی ___ کراچی

اس برس کا بھی نام ہم نے تو!
تیری یادوں کا سال رکھا ہے

کرن ___ محراب پور

نیا سال آیا نئے غم ملیں گے
ستم گر بہت، مہرباں کم ملیں گے

خدیجہ سلیم ___ کے ڈی اے

کتنے مسرور تھے جینے کی دعاؤں پر شکیل
ملا ہے رنج تو تاثیر پہ رونا آیا

فوزیہ ثمر بٹ ___ گجرات

میری بند پلکوں پہ ٹوٹ کر کوئی پھول رات بکھر گیا
مجھے سسکیوں نے جگا دیا، میری کچی نیند مٹ گئی
نہ خوشی نہ ملال ہے، کہ سبھی کا اک مان ہے
تیرے سکھ کے دن بھی گزر گئے، میری غم کی رات بھی کٹ گئی

خالدہ حیدر ___ رحیم یار خان

ہم مبتلائے عشق تھے ہر گز نہ کہہ سکے
خاموش ہی رہے کہ تقاضا وفا کا تھا
ترکِ تعلقات کے اسباب کیا بتائیں
بس ہو گئے جدا سوال انا کا تھا

سیدہ شفق زہرا نقوی ___ کراچی

منزل کی بات چھوڑو کس نے پائیں منزلیں
اک سفر اچھا لگا اک ہم سفر اچھا لگا

حنا رانا ___ کراچی

عقل کے اندھوں کی محفل میں چپ ہے فراز
کتنی سیانی اس پاگل کی باتیں ہیں

فوزیہ، نادیہ ___ کراچی

سچ تو یہ ہے کہ دونوں ہی صادق نہ تھے کبھی
جھوٹا تھا میرا پیار تو تو بھی خدا نہ تھا

عذرا ناصر ___ کراچی

خود اپنی آگ میں جلتا کہاں سے
پرائی آگ میں جلتا رہا میں
میری تو جیت بھی ہار ہی تھی
خود اپنے آپ سے لڑتا رہا میں

شازیہ ریاض ___ گھارو

اپنے لبوں کو دشمن اظہار مت بنا
سچے ہیں جو انہی کو گناہ گار مت بنا
یہ تیرا ضبط اور وہ شعلہ سا آدمی
سورج کے آگے موم کی دیوار مت بنا

نزہت حیدر ___ کبیر والا

زمی جُزا کے رنگ و بو نیلام کر گیا
میں خاص بہت تھی وہ مجھے عام کر گیا
خود ہی نباہ نہ پایا تھا وہ وضع داریاں
وہ شہر وفا میں مجھے بدنام کر گیا

تبسم فاطمہ ___ کراچی

میں اداسیاں نہ سجا سکوں کبھی جسم و جاں کے مزار پر
نہ دیے جلیں میری آنکھ میں مجھے اتنی سخت سزا نہ دے
میرے ساتھ چلنے کے شوق میں بڑی دھوپ سر پہ اٹھائے گا
ترا ناک نقشہ ہے موم کا کہیں غم کی آگ گھلا نہ دے

گُلِ رعنا ——— کراچی

شبنم لباسِ گُل ہے تو آنسو ہیں چاندنی
کیا کہئے خامشی کی صدا ہو رہا ہوں میں

زیب یوسف ——— کراچی

کسی مفلس کسی نادار کے گلشن کی کلی
صبح کے وقت بھی شبنم کو ترس جاتی ہے
ایک تو اٹھتی نہیں ہے کبھی گھنگھور گھٹا
اور اٹھتی ہے تو دریا پہ برس جاتی ہے

طوبیٰ کرن ——— اوکاڑہ

لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم
شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا

نازش ریحان ——— کراچی

باغِ عالم میں رہے شادی و ماتم کی طرح
پھول کی طرح ہنسے رو دیے شبنم کی طرح
شکوہ کرتے ہو خوشی تم سے منائی نہ گئی
ہم سے غم بھی تو منایا نہ گیا غم کی طرح

روزینہ ——— کراچی

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

فرحت ——— کراچی

پھول جب کرتے ہیں شبنم کی ضرورت محسوس
رات جاتے ہوئے کچھ اشک بہا جاتی ہے

روبینہ نعیم ——— کے ڈی اے

ہیں شہرِ گُل میں زخم کا چہرہ کیسے دکھاؤں
شبنم بدست لوگ تو کانٹے چبھو گئے

فضہ یوسف ——— فیصل آباد

یہ شہرِ صداقت بھی عجیب شہر ہے شبنم
میں نے یہاں اک شخص بھی سچا نہیں دیکھا

نورالایمان احمد ——— ڈلوال

کبھی مشکلوں کا تھا سامنا کبھی راحتوں میں گزر گئے
وہ جو دن تھے میرے شباب کے تیری چاہتوں میں گزر گئے
کبھی رازداں نے ستم کیا، کبھی خود رقیب سے جا ملے
وہ جو لمحے تھے میرے پیار کے، وہ رقابتوں میں گزر گئے

صدف عمران ——— کراچی

سمجھ جاتا ہوں مگر دیر سے میں داؤ پیچ اس کے
وہ بازی جیت جاتا ہے میرے چالاک ہونے تک

عابدہ نثار ——— کراچی

پھر آج عدم شام سے غمگین ہے طبیعت
پھر آج سرِ شام تیری یاد آئی ہے

جاسمہ مریم نوید ——— 48 - بی

اپنی آواز کی لرزش پہ تو قابو پا لو
پیار کے بول تو ہونٹوں سے نکل جاتے ہیں

مہوش ——— لاہور

اس کی خواہش ہے کہ آنگن میں اتار دے سورج
بھول بیٹھا ہے کہ موم کا گھر رکھتا ہے

روبینہ نعیم ——— کے ڈی اے

تو نام کا دریا ہے روانی نہیں رکھتا
بادل ہے وہ بے فیض جو پانی نہیں رکھتا
یہ آخری خط آخری تصویر بھی لے جا
میں بھولنے والوں کی نشانی نہیں رکھتا

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

سلامت ہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں

آصفہ ——— کراچی

خزاں کی رُت ہے جنم دن ہے دھواں اور پھول
ہوا بکھیر گئی موم بتیاں اور پھول!
وہ لوگ آج خود اک داستاں کا حصہ ہیں
جنہیں عزیز تھے قصے کہانیاں اور پھول

سدرہ وزیر ——— خوشاب (پیل)

بنا ہمسفر کے کب تک کوئی مسافتوں میں لگا رہے
جہاں کوئی کسی سے جدا نہ ہو مجھے اس راہ کی تلاش ہے
مجھے دیکھ کر جو اک نظر میرے سارے درد سمجھ سکے
جو اس قدر ہو چارہ گر مجھے اس نگاہ کی تلاش ہے

حسن و صحت

اِدارہ

گرتے بالوں کا علاج

ہم روزانہ پچاس سے اسی بال کھو بیٹھتے ہیں مگر پریشان ہونے کی بات نہیں کیونکہ یہ نارمل بات ہے۔ اگر غذا میں کسی طرح کی کمی ہو گی اور آپ کی صحت متاثر ہو رہی ہو گی تو پھر خطرے والی بات ہے۔ جو بال نارمل طریقے سے گرتے ہیں اس کی جگہ دوسرے بال نکل آتے ہیں۔ ہر بال ایک مہینہ میں ایک چوتھائی یا پھر آدھا انچ تک بڑھتا ہے۔

بال گرنے کی وجہ

اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً" کوئی اندرونی بیماری، کسی دوا کا ردعمل، غیر متوازن غذا کھوپڑی میں کوئی بیماری، سن یاس، بچے کی پیدائش..... یہ سب عام

وجوہات ہیں۔ ان کی وجہ سے جسم میں ضروری معدنیات اور وٹامن کی کمی ہو جاتی ہے اور نتیجے میں بال گرنے لگتے ہیں، ایک اور وجہ بال گرنے کی یہ ہے کہ ان میں جو خرابی ہو رہی ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ بالوں کو ضرورت سے زیادہ کھینچنا اور کنگھے کے ذریعے زور زور سے کھینچ کر سلجھانا، بالوں پر حرارت کا استعمال کرنا، باقاعدگی کے ساتھ رولر اور بلو ڈرائر کا استعمال کرنا اور ان کو رنگوانا، یہ سب ایسے عمل ہیں۔ جن سے بالوں کے لیے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور ان کو نقصان پہنچتا ہے۔

گنج پن بھی اس بات کا اعلان ہے کہ کھوپڑی کسی بیماری کا شکار ہو گئی ہے۔ اس بیماری میں ہوتا یہ ہے کہ سر کے زیادہ تر حصے میں بال نارمل طریقے سے اگتے رہتے ہیں مگر کچھ حصے میں دھبے نظر آتے ہیں۔ اگر ان کا بروقت علاج نہ کروایا جائے تو یہ دھبے بڑھ کر بڑے بھی ہو جاتے ہیں اور اطراف میں پھیلنے بھی لگتے ہیں اور بالآخر پوری کھوپڑی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور سر بالکل گنجا ہو جاتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ دباؤ اور بے چینی ہے۔ جو ذہنی، جذباتی اور جسمانی طور پر ہو سکتی ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ بالوں کا علاج بہت نرمی سے کرنا ہے۔ زیادہ زور اور تیزی سے کھوپڑی پر مساج کرنے سے بالوں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچتا ہے۔ بالوں کو سلجھانے کے لیے ایسا کنگھا استعمال کیا جائے جس کے دانت قدرے کھلے ہوں۔

قدرتی علاج

پودوں سے کشید کیے گئے سیال مادوں کے استعمال

سے کامیابی ملتی ہے اور اس سے بالوں کی بڑھوتری میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ کھوپڑی کو بھی طاقت اور صحت ملتی ہے۔ مہندی' ریٹھا' سکاکائی' آملہ اور تیل برسہا برس سے بالوں کی افزائش اور ان کو گرنے سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کیے جارہے ہیں۔ ان کے کوئی ضمنی اثرات بھی نہیں ہیں۔

گھریلو نسخہ جات

بالوں کو گرنے سے بچانے اور طاقت ور بنانے کے لیے کیسٹر آئل اور آیوڈین کا استعمال متبادل ہفتہ کے طور پر کریں یعنی ایک ہفتہ کیسٹر آئل اور دوسرے ہفتہ آیوڈین استعمال کریں۔ سر پر مساج کریں۔ تولیہ کو گرم پانی میں گیلا کر کے نچوڑ کر بالوں کے گرد لپیٹ لیں۔ دس منٹ کے بعد بالوں میں شیمپو کریں اور اچھا کنڈیشنر بھی لگائیں۔ یاد رکھیں کہ کنڈیشنر آپ کے بالوں کو بیرونی اثرات سے بچانے کے لیے ایک ڈھال کے طور پر کام کرتا ہے اور آپ کے بالوں کو ترتیب میں بھی رکھتا ہے۔

چار گلاس پانی میں دو سو گرام ریٹھا بھگودیں۔ ساری رات بھیگنے دیں۔ صبح دس سے پندرہ منٹ تک اسے ابالیں۔ اس کے بیج نکال لیں اور پانی نتھار لیں اور باقی بچے ریٹھے کو بالوں پر لگائیں۔

لیموں کے بیج اور کالی مرچ کا پیسٹ بنا کر کھوپڑی پر جہاں جہاں دھبے ہیں لگاتے جائیں۔ یہ عمل ہفتہ میں دوبار کیا جائے۔

انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح پھینٹ کر پوری کھوپڑی پر اس کا مساج کریں۔ جب اچھی طرح خشک ہوجائے تب دھولیں۔

ارد (ماش) کی دال میں میتھی ڈال کر اچھی طرح گلالیں اور پیسٹ کی طرح لگا کر بالوں کو ہفتہ میں تین بار اس سے دھوئیں۔

پانچ ٹیبل اسپون ناریل کا خالص تیل اور ایک ٹیبل اسپون لیموں کا رس مکس کر کے اس طرح مساج کریں کہ کھوپڑی تک یہ مکسچر پہنچ جائے۔

اکثر شیمپو اور صابن میں کیمیکل استعمال ہوتا ہے۔ اس کے بجائے سکاکائی اور آملہ کا استعمال کریں۔

ہفتہ میں ایک بار بالوں میں تیل ضرور ڈالیں اور مساج بھی کریں۔ ایلوویرا آئل' ناریل کا تیل یا سرسوں کا تیل ہفتہ میں دوبار لگائیں۔ اپنی غذا کو چیک کریں۔ معقول مقدار میں پروٹین اور وٹامن لیں۔ معدنیات اور آیوڈین کی بھی اپنی اہمیت ہے۔ آیوڈین کھوپڑی کے نیچے خون کی گردش میں اضافہ کرتی ہے۔ بالوں کو کیمیکل ٹریٹ منٹ سے بچانا چاہیے۔

مالٹا.....دماغی کام کرنے والوں کے لیے قدرتی تحفہ

پھلوں کی ایک اہم خوبی ان کا زود ہضم ہونا ہے' اس طرح نہ صرف یہ خود ہضم ہو کر فرحت کا احساس دلاتے ہیں بلکہ غذا کے ہاضمے میں مدد دیتے ہیں۔ ان پھلوں میں سے ایک مالٹا ہے جو ہمارے ہاں بکثرت ہوتا ہے اور اسی تناسب سے استعمال ہوتا ہے۔

طب کے نکتہ نگاہ سے مالٹا صفرا کو کم کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ صفراوی بخاروں میں مفید ہے۔ مالٹے کا رس استعمال کرنے سے طبیعت کو تسکین ملتی ہے' دل و دماغ کو فرحت کا احساس ہوتا ہے اور جسم کا مدافعتی

نظام مضبوط ہوتا ہے۔ مالٹے کے پھول میں معدنی اجزاء کافی مقدار میں ہوتے ہیں یوں اس کا صرف رس ہی استعمال نہیں کرنا چاہیے بلکہ پھوک بھی کھالینا چاہیے۔ اس طرح یہ پھل غذائیت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ریشہ (فائبر) بھی فراہم کرتا ہے جو قبض کے لیے مفید ہے۔ ریشہ کے اور بھی بہت فوائد ہیں۔

مالٹے میں چونکہ مٹھاس کم ہے اس لیے ذیابطیس (شوگر) کے مریضوں کے علاوہ ان کے لیے بھی فائدہ مند ہے جو موٹاپے سے نجات چاہتے ہیں' مالٹا کا چھلکا جس قدر پتلا ہوگا اسی قدر غذائی اجزاء سے موثر ہوگا اور ذائقہ بھی اچھا ہوگا۔ اس کے چھلکوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے سکھالیں تو چاولوں کو خوشبودار بناتے ہیں اور ہمارے ہاں گھروں میں انہیں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے ان چھلکوں کا مربہ اور ابٹن بھی بنایا جاتا ہے اس ابٹن سے نہ صرف چہرے کے داغ' دھبے اور چھائیاں دور ہوتے ہیں بلکہ چہرے کی جلد میں قدرتی نکھار پیدا ہوتا ہے۔

البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ لوگ جن کو نزلہ زکام اور کھانسی کا عارضہ ہو وہ مالٹا کا استعمال نہ کریں کیونکہ ان عوارضات میں مالٹا استعمال کرنا مضر ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ جن کا گلا ترش اشیاء کا متحمل نہیں ہو سکتا انہیں اس کے ساتھ کالی مرچ اور تھوڑا نمک لگا کر استعمال کرنا چاہیے۔

پھلوں کا رس.....فرحت بخش و مؤثر ٹانک

پھل نعمت رب جلیل ہیں اور قدرت کا حسین تحفہ ان میں شکر یلے اجزاء اور جسم کو حرارت و توانائی مہیا کرنے والے حیاتین بکثرت ہوتے ہیں یہ جسم کی نشوونما' صحت' ازالہ مرض اور شفا کے لیے کافی ہیں۔

پھل عام طور پر زود ہضم ہوتے ہیں' اگر پھل پکا ہوا ہو تو اعضاء ہضم بہت جلد ہضم کر لیتے ہیں بلکہ غذا بھی جلد ہضم ہو جاتی ہے۔ اس طرح پھلوں کا رس بھی بہت جلد ہضم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اکثر غذا کی نالی سے نیچے اترتے ہی کچھ ہی دیر میں خون میں شامل ہو کر رگ و ریشہ میں پہنچتا ہے۔ پھلوں میں عام طور پر پانی کا حصہ زیادہ ہوتا ہے جبکہ چکنائی شکر یلے اجزاء اور روغنیات بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اجزاء جسم انسانی کی نشوونما اور توانائی کے لیے بہت اہم ہیں۔ پھلوں کے رس کے ذریعے ملنے والی شکر دوسری شکر کے مقابلے میں زود ہضم اور لذیذ ہوتی ہے۔ آج کے دور میں پھلوں کا رس بہت آسانی سے مل جاتا ہے' اگر کوئی شخص بدہضمی کا شکار ہو تو اسے روٹی سے فاقہ کرایا جائے اور دو تین ہفتے پھلوں کا رس استعمال کرایا جائے تو بدہضمی جاتی رہے گی بلکہ نظام ہضم کی اور خرابیاں بھی جاتی رہیں گی۔

امراض جگر میں تو پھلوں کا رس اکسیر کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ جگر پھلوں کی شکر کو دوسری شکر سے جلد ہضم کر لیتا ہے۔

قبض آج کے دور کا عام مرض ہے جسے دیکھو جلاب آور ادویہ لے رہا ہے اور بعض لوگوں کو تو اجابت ہی گولیوں سے ہوتی ہے حالانکہ حکماء کی رائے ہے کہ قبض میں ادویہ کا استعمال اشد ضرورت میں کیا جائے۔ اول درجے میں غذاؤں سے علاج کیا جائے کیونکہ دواؤں کا استعمال آنتوں کو خراب کر دیتا ہے اور پھر یہ علاج عارضی ہوتا ہے ایسے مریضوں کے لیے پھلوں کا رس بہت مفید ہے۔ ناشپاتی' نارنگی اور کیلے میں قبض سے نجات حاصل کرنے کی قدرتی صلاحیت ہے۔ اگر قبض شدید ہو تو انجیر' خوبانی' انگور' قبض کشا پھل ہیں۔ آج کے زمانے میں نوجوان لڑکوں' لڑکیوں' کا ایک مسئلہ ظاہری حسن ہے جبکہ قدرت نے پھلوں کے رس میں خون صاف کرنے کی بڑی صلاحیت رکھی ہے۔ جو لوگ پھلوں کا رس استعمال کرتے ہیں ان کی رنگت سفید سرخ اور چہرہ بارونق نظر آتا ہے اور وہ ظاہری حسن کے لیے کسی مصنوعی کریم کے محتاج نہیں ہوتے۔ نارنگی کو لیجیے اس کے باقاعدہ استعمال سے خون کے فاسد مادے خارج ہو جاتے ہیں' جلد کا رنگ نکھرتا ہے اور خوب صورتی پیدا کرتا ہے' داغ کیل' چھائیاں وغیرہ جاتے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو خون کی کمی کا شکار ہیں ان کے لیے پھلوں کا رس بہترین دوا ہے۔

ریحانہ امجد بخاری

معجزہ

مشاعرہ ہو رہا تھا۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اسٹیج سکریٹری تھے۔ ایک شاعر اپنا کلام پڑھ چکے تو کنور مہندر سنگھ سامعین سے مخاطب ہوئے۔

معجزہ آپ کو دکھاتا ہوں
عرش کو فرش پر بلاتا ہوں

یہ شعر سنا کے انہوں نے عرش ملسیانی کو ڈائس پر بلالیا۔

زرینہ..... فیض آباد' اوکاڑہ

ڈراپ سین

ایک فرانسیسی ہوا باز اپنا جہاز رن وے پر اتارتے ہوئے بہت خوش تھا۔ نیچے عملے نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک ایئرمین اس کی وردی اور ہیلمٹ اتارنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔

ہوا باز نے بڑے فخر سے کہا۔ "آج میں نے جرمنوں کا بہت نقصان کیا ہے' دو جہاز گرائے' ایک آبدوز تباہ کی اور ایک بحری جہاز اڑا دیا۔"

"لیکن سر جی! آپ سے ایک بہت بڑی بھول ہو گئی ہے۔"

"وہ کیا بھئی.....؟"

"دراصل سر جی! آپ غلطی سے جرمنوں کے ہوائی اڈے پر ہی لینڈ کر گئے ہیں۔"

نادیہ..... عسکری-2' راولپنڈی

ہری مرچیں

ٹرین میں سفر کے دوران ایک ڈاکو اچانک ڈبے میں داخل ہوا اور پستول ایک مسافر کی کنپٹی پر رکھ کر کہا۔

"تمہارے پاس جو کچھ ہے فوراً" نکال دو۔"

مسافر نے ادھر ادھر دیکھا پھر آہستہ سے کہا۔

"آہستہ بولو' میرے پاس تو ٹکٹ بھی نہیں ہے۔"

☆ ☆ ☆

ایک گاہک غصے کی حالت میں شوپیس کی دکان میں داخل ہوا اور دکاندار سے کہا۔ "میں نے آپ کی دکان سے ہاتھی دانت کی بنی ہوئی کچھ چیزیں خریدی تھیں لیکن گھر جا کر دیکھا تو سب پلاسٹک کی تھیں۔ دکاندار نے مکاری سے کہا۔ "جناب غصہ نہ ہوں' اصل بات یہ ہے کہ ہاتھی نے مصنوعی دانت لگائے ہوئے تھے۔"

☆ ☆ ☆

"ایک چور تار کی مدد سے ایک گھر کا تالا کھول رہا تھا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد تالا کھل گیا۔ عین اسی وقت مالک مکان بھی آگیا' اسے دیکھ کر چور گھبرا گیا۔ وہ بھاگنا ہی چاہتا تھا کہ مالک مکان نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی اور کہا۔

"گھبراؤ نہیں! میں تمہارا شکر گزار ہوں کیونکہ اس تالے کی چابی مجھ سے کھو گئی تھی۔"

☆ ☆ ☆

ایک مریض نے ڈاکٹر سے اپنے مرض کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے عجیب سی بیماری ہو گئی ہے' میری بیوی جب بولنا شروع کرتی ہے تو مجھے اس کا ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیتا۔"

یہ سن کر ڈاکٹر بولا۔ "جناب! اسے بیماری نہ سمجھیں بلکہ یہ نعمت خداوندی ہے' جو آپ کو عطا ہوئی ہے۔"

اظہار ہمدردی

ایک امیر آدمی اپنی قیمتی گاڑی میں بیٹھا جا رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک خالی پلاٹ میں بیٹھے گھاس توڑ توڑ کر کھا رہے ہیں۔ اس نے فوراً" گاڑی روکی اور گھاس کھانے والوں کے پاس چلا گیا۔ اس نے ان لوگوں سے کہا۔ "مجھے تم لوگوں پر بڑا ترس آرہا ہے' اس قدر بھوک..... چلو سب میری گاڑی میں بیٹھو۔"

آٹھ دس بھوکے آدمی اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ امیر آدمی نے گاڑی چلا دی۔

کچھ دیر گزری تو بھوکوں میں سے ایک نے سب کا ترجمان بن کر کہا۔ "جناب! ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہماری بھوک دیکھ کر ہم پر ترس کھایا۔ مگر آپ ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟"

امیر آدمی نے کہا۔ "بھئی میں تم سب کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ جس پلاٹ میں تم لوگ بیٹھے تھے وہاں تو گھاس بھی چھوٹی تھی۔ میرے گھر کے لان میں گھاس چھ انچ اونچی ہے' تم سب اطمینان سے جتنی مرضی چاہے کھا لینا۔"

سیما..... کراچی

خوشنودی

ساس کو خوش رکھنا آسان کام نہیں ہے۔ آپ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر ڈالیں' ساس کا منہ ہمیشہ ٹیڑھا ہی پائیں گے۔

ہمارے صاحب کی ساس لاہور سے آئیں تو لنڈا بازار سے ان کے لیے دو ٹائیاں بھی لے آئیں۔ ٹائیاں انتہائی شوخ رنگ کی تھیں جبکہ صاحب بڑے سنجیدہ واقع ہوئے ہیں۔ پھر بھی طبیعت پر جبر کر کے محض ساس کو خوش کرنے کی خاطر انہوں نے ان بے ہودہ ٹائیوں میں سے ایک ٹائی پہنی اور ساس کو سلام کرنے کے ارادے سے ان کے پاس پہنچے۔

ساس نے گھور کر انہیں دیکھا اور غراتے ہوئے بولیں۔ "کیا بات ہے اقبال؟ معلوم ہوتا ہے تمہیں دوسری ٹائی پسند نہیں آئی۔"

آصفہ..... لاہور

ذہانت

ایک صاحب نے اپنے دوست کو بتایا۔ "میری شادی پندرہ سال پہلے ہوئی تھی مگر میری گرم جوش محبت میں آج بھی کمی نہیں آئی' البتہ یہ احتیاط ضرور کرنی پڑتی ہے کہ بیوی کو میری پرسنل مصروفیات کے بارے میں کچھ پتا نہ چلے۔"

روبینہ ناز..... کراچی

وجہ انتخاب

مرد جب کوئی چیز خریدتا ہے تو عام طور پر اس کی صرف ایک وجہ ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اس کو اس چیز کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عورت جب کوئی چیز خریدتی ہے تو اس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً"

☆ اس کے شوہر نے اسے وہ چیز خریدنے سے منع کیا تھا۔
☆ اس چیز کی وجہ سے وہ دبلی' کم عمر اور زیادہ خوب صورت نظر آنے لگے گی۔
☆ وہ باہر کی بنی ہوئی ہے۔
☆ اس کی پڑوسن اسے خریدنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔
☆ اس سے پہلے وہ کسی کے پاس نہیں تھی۔
☆ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے پہلے وہ سب کے پاس تھی۔

نجمہ حفیظ..... کورنگی' کراچی

وغیرہ..... وغیرہ

★ پوری انسانیت سے پیار کرنا بہت آسان ہے لیکن صرف ایک ہمسائے سے پیار کرنا بہت مشکل ہے۔
★ بے وقوف ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان کسی بھی محفل میں تنہائی محسوس نہیں کرتا۔
★ گھر وہ جگہ ہے' جہاں آپ جمائی لینے کے بعد شرمندہ نہیں ہوتے اور بد مزا کھانا کھانے کے بعد بھی

اسے بدمزاج نہیں کہتے۔ ☆ ☆

ایک ٹیم کو کمزور پڑتے دیکھ کر اس کے پرستار مشتعل ہو کر کھلاڑیوں کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک عورت کھڑی چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔ "ٹیم کے کپتان کو جان سے مار دو' کیپٹن کا خاتمہ کر دو۔"

بعد میں پتا چلا کہ وہ عورت کپتان کی بیوی تھی۔

سعدیہ خان..... کورنگی' کراچی

بزم ادب

تین نیم ادیب خطرہ ادب اپنے اپنے لکھے گئے ادبی افسانوں کا ذکر کر رہے تھے۔ ایک بولا۔ "جب میری پہلی کتاب شائع ہوئی تو اسے شائع کرنے والے پبلشر کو اس کے بعد دوسری کتاب شائع کرنے کا موقع نہ ملا اور وہ خالق حقیقی سے جاملا۔

دوسرا ادیب بولا۔ "ارے یہ کیا بات ہوئی۔ ہم نے بھی سنا تھا کہ وہ بے چارا اتنا نقصان نہ برداشت کر سکا مگر یہ تو کچھ بھی نہیں' میرا پہلا افسانہ جس پبلشر نے شائع کیا' آپ کو پتا ہے یہ تاریخی کارنامہ سرانجام دینے کے بعد اس وقت وہ کہاں ہے؟"

دونوں ادیبوں نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں بتاؤ' وہ کہاں ہے؟"

دوسرے ادیب نے کوٹ کا کالر اونچا کرتے ہوئے کہا' وہ اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے پاگل خانے میں ہے۔"

دونوں ادیبوں کے کارنامے سن کر تیسرا ادیب گویا ہوا۔ "یارو میرا پہلا افسانہ بھی عجیب طریقے سے شائع ہوا' میں اپنے اس افسانے سے اتنا متاثر تھا کہ میں نے اپنے پبلشر کو اپنے بلند و بانگ دلائل سے قائل کیا کہ اس نے اپنا سب کچھ بیچ کر اس افسانے کی کاپیاں شائع کر دیں۔"

دونوں ادیبوں نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"ارے جلدی سے بتاؤ' وہ مر گیا یا پاگل ہو گیا؟"

تیسرے ادیب نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"ارے اسے کچھ نہیں ہوا' فقط اس کا بزنس تبدیل ہوا ہے' اب وہ شہر کا سب سے بڑا ردی کا ڈیلر ہے۔"

وغیرہ..... وغیرہ

☆ اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی محبوبہ شادی کے بعد آپ سے کس طرح پیش آئے گی تو یہ دیکھیے کہ وہ اپنے چھوٹے بھائی سے کیا سلوک کرتی ہے۔

☆ ایگزیکٹو افسر اسے کہتے ہیں' جو لنچ کے لیے خواہ دو گھنٹے کے لیے باہر چلا جائے مگر دفتر میں کوئی بھی اس کی کمی محسوس نہ کرے۔

☆ آئیڈیل بیوی وہ ہے' جو یہ بات اچھی طرح سمجھتی ہو کہ کب شوہر کی مرضی کے خلاف کچھ کیا جائے۔

☆ جب آپ کو یہ راز معلوم ہو جائے کہ اپنا خیال کیسے رکھا جاتا ہے اور آپ یہ تہیہ بھی کر لیں کہ بس کل سے میں خود پر توجہ دوں گی تو سمجھ لیں کہ آپ اوسط عمری کے دور میں قدم رکھ چکی ہیں۔

☆ مرد' عورت کو کبھی نہیں سمجھ سکتے مگر وہ ان احمقانہ کوششوں اور دعووں سے باز نہیں آتے۔

☆ شوہر..... اسی ہستی کا نام ہے' جو ہر آزمائش کی گھڑی میں آپ کے شانہ بہ شانہ کھڑا ہوتا ہے اور یہ آزمائشیں بھی اسی کی مرہون منت ہوتی ہیں۔

قمر ناز دہلوی..... کراچی

وجہ تسمیہ

نئے کھلنے والے ایک بڑے اور فیشن ایبل ڈپارٹمنٹل اسٹور میں ہر سیلز مین کو ہدایت کی گئی تھی کہ اگر کوئی گاہک کوئی بھی چیز خریدے بغیر چلا جائے تو ایک مخصوص رجسٹر میں اس کی وجہ ضرور درج کی جائے۔

ایک خاتون نے ملبوسات کے شعبے میں صرف سیاہ رنگ کے بیسیوں لباس دیکھے لیکن کوئی بھی نہ خریدا۔ اس کے رخصت ہونے کے بعد سیلز مین کی سمجھ میں نہ آیا کہ خاتون کے کوئی بھی لباس نہ خریدنے کی وجہ کیا لکھے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد آخر کار اس نے رجسٹر میں نوٹ لکھا۔

"خاتون نے بہت سے سیاہ لباس دیکھے مگر ایک بھی نہیں خریدا۔ وجہ غالباً" یہی ہے کہ ابھی اس کے شوہر کا انتقال نہیں ہوا۔"

بیگم ظفر چوہدری..... خانیوال

ستم بالائے ستم

شاہد صاحب اپنے پڑوس کی بیکری میں پہنچے اور مالک سے پوچھنے لگے۔ "آپ نے میری پالتو بلی کو تو نہیں دیکھا؟"

"دیکھا.....؟" مالک جل کر بولا۔ "میں نے تو صبح آدھ پون گھنٹے تک اسے بھگتا ہے۔ وہ بیکری میں آن گھسی تھی۔ ایک کیک کو کھانے کی کوشش میں اس نے تین کیکوں میں پنجے گاڑ دیے۔ چار چکن پیٹیز کھا گئی۔ دودھ کا برتن گرا دیا۔ اس کی وجہ سے ایک گاہک پھسل کر انڈوں کے کریٹ پر گر پڑا اور آدھے انڈے ٹوٹ گئے۔"

"اوہ..... بہت افسوس ہوا یہ سن کر....." شاہد صاحب نے رسمی لہجے میں کہا۔ پھر مار کر سے لکھا ہوا ایک پوسٹر دکاندار کو دکھاتے ہوئے بولے۔ "یہ میں اس کا تلاش گمشدہ کا اعلان لکھ کر لایا ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو یہ میں آپ کی بیکری کے شیشے پر چپکا دوں۔"

ڈاکٹر ثناء افتخار..... سوسائٹی' کراچی

تائب

دو دوستوں کی کافی عرصے بعد ملاقات ہوئی تو ایک نے دوسرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بدلے بدلے سے دکھائی دے رہے ہو' بات کیا ہے؟"

"دراصل میں نے شراب' جوا اور عورتوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دیا ہے۔" دوسرے دوست نے بتایا۔

"اوہ..... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کا مطلب ہے تم زبردست قوت ارادی کے مالک ہو....." پہلے دوست نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ حرکتیں چھوڑنے کے لیے بڑی قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"قوت ارادی کا تو مجھے پتا نہیں..... مجھے تو یہ حرکتیں اس لیے چھوڑنا پڑیں کہ میرے پاس پیسے ختم ہو گئے تھے۔" پہلے دوست نے سادگی سے جواب دیا۔

عائشہ..... ٹنڈو آدم

ملاقات

ایک صاحب پٹی باندھے ہوئے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے اس سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے' یہ پٹی کیوں بندھی ہے؟"

ان صاحب نے کہا۔ "میری کار سے ایک آدمی کو ٹکر لگ گئی تھی۔"

وہ صاحب بولے۔ "تو پھر چوٹ تو اس آدمی کو لگنی تھی اور پٹی بھی اس کے بندھی ہوئی ہونی تھی؟"

ان صاحب نے کہا۔ "ہاں کل اس شخص سے میری ملاقات ہو گئی تھی۔"

رابعہ ارم..... نارتھ کراچی

دور اندیش

امریکی فوجیوں کے ایک کیمپ میں سب رنگروٹوں نے اپنے اپنے صندوق پر اپنی گرل فرینڈ کی تصویر چسپاں کی ہوئی تھی جبکہ ٹونی نے اپنے' صندوق پر اپنی موٹر سائیکل کی تصویر چپکائی ہوئی تھی جو اسے بہت پسند تھی اور جسے وہ گھر چھوڑ آیا تھا۔

ایک روز سب رنگروٹوں نے اس بات پر اس کا بہت مذاق اڑایا تو ٹونی جل کر بولا۔ "گرل فرینڈ کی بجائے موٹر سائیکل کی تصویر لگانا لاکھ درجہ بہتر ہے۔ میں جب واپس جاؤں گا تو موٹر سائیکل گھر پر موجود تو ملے گی۔"

عابدہ..... خانیوال

باعث پریشانی

ایک صاحب بہت دیر سے بک اسٹال پر مبارکباد کا کارڈ تلاش کر رہے تھے تاکہ شادی کی سالگرہ پر بیوی کو

دے سکیں۔ ان کی تلاش جب کافی طول پکڑ گئی تو سیلز مین ان کے قریب آیا اور بولا۔ "سر..... !میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟"

"ہاں ..... مجھے کوئی ایسا کارڈ دے دو، جس کے مضمون پر میری بیوی اعتبار کر سکے۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے جواب دیا۔

ایم جیلانی..... لیہ

انتہا

کاہلی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ایک صاحب ایک درخت کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھے تھے اور ان کا حلیہ بہت خراب تھا۔ نیچے سے گزرتے ہوئے ایک صاحب نے انہیں دیکھ کر رکتے ہوئے ذرا تجسس سے پوچھا۔ "بھائی صاحب! آپ کب سے اس درخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

درخت پر بیٹھے ہوئے صاحب اپنے لمبے جھاڑ جھنکاڑ بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولے۔

"کچھ ٹھیک طرح یاد نہیں..... شاید میں غلطی سے زمین میں دبے ہوئے بیج پر بیٹھ گیا تھا۔

لاجواب

واضح صورت حال میں بھی جب لوگ احمقانہ سوال کریں تو انسان تلملا اٹھتا ہے۔ اسی قسم کی شوخیاں ذیل کے سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

☆ مارکیٹ میں۔

"اوہو! آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کیا آپ نہیں جانتے ..... میں یہاں سبزی بیچتا ہوں۔"

☆ آدھی رات کو فون کال۔

"معاف کیجیے! کیا آپ سو رہے تھے؟"

"جی نہیں! میں چوہوں اور مینڈکوں پر تحقیق کر رہا تھا، آپ نے کیوں سوچ لیا کہ میں سو رہا تھا۔"

★ جب آپ نے بال چھوٹے کرائے ہوں۔

"کیا آپ نے حجامت بنوائی ہے؟"

"جی نہیں! آپ کو معلوم نہیں کہ یہ موسم خزاں ہے اور اسی وجہ سے میرے بال جھڑ رہے ہیں۔"

منیرہ۔ اسلام آباد

حیرت انگیز

اندھیری رات میں ایک عجیب حلیے کا شخص فٹ پاتھ پر کھڑا کتاب فروخت کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کتاب میں مستقبل کی پیشگوئیاں اور دولت مند بننے کے حیرت انگیز نسخے ہیں۔ ایک آدمی نے اس سے کتاب کی قیمت پوچھی تو اس نے کہا۔ "تین سو روپے"

آدمی بولا۔ "اس کتاب کی کوئی خاص بات.....؟"

اس شخص نے رازداری سے کہا۔ "اس کتاب کا آخری صفحہ مت پڑھنا، ورنہ تمہارا چہرہ بگڑ جائے گا۔"

آدمی نے وہ کتاب خرید لی اور چلا گیا۔ اس نے بڑی دلچسپی سے وہ کتاب پڑھی مگر ڈر اور خوف کی وجہ سے آخری صفحہ چھوڑ دیا۔

کچھ عرصے بعد اس نے سوچا کہ آخر دیکھوں تو سہی کہ آخری صفحے پر کیا لکھا ہے اس نے ڈرتے ڈرتے صفحہ پڑھا تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور چہرہ بگڑ گیا۔ کیونکہ کتاب کی قیمت تیس روپے لکھی تھی۔

نازیہ اختر۔ تربت

غلط فہمی

ایک حسین و جمیل عورت اپنے فیملی ڈاکٹر کے پاس گئی۔ اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر پر بھی بڑا سا گومڑا تھا۔ ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے کہا۔ یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔ ڈاکٹر نے کہا مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔

میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔

فوزیہ ثمرٹ..... گجرات

☆ ☆

کرن کا دستر خوان

خالدہ جیلانی

چپلی کباب

اجزا :

گائے کا قیمہ	ایک کلو
ٹماٹر (گدرے، باریک قتلے کاٹ لیں)	دو عدد
انڈا	ایک عدد
کٹی ہوئی لال مرچ	کھانے کا آدھا چمچہ
پسی ہوئی لال مرچ	کھانے کا آدھا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا	کھانے کا ایک چمچہ
سفید زیرہ	چائے کا ایک چمچہ (دونوں چیزوں کو بھون کر گدرا پیس لیں)
کالی مرچ ثابت	(پیس لیں) چائے کا ایک چمچہ
مکئی کا آٹا	کھانے کے دو چمچے
پودینہ (باریک کٹا ہوا)	ایک گٹھی
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی)	4 عدد
انار دانہ (گرم پانی میں بھگو کر گدرا پیس لیں)	کھانے کے دو چمچے
تیل / گھی	حسب ضرورت

ترکیب :

ایک بڑے برتن میں قیمہ ڈالیں سوائے ٹماٹروں کے باقی سارے مسالے اچھی طرح ملا کر گوندھ لیں۔ انڈا بھی ملا دیں۔ آدھے گھنٹے کے لیے ڈھانک کر فریج میں رکھ دیں تاکہ انار دانہ کی کھٹاس آ جائے۔ ایک پھیلا فرائینگ پین لیں اس میں تھوڑا سا تیل ڈالیں۔ چپلی کباب کبھی بھی زیادہ تیل میں مت تلیں۔ جب تیل گرم ہو جائے تو آنچ ہلکی کر دیں۔ قیمہ ہاتھ میں لے کر پھیلا لیں، درمیان میں ٹماٹر کا ایک ٹکڑا رکھ کر چاروں طرف سے اٹھا کر ذرا بڑے سائز کا کباب بنا لیں اور پھر شیلو فرائی کریں۔ جب کباب سینک جائیں تو نکال کر کسی براؤن پیپر پر رکھ دیں تاکہ چکنائی جذب ہو جائے۔ دہی کے رائتے، ہاٹ ساس اور گرم نان کے ساتھ سرو کریں۔

لیگ روسٹ

اجزا :

بکری کی ران (صاف کروا کے کٹ لگوالیں۔ درمیان میں سے ہڈی توڑ لیں) ایک عدد

دہی	ایک پیالی
ادرک (پسی ہوئی)	کھانے کے دو چمچے
سفید سرکہ	آدھی پیالی
لیمن جوس	آدھی پیالی
تندوری مسالا	ایک پیکٹ
تیل	کھانے کے دو چمچے

ترکیب :

ران کو اچھی طرح سے دھو کر اوپر دیے گئے سارے مسالے لگا کر ایک بڑی دیگچی میں ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس دیگچی میں ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ جب پانی خشک ہونے لگے تو تیل ڈال دیں، اور دم پر لگا دیں۔

فرنچ فرائیز اور ٹماٹر ساس کے ساتھ سرو کریں۔

لبنان کے اولے

ضروری اشیا :

گوشت	آدھا کلو
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں (چوپ کر لیں)	پانچ عدد

نوڈلز (ابال لیں) — آدھا کپ
آلو — دو عدد (ابلے ہوئے)
لال مرچ پاؤڈر — تین چائے کے چمچے
نمک — حسبِ ذائقہ
چائنیز نمک — حسبِ ضرورت
سویا سوس — دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (چوپ کرلیں) — چوتھائی گڈی
پودینہ (چوپ کرلیں) — چوتھائی گڈی
انڈا — ایک عدد
بریڈ کرمبز — حسبِ ضرورت
آئل — تلنے کے لیے

ترکیب :

ایک پتیلی میں گوشت، حسبِ ضرورت پانی، نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور ہری مرچیں ڈال کر ابال لیں جب پانی خشک ہو جائے تو گوشت کو چوپر میں ڈال کر پیس لیں۔ اس کے بعد اس میں دھنیا، پودینہ، نوڈلز، آلو، لال مرچ پاؤڈر، نمک، سویا سوس اور چائنیز نمک ڈال کر اچھی طرح مکس کر کے لمبے کباب بنالیں۔

فرائنگ پین میں آئل گرم کریں تیار کیے ہوئے کباب کو انڈے میں ڈپ کر کے بریڈ کرمبز سے کوٹ کر کے ڈیپ فرائی کریں۔

فرائیڈ چکن

ضروری اشیا :

مرغی — ڈیڑھ کلو
ہری مرچ — ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر — چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک — حسبِ ذائقہ
ٹماٹو پیسٹ — ایک کھانے کا چمچہ
لہسن پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
ادرک پیسٹ — ایک چائے کا چمچہ
انڈے — دو عدد
بریڈ کرمبز — حسبِ ضرورت
اولیو آئل — حسبِ ضرورت (تلنے کے لیے)

ترکیب :

ساس پین میں مرغی، ہری مرچ، ہلدی پاؤڈر، نمک، لہسن پیسٹ، ادرک پیسٹ ڈال کر پانی خشک ہونے تک پکائیں۔

اس کے بعد اس میں ٹماٹو پیسٹ ڈال کر خوب اچھی طرح فرائی کریں اور مرغی کے ٹکڑوں کو نکال کر پلیٹ میں رکھ کر ٹھنڈا کرلیں۔

پیالے میں انڈے اور تھوڑا سا پانی ڈال کر اتنا پھینٹیں کہ جھاگ بن جائے۔ کڑاہی میں اولیو آئل گرم کریں۔ مرغی کو انڈے میں ڈپ کریں پھر ہلکا سا بریڈ کرمبز سے کوٹ کریں اور کڑاہی میں ڈال کر ڈیپ فرائی کریں۔

مغلئی پراٹھا

ضروری اشیا :

میدہ — دو کپ
نمک — حسبِ ذائقہ
انڈے — پانچ عدد
اولیو آئل — حسبِ ضرورت (تلنے کے لیے)

فلنگ کے لیے :

قیمہ — 150 گرام
لہسن، ادرک پیسٹ — ایک کھانے کا چمچہ
گرم مسالا پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
زیرہ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ

ترکیب :

میدے کو چھان کر اس میں نمک اور اولیو آئل مکس کرلیں اور پانی سے ہموار آٹا گوندھ لیں۔ آٹا نہ زیادہ نرم ہو اور نہ ہی سخت اور ایک طرف رکھ دیں۔

فلنگ کے لیے :

پتیلی میں چار سے پانچ کھانے کے چمچے اولیو آئل گرم کریں۔ اس میں ادرک، لہسن پیسٹ ڈال دیں۔ اس کے بعد قیمہ شامل کر کے اچھی طرح مکس کرلیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں، وقفے وقفے سے چمچہ چلاتی رہیں۔ اس کے بعد آنچ ہلکی کر کے اس میں گرم مسالا پاؤڈر، زیرہ پاؤڈر ڈال دیں اور اچھی طرح مکس کر کے تین سے [..] منٹ کے لیے پکائیں۔ اس کے بعد تین سے چار کھا[نے] کے چ[مچے] پانی ڈال کر ڈھک کر پکائیں۔ قیمہ جب گل جا[ئے] اور پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں۔ انڈے پھینٹ لیں اور اس میں حسبِ ذائقہ نمک ڈال دیں۔ توے کو گرم کریں اور اس پر ایک کپ اولیو آئل ڈال دیں۔ جب آئل گرم ہو جائے اس پر پھینٹا ہوا انڈا ڈال دیں۔ میدے کا مناسب سائز میں پراٹھا بیل لیں۔ اس پر آئل لگائیں۔ درمیان میں فلنگ ڈال کر چاروں کناروں کو لپیٹ کر چکور بنالیں اور دوبارہ بیل کر اس کو آرام سے انڈے پر ڈال دیں۔ انڈے اور پراٹھے کو ہلکی آنچ پر پک جانے دیں۔ جب سنہرا اور کرکرا ہو جائے تو چوکور ٹکڑے کاٹ کر گرم گرم سرو کریں۔

کرسپی منس ٹوسٹ وِد بٹرڈ ویجی ٹیبل

ضروری اشیا :

مرغی کا قیمہ (دھو کر خشک کرلیں) — 250 گرام
کوکنگ آئل — فرائنگ کے لیے
لہسن کے جوے — چار عدد (چوپ کرلیں)
پیاز (باریک چوپ کی ہوئی) — ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) — ایک کھانے کا چمچہ
گاجر (چوپ کرلیں) — ایک کھانے کا چمچہ
کڑی پتا (باریک کاٹ لیں) — چھ عدد
میدہ — ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور — آدھا کھانے کا چمچہ
انڈے (پھینٹ لیں) — دو عدد
نمک — حسبِ ذائقہ
چینی — چوتھائی چائے کا چمچہ
سفید تل — دو کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ (تازہ کٹی ہوئی) — آدھا چائے کا چمچہ

بٹرڈ ویجی ٹیبل کے لیے :

بروکلی (بھاپ میں ابال لیں) — آدھا کپ
ہری مرچ (باریک کاٹ لیں) — آدھا چائے کا چمچہ
مٹر (ابال لیں) — آدھا کپ
آلو (کیوبز کاٹ کر بھاپ پر ابال لیں) — آدھا کلو
سیوٹ کارن — آدھا کپ
مکھن — پانچ کھانے کے چمچے
سیاہ مرچ پاؤڈر — چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک — حسبِ ذائقہ
ڈبل روٹی کے سلائس — حسبِ ضرورت

ترکیب :

قیمے میں لہسن، ہری مرچیں، پیاز، ہری مرچ، گاجر، کڑی پتا، میدہ، کارن فلور، انڈا، نمک، چینی، سفید تل، سیاہ مرچ (تازہ کٹی ہوئی) ڈال کر مکس کرلیں۔ ڈبل روٹی کے سلائس پر تیار کیے ہوئے قیمے کے آمیزے کو اس طرح پھیلا کر لگائیں کہ تلتے ہوئے آمیزہ سلائس پر سے نہ جھڑے۔ اسی طرح سارے ٹوسٹ تیار کرلیں۔ قیمہ ٹوسٹ کے صرف ایک سائیڈ پر لگانا ہے۔ فرائنگ پین میں کوکنگ آئل گرم کر کے ہلکی آنچ پر ٹوسٹ فرائی کرلیں۔
(قیمہ والی سائیڈ سے تلیں تاکہ قیمہ کچا نہ رہے)
گولڈن ہونے پر نکال کر سرونگ ڈش میں رکھ دیں۔

==

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال وجواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

روبینہ افضال۔۔۔۔ لاہور

س : بھیا ذوقی! کیا سگریٹ خریدتے اور ڈبیا سے نکالتے وقت وہ ہدایت جو! "خبردار تمباکو نوشی صحت کے لیے مضر ہے وزارت صحت" کی صورت میں ڈبیا پر لکھی ہوتی ہے "نہیں پڑھتے؟"
ج : میری آنکھیں بہت کمزور ہیں۔

عاشی۔۔۔۔ وادی کاغان

س : بھیا! لوگ کہتے ہیں شادی ایک ایسا قلعہ ہے جو اس کے اندر ہیں انہیں باہر کا ارمان ہے اور جو باہر ہیں وہ اندر جانا چاہتے ہیں آپ کہاں ہیں؟
ج : دروازے پر کھڑے ہیں اپنی باری کے انتظار میں۔

پھولوں کی شہزادی۔۔۔۔ نواب شاہ

س : ذوالقرنین ہاتھ میں سگریٹ کلائی پر گھڑی منہ میں پان بال بے ترتیب یہ آپ چاروں میں سے کس چیز کا اشتہار بنے ہوئے ہیں؟
سگریٹ کا، گھڑی کا پاندان کا یا کہ بیوٹی پارلر کا کچھ تصویر سمجھ نہیں آئی آپ کا کیا خیال ہے؟
ج : خود اپنے آپ کا۔

شنو آرائیں۔۔۔۔ اوستہ محمد سٹی

س : عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ شادی کے لیے لڑکی کی عمر لڑکے سے کم ہونی چاہیے کیا ضروری ہے؟
ج : بالکل ضروری ہے۔

مس تعریف۔۔۔۔ مردان

س : آپ سگریٹ پی کر شیر سے لڑنے گئے تھے، پھر کیا ہوا؟ کون جیتا کون ہارا؟
ج : بھوپال میں شکار پر پابندی ہے۔

نازش مجاہد علی۔۔۔۔ خیرپور میرس

س : کیا یہ ضروری ہے آدمی جس سے محبت کرے اسی سے شادی بھی کرے؟
ج : کوئی ضروری نہیں ہے۔

نین تارہ۔۔۔۔ لطیف آباد

س : دل میں جگہ دینے والی بیوی کو بے وقوف بنانے والے شوہر کا انجام؟
ج : میاں کی جیب خالی رہتی ہے۔

راحیلہ یاسمین۔۔۔۔ سندھ

س : بھیا جی، کہتے ہیں خدا محبت ہے اور محبت خدا ہے تو پھر آج کل محبت کا مقام اتنا نیچے کیسے ہو گیا؟
ج : ہم آپ نے کیا ہے اس میں خدا کا کیا دوش۔

شہلا نگار۔۔۔۔ فیصل آباد

س : دادا جی! آپ کی عمر کے لوگ تو اللہ اللہ کرتے ہیں پھر آپ کیوں۔۔۔۔؟
ج : الحمد اللہ ہم بھی کرتے ہیں۔

مسز عمران بٹ۔۔۔۔ کراچی

س : سسی سندھ کی تھی پنوں مکران کا تھا۔ دونوں آپس میں کون سی زبان میں بات کرتے تھے؟
ج : محبت کی۔

ثمینہ رفیع۔۔۔۔ کراچی

س : ارے بھیا۔۔۔۔ آپ تو یہاں نہیں نانی اماں کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔ میں نے خوامخواہ ہی سوال کر ڈالا؟
سوال کر کے میں خود ہی پشیماں ہوں بہت
جواب دے کے مجھے اور شرمسار نہ کر
اچھا میں چلی۔ خدا حافظ۔۔۔۔!
ج : آپ نے خود ہی جواب دے دیا اب میں کیا جواب دوں۔ آخر میرے ہی ناول کے کردار ہیں۔

ثمینہ عندلیب۔۔۔۔ ٹیکسلا

س : قرنی بھیا زندگی دکھوں کا سمندر ہے یا غموں کا؟
ج : بی بی۔۔۔۔! یہ عدنان صاحب کا کالم نہیں آئندہ سنجیدہ سوالوں سے پرہیز کیجیے۔

ساجدہ عبدالخالق۔۔۔۔ جہلم

س : بھیا اگر آپ کا قد دس فٹ ہوتا تو پھر آپ کرکٹ میں شامل ہو کر گارنر کا ریکارڈ توڑتے یا ہاکی کے گول کیپر بن کر پلینٹی روکنے کے ریکارڈ بناتے؟
ج : مجھ سے تو دونوں چیزیں ٹوٹ جاتیں ہاکی بھی اور بلا بھی۔

فرزانہ کرن۔۔۔۔ ٹیکسلا

س : نین بھیا بعض لوگ دھوکہ کھا کر مسکراتے ہیں اور بعض لوگ دھوکہ دے کر تایئے جیت کس کی ہوتی ہے؟
ج : دھوکہ کھانے والے کی۔

قدسیہ، مونا۔۔۔۔ سیالکوٹ

س : ذوقی بھائی شاعر اور شاعرہ کے کلام میں کیا فرق ہے؟
ج : شعر مونث اور مذکر نہیں ہوتے۔

شازیہ الیاس۔۔۔۔ گوجرانوالہ

س : انکل کیا انسانوں کی طرح جانور بھی محبت کرتے ہیں؟
ج : ہاں یقیناً" جانور انسان سے زیادہ محبت کرتا ہے۔

امینہ تبسم۔۔۔۔ کراچی

س : نین جی لڑکی تو چھوئی موئی کی طرح شرمیلی ہوتی ہے لیکن چھوئی موئی کا پودا کیوں شرمیلا ہوتا ہے؟
ج : تو چلیے یہ تو آپ نے مانا کہ پودوں میں بھی شرم پائی جاتی ہے۔

نصرت حسن انصاری۔۔۔۔ جھنگ سٹی

س : نین بھیا۔ آخر یہ بہنیں انسانیت کا دامن تھام کر اچھے سوالات نہیں پوچھ سکتیں؟
ج : بھلا پانچوں انگلیاں برابر ہو سکتی ہیں۔

راحیلہ سخاوت علی۔۔۔۔ راولپنڈی

س : آپ کی خوش خوراکی کی بڑی دھوم سنی ہے ذرا یہ تو بتایئے جناب کون سی چیز کھانے میں پسند کرتے ہیں؟
ج : چٹنی، روٹی، دال۔

یاسمین شیخ۔۔۔۔ خیرپور میرس

س : نین جلدی بتاؤ وہ کون ہے جو چاند سے زیادہ خوب صورت اور پھول سے زیادہ نازک۔۔۔۔؟

ج : میری ہونے والی۔

شیریں داؤد پوتہ۔۔۔۔ شکارپور

س : آپ کالم نہلے پہ دہلا میں سوالوں کے جواب کے لیے کتنی رشوت لیتے ہیں؟

ج : تنخواہ ملتی ہے ادارے سے۔

کوثر بلقیس۔۔۔۔ بھاول نگر

س : نین جی! فلم میں جب ہیروئن روٹھ جاتی ہے تو ہیرو گانا گاتا ہے تو ہیروئن گانے کے آخری بولوں پر مان جاتی ہے۔ وہ گانے کے شروع میں کیوں نہیں مان جاتی گانے کے آخر میں ہی کیوں مانتی ہے؟ ماشاءاللہ اپنی عمر مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں جواب دیجیے؟

ج : کیا کوئی زبردستی ہے۔ جو فلم تم نے دیکھی ہے وہ میں نے بنائی تھی کیا۔

عشرت جبیں عاشی۔۔۔۔ کراچی

س : ذوقی بھائی یہ تو بتائیے کہ کل جس گدھے پر بیٹھ کر آپ لیاقت آباد کی سڑک سے شام کی سیر کرتے گزر رہے تھے وہ کیا آپ کا اپنا ذاتی ہے یا کرایہ کا یا کسی دھوبی کا چرایا ہوا؟

ج : خود ہی تو بھجوایا تھا تم نے پوچھا تو میں نے بتا دیا سب کے سامنے بتانا نہیں چاہ رہا تھا۔

ناز شمس قاضی۔۔۔۔ کراچی

س : آپ کے نام محمود بابر فیصل صاحب کا خط پڑھا۔۔۔۔ اور خط کو پڑھنے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ اس میں جو کچھ بھی ہے کچھ حقیقت سے دور بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ آپ واقعی میں گزشتہ چند ماہ سے اپنی اس خوب صورت کاوش سے انصاف نہیں کر رہے ہیں۔۔۔۔!

آخر آپ اپنی ہی کاوش سے بچھڑے بازی کیوں کر رہے ہیں۔۔۔۔؟

اس ناول کے ساتھ بہت اچھی امیدیں شروع سے ہی وابستہ رہی ہیں۔ کیوں کہ آغاز بہت بہترین تھا۔ مگر پھر رفتہ رفتہ یہ خوب صورت آغاز آپ کی لاپروائی کا شکار ہونے لگا۔۔۔۔!

آپ سے گزارش ہے کہ جس دلکش انداز سے ناول شروع کیا۔ اس انداز میں ختم بھی کریں۔ یہ نہیں کہ بغیر اختتام کے ہی اچانک ناول کو بند کر دیں اور کہیں کہ "کہنا کہ مسافر تو گیا۔۔۔۔"

ہمیں یہ اس لیے کہنا پڑا ہے کہ ناول ہر قسط میں مختصر سے مختصر کی جانب رواں دواں ہے۔ لیکن کہانی جوں کی توں ہے۔ بہت دنوں سے اپنے مرکز سے نہیں ہٹی ہے۔

ہمیں "کہنا کہ مسافر تو گیا" کی ہر قسط کا بہت بے چینی سے انتظار رہتا ہے۔ مگر مختصر اس قدر ہوتا ہے کہ تشنگی ہی تشنگی رہ جاتی ہے۔۔۔۔!

اپنی ناول پر صحیح توجہ دیں ورنہ قاری بہنوں کو جرمانہ دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔۔۔۔!

ج : بی بی جو خط میری غیر موجودگی میں ایڈیٹر کرن نے شائع کیا ہے اس کا جواب آپ اسی شمارے میں پڑھ لیجیے گا۔

عابدہ صفدر لودھی۔۔۔۔ گوجرانوالہ

س بڑھتی ہوئی مہنگائی کے بارے میں آپ نے کیا سوچا؟

ج جو آپ نے سوچا۔

مسرت کھر۔۔۔۔ کاغان

س برے کی برائی دیکھنی چاہیے یا اچھائی؟

ج اچھائی تلاش کرنی پڑے گی اور ایسا کرنے کے لیے ہمارے پاس فرصت نہیں۔

☼ ☼

مدیرہ

نامے میرے نام

اقرا مظفر، عفیرہ مظفر، سعد مظفر۔۔۔۔ چھوکر خورد گجرات

خلاف توقع نومبر کی 19 کو کرن نے اپنے درشن کروائے۔ اتنی تاخیر سے ملا۔ موڈ خاصا خراب تھا مگر شمارہ ہاتھ میں آتے ہی پیشانی کے بل غائب اور لبوں پہ دلکش مسکراہٹ در آئی۔ ٹائٹل اچھا تھا۔ لسٹ میں "مجھ سے ملیے" سرے سے غائب۔ ہیں جی یہ کیا بات ہوئی؟ اپنی من پسند رائٹرز سے مل کے تو خوشی دوبالا ہو جاتی تھی مگر اس دفعہ مایوسی ہوئی۔ کیا یہ سلسلہ بند کر دیا آپ نے؟

انٹرویوز میں عمران اسلم اور مدیحہ رضوی سے ملاقات اچھی رہی۔ عید کے حوالے سے مخصوص سروے میں حریم علوی کی بتائی گئی ڈش "کٹا گوشت" نام کچھ عجیب لگا بہرحال ٹرائی کر کے دیکھیں گے۔ اب بات ہو جائے "در دل" کی تو ماشاءاللہ نبیلہ عزیز اپنی کہانی کو بہت اچھے طریقے سے آگے بڑھا رہی ہیں۔ یہ تو طے ہے کہ زری کا حویلی والوں سے کوئی ریلیشن ہے اور یہ وجاہت علی کہیں وقار آفندی تو نہیں۔۔۔۔ ملک حق نواز کی گرفتاری نے دل خوش کر دیا، اس کی تو اب پھینٹی لگنی چاہیے قسم سے بہت مزا آئے گا۔

مکمل ناول کی بات کریں تو سعدیہ عزیز آفریدی نے محفل لوٹ لی۔ اتنا زبردست ناول "علی جواد کی اپنی ماں سے محبت"، اتنی معصومیت ریئلی بہت حیرانی ہوئی کہ علی جواد جیسے محبت کرنے والے اور معصوم سے مرد بھی ہوتے ہیں۔ ایمان صفورا جیسی لڑکیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں، اس کا چالاکی سے شہریار کے ساتھ ہاتھ کر جانا مزا دے گیا۔ ناولٹ "ہم جان کے بارے" بس ٹھیک تھا۔ "وہ ایک پری ہے" تجسس میں مبتلا کر دیا ریحانہ جی نے۔ فرزان کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ کچھ بتایا نہیں۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

"دست کوزہ گر" اگر یہ کہوں کہ اس دفعہ کی قسط بس سو سو ہی تھی تو غلط نہیں۔ اب شائستہ خالہ کی روح والا معاملہ کھل جانا چاہیے۔ کمل اور خرم کی لڑائیاں آج کل ختم ہیں، چلو اچھا ہی ہے اور ایک ریکویسٹ ہے فوزیہ جی کہ کمل اور خرم کا ہی کپل ہونا چاہیے، زوبیہ کے لیے کوئی اور ڈھونڈ لیں نا بھئی۔ رومیلہ تو اچھی پھنسی ہے۔ ابرار جیسے بھائی بھائی کہلانے کے لائق نہیں۔ الیان بھائی تو بہت اچھا ثابت ہوا مگر کیا رومیلہ کی بے گناہی جان لینے کے بعد شوہر بھی اچھا ثابت ہوگا، یہ دیکھنا باقی ہے۔

افسانوں میں "یہ آرزو ہے" فواد بے چارے کے ساتھ کچھ زیادہ برا نہیں ہوا تقدیر بعض اوقات انسان کے زعم کو اس کے منہ پہ بھی دے مارتی ہے۔

"حجاب کی چوکھٹ" فضا خالہ جیسی عورتیں خود ہی اپنی بدنامی کا باعث بنتی ہیں اگر ان کے گھر میں یوں بے نتھے بیلوں کی طرح مردوں کا آنا جانا نہ ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی اسلام نے اسی لیے تو کچھ حدود مقرر کر رکھی ہیں جن کی پیروی میں ہمارا فائدہ ہے یہ افسانہ بالخصوص بہت پسند آیا۔

"نامے میرے نام" انیقہ انا اور فوزیہ ثمروٹ کا تبصرہ اچھا تھا۔ اب پھر نہ ہو جائیے گا انیقہ۔ آخر میں ایک فرمائش ہے کہ اینکر "حامد میر" کا انٹرویو لیا جائے۔ پاکستان اور کراچی کے لیے بہت سی دعائیں۔

نفیسہ بلوچ۔۔۔۔ ڈیرہ غازی خان

نومبر کا شمارہ اس بار چودہ تاریخ کو ہی مل گیا ورنہ اس سے قبل قدرے تاخیر سے ہاتھ میں آتا ٹائٹل گرل نے کوئی خاص امپریشن نہیں ڈالا اس کی وجہ مزاج کی برہمی بھی تھی جو کہ نامے میرے نام میں اپنا خط نہ دیکھ کر ہوئی مدیرہ آپی یہ کیا؟ میرا خلوص اور محبت سے لکھا گیا خط آپ نے ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا میں نے کرن کی محفل میں ابھی ایک قدم بڑھایا دوسرا قدم آپ نے بڑھانے ہی نہیں دیا میں تو ہر ماہ

کرن کی محفل میں شرکت کرنا چاہتی ہوں خیر دکھی دل کو اگلی دفعہ پھر سہی کا دلاسا دے کر جلدی سے کرن کی جگمگاتی تحریروں پہ نظر دوڑائی یہی تو خاصیت ہے کرن کی کہ بندی تادیر ناراض نہیں رہ سکتی۔

نبیلہ عزیز کی تحریر دردل اور فوزیہ یاسمین کی "دست کوزہ گر" دونوں زبردست ہیں اور زبردست طریقے سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ دردل میں ملک حق نواز کی گرفتاری کا پڑھ کر مزا آگیا ملک حق نواز جیسے بے رحم بھیڑیئے صفت انسانوں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملنی چاہیے پیاری فوزیہ آپی اب شائستہ خالہ کی روح والے قصے کا راز کھول ہی دیں آخر شائستہ کا قتل کس نے کیا؟ کیسے ہوا؟ کیوں اس کی روح بھٹک رہی ہے یا پھر یہ سب زوبیہ کا وہم اور نفسیاتی مسئلہ ہے۔

"وہ ایک پری ہے" ریحانہ امجد بخاری کی تحریر بلاشبہ متاثر کن تحریر ہے لیکن کہانی میں ایک ٹھہراؤ سا ہے۔ بہت سلو جا رہی ہے مکمل ناول میں نفیسہ سعید کی تحریر "ساڈا چڑیا دا چنبا" زبردست تحریر ہے واہ کیا بات ہے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اس کی تعریف کے لیے ویری ونڈر فل اب اس کے آخری حصے کا بے چینی سے انتظار ہے۔

"ہم جان کے ہارے" اچھا ناولٹ تھا افسانے سارے اچھے تھے حجاب کی چوکھٹ میں بہت اچھا پیغام تھا ان ماؤں کے لیے جو گھر میں جوان بیٹی کی موجودگی کے باوجود بھی اپنی آنکھیں بند رکھتی ہیں۔

"ام النبین" نے شاکڈ کر ڈالا لیکن تحریر دلچسپ اور منفرد تھی یادوں کے دریچے میں مقدس رباب اور سونیا ربانی کا انتخاب اچھا لگا اور نامے میرے نام میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اپنی قارئین بہنوں کے خط اور کرن کے بارے میں ان کی الگ الگ رائے پڑھنا اچھا لگتا ہے۔

جس طرح کرن اپنا ہے اسی طرح تمام قارئین بھی اپنی ہیں خاص کر انیقہ انا اور فوزیہ ثمریٹ کا تبصرہ بہت دلچسپ ہوتا ہے پڑھنے میں مزا آتا ہے خط کافی لمبا ہو گیا ہے پچھلے ماہ کی کسر نکال رہی ہوں۔ اور پلیز پلیز اسے آپ ردی کی ٹوکری کے نذر مت کرنا آخر میں آپ سے ایک مودبانہ گزارش ہے نامے میرے نام میں خط شامل کرنے کے ساتھ ساتھ خط کے جوابات کا سلسلہ بھی شروع کیا جائے تو بہت اچھا لگے گا پلیز آپ اس گزارش پر ضرور غور فرمایئے گا میں نے اپنی دو تحریریں بھجوائی تھیں اگر کرن کے لیے قابل قبول ہوں تو آپ ان تحریروں کو کرن میں ضرور جگہ دینا کرن ادارے کے تمام ساتھیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

انیلا گل، توشین گل، سنیعہ۔۔۔ ایبٹ آباد

نومبر کا شمارہ 14 تاریخ کی خوب صورت سی سہ پہر کو مل گیا فہرست میں تین مکمل ناول دیکھ بہت خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے "دردل" پڑھا اور پھر "دست کوزہ گر" دونوں ناول بہت اچھے جا رہے ہیں۔ نفیسہ سعید کا ناول "ساڈا چڑیا دا چنبا" بے حد اچھا لگا۔ اب اچھے سے اختتام کا انتظار ہے۔

سعدیہ عزیز آفریدی کا مکمل ناول بھی بہت اچھا لگا۔ "ام النبین" میں شمیر ہمیں بہت پسند آیا۔ ناولٹ میں "وہ اک پری ہے" فرزان کے بارے میں کیوں نہیں لکھا؟ اس ناولٹ کو بہت لمبا نہ کیجیے گا۔ "ہم جان کے ہارے" بھی زبردست تحریر تھی۔

باقی سارے سلسلے پسند آئے۔ "نامے میرے نام" میں انیقہ انا کی واپسی اچھی لگی۔ اگر "نامے میرے نام" میں جگہ ملی تو اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے۔ نامے میرے نام میں جواب دینے کا سلسلہ بھی شروع کر دیں۔

انجم فاروق۔۔۔ اقبال ٹاؤن، لاہور

کرن کا ٹائٹل دیدہ زیب اور باوقار تھا۔ آپ کے جرائد مارکیٹ کی رونق ہیں۔ ان کے آتے ہی بک اسٹال پر چہل پہل، گفتگو اور خرید و فروخت کے اشتیاق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

انٹرویو تقریباً" سبھی اچھے تھے

"آرزو کیا ہے۔" اچھا سبق آموز افسانہ تھا۔ "حجاب کی چوکھٹ" کا اختتام پسند آیا۔ "اٹوٹ رشتہ" کچھ نرم معلوم ہوا۔ ام النبین میں صفحہ نمبر 245 پر مکالے اچھے اور جاندار تھے بعض مسائل پر اسلامی نکتہ نگاہ سے اچھی روشنی ڈالی گئی۔ "سکھ کا دریا" ناول اور "ساڈا چڑیا دا چنبا" یہ بھی خوب تھے۔

"دست کوزہ گر" اور "دردل" بھی اچھے انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ کرن کرن خوشبو میں درج واقعات فکر انگیز تھے۔ "یادوں کے دریچے" میں فوزیہ ثمریٹ کی ڈائری، ارم کی ڈائری، شازیہ ہاشم کی ڈائری، مقدس رباب کی ڈائری ان سب بہنوں کا انتخاب خوب صورت تھا۔ آمنہ ناز محمد کا شعری انتخاب خوب تھا۔ مسکراتی کرنیں کی "ہری مرچیں" میں طنز و مزاح دلچسپ تھا۔

محفل خطوط میں انیقہ انا کا تبصرہ اچھا اور جامع تھا۔ خطوط شائع کرنے کا شکریہ امید ہے افسانوں کی طرف جلد توجہ فرما دی جائے گی۔

آسیہ بلوچ۔۔۔ نواب شاہ

محبتوں بھرا اسلام سب سے پہلے تو تہ دل سے شکریہ۔ "نامے میرے نام" میں اپنا نام دیکھ کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد پھر سے حاضر خدمت ہوں۔ ٹائٹل ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ ٹائٹل گرل کافی پرکشش محسوس ہو رہی تھی۔

جس کہانی نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ ہے نبیلہ عزیز کی "دردل" واہ نبیلہ جی آپ نے تو کمال کر دیا۔ تعریف کے لیے الفاظ نہیں مل رہے۔ ویسے تو اس ناول میں سارے ہی کردار قابل ستائش اور قابل تحسین ہیں۔ پر مجھے دل آور شاہ اور زری کا کردار بہت زیادہ پسند ہے۔ دل آور شاہ کے کئی جملے تو دل پر اثر انداز ہو جاتے ہیں جیسے کہ "میں اپنے دل کے سوا کسی کو جھوٹی تسلیاں نہیں دیتا۔" زری کی دل آور کے لیے محبت، عشق اور جنون پڑھ کر تو بے اختیار آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

علیزے کے ساتھ بہت برا ہو رہا ہے۔ دل آور جو سب کو انصاف دلاتا ہے وہ کسی بے قصور کو کیسے سزا دے سکتا ہے۔ ناقابل یقین ہے۔

اور پلیز آذر کے دل میں جو علیزے کے لیے غلط فہمی ہے وہ جلد از جلد دور کر دیجیے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ اب چلتے ہیں ریحانہ جی کے ناولٹ کی طرف۔ "وہ ایک پری ہے" میں مجھے اذان کا کردار پسند ہے۔ شاعری کا انتخاب لاجواب ہے اور یہ پری صاحبہ آخر کب تشریف لائیں گی؟

اب سفر کرتے ہیں سعدیہ عزیز کی تحریر کی طرف۔ سکھ کا دریا" بہت افسردہ کر گئی۔ کوئی ماں اتنی خود غرض اور بے حس ہو سکتی ہے۔ مگر خیر دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ "ساڈا چڑیا دا چنبا" میں سنان اور نیرو کی جدائی نے از حد ملول کر دیا۔ نیرو کی حالت پر بہت دکھ ہوا۔ سکندر اور اس کے گھر والے بہت عجیب لگے۔

"ام النبین" میمونہ صدف کی تحریر بھی اچھی لگی۔ "ہم جان کے ہارے" رضوانہ کا ناولٹ بھی عمدہ تھا۔ اب آتے ہیں افسانوں کی طرف تو افسانے سارے خوب تھے۔ حنا یاسمین کا افسانہ "آرزو کیا ہے" بہت شاندار تھا۔ خوب صورت انداز تحریر۔

دو کا پہاڑہ میں مدیحہ رضوی کا انٹرویو دلچسپ لگا۔ اک ریکویسٹ ہے کہ حیدر آباد ایف ایم کے آر جے انیس قادر اور فہد عباسی کا انٹرویو کریں مستقل سلسلے میں مجھے "یادوں کے دریچے" اور "مجھے یہ شعر پسند ہے" بہت اچھے لگتے ہیں۔

تبصرہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ تو جلدی سے اختتام کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ خط ردی کی ٹوکری کی زینت ہو جائے اور عابد ولت رو رو کر اپنی آنکھیں سجا لیں۔

"نامے میرے نام" میں سارے خطوط اچھے تھے آخر میں کرن کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ اب اجازت چاہوں گی اک شعر کے ساتھ

سب کی نظر میں میری تباہی کے واسطے
اتنا خلوص تھا کہ شکایت نہ ہو سکی

عائشہ خان۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

ماہنامہ کرن میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہوں۔ شعاع اور خواتین میں تو رائے دیتی رہتی ہوں مگر کرن 3 ماہ سے خرید رہی ہوں۔ تینوں ڈائجسٹ مستقل لیتی ہوں اب۔ سب سے پہلے تو مجھے یہ کہنا ہے کہ پلیز نئے پڑھنے والوں کے لیے گزشتہ خلاصہ اتنا مختصر نہ دیں۔ ہم نئے پڑھنے والوں کو مشکل ہوتی ہے۔ خاص طور پر "دست کوزہ گر" کا خلاصہ ٹھیک سے دے دیں۔

ٹائٹل بہت پیارا تھا۔ بس صرف دلہن کی لپ اسٹک پنک کے بجائے براؤن ہوتی تو اور بھی پیاری لگتی۔ نفیسہ سعید "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت زبردست کاوش ہے۔

پڑھ کر میں تو بہت روئی۔ سکندر رفیدا اور فاطمہ کو سزا ضرور دینا۔ نیرو کو صبر کا پھل دیجیے گا۔ اس ناول کی وجہ سے کرن کا اور شدت سے انتظار رہتا ہے۔ مگر ہمیں 20 تاریخ تک ملتا ہے۔ اس مہینے کی 12 تاریخ کو مل گیا۔ "سکھ کا دریا" بھی اچھا لگا۔ رضوانہ ارشاد کا ہم جان کے

بارے۔ بہت پسند آیا۔ اماں اور پھوپھو کی نوک جھونک اچھی لگی۔ پھوپھو اچھی لگیں۔

باقی رسالہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔

" وہ اک پری ہے" کا بھی گزشتہ خلاصہ دے دیں پلیز۔ میں نے اب پڑھنا شروع کی ہے۔ تاکہ ہمیں سمجھ آجائے۔

سونیا ربانی ــــ قاضیاں محلہ بالا

کل کی بات ہے کہ نیا سال آیا تھا۔ دسمبر بہت ساری اداسی کے ساتھ گزرا تھا اور جنوری کی نرم نرم دھوپ آنگن میں اتری تھی اور اب دیکھو! تو پھر دسمبر آگیا ہے۔ وقت بہت تیز ہو چکا ہے۔ کبھی وقت کوئی خوب صورت تتلی بن جاتا ہے کبھی کوئی خوش رنگ جگنو اور کبھی کسی صحرا کی خشک ریت' جو لاکھ مٹھی بند کرو ہاتھ نہیں آتی ہے اور اپنے ساتھ بہت کچھ ہمارے ہاتھوں سے نکال کرلے جاتا ہے خیر دسمبر کی اس سنسانی' ویرانی اور اداسی میں ایک اپنا پن بھی ہے جو محسوس کر کے دسمبر اچھا لگتا ہے۔

2012ء کرن بہت ہی اچھا رہا اس سال۔

ایک سے ایک اعلا اور پیاری تحریر پڑھنے کو ملی کچھ نئے نام بھی نظر آئے اور کرن کا سب سے پیارا سلسلہ رہا "مجھ سے ملیے" اس سلسلے میں ہم نے اپنی فیورٹ رائٹر کے بارے میں بہت کچھ جانا بہت اچھا لگا۔

بس یہ ہوا کہ اب ڈائجسٹ ٹائم پہ نہیں لے پاتی ہوں۔ دسمبر کا شمارہ بھی کہیں جنوری کے آخر میں جاکر ہاتھ آئے گا۔ نبیلہ عزیز کا ناول دردل مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ مگر پلیز نبیلہ جی اس کا اینڈ فروری تک کردو۔ آگے پھر معلوم نہیں میں پڑھ سکوں گی یا پھر نہیں؟

"مگر میری آرزو ہے کہ میرا ساتھ کرن اور شعاع سے نہ ٹوٹے۔ او کے جی کرن تو ابھی ملا نہیں کہ کسی تحریر پہ بات کرسکوں۔

مگر میری خواہش ہے کہ دسمبر کے شمارے میں سوہنی کا خط شامل ہو۔ سال بعد نہ جانے ہم کہاں تم کہاں؟

نہ وہ دن رہے نہ وہ محفلیں نہ وہ جان سے پیارے لوگ
وقت چھین کے لے گیا مجھ سے میرے اپنے کہاں کہاں

فوزیہ ثمر بٹ ــــ گجرات

نومبر کا شمارہ چودہ کو ہی مل گیا۔ باوجود مصروفیت سولہ کو پڑھنا شروع کیا۔ کیا کروں۔ ماڑی کیلی جان تے ہزاروں کام۔)

میں برائیڈل خوب صورت لگی رہی تھی۔ مگر شاید یہ ٹائٹل پہلے بھی نگاہوں سے گزر چکا ہے، بہر حال۔

انٹرویوز کچی بات ہے اس بار ذرا بھی متاثر نہ کرسکے۔ مجھے سیرت کے ساتھ ساتھ صورت بھی امپریس کرتی ہیں یہ کیا کروں۔ لبرا ہوں ناں' خوب صورتی' میری کمزوری ہے مگر خوب صورتی وہ جو میری نگاہوں کو جچے۔

عیدالاضحیٰ کے جوابات ذرا اچھے لگے۔ اس عظیم مذہبی فعل میں بھی لوگوں نے خیانت کی ملاوٹ کردی یا تو لوگ اپنے فریزر بھرتے ہیں یا پھر اپنے خاص خاص عزیزوں کو بانٹ دیتے ہیں اس قربانی کا کیا ثواب کہ ضرورت مند آپ کے دروازے کھٹکھٹاتا پھرے۔ خیر سب اپنے اپنے اعمال کے ذمے دار ہیں۔

مکمل ناول "ام البنین" اچھا تھا۔ رائٹر صاحبہ نے ایک بہت اچھے موضوع کو چنا اکثریت بغیر کسی تحقیق کے کسی کی اولاد لے کر پالنا شروع کردیتی ہے یہ جانے بغیر کہ اس فعل میں کتنی قباحتیں ہیں۔ ام البنین بچاری کا کیا قصور وہ تو شمیر کو اپنا بیسٹ فرینڈ یا ول وشر سمجھتی تھی۔

"ساڈا چڑیا دا چنبا" دوسری قسط پڑھی نیرو بے چاری پہ ترس آیا۔ ماں باپ کی اتنی لاڈلی اور پیاری تنہا دکھ سہ رہی ہیں۔ نیرو کو پہلے بیٹے کی پیدائش پر ہی اسٹینڈ لے لینا چاہیے تھا۔ سکندر اور اس کے تمام گھر والے نفسیاتی ہیں۔ سنگ دل ہیں۔ مجھے تو نیرو کی بھابی پہ غصہ ہے وہ اپنے حسد میں اتنا گر گئی کہ اپنے بھائی کی دنیا اجاڑ دی۔ سنان اپنی ماں اور بہن کے آگے کاٹھ کا الو بن گیا۔ میرا تو دل یہی ہے سنان اور نیرو کا ملن ہوجائے اب آگے رائٹر صاحبہ کی مرضی۔

رحاب سمیت سکندر کے گھر والوں کو ضروری سزا ملنی چاہیے۔

رحاب ہے کتنی چالاک باتوں سے ہی نیرو اور سنان کے زندگیوں کا جغرافیہ بدل دیا۔ بے حس بھابھی مجھے رائٹر صاحبہ سے گزارش کرنی ہے۔ سنان اور نیرو کے ساتھ انصاف کریں۔ اس کہانی کا ہیپی اینڈ چاہیے اور رحاب کی چالاکی ضرور سب کے سامنے لائی جائے۔

ناول "ہم جان کے ہارے" اچھا تھا۔ رضوانہ ارشاد کی تحریر ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھی۔ مجھے غضنفر کا کردار اچھا لگا اور ثانیہ بے مثال لگی۔ لڑکیوں کو ہمیشہ ایسا ہی ہونا

چاہیے۔ کیئرنگ' باکردار' باحیا' ثانیہ کی پھوپھو کی اپنی بھابو سے تکرار مزے دار تھی۔

"سکھ کا دریا دکھ کا بادل" ہمیشہ کی طرح سعدیہ آفریدی چھا گئیں۔ لاجواب تحریر تھی۔ سارے کردار شاندار تھے۔ مجھے جو ہی جواد کا یہ جملہ بہت اچھا تھا۔ (درد کرتا دل اس کی یاد کی نماز بھی قضا ہونے نہیں دیتا۔)

یہ میں نے خود سے ردوبدل کر کے لکھا ہے۔ اچھا ہے ناں۔

افسانے تقریباً" اچھے ہی تھے۔

"اٹوٹ رشتہ" مجھے ماں بیٹی کی پیار بھری باتیں اچھی لگیں۔ کتنا اچھا انداز تھا۔ عرشیہ کو سمجھانے کا کہ پیٹو کم کھاؤ۔ رشتہ نہیں ہوگا۔ خیر گزرتے وقت نے عرشیہ کو سمجھا ہی دیا کہ جو دنیا کا چلن ہے کبھی کبھی اسے اپنانے میں کوئی حرج نہیں' کہتے ہیں ناں سوچ بدلیں' زندگی میں تبدیلی خود با خود آجائے گی۔

مقبول سلسلے اس بار پھیکے پھیکے لگے۔ مجھے ایک بات تو بتائیے سچ سچ۔ میرا بھیجا ہوا انتخاب آپ کو دوسروں کے نام شائع کر کے خوشی ملتی ہے نا اسی لیے میرے پسندیدہ لطیفہ آپ کسی اور کے نام کر دیتے ہیں۔ اور ہاں انیقہ انا تھینکس ــــ تم نے میری دیرینہ خواہش پوری کردی مجھے تمہارے تعریفی جملوں کا انتظار تھا۔ سو تھینکس لی ڈھیروں دعائیں۔ کرن کی کرنیں ہمیشہ تا ابد بکھرتی رہیں۔ (آمین)

صدف سلیمان ــــ شورکوٹ شہر

کرن اسٹاف اور قارئین کو محبتوں بھرا سلام۔ تو جی اس بار کرن ذرا جلدی یعنی 12 کی صبح ہی مل گیا ہر بار کی طرح ٹائٹل اچھا لگا (پتا نہیں کیوں پر مجھے ہر بار ہی کرن ٹائٹل زبردست لگتا ہے) تو سب سے پہلے حمد و نعت کے بعد اپنی موسٹ فیورٹ سٹوری "دردل" پڑھی جو اپنی مخصوص رفتار پر منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ جس میں کتنے ہی راز بس کھلنے ہی والے ہیں بس انتظار ہے تو اس بات کا کہ کب ول آور زری سے اظہار محبت کرے گا (پوری کہانی میں یہ دونوں کریکٹر میرے فیورٹ ہیں)

نبیلہ جی آپ سے بس ایک ہی گزارش ہے کہ ناول کے صفحات تھوڑے بڑھا دیجیے تاکہ سٹوری جلدی "دی اینڈ" ہوسکے۔

"دست کوزہ گر" تو مجھے سست ترین ناول لگتا ہے یقین مانیے زویہ کی اسٹوری اب مجھے بور کرنے لگی ہے اور خرم اور کمل سے "چڑ" فوزیہ جی پلیز اس کہانی میں تھوڑا ٹویسٹ لائیے مہربانی ہوگی۔ مکمل ناول تو تینوں ہی کمال کے تھے سکھ کا دریا سعدیہ عزیز جی آپ کے ناول کے کردار' نام حتیٰ کہ ٹاپک بھی زبردست تھا۔ ایک انسان جو ساری زندگی دوسروں کو معمولی سمجھتا ہے ایک ہی جھٹکے میں خود کو معمولی تصور کرنے لگتا ہے اور معمولی خاص ہوجاتے ہیں جن سے ساری زندگی نفرت کرتا ہے ایک ہی لمحے میں خود سے نفرت کرنے لگتا ہے مجھے تو یہ کہانی پڑھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے یہ آج کے دور کی کوئی سچی کہانی ہے کیونکہ آج کے دور میں ہر ایک خود کو خاص اور باقی سب کو عام سمجھتا ہے وہ یہ بھول جاتا ہے کہ عام تو وہ خود ہے۔ سعدیہ جی بیسٹ وشز فار یو۔

"ساڈا چڑیا دا چنبا" نفیسہ جی سکندر جیسے لوگوں سے مجھے بے حد نفرت ہے جو اپنے نفس کی آگ بجھانے کے لیے ہر حد کو پار کرسکتے ہیں اور غصہ آتا ہے نیرو جیسی لڑکیوں پر جو ظلم کو سہتی ہیں اور حیرت ہوتی ہے اس بات پر کہ کیا رحاب جیسی بہنیں بھی ہوتی ہیں جو اپنی خوشی کے لیے اپنے بھائی کی خوشیوں کو نگل لیتی ہیں۔ بہنیں تو بھائیوں کے لیے جان بھی دے دیتی ہیں۔ خیر اگلی قسط کا انتظار شدت سے رہے گا۔

"ام البنین" میمونہ جی آپ کے ناول کا ٹاپک ہی مجھے بے حد اچھا لگا اور آپ کے ناول کے تبصرے میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ بچہ خواہ وہ خاندان سے ہو یا پرایا ہو گود لینا ہی نہیں چاہیے اور اگر لے بھی لیتے ہیں تو بتول بانو کی طرح کسی بھی "ام البنین" کو اس کی ولدیت سے بے خبر نہیں رکھنا چاہیے ام البنین تو شمیر کو ابھی صرف پسند کرنے لگی تھی اگر اس سے محبت کر بیٹھتی تو کیا وہ دونوں ایک دوسرے کا کبھی سامنا کرپاتے یا بتول بانو بھی خود کو معاف کرپاتی شاید نہیں بلکہ یقیناً" نہیں۔

ناولٹ میں "ہم جان کے ہارے" اچھا رہا ثانیہ کی خود داری نے کافی حد تک متاثر کیا اور غضنفر کی محبت نے بھی رضوانہ جی بیسٹ آف لک۔

"کرن کرن خوشبو" ہمیشہ کی طرح بیسٹ تھا۔ جویریہ جی کی چوائس بہت پسند آئی۔ "یادوں کے دریچے سے"

میں فوزیہ تمرٹ کی ڈائری میں موجود تحریر بہت کچھ یاد دلا گئی باقی سب کی چوائس بھی اچھی لگی۔ "مجھے یہ شعر پسند ہے" میرے بعد انیقہ انا جی کیا چوائس ہے اور اقصیٰ، عذرا ناصر آمنہ عمران، امامہ حبیب اور نوشی کے اشعار دل کو لگے اس سے پہلے کہ ہمارا خط ردی کی ٹوکری کی نذر ہو اس دعا کے ساتھ کہ خدا پاکستان کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے اور ہر پاکستانی کو اس میں امن و سکون سے رہنا نصیب کرے۔ (آمین)

صائمہ امتیاز ساہی..... فیاض گارڈن، منگوال غربی

تمام قارئین کو پیار بھرا سلام

پھول، کلیاں، تبسم ترے نام
دنیا کی تمام خوشیاں ترے نام

اب آتے ہیں کرن کی طرف، کرن اس دفعہ بھی ہمیشہ کی طرح 15 کو ملا اور ٹائٹل ہمیشہ کی طرح خوب صورت اور منفرد تھا۔ لائٹ ڈریس اور لائٹ میک اپ کی بدولت دلہن سیدھی دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

ماہ نومبر کا شمارہ اور اس میں بھی میرا ناول شائع نہیں ہوا اکتوبر میں تو چلو میرے لیے جگہ نہیں ہوگی مگر اب.....؟ آپ مجھے بس اتنا بتا دیں گے کہ وہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں.....

اب آتے ہیں تبصرے کی طرف تو سب سے پہلے بات ہوگی "دردل" کی نبیلہ عزیز ہر ماہ کوئی نیا شوشا چھوڑ دیتی ہیں اور یہ ناول الجھن در الجھن میں مبتلا کر رہا ہے۔ اب زری کے سب سے چھوٹے چچا کہاں سے نکل آئے ہیں۔ محترمہ نبیلہ عزیز جہاں دل چاہے ناول کو لے جائیں مگر پلیز دل آور اور زری کو آپس میں ملا دیں۔

اور رہی بات "دست کوزہ گر" کی تو وہ نمل اور خرم سے نکل کر زونیہ اور خرم میں منتقل ہو چکی ہے۔ نجانے کب شائستہ خالہ اپنے درشن کروائیں گی اور کب زونیہ کھل کر سامنے آئے گی اور روحیلہ کے حالات کب سیدھے ہوں گے میرا دل کرتا ہے میرے پاس جادو کی چھڑی ہو اور "دست کوزہ گر" کے سب کرداروں کو سیدھا کر کے رکھ دوں۔

نفیسہ سعید کی نئی تحریر "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت اچھی اور منفرد لگی اور حد سے زیادہ پسند آئی اس میں سب سے برا کردار مجھے رفیدا کا لگا نجانے ایسے لوگ ہر جگہ وافر مقدار میں کیوں پائے جاتے ہیں۔ اب اس کی آخری اور تیسری قسط کا بڑی شدت سے انتظار ہے۔ پھر ہی تنقیدی جائزہ لوں گی اس کا۔

مکمل ناول میں "سکھ کا دریا، دکھ کا بادل" بہت خوب صورت تحریر تھی سعدیہ عزیز کے حوصلے کو داد دینی پڑے گی کہ مہربانو کے کردار کو شروع سے آخر تک لکھ دیا افسانے سارے ہی اچھے تھے تینوں کے تینوں لاجواب تھے۔

انٹرویوز اور باقی سلسلے بھی اچھے تھے مگر پلیز "سمیع خان" کو بھی دو کے پہاڑے میں بلائیں اور فوزیہ ثمرہٹ کے تفصیلی تبصرے کو تھوڑا سا شارٹ کر دیا کریں جیسے میرا ستمبر کے شمارے میں کیا تھا۔

امید ہے کہ ان تنقیدی باتوں کے باوجود بھی آپ میرے خط کو شائع ضرور کریں گی اور میں آئندہ ماہ پھر سے تفصیلی تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی۔

میری تمام تر پرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ کرن اور کرن کے اسٹاف کے ساتھ رہیں گی خدا آپ سب کو آپ کے مقاصد میں کامیاب کرے۔ (آمین)

ثمینہ طاہر بٹ..... لاہور

تسلیمات! آپ سب کی خدمت میں مشترکہ حاضری کی ٹھوس وجہ ہے۔ ہاں جی! مجھے لگتا ہے کہ لمبے لمبے خطوط اور لمبی لمبی کہانیاں آپ ہر کسی کے نہیں پڑھتے صرف اور صرف خاص لوگوں کے نصیب میں ہی آتی ہے توجہ آپ کی ..... اور میں، میں تو ٹھہری بالکل عام اور معمولی سی بندی

اب تو لگتا ہے کہ سومنات کی طرح اٹھارہ حملوں کے بعد ہی میری شنوائی ہو گی۔ شاید پھر قسمت یاوری کر ہی جائے۔ بہرحال! اس خط کے ساتھ ایک کہانی "ہیں کواکب کچھ" کے نام سے ارسال کر رہی ہوں۔ آپ پلیز اسے ضرور پڑھیے گا۔ میں اللہ کے فضل پر بھروسہ کر کے کہہ رہی ہوں کہ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔ ان شاء اللہ۔

میں آپ سب کی مداح تو پہلے سے ہی ہوں، اب احسان مند اور شکر گزار بھی ہو جاؤں گی۔ امید ہے کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ کیونکہ اب مزید انتظار کی سولی پر نہیں لٹکا جاتا۔ ہر ماہ دل کو آس بندھاتی ہوں اور کہیں اپنا نام و نشان نہ پا کر آس توڑ ڈالتی ہوں

ج: ثمینہ پیاری آپ کی تحریر ہمیں مل گئی ہے پڑھ کر جلد ہی اس کے بارے میں آپ کو بتا دیا جائے گا۔